

خداوند و در صفحه اول
 زمانه نوشتند علی بن ابی طالب و مولود هر دو
 منوی و در صفحه دوم و سوم

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي بَارَكْنَا
 فِيهِ

(Faint, illegible text, possibly bleed-through or a watermark)

حکمت عملی

مصنف

مُحَمَّدٌ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ

۱۹۰۶ هـ

بِإِذْنِ الْمَوْلَانَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي هُرَيْرَةَ
 قَائِمِ الْحَقِّ فِي الْإِسْلَامِ

مصنف
 محمد بن عبد الله بن أبي هريرة

۱۹۰۶ هـ

فہرست مضامین کتاب حکمت عملی

دیباچہ

مقدمہ

حکمت عملی کی تعریف

موجودات عالم - انسان کا رتبہ - حکمت - علم - عمل - حکیم - حرکات
طبعی - حرکات وضعی - تہذیب اخلاق - تدبیر منزل - سیاست بدن
موجودات عالم کا کمال - علم حکمت عملی کی شرافت - حکمت عملی
کا منشاء - خلق طبعی - طلب صادق و سعی -

مقالہ اول

تہذیب اخلاق

باب اول

عقل عملی کی تعریف

انسان کا اعمال پر اختیار - اعمال کی تنقیح - راست و غلط - دنیا کا
مدرسہ -

باب دوم

حقائق نفس الامر اور اشیاء کی معرفت

۱- حصول علم

انسان اور دیگر حیوانات میں ماہ الامتیاز - علم کا فائدہ - علم کی
خواہش - علم کی ضرورت - علم و تجربہ - کتابوں کا انتخاب - علماء

کی صحبت۔ علم کا شوق۔ مشاہدہ۔ علم کی خوشی۔ سائنس کی قوت
علمی تحقیقات۔

۲۔ اشاعت علوم

۳۳-۲۵

علم و عالم۔ مدارس اور اُن کی تعلیم۔ ملکی زبان میں تعلیم۔ تصانیف۔
کتب خانے۔ لیکچر۔ جبری تعلیم۔ اپنے ملک میں تعلیم۔
۳۔ تعلیم نسوان

۳۴-۳۳

کمال کی ضروری شرط۔ مرد و عورت۔ عورتوں کے کام اور
اُن کی ضرورت۔ عورت کے اوصاف۔ عورتوں کو تعلیم کی ضرورت
عورت کا رُتبہ۔ عورت کی خدمات۔ عورتوں کی اخلاقی خصوصیات۔
تعلیم نسوان کا اثر مردوں پر۔ تعلیم نسوان کے خصوصیات۔
(مذہب کی تعلیم۔ اپنی زبان کی تعلیم۔ علم حساب کی تعلیم۔ ہول
خانہ داری کی تعلیم۔ علم حفظانِ صحت و طب و ڈاکٹری کی تعلیم
دیگر مضامین کی تعلیم۔)

باب سوم خدا کا فرض انسان پر مذہب

۳۸

۴۱-۳۸

مذہب فطرتی ہے۔ مذہب کا اثر دلون پر۔ مذہب کا اثر اخلاق پر۔
بے دینی کا اثر۔ تمام آفرینش اپنے خالق کو ظاہر کرتی ہے۔ مادہ
میں قوتِ ارادی نہیں ہے۔ نیچر میں ضابطہ و قانون ہے۔
خدا قوانینِ قدرت کا مقصد ہوتا ہے کہ وہ قوت اور اک و ہم نہیں
ہے۔ کائنات کی کل چیزیں بیکار پیدا نہیں ہوئیں۔ صفاتِ الٰہی
احکامِ مذہب۔ عبادت کا انسان پر اثر۔ عبادتِ کبر و نخوت سے
بچائی اور خود داری قائم رکھتی ہے۔ بے دینی کا سبب۔ مذہب

کی کُنہ حقیقت سمجھنے کے لئے علم مذہب کی ضرورت ہے۔

باب چہارم

اپنی ذات کا فرض انسان پر

۱۔ اصول۔ صحت

۶۱

۸۴-۶۱

صحت کی تعریف۔ صحت کے فائدے۔ طلباء کی صحت۔ صحت قومی ترقی کا سبب ہے۔ علاج ورزش۔ اصلی خوبصورتی۔ سچی تفریح۔ پرہیزگاری ممد صحت ہے۔ تہذیب کا اثر صحت پر۔

۱۰۴-۸۴

۲۔ رنج و راحت

انسان کا مقصد۔ دنیا کی حالت۔ سامان ظاہر مسرت بخش نہیں ہوتے۔ اسباب دنیا کی افراط اور حسن تلاش لذت میں انسان کی غلط فہمی۔ موجودات عالم میں ہر چیز مسرت بخش ہے۔ موسم بہار کی دلچسپیاں۔ علم حیوانات کی دلچسپیاں۔ پھولوں کی بہار۔ مناظر قدرت کی دلچسپیاں۔ فنون لطیفہ کی دلچسپیاں۔ نظم کا اثر۔ موسیقی کا اثر۔ امید کی مسرت۔ مصروفیت رنج و فکر دور کرتی ہے۔ خوشی حاصل کرنے کا طریقہ۔ مشکلات کا حل کرنا خوشی بخشتا ہے۔ انسان خود مصائب پیدا کرتا ہے۔ خیالی تکالیف۔ مشکلات سبق آموز ہیں۔ تکالیف کے اسباب۔ راحت و رنج کے ذرائع۔ انسان کی ذات میں خوشی حاصل کرنے کی قوت۔ املاک و روپیہ کی خوشیاں۔ عزت خوشی بخشی ہیں۔ عورتوں کی عصمت اُن کی عزت اور خوشی کا باعث ہے۔ خوشی کا اثر۔

باب پنجم
اکتساب محامد اخلاق

۱۰۵

۱۱۳-۱۰۵

۱۔ رویت

زندگی کی قیمت کام کی عمدگی پر منحصر ہے۔ خود انسان کی نظر میں اپنا رویہ عمدہ ہونا چاہئے۔ ترقی دل خوش کن ہوتی ہے۔ اعمال کی عمدگی اصلی ترقی ہے۔ جنٹلمین۔ خوش رویہ کی قومی عزت کا سبب ہے۔ خوش رویہ کی کامیابی کی اصل ہے۔ مذہب و اخلاق عقل کا اثر انسان پر۔ قوم کی حالت کن لوگوں سے معلوم ہوتی ہے۔ قومی تنزل کے آثار۔

۲۔ امراض نفسانی

امراض نفسانی کی شناخت میں مشکلیں۔ امراض نفسانی کی شناخت کے طریقے۔ مریضوں کی مختلف حالتیں۔ صحت و علالت کی حالت۔

۳۔ تہذیب قوار و نفسانی

اعضاء ظاہری و باطنی کے کام۔ قوت ادراک۔ قوت تحریک۔ عقل۔ نفس ناطقہ۔ قوت غضبی۔ قوت شہوی۔ علم و حکمت۔ حلم و شجاعت۔ عفت و سخاوت۔ عدالت۔ حکمت کے پھل۔ (ذکا۔ حسن تعلیم۔ حسن تعقل۔ تحفظ۔ تذکر۔ کبر نفس۔ بخت۔ علو ہمت۔ ثبات۔ حلم۔ سکون۔ شہامت۔ تحمل۔ تواضع۔ حمیت۔ رقت۔ حیا۔ رفق۔ حسن ہمدی۔ مسالمت۔ دعوت۔ صبر۔ قناعت۔ وقار۔ ورع۔ انتظام۔ حریت۔ سخا) عدالت کے پھل۔ (صداقت۔ الفت۔ وفا۔ شفقت۔ صلہ رحم۔ مکافات۔ حسن شرکت۔ حسن قضا۔ توؤد۔ تسلیم۔ عبادت) سعادت نامہ۔ سعید و ریاکار۔ فضیلت و رذیلت۔ سفہ۔ بلہ۔ تہور۔ جہن۔ شرہ۔ خمود۔ جور۔ قوار کی تہذیب کی ترتیب۔ موجودات عالم میں ہر شے کا کمال۔ لذت کی ماہیت

باب ششم نفس ناطقہ کی تہذیب

۱- فرض

انسان کے تعلقات اور اون کے فرائض - اداے فرائض کی برکتیں - اداے فرض کے خیال میں ہرج اور نقصان ڈالنے والے امور - قومی ترقی اداے فرائض سے ممکن ہے -

۲- کانٹنشنس یعنی نفس لوامہ
کانٹنشنس کے فوائد - کانٹنشنس کو ترقی دینے کا طریقہ - کانٹنشنس اعتقادات پر اثر نہیں ڈالتا - خواہشات پر حکمرانی -

۳- اخلاقی جرأت

اخلاقی جرأت کی تعریف - مشکل کی حقیقت - اخلاقی جرأت کے فوائد - سچی بہادری - بعض اوصاف جو اخلاقی جرأت ظاہر کرتے ہیں - خوف دل کی بیماری ہے - اخلاقی جرأت کی عورتوں میں ضرورت -

۴- استقلال

کامیابی کے لئے استقلال ضرور ہے - استقلال کے فائدے - کامیابی کا راز - مشکین انسان کو پختہ کرتی ہیں - مشکین قوموں کی ہمت بڑھاتی ہیں -

۵- عزیمتِ تامہ

ارادہ - عزیمتِ تامہ کے لئے علم و قوت تیز کی ضرورت ہے - عزیمتِ تامہ کے فوائد - انسان صرف اپنی کوشش سے کامیاب ہوتا ہے - عزیمتِ تامہ خوشی بخشی ہے -

۶- خودداری

خودداری کی تعریف - خودداری اور خود پسندی میں فرق - انکسار تکبر و تواضع -

۷۔ خود اعتمادی

اپنی ذات پر بھروسہ۔ ہمت مشکلیں حل کرتی ہے۔ خود اعتمادی انسان کو محتاط رکھتی ہے۔ بلند ہمتی۔ دوسروں کی معاونت کا برا اثر۔ خود اعتمادی کی تعلیم۔ کم ہمتی قومی تنزل کا سبب ہے۔

۸۔ محنت

محنت العاماتِ قدرت کی اُجرت ہے۔ محنت کی ضرورت صرف غریبوں پر محدود نہیں ہے۔ کاہلی۔ محنت سے بچنا مصیبت زیادہ کرتا ہے۔ افراط محنت مضر ہے۔ معتدل محنت مسرت بخش ہے۔ محنت کے پھل۔ باقاعدہ محنت۔ دماغی محنت۔

۹۔ وقت کی قدر

وقت کو کام میں لانے کے فائدے۔ باقاعدگی۔ ہر وقت کے لئے ایک کام ہے۔ تضييع اوقات۔ طالب علموں کا وقت۔

باب ہفتم
نفس غضبی کی تہذیب

۱۔ حلم

حلم مشکل ہے۔ قوت غضبی کی خاصیت۔ قوت غضبی کی ضرورت۔ شدتِ غضب کے اسباب۔ قوت غضبی کے لحاظ سے انسان کے طبائع میں اختلاف۔ کن حالتوں میں غصہ جائز یا ناجائز ہے۔ حمد۔ برداشت۔ صبر۔

۲۔ انکسار

خود بینی۔ عالم اپنی جہالت کو جانتا ہے۔

۳۔ اطاعت

اطاعت کے معنی۔ قوانین کی اطاعت۔ بزرگوں کا اطاعت۔

اطاعت کی ضرورت۔

باب ہشتم نفس شہوانی کی تہذیب ۱۔ عفت

۱۸۰

۱۸۲-۱۸۰

انسان میں خواہشات شہوانی کی ضرورت۔ افراط و تفریط۔ اعتدال۔
لذائذ دنیا۔

۱۸۹-۱۸۲

۲۔ پرہیزگاری
مآکل و مشارب۔ ممنوعات۔ شراب۔ الکحل۔ شراب کا اثر اعضاء
بدن پر۔ شراب کی خواہش۔ شراب کا اثر اخلاق پر۔ امراض جو
شراب سے پیدا ہوتے ہیں۔ افیون۔ گانجہ۔ بھنگ۔ تمباکو۔

۱۹۲-۱۸۹

۳۔ عصمت
خواہش نکاح کی ضرورت۔ انسان کی غلطی۔ حرص۔ حیا۔

مقالہ دوم

۱۹۳

تدبیر منزل باب اوّل امور نافعہ

۱۹۳

۱۹۹-۱۹۳

۱۔ گھر کی عام حالت

تدابیر اولے اور تدابیر ادنیٰ۔ گھر کا اثر۔ رئیس منزل۔ انتظام خانہ میں
محبت و اعتماد کی ضرورت۔

۲۰۳-۱۹۹

۲۔ محبت

محبت کی ضرورت۔ محبت کا اثر۔ محبت طبعی۔ محبت کے مدارج۔ محبت
ارادی۔ اسباب محبت۔ محبت خوشی بخشی ہے۔

باب دوم اقربا

۳۰۳

۳۰۳-۳۰۴

۱- محبت والدین

بزرگوں کا ادب اور اطاعت۔ مان باپ کے احسانات۔ مان باپ کی خدمت فرض ہے۔

۳۰۴-۳۰۸

۲- برادرانہ محبت

برادرانہ محبت قومی محبت کی اصل ہے۔ وراثت کے جھگڑے۔
برادرانہ معاونت۔

باب سوم تاہل

۳۰۸-۳۳۳

مناکحت کی خواہش۔ تاہل کے آرام۔ نسبت کی تلاش۔ شادی قبل از وقت۔ شادی سے قبل حقوق زوجیت کا علم ضرور ہے۔
انتخاب۔ (عادات و اخلاق۔ عمر۔ صحت۔ شرافت۔ خاندان۔ عصمت۔ پرہیزگاری۔ محنت کی عادت۔ کفایت شعاری۔ صفائی۔ انتظام خانہ داری کی لیاقت۔ اخلاق حمیدہ۔ حسن صورت) اتفاق و اتحاد۔

باب چہارم اولاد

۳۳۳

۳۳۳-۳۴۰

۱- پرورش اولاد

بچے خوشی بخشتے ہیں۔ بچوں کی محبت۔ اولاد کی پرورش۔ اناؤن کی صحبت کا اثر۔ پرورش کے اصول

۳۴۰-۳۵۴

۲- تربیت اولاد

تربیت میں عورتوں کا حصہ۔ مثال کا اثر اخلاق پر۔ بچوں کی آزادی

کا سبق - اطاعت کا سبق - صحت کا سبق - خودداری کی تعلیم -
تعلیم و تربیت کا طریقہ - طرز تعلیم - بچوں کو سزا دینا - اخلاقی
تعلیم کے طریقے - گھر کا اثر - لوکروں کا اثر - معلم کا اثر - بچپن کی
عادات کا اثر -

باب پنجم مال و دولت

۲۵۳-۲۵۴

دولت کی ضرورت - دولت اطمینان بخشی ہے - دولت کے فائدے
توکل کی تعریف - قناعت - کفایت شعاری - مفلس قومین -
کفایت شعاری کے اصول - بخل - سقراط کا قول -

باب ششم مکان

۲۴۹-۲۵۰

منزل کی تعریف - مکان کی وضع -

مقالہ سوم

سیاست مدن

باب اول

گورنٹ

۲۵۹

۲۵۹

۲۵۵-۲۵۹

۱- تمدن کی حاجت اور ابتدا

انسان کو تمدن کی ضرورت - تمدن میں انسان کی آزادی - قاضی -
بادشاہ - خراج - سلطنت - خود سری کی حالت کی دقتیں -

۲۸۳-۲۸۵

۲- جمہوری سلطنت

سلطنت کے کام - وضع قانون - قانون کا منشاء - عدالت -
حفاظت مال - حکمران کے بعض اختیارات - قیام امن -

۳۔ حالت جنگ

انسان سے مختلف عادات و خواص کا ظہور۔ جنگ۔ دشمنی۔ حق
حفاظت خود اختیاری۔ ناجائز فتح۔ مستحقین کی فتح۔

۴۔ قانون

انسان کی عقل کے نتائج۔ انسان کا ارادہ۔ انسان کو راہ نہائی
کی ضرورت۔ انسان کو حفاظت کی ضرورت۔ گورنمنٹ۔ قوانین
گورنمنٹ کے فرائض۔ آئین مملکت۔ ضوابط انتظام۔ قانون
سیونسپلیٹی۔ قوانین انتظام عامہ۔ قانون فوجداری۔ قانون
دیوانی۔ انسان کے حقوق کی حفاظت قانون کا فرض ہے۔
حق حفاظت خود اختیاری۔ جان کی حفاظت۔ رتبہ کی حفاظت
خاندانی حقوق کی حفاظت۔ عزت و نام کی حفاظت۔ مال کی
حفاظت۔ اوقاف کی حفاظت۔ معاہدہ کی حفاظت۔ حق وراثت۔
قانون کا اثر۔ اخلاق کا اثر۔ اخلاق اور قانون کے اثر میں فرق۔
قانون کی ضرورت اور فائدے۔ قانونی سزا۔ خوف کا اثر۔ اخلاقی سزا۔

۵۔ آزادی

انسان میں آزادی کا مادہ۔ ابتدائے تمدن میں آزادی کی کیفیت۔
آزادی کے فوائد۔ آزادی کی تعریف۔ حقوق و فرائض۔ انسان
کی آزادی کی حد۔ غلامی کی حالت۔ قانونی آزادی۔

۶۔ ٹیکس

گورنمنٹ کے کام۔ گورنمنٹ کو روپیہ کی ضرورت۔ ٹیکس۔ ٹیکس
وصول کرنے کے طریقے۔ اسٹامپ۔

باب دوم

معاملات

۱۔ انسان کی ضرورتیں اور اُنکے پورے ہونے کی عام تدابیر
انسان کی ضرورتیں۔ حق استعمال کے لئے ملکیت شرط ہے۔ محنت
حق ملکیت قائم کرتی ہے۔ کوئی شخص اپنی قوت سے زیادہ محنت
نہیں کر سکتا۔ انسان کی حاجتوں کی کثرت۔ تبادلہ اشیاء۔ معاملات
تبادلہ اشیاء میں وقتیں۔ روپیہ۔ روپیہ بالواسطہ حاجت روائی
کرتا ہے

۲۔ صنعت و حرفت

پیداوار دولت کے ذرائع۔ زمین۔ محنت۔ محنت کی تقسیم و تالیف۔
تقسیم محنت کے فوائد۔ تالیف محنت کا فائدہ۔ کاریگر کے اخلاقی
اوصاف۔ کاریگروں کو تعلیم کی ضرورت ہے۔ مشین کا استعمال
اور رواج۔ راس المال۔ مشترکہ کمپنیاں۔ تعلیم صنعت و حرفت۔

۳۔ تجارت

تجارت کی ضرورت۔ قیمت کی کمی و بیشی کے اسباب۔ طلب کا
قیمت پر اثر۔ اناج کی قیمت۔ اصول تجارت کی معلومات کی ضرورت۔

۴۔ زراعت

زراعت کی شرافت۔ اہل ملک کو زراعت کی طرف توجہ نہیں۔ زراعت
کی ضرورت۔ زراعت کی تعلیم۔ پیداوار زمین کی تقسیم۔ زراعت
کے لئے آلات اور مشینوں کا استعمال۔

۵۔ مزدوری اور تنخواہ

کام کے فرق سے مزدوری کی نوعیت میں فرق نہیں آتا۔ مزدوری
کی مقدار۔ تنخواہ۔ اجرت۔ کام کی سہولت اور خوشگواہی۔

باب سوم

بنائے جنس کے ساتھ مدارات

۱۔ عام لوگوں کے ساتھ مدارات کا طریقہ

خوش اخلاقی۔ کاروباری آدمی کو خوش اخلاقی کی ضرورت۔
مختلف لوگوں کے ساتھ مدارات کے طریقے۔ دوستانہ حقیقی
کے ساتھ مدارات۔ دوستانہ غیر حقیقی کے ساتھ مدارات۔
دشمنوں کے ساتھ مدارات۔ عام لوگوں کے ساتھ مدارات۔

۲۔ سیاست خد

لوگوں کے ساتھ مہربانی۔

۳۔ ہمدردی

ہمدردی کے مدارج۔ ہمدردی کا اثر۔ انسانیت۔ عالی حوصلگی۔
ہمدردی پیدا کرنے کا طریقہ۔ جانوروں سے بدسلوکی۔

۴۔ دوستی

دوستی کے فوائد۔ دوست کی رائے۔ دوستوں کی نکتہ چینی غلط فہمی
سچے اور جھوٹے دوست۔ برے دوستوں کا اثر۔ لایق دوستوں
کا اثر۔ مردم شناسی کی ضرورت۔

۵۔ سخاوت

سخاوت کی تعریف۔ سخاوت کے پھل (کرم)۔ ایثار۔ عفو۔
مروت۔ نیل۔ مواسات۔ سماحت۔ مسامحت (دوسروں کو
دینے کے اقسام۔ زکوٰۃ و صدقہ کی شرائط۔ سخاوت کا غلط
طریقہ۔ خیرات کا صحیح طریقہ۔

باب چہارم
آداب معاشرت

آداب معیشت کی تفصیل۔ تہذیب۔

۱۔ گفتگو

گفتگو کے نتائج۔ زبان کے کام۔ صداقت کا اثر قوم پر۔
بحث و تکرار۔ فحش۔ تضحیک۔ اپنا ذکر۔ راز۔ رائے۔ مزاح
غیبت۔

۴۰۲-۳۹۹

۲۔ لباس

لباس کی ضرورت صرف انسان کو ہے۔ لباس کی غرض۔
لباس کی وضع۔ کپڑوں کی خاصیتیں۔ لباس کی صفائی۔
لباس کی خصوصیت۔

باب پنجم

رسم و رواج

۴۰۴-۴۰۲

قواعد کی پابندی فطرت انسان میں داخل ہے۔ رسوم کے
پیدا ہونے کے اسباب۔ رسم و رواج کا اثر۔ رسم و رواج کی
اصلاح۔ رسموں میں عورتوں کا حصہ۔

باب ششم

انسان بہ حیثیت رکن قوم

۴۰۴

۴۱۱-۴۰۴

۱۔ حب وطن

وطن کی خصوصیات۔ ملک و وطن کی اصلی محبت۔ قومی
عظمت۔ قومی عزت۔ قومی محبت کا اثر۔

۲۔ قومیت

۴۱۳-۴۱۱

قومی ترقی اور تنزل۔ ہر شخص قوم کو بناتا یا بگاڑتا ہے۔
دنیا کا مدرسہ قوم کا تعلیم گاہ ہے۔

خاتمہ

زندگی کی محبت۔ زندگی کی محبت فطرتی ہے۔ زندگی کی محبت
کی وجہ۔ موت کا خوف۔ موت کی تکلیف۔ موت کی
ماہیت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ

دیباچہ

باز گلبانگ پریشان مے زخم آتے در عندلیبان مے زخم
بسکہ لذت دوستم یک لخت دل بر ستارِ صد نگدان مے زخم
افراد انسان کی حالت ظاہری و باطنی میں اس قدر اختلاف ہے
اور ان میں بلحاظ صورت و سیرت - علم و کمال اس قدر تفاوت ہے
کہ یہ بتانا مشکل ہے کہ اوس کے مدارج کس قدر ہیں - ایک طرف
انسان کا اونٹن درجہ اس قدر مبتذل ہے کہ بعض حیوان جن کو قدرت
نے عقل حیوانی عطا فرمائی ہے اوس سے بہتر ہیں - دوسری طرف
اوس کا رتبہ اس قدر اعلیٰ ہے کہ ممکنات میں سے کوئی اوس کے مرتبہ
اور شان کو نہیں پہنچتا - خود ایک ہی شخص سے مختلف اوقات میں
ایسے مختلف افعال کا ظہور ہوتا ہے کہ اوس کی فطرت اور اصلی طبیعت کا

لے لے اللہ تو پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنا تو نے سکھایا تو ہی ہے عالم اور حکیم ۱۲

پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ وہ خود بھی دھوکہ کھاتا اور اپنی جبلت کو
 نہیں پہچان سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان شیون مختلفہ کا مظہر
 ہے اور فطرت نے طرح طرح کی خاصیتیں اور انواع و اقسام کی قوتیں
 اوس میں جمع کی ہیں۔ اور جس وقت جس خاصیت اور جس قوت کا
 تقاضا غالب ہو اوسی کے موافق افعال اوس سے صادر ہوتے ہیں۔
 لیکن اس دنیا میں ایسے اشخاص بھی ہیں جن کے اخلاق میں ہمواری
 اور عادات میں استواری پائی جاتی ہے۔ اور اون سے ہر حالت میں
 قاعدہ عدالت کے مطابق افعال کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ
 نہیں ہے کہ اون کی فطرت نیچر کے عام قاعدہ کے خلاف ہے۔ بلکہ
 یہ باعث ہے کہ اون میں اپنی مختلف قوتوں کو منتظم رکھنے کی طاقت و
 ملکہ ہے اور یہی ملکہ انسانی کمال کا ایک درجہ ہے۔ **علم اخلاق** وہ
 اصول سکھاتا ہے جن پر کاربند ہونے سے ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ
 افعال محمود انسان سے بالآراہہ صادر ہونے لگیں اور انسان اوس
 سعادت کے حاصل کرنے کی طرف مائل ہو جو انسانی زندگی کے لئے
 اقصی الغایات ہے۔

بعد ارادہ

اس عالم میں انسان کے اقتدارات جس قدر زیادہ وسیع ہیں۔
 اوس کی ذمہ داریاں بھی اوسی قدر زیادہ ہیں۔ یہ جس قدر زیادہ مقتدر
 ہے اوسی قدر زیادہ محتاج ہے۔ جس قدر زیادہ دانشمند ہے اوسی قدر
 زیادہ اسے رہنمائی کی حاجت ہے۔ ایک حیثیت سے جس قدر زیادہ
 قوی ہے دوسری حیثیت سے اوسی قدر زیادہ ضعیف ہے۔ جس قدر
 ترقی اور بلندی کی طرف پرواز کر سکتا ہے اتنا ہی پستی کی طرف تنزل
 کر سکتا ہے اور وہ چیز جو اوس کو بلندی و ہدایت کی طرف اُبھارتی
 یا پستی و ضلالت کی طرف دھکیلتی ہے اوس کی معلومات اوس کا دل

اوس کے خیالات اوس کی خواہش اور اوس کا ارادہ ہیں۔

جب کسی قوم میں تنزل شروع ہوتا ہے تو پہلے اوس کے خیالات میں فساد و ردائت پیدا ہو جاتی ہے اور حقیقت کا میلان جاتا رہتا ہے اور اوس کی عمدہ عمدہ قوتیں بے محل صرف ہونے لگتی ہیں۔ جو برا نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً دولت فلاح اور بہبودی کے کاموں میں صرف کی بجائے عیاشی اور غیر مستحقین کی پرورش میں خرچ ہوتی ہے۔ علم سے معارف یقینی کے اکتساب کی بجائے مذہبی نزاع اور اعتقادات باطل کی ترویج کا کام لیا جاتا ہے۔ شاعری سے عمدہ جذبات کی بجائے ناپاک اثر پھیلانے جاتے ہیں لہذا کسی شخص یا کسی قوم کے خیالات کی اصلاح کرنی اوس میں ترقی کی روح بھونکنی ہے۔ جس طرح لباس میل اور چرک کے دھونے سے پاک ہوتا ہے۔ انسان تخیلات فاسدہ کی اصلاح سے نیک اور سعید ہو سکتا ہے۔ انسان کی دینی اور دنیوی ترقی کا مدار اعمال پر ہے۔ اور اعمال نتیجہ ہیں اوس کے خیالات یا اوس کی طبعی تھریکون کا۔

ہر زمانہ میں لوگوں کے طرز معاشرت۔ طریق تمدن۔ سلطنت و تجارت۔ صنعت و حرفت۔ رسم و رواج اور آؤر بہت سے خارجی اسباب سے اون کی ضرورتوں اور ساتھ ہی اون کے خیالات میں فرق پیدا ہو جاتا ہے جو لوگوں کے اخلاق میں بھی تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اس واسطے ہر زمانہ میں ایسے اخلاقی اصول کے دریافت اور تحقیق کی ضرورت واقع ہوتی ہے جو موجودہ حالات کی مناسبت سے سعادت کے حصول میں مدد دین۔ میں نے بھی جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا۔ اس کتاب کو اس زمانہ اور اس ملک کی ضرورتوں کے قابل بنانے کی کوشش کی ہے۔ اور افراد انسانی کی روحانی ارتقا کی تدبیر کے

ساتھ ساتھ قومی ترقی اور عزت حاصل کرنے کے اصول بھی بیان کئے ہیں
چونکہ معاشرت اور تمدن کی اصلاح کے لئے عورتوں کی حالت کی اصلاح
اور حقوق کی نگہداشت ضرور ہے لہذا موقعہ بوقتہ اس کا ذکر بھی کیا
ہے۔ میں نے اس تمام کتاب میں جو بات زیادہ تر ملحوظ رکھی ہے
اوس کا نواب مہتمم یار الدولہ بہادر نے اپنے ریویو میں جو کتاب کا
مسودہ ملاحظہ فرما کر لکھا تھا اس طرح ذکر کیا ہے :-

”اس کتاب میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کو آزاد
دلیر غیر متذہب با حوصلہ۔ پر جوش ہونے اور مہمات امور پر نظر
رکھنے۔ جائز آرام اور لہذا کا حظ اٹھانے کی تعلیم دی گئی
ہے۔ کیونکہ قوت فاعلہ کی ترقی سے انسان میں بلند وصلگی
پیدا ہوتی ہے اگرچہ قوت منفعلہ کی خوبیاں بھی جا بجا
بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس انداز سے ہیں کہ اُن کا میلان
پست ہمتی کی طرف نہ ہو“

۱۵۔ مہتمم علی نام ممتاز یار الدولہ خطاب ہے۔ پٹن صرف خاص کے کپتان ہیں اگرچہ زمرہ
اہل سیف میں داخل ہیں لیکن علی مذاق اور اہل علم کی قدر دانی ان کی طبیعت کا خاص وصف
ہے۔ حیدر آباد کے ایجوکیشنل بورڈ کے ممبر اور مدرسہ آصفیہ کے سکریٹری ہیں۔ اس کے علاوہ
انجمن اصلاح تمدن کے پریسیڈنٹ ہیں۔ یہ انجمن ۱۸۹۵ء میں خاص آپ کی کوشش سے قائم
ہوئی۔ اہل فوج میں تمدن و معاشرت کی اصلاح کرنی اور اون کے خیالات کو درست کرنا
ایک ضروری اور اہم کام ہے جو یہ انجمن انجام دیتی ہے۔ مجھ کو نواب صاحب کی خدمت میں مدت
سے شرف نیاز مندی حاصل ہے۔ نہایت متواضع خوش اخلاق۔ صاف دل شخص ہیں۔ اس
کتاب کی اشاعت میں جو دلچسپی انہوں نے ظاہر فرمائی اوس کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر فرض ہے۔

ہندو کمال کی قدر دانی اس خاندان کا حقد ہے ۱۸۹۵ء میں حضرت بندگان عالی کے
جشن چل سال سالگرہ کے موقع پر نواب لیاقت جنگ بہادر جو ان کے حقیقی بڑے
بھائی ہیں شائش کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے تو انہوں نے ملک کی صنعت و حرفت کی سرپرستی کے علاوہ
ایک کام یہ بھی کیا کہ اہل ملک کی تصنیفات کو ہندوستان کے ہر گوشہ تک پہنچانے کا

علم اخلاق صرف تمدن کی درستی اور قیام کے لئے ہی ضروری
 نہیں ہے بلکہ سائنس کی ترقی بھی مکارم اخلاق پر منحصر ہے کہ انسان
 کسی حقیقت نفس الامر کے معلوم کرنے یا دنیا کو کسی نئی تحقیقات
 سے فائدہ پہنچانے کے لئے تکلیف و محنت برداشت کرتا ہے۔ اور
 اس واسطے نوع انسان کے دونوں گروہوں کو سب سے پہلے اس
 علم کا مطالعہ کرنا فرض ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بہت کم اشخاص ایسے
 اکتساب کی سعی کرتے ہیں۔ ہر شہر میں اگرچہ کثرت سے مدارس قائم ہیں
 لیکن علم اخلاق کی طرف سے اس قدر ذہول ہو گیا ہے کہ لوگ
 اپنے نفس کا علم بھی نہیں رکھتے اور بجائے اوس کا تزکیہ و تنزیہ کرنے کے
 بے سود مشاغل میں سرمایہ عمر خراب اور برباد کر رہے ہیں۔ اون میں
 سے وہ جو ہر مٹ گئے اور مٹتے جاتے ہیں جو کسی قوم یا کسی ملک کے
 نام کو چمکانے اور روشن کرنے والے یا اوس کو ترقی دینے والے ہوں
 اور یہ حالت زیادہ تر اوس شہر کے باشندوں کی ہے جو ہندوستان
 کا پایہ تخت علم و ہنر تہذیب و شائستگی فضل و کمال کا معدن تھا
 جس کی خاک سے سیکڑوں من چلے بہادر۔ عالی دماغ مدبر۔ روشن
 خیال فیلسوف۔ مسیحا نفس حکیم۔ شیرین مقال شاعر۔ سحر بیان نثر۔
 تبھر عالم۔ پاک باطن صوفی۔ بے ریا زاہد۔ پیدا ہوئے۔ لیکن آج
 وہ ایک تجارت کی منڈی ہے۔ اور وہ ساری خصوصیتیں مٹ گئی
 ہیں جو اوسے ہندوستان کے شہروں میں ممیز و ممتاز کئے ہوئے تھیں
 یہ حالت دیکھ کر دل بھرا آتا تھا اور اپنی حالت زار پر خود ہی مرثیہ
 پڑھنے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن نوح خوانی اوس درد کا علاج نہ تھا
 بلکہ علاج ایک ایسا نسخہ تجویز کرنا تھا جو امراض نفسانی کا استیصال

کرنے والا ہو۔ یہ کام جس قدر ضروری اور مفید تھا سچا و جیسے
 بے کمال اور بے استعداد شخص کے لئے اسی قدر مشکل تھا۔ لیکن
 قدرت کی فیاضیان بعض اوقات اپنی بیش بہا بخششوں کے لئے
 بہانہ ڈھونڈ لیتی ہیں۔ مولوی بشیر الدین احمد خان صاحب
 کی مہربانیوں نے نہ صرف دکن کو وطن بنا دیا بلکہ خیال کا دامن
 حکمت اور حقیقت کے جواہر ریزوں سے بھر دیا۔ میں نے صرف
 اتنا کیا کہ بزرگوں کی فیض تعلیم و تربیت اور حکماء کی کتابوں کے
 مطالعہ سے نفوس انسانی کی ترقی کے جو اسباب معلوم ہوئے وہ
 ایک جگہ اکٹھا کر دئے تاکہ میرے ہموطنوں کو جو اصلاح حال پر
 متوجہ ہوں ایک دستور العمل مل سکے۔ حکمت کے موتی جو ہر قوم اور

مولوی نواب بشیر الدین احمد خان صاحب دلی کے خاندانی رئیس ہیں انکے دادا نواب
 رکن الدولہ بہادر اکبر شاہ ثانی کے وزیر اور رکن دہار تھے۔ ریاست و امارت کے علاوہ علم و
 کمال کا حقہ قدرت نے خاص طور پر عطا فرمایا۔ حق پسند طبیعت اور حقیقت شناس آنکھ رکھتے
 ہیں۔ شہداء کے غدر کے بعد جب دلی کی صورت اور ساتھ ہی دمان کے خاندانوں کی
 حالت بدل گئی تو دکن کا رخ کیا۔ اور ابتدا سے منصبائے جلیلہ پر ممتاز رہے۔ ہر محکمہ
 میں اپنے حسن انتظام تدبیر و جفا کشی سے نمایان اصلاحین کیں۔ ریاست کی وفاداری
 اور خیر اندیشی کے ساتھ دیانت و صداقت کا جوہر طبیعت میں راسخ ہے۔ بلند حوصلہ۔
 فراخ دل۔ عالی دماغ اور روشن خیال شخص ہیں۔ اور اپنے افعال و اقوال کو حکمت کے
 اصول کا پابند رکھتے ہیں۔ حکمت و فلسفہ کے مسائل باتوں باتوں میں اس طرح سمجھاتے
 ہیں کہ دل پر نقش کا لچر ہو جاتے ہیں۔ اس بے کمال نے برسوں اون کے فیض صحبت اور
 مثال سے سب حاصل کیا ہے میرے حال ظاہر اور باطن کی اصلاح میں ہمیشہ مربیانہ شفقت و
 توجہ فرماتے ہیں۔ اخلاق کی کئی کتابیں میں نے مولوی صاحب سے سبقاً سبقاً پڑھی ہیں اور
 مضامین میں اصلاحین لی ہیں۔ چونکہ خود صاحب کمال اور فضل و کمال کے جوہری ہیں۔
 علمی اور ملکی خدمتوں میں ذوق و شوق سے حقہ لیتے ہیں۔ باوجود عظیم الفرستی کے اس
 کتاب کی تمام و کمال اصلاح اون ہی کی فرمائی ہوئی ہے۔

ہر ملت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء نے اپنی عالی دماغی وسیع معلومات
 اور عمر بھر کے تجربوں کے ذریعہ سے بہم پہنچائے مشرق سے مغرب
 تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اون کو جابجا سے چنگر سلک مروارید بنانا
 مجھ جیسے کوتاہ نظر شخص کے لئے ایک مشکل کام تھا۔ لیکن شوق اور
 اس امید نے کہ شاید میری ناچیز کوشش اہل ملک کے لئے مفید
 ثابت ہو چین نہ لینے دیا۔ اور یہ مجموعہ تیار کیا۔ اگر یہ اُمید پوری ہوئی
 تو میری محنت ٹھکانے لگ جائیگی۔

محمد سجاد مرزا بیگ

حیدر آباد دکن
 { ۱۴- جنوری ۱۹۰۶ء



مقدمہ

حکمت عملی کی تعریف

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

کائنات کے مینا بازار میں جتنی چیزیں صنّاع قدرت نے آراستہ کی ہیں اصطلاح میں موجودات عالم کہلاتی ہیں۔ یہ تمام چیزیں اپنی نوعیت اور وضع کے لحاظ سے مختلف اور ساخت کے لحاظ سے عجیب و غریب صنعت و کمال کا نمونہ ہیں کہ ان سے بہتر اور اعلیٰ اس وقت تک پیدا نہیں ہوا جس طرح ان کی صورت اور ظاہری کیفیت مختلف ہے اسی طرح ان کے فوائد اور اغراض بھی جدا جدا ہیں اور ہر چیز فی حد ذاتہ ایسی کامل ہے کہ نہ صرف اس کی صورت ہی نظر فریب اور دوکان آفریش کی آرائش کا باعث ہے بلکہ اس سے وہ غرض بھی جس کے لیے وہ بنائی گئی ہے بہت اچھی طرح پوری ہوتی ہے۔

اس بوقلمون سامان میں ایک کل کا پتلا ہے جس کا نام "انسان" ہے۔ یہ پتلا بلحاظ خلقت تو موجودات عالم کا جزو اور مینا بازار کی ایک نمائشی شے ہے لیکن اس سارے نگار خانہ کا تماشائی بھی ایک یہی ہے اور کل چیزوں پر اس طرح حاوی اور متصرف ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں کوئی صفت ایسی خاص ہے جو دیگر موجودات میں نہیں۔ اور یہہ نہ صرف تمام مخلوقات میں زیادہ شریف ہے بلکہ خالق سموات والارض کی طرف سے اس تمام کارخانہ کا جسے دنیا کہتے ہیں خلیفہ اور ایجنٹ بھی یہی مقرر ہوا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْہِیْ نَبِیٍّ لِّکُمْ خَلِیْفَہٗ انسان کو اس دنیا میں مرتبہ تو بہت بڑا ملا ہے کہ سارے عالم میں اشرف المخلوقات اور خلیفہ خدا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی ذمہ داریاں اور فرائض کی سختیاں بھی اس قدر ہیں کہ لے ترجمہ اللہ تعالیٰ جب کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دیتا ہے اس کو بہت سی نیکیاں دیتا ہے۔

موجودات عالم

انسان

انسان کا رتبہ

اور پھر وہ اسے رتبہ سے لے کر اس سبب سے تمام انسان اشرف مخلوقات ہیں بلکہ صرف
 وہی انسان اشرف و اعلیٰ ہیں جن کی ذات میں وہ اوصاف موجود ہوں جو شرافت و کمال
 تک پہنچانے والے اور اس اعلیٰ خطاب کے شایان بنانے والے ہیں۔ یہہ صفت جو
 انسان کو دوسری تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ کرتی ہے۔ ”حکمت“ ہے۔

حکمت ہے تو جو ہر ماں لفظ لیکن اس کے معنی اتنے وسیع ہیں کہ اس میں علم و عمل کی وہ
 تمام باتیں شامل ہیں جنہیں انسان کو کمال حاصل کرنے کے لیے جانتا اور اون پر کار بند ہونا
 چاہیے۔ ”علم“ موجودات کی حقیقت اور احوال کے جاننے کو کہتے ہیں تاکہ جہاں تک انسان
 سے ممکن ہے وہ کسی خاص شے کی حقیقت جیسی کہ فی الواقع ہے معلوم کرے اور ”عمل“ یہ ہے کہ
 جہاں تک انسان سے ہو سکے ایسے مفید اور بکار آمد امور پر کار بند ہو جن کی مزا و نفع و مہارت
 اوس کے نقصوں کو دور کرے اور خود اوس کی ذات میں ایسا ملک پیدا ہو جائے جو کمال تک
 پہنچانے والا ہو۔ جس شخص کو یہ دونوں باتیں اچھی طرح حاصل ہوں وہ حکیم کہلاتا ہے اور اوس کا رتبہ
 دوسرے انسانوں سے زیادہ بلند اور زیادہ اعلیٰ ہوتا ہے پس حکمت نہ صرف علم ہی بلکہ عمل پر بھی
 شامل ہے کیونکہ اگر صرف علم ہی ہو اور اوس کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ انسان کی ذات کو کوئی فائدہ
 نہیں پہنچا سکتا۔ کتابیں الماری میں رکھی رہتی ہیں لیکن الماری کو اوس سے کیا فائدہ ہے؟
 اسی طرح مضامین حافظہ میں موجود ہوں لیکن اون پر کار بند نہ ہو تو انسان کو اوس سے کیا
 نفع حاصل ہو سکتا ہے؟ **اَلْعِلْمُ يَدُّوْنَ الْعَمَلِ وَبَالُوْا الْعَمَلُ يَدُّوْنَ الْعِلْمِ ضَلَالٌ**
 ان جب علم و عمل دونوں ہوں تو حکمت پوری ہوگی اور انسان اپنے رتبہ اور شرافت میں
 مرتبہ بمرتبہ ترقی کرتا جائے گا۔ وہ علم جو انسان کو یہ سکھلائے کہ اوس کو اپنے ارادی حرکات
 اور افعال میں کن کن مصالح کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ امور معاش و معاد کا انتظام درست ہو۔
 اور اوس کے نفس میں وہ قوت پیدا ہو کہ وہ کمال کی طرف ترقی کرنے لگے حکمت عملی کہلاتا ہے
 انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ یا تو اون طبیعتی قوتوں کے سبب سے
 ہوتے ہیں جو فطرت نے تمام انسانوں میں یکساں پیدا کی ہیں۔ مثلاً تمام انسانوں میں یہ خواہش
 ملے توجہ علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔

حکمت
 علم
 عمل
 حکیم

تدوین حکمت عملی
 حرکت طبیعی

مشترک ہے کہ وہ مل کر رہیں دو سہروں سے نفع حاصل کریں۔ اپنی مصرتوں کو دور کریں
 وغیرہ اس لیے تمام لوگوں سے جو ایسے افعال صادر ہوں کہ اصلی تحریکوں کے سبب وقوع
 میں آئے ہوں وہ قریب یکساں ہوتے ہیں اور ان کی اصلاح کے لیے ایک سے
 اصول مقرر کیے جاسکتے ہیں لیکن بعض باتیں "وضع" ہوتی ہیں مثلاً آداب اور رسم و رواج
 قانون وغیرہ یہ مختلف ممالک میں مختلف مصالح کے سبب مختلف ہوتے ہیں اور ان کے
 لیے ایک قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ خود اس ملک کے حکماء اپنے تجربہ اور سمجھ سے
 حسب اقتضائی ضرورت و مصلحت مقرر کرتے یا اس میں اصلاح کرتے ہیں۔

حرکات وضعی

تہذیب اخلاق

اصول اخلاق کے لحاظ سے انسان کی حرکات طبعی اور وضعی تین قسم کی ہوتی ہیں
 اول تو وہ جن کا اثر صرف انسان کی ذات پر پڑتا ہے یا جو افراد انسان سے متعلق ہوں
 اس کے علم کا نام تہذیب اخلاق یا تہذیب نفس ہے۔ دوسرے وہ جو گہرے بارے سے متعلق ہوں
 اور ان کا اثر ان لوگوں میں مشترک ہو جو ایک گہرے ممبر میں مثلاً میان پوری اولاد بہائی ہیں مان باپ
 قریبی شہ دروغیرہ تدبیر منزل کہلاتا ہے تیسری وہ جن کا تعلق تمام وسیع ہو کہ شہر و ملک و قوم کے افراد
 تک پہنچتا ہے۔ یہ سیاست مدن کہلاتا ہے حکمت عملی وہ اصول و قاعدی سکھاتی ہے
 جو تہذیب نفس تدبیر منزل اور سیاست مدن میں بکار آتے ہوں اور انسان نہ صرف فضیلت
 و سعادت کے معنی سے واقف ہو جائے بلکہ اس میں یہ تحریک پیدا ہو جائے کہ وہ
 اپنے نفس میں ان صفات کے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس پر اس قدر
 قدرت حاصل کرے کہ رذائل سے بچ سکے۔ نیز لوگوں میں عدالت قائم ہو اور وہ صراطِ مستقیم
 سے نہ ہٹیں بلکہ فرداً فرداً اور مجتمعاً ان میں خیر و کمال پیدا ہو اور یہی اس کتاب کا موضوع ہے

تدبیر منزل

سیاست مدن

موجودات عالم
کمال

موجودات عالم میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا کمال فطرتی ہے اور ان میں تغیر و
 تبدل واقع نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آفتاب و ماہتاب زمین اور تمام اجرام فلکی وغیرہ کہ جب سے
 ہیں اور جب تک رہیں گے ایسے ہی ہیں اور ایسے ہی رہیں گے۔ بعض ایسی ہیں کہ ان میں
 تبدل کمال پیدا ہوتا ہے لیکن اس میں خود شے کے ارادہ کو دخل نہیں مثلاً درخت کہ رفتہ
 رفتہ بڑھتے ہیں لیکن ان کی یہ حرکت ارادی نہیں ہے۔ بعض ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں

معین پر پہنچ جائیں تو پہر اوس سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتیں اور اون کے تمام افراد کا کمال
 یکساں ہوتا ہے مثلاً حیوانات کہ ایک نوع کے سب جانور شعور و فہم میں برابر ہیں۔ بیا اپنا
 گہو نسلا بہت خوبصورت بناتا ہے لیکن اوس سے زیادہ عمدہ نہیں بنا سکتا نہ یہ اوس کے
 امکان میں ہے کہ مختلف قسم کا بنائے۔ بطحین پانی میں تیرتی ہیں لیکن یہ صفت فطرتی ہے
 نہ اکتسابی۔ اس طرح حیوانات کے کمال میں بھی اون کے حرکات ارادی کو دخل نہیں
 اور اسی لئے حیوانات میں کوئی شریف اور کوئی رذیل نہیں ہے۔ انسان ہی ایک ایسا
 مخلوق ہے کہ اوس کو کوئی کمال حاصل کرنے کے لئے خود کو شش کرنی پڑتی ہے اور اگر
 نہ کرے تو اوس میں اتنا کمال بھی پیدا نہیں ہو سکتا جتنا حیوانات کو حاصل ہے۔ بطحین تیرتی
 ہیں لیکن انسان جب تک نہ سیکھے نہیں تیر سکتا۔ پرندے اپنا آشیانہ بنا لیتے ہیں مگر انسان
 بغیر سیکھنے کے رہنے کا مکان نہیں بنا سکتا۔ تمام جانور اپنی خوراک مہیا پاتے ہیں انسان کو
 اون کے لئے خود تردد کرنا ضرور ہے۔ یہی حال اوس کے اخلاق کا ہے کہ بغیر اکتساب کے
 ملکات شریفہ پیدا نہیں ہو سکتے غرض جب وہ پیدا ہوتا ہے تو بہائم سے کم ہوتا ہے اور خود اپنی
 سعی و کوشش سے وہ رتبہ حاصل کرتا ہے کہ عالم کی تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ
 بن جاتا ہے اور جو ذریعہ اوس کو میسر رہتا ہے وہ حکمت عملی ہے۔

علم حکمت عملی
 کی شرافت

علم حکمت عملی تمام علوم میں زیادہ شریف اور زیادہ ضروری ہے۔ اور صرف یہی ایک
 ایسا علم ہے جو تمام افراد انسان کے لئے یکساں مفید اور سب کو حاصل کرنا فرض ہے۔ علم
 حکمت عملی طب روحانی ہے۔ کیونکہ اس کے جاننے سے نفس میں وہ قوت پیدا ہوتی ہے جو
 اعتدال خلقی کی حفاظت کرتی ہے اور خواہشات روئہ و روحانی امراض میں دفع ہوتے ہیں۔
 علوم کی شرافت تین طرح پر ہے۔ ایک تو یہ کہ اوس کا موضوع شریف ہو مثلاً علم طب۔ علم
 بیطارسی سے زیادہ شریف ہے کہ طب انسان کے علاج کے لئے ہے اور بیطارسی
 حیوانات کے لئے یا اوس علم کا فائدہ اور منفعت بہت زیادہ ہو جیسے علم حساب یا فلاحات۔ یا
 اوس کے دلائل و براہین بہت قوی ہوں جیسے علم منطق و علم ہندسہ اس علم میں بہت سی

یہ ہے کہ جو چیز بہائم سے کم ہو اس کو ملائیک سے افضل و برتر اور تمام کائنات میں
برگزیدہ بنادے اور یہی حال برہان حجت کا ہے کہ اس کے مسائل کی صحت تجربہ سے ثابت اور
دلائل عقلی سے متحقق ہے لہذا سب سے پہلے علم اخلاق حاصل کرنا چاہیے جسم انسان
اگر اخلاط فاسدہ سے پاک نہ ہو تو جس قدر اس کو غذا دی جائے زیادہ مریض ہوتا جاتا ہے
اسی طرح جب تک نفس میں سے رومی ملکات دور نہ ہو جائیں سائنس و فلسفہ مفید نہیں
ہوتے بلکہ بعض اوقات کبر و نخوت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان الحاد و بے دینی میں پڑ جاتا
ہے۔ اور اگرچہ بعض اشخاص کو کسی سائنس میں یدِ طولی حاصل ہو لیکن ان کی روح خدا
سے نہیں نکلتی نہ وہ انہائے جنس کے ساتھ عدالت سے پیش آتے ہیں۔

حکمت عملی کا
مشاور

حکمت عملی کا منشا یہ ہے کہ نفس میں ایسے ملکات راسخ ہو جائیں کہ بے تکلف و فعل
محمود انسان سے سرزد نہ ہونے لگیں اور یہ بات تعلیم اور عادت سے حاصل ہو سکتی ہے۔
لوگوں کے مزاج مختلف واقع ہوئے ہیں بعض آسانی سے نیک بات قبول کر لیتے ہیں
بعض بدشواری بعضوں کی طبیعت خیر کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے بعضوں کی کم اور بعضوں کی
بالکل نہیں۔ لیکن ایسے لوگ جن کے اخلاق ذمیمہ میں تغیر پیدا ہونا ممکن ہی نہ ہو بہت کم ہیں
زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں کہ ان کے اخلاق میں کوئی نقص اس سبب سے رہ گیا یا جڑ پکڑ گیا
ہے کہ بری تعلیم یا بری صحبت یا عدم توجہ نے ان کو اصلاح کی طرف مائل نہیں کیا یا اخلاق
ذمیمہ کی مدتوں کی مزاوت کے سبب ان کی طبیعت میں وہ بُرا ملکہ ایسا مستحکم ہو گیا کہ اب چہرہ امان
ممکن نہیں ورنہ انسان تو انسان مناسب وقت پر اگر حیوانات کو تعلیم دی جائے تو وہ بھی بہت کچھ
سیکھ جاتے ہیں اور یہی خصائل بدل جاتے ہیں۔ کتا اور گھوڑا تو بہت تربیت پذیر جانور ہیں۔
ہاتھی باوجودیکہ مدتوں جنگل میں وحشیانہ زندگی بسر کرتا ہے جب انسانی تعلیم سے مشرف ہوتا ہے تو
کیسا مطیع فرمانبردار مہذب ہو جاتا ہے۔ وہ خونخوار جانور جن کی آواز کی گونجیں دل ہلا دیتی ہیں
تربیت سے ایسے مہذب ہو جاتے ہیں کہ سرکس میں انسان کے ساتھ تماشے کرتے ہیں
وہ شیر چیتے اور ریچھ جو کہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں اسی کا حکم ملتے ہیں اور ذرا آزار
نہیں پہنچاتے۔ انسان قوت عقل و تمیز ادراک و فہم میں تمام حیوانات سے ممتاز ہے تو تربیت کا

اوس میں اثر کرنا بالادلی ممکن ہے اور اگر وہ عادت ڈالے تو اپنے نفس کو قابو میں رکھ سکتا
 ہے۔ انسان سے جو افعال خواہ اچھے ہوں یا بُرے بسہولت اور بلاتامل صادر ہوتے یا
 ہو سکتے ہیں وہ خلق کہلاتے ہیں اور یہ کیفیت دو طرح پیدا ہوتی ہے یا تو خلقتاً یعنی کسی شخص
 کا مزاج فطرتاً ایسا واقع ہوا ہو کہ کوئی خاص استعداد اوس میں زیادہ ہو اور اس حالت میں
 ذرا سے اشارہ اور تحریک سے انسان سے ویسے افعال صادر ہونے لگتے ہیں جن کی ادنیٰ
 طبیعت مقتضی ہو۔ یہ "خلق طبعی" کہلاتا ہے۔ دوسری چیز عادت ہے جو کوئی ملکہ پیدا کر سکتی ہے
 اور اس کو بھی انسان کے اخلاق میں بہت بڑا دخل ہے۔ عادت یہ ہے کہ انسان کسی فعل
 کی مبادلت کرے۔ یہاں تک کہ اتنی مشق بڑھ جائے کہ پھر اوس کام کے کرنے میں دقت نہ ہو
 مثلاً کوئی شخص جس سے کہی شجاعت ظاہر نہیں ہوتی اور جو دشمن کے مقابلہ میں جاتا ہوا ہچکچاتا
 تہاول کو مضبوط کر کے لڑائی میں شریک ہو اور اپنی فوج کے سپاہیوں کو دوشجاعت دیتے
 دیکھنا اس طرح بار بار شریک ہونے اور مستعدی ظاہر کرنے سے اوس کی طبیعت میں بھی شجاعت
 کا ملکہ پیدا ہو جائے یا کوئی شخص جو بے رحم آدمی نہیں تھا فراقون کے فرقہ میں شریک ہو جائے
 تو اگرچہ اول اول اوس سے مشکل سے فوئیزی ہوگی لیکن پہرے گناہ کے قتل کے ارتکاب
 میں ذرا بھی باک نہ ہوگا۔ یہ ملکہ جو مشق و عادت سے پیدا ہو خلق کہی کہلاتا ہے اور اسی کو
 اچھی طرح کام میں لانے اور اوصاف حمیدہ کی عادت ڈالنے سے انسان کے مزاج بڑھتے
 ہیں اور وہ رتبہ انسانیت تک پہنچتا ہے یہ آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ لڑکے نیک آدمیوں کی
 صحبت میں عموماً نیک و صالح اور شریرون کی مجالست سے رذیل و شریر ہو جاتے ہیں اور
 اون کے اخلاق میں مین تغیر پیدا ہو جاتا ہے اگر تغیر اخلاق ممکن نہ ہو تو قدرت نے جو قوت
 تمیز و فکر عطا فرمائی ہے بے فائدہ ہو اور تعلیم و ادیب بالکل بے اثر ہو جائیں۔ قانون۔ قاعدہ
 شرع۔ دینیات محض عبث اور لاعاصل ہوں مرض علاج پذیر بھی ہوتے ہیں اور لاعلاج
 بھی۔ انسان کے جسم میں مرض پیدا ہوتے اور طبیعت اون کے دفع کرنے کی کوشش بھی
 کرتی ہے لیکن اوس کو مدد دینے اور ازالہ مرض کے لیے علم طب کی ضرورت ہے۔ اگر
 کسی شخص کا کوئی مرض دفع نہ ہو سکے تو اس کا علاج

خلق طبعی

عادت

اگر کوئی بُرا خلق کسی شخص میں سے نہ جائے تو اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ
تغیر اخلاق ممکن نہیں اور تمام انسانوں میں اخلاق ضمیمہ کی اصلاح ہو ہی
نہیں سکتی بلکہ علم اخلاق کی ضرورت اور فائدے ویسے ہی قائم رہیں گے
جیسے علم طب کے۔

وہ انسان نہایت برگزیدہ صالح اور سعید ہے جس نے نیک کاموں کی
مزاوالت اور ممارست سے اخلاق حسنہ کا ملکہ طبیعت میں پیدا کیا ہو۔ اور جس نے
اپنے قوائے غضبی اور شہوانی کو شتر بے ہمار کی طرح چھوڑ دیا اور اپنی طبیعت کی
باگین خواہشات ذمیمہ کے ہاتھوں میں دیکر خصائلِ روئیہ اختیار کئے وہ سب سے
بُرا شخص ہے اور یہ ملکات جب راسخ ہو جاتے ہیں تو انسان کو ایسا سخت
جکڑ لیتے ہیں جیسے آہنی زنجیریں قیدی کو۔ انسان صرف اپنی ہی کوشش
اپنی ہی سعی اور اپنی ہی مرضی سے کسی اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کی خواہش کو
دل میں راسخ کر سکتا ہے اور یہی طلب صادق ہے۔ اگر وہ دنیا میں صداقت
کے مہر پر سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے تو خود اپنی ہی کوشش سے دوسرے کے
سہارے سے وہ ایک منٹ بھی نہیں ٹھیر سکتا۔ انسان اپنا اور اپنے افعال کا
حاکم اور مختار ہے وہ کذب چھوڑ کر راست گفتاری۔ شہوت پرستی چھوڑ کر زہد و
پرہیزگاری۔ جور و تعدی چھوڑ کر انصاف و رحم اختیار کر سکتا ہے اور اسی طرح تمام
فضائل حمیدہ اپنے نفس کو قابو میں کرنے سے حاصل ہوتے ہیں جو لوگ قوائے
جسمانی کو کام میں نہیں لاتے اور کسی قسم کی ورزش نہیں کرتے ان کے جسم
بجھڑے اور اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں وہ محنت اور زور کے کام نہیں کر سکتے۔
یہی حال قوائے روحانی کا ہے کہ جو لوگ ان کو معطل چھوڑ دیتے ہیں ان سے
افعال محمودہ صادر نہیں ہوتے نہ ان کو اپنے نفس پر اتنی قدرت حاصل ہوتی ہے
کہ ممنوعات اور قبیح باتوں سے پرہیز کریں۔ اگر کوئی نظم حفظ یا دکرین اور کبھی کبھی
اوسے پڑھتے پڑھتے نہ رہیں تو بھول جاتے ہیں۔ اصول اخلاق کی طرف سے بھی

اگر غفلت کی جائے اور اون کو یاد نہ رکھا جائے تو ایک بار کتاب کا پڑھ لینا کافی
ہے اور نہ صرف مطالعہ سے بلکہ عملاً اون کی انتہی ملامت رکھنی چاہئے کہ جو خواہش
نفس میں نیک باتوں کی پیدا ہوئی تھی وہ نہ مٹ جائے اور نیک کام نہ بہ تحلف
بلکہ عادتاً وقوع میں آنے لگیں۔ اور اسی واسطے مہدہ فیاض سے انسان کو عقل
عطا ہوئی ہے کہ بھلے بڑے کو سوچے اور بھلائیوں پر اس طرح عمل کرے کہ وہ مثل
طبیعت کے بنجائیں۔

مقالہ اول

تہذیب اخلاق

أخا وقعت المواقف

سما

مقالہ اول

تہذیب اخلاق

باب اول

عقل عملی کی تعریف

انسان کا اعمال
پر اختیار

دنیا کی ساخت اور انسان کی خلقت کو بغور دیکھنے سے یہ قضیہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ نیک و بد راستہ کا اختیار کرنا انسان کی مرضی اور انتخاب پر محول ہے۔ انسان دنیا میں اس طرح نہیں بھیجا گیا جیسے کہ ایک سمندر میں کوئی ٹھکانا ہو کہ پانی کی لہریں جہاں چاہیں اُسے بہا لے جائیں بلکہ وہ دنیا کے سمندر میں ایک ماہر تیراک کی طرح تیرتا ہے اور اپنی سعی سے جسطرح چاہتا ہے جاتا ہے۔ پانی کی لہریں اوس کی مزاحمت کرتی ہیں لیکن یہ بھی اون کا مقابلہ کر سکتا ہے اور جد ہرول میں آتا ہے اور ہر اپنا رخ رکھتا ہے وہ فی حد ذاتہ اپنے اعمال و افعال میں مختار ہے اور اوسے آزادی دی گئی ہے کہ جو قوتیں اوسے عطا ہوئی ہیں اون کو کام میں لائے اور اسی سبب سے وہ اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ دنیا میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جو لوگ جاہل بدکار بد سلیقہ تھے اگر کسی سبب سے اپنی بُرائیوں پر مطلع ہو گئے اور ملانی مافات کی کوشش کی تو عالم نیک کردار اور ہنرمند بن گئے۔ انسان ایک فعل کا غور ہوتا ہے اور جب اوس کے خلاف قانون جاری کر دیا جائے تو اوس سے پرہیز کرتا ہے اسی طرح اوسے اختیار ہے کہ وہ شرع اور اخلاق کے قانون کو مانے اور اون پر عمل کرے خود انسان کا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ میں آزاد اور مختار ہوں عادت اور خواہش اوس پر قادر ہیں بلکہ اوس کی محکوم ہیں بشرطیکہ وہ اون کو قابو میں رکھنا چاہے اگر کوئی شخص خود ہی اپنی باگ خدائے ربیہ کے ہاتھ میں دیدے تو خود اوس کا قصور ہے بلکہ جب انسان کسی بُرے امر کا

ارحباب کرنا چاہتا ہے تو کائنات میں نفس (وامہ) اس کو روکتا ہے اور بچانے کی
کوشش کرتا ہے اگرچہ اختیار میں نہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ طبیعت میں امور ذمہ سے
بچے کا تقاضا ہو بلکہ طبیعت انسانی خود جانتی ہے کہ اس میں بچنے کی قدرت ہے اور اگر
انسان اٹکے بند کر کے خود کنوین میں گر پڑے تو آپ ہی ذمہ دار ہوگا۔

اعمال کی نتیجہ

اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے بہت سے لوگ اپنے اعمال کی اس غرض
سے متوجہ کیا کرتے ہیں کہ اپنے صحیح اوصاف سے آگاہی ہو اور اس سے خود اداں کے نفس
کو خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن اکثر لوگ اپنی تصویر کے صرف ایک ہی پہلو کو دیکھتے ہیں اور اس کا
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان خود میں اور خود پسند ہو جاتا ہے لیکن اگر نظر اصلاح دیکھے
تو اسے اپنی خوبیوں کے ساتھ اپنے عیوب بھی نظر آئیں گے اور اپنی ساری اچھی بڑی حقیقت آئینہ
ہو جائے گی۔ اور پھر اس حالت میں وہ اپنے نفس کی اصلاح اور اپنے افعال کا انتظام
کر سکے گا۔ وہ صاحب نظر جو اپنے عیوب کی خود خبر رکھتے ہیں اپنے تئیں ایسے سانچے میں ڈھالتے
ہیں کہ دوسروں کو نکتہ چینی کی گنجائش نہیں رہتی اور اپنے افعال و اعمال کی خود اصلاح کرتے
رہتے ہیں۔ اس طرح انسان کو اپنے حال پر غور و فکر کرنے کی عادت ہو جاتی ہے۔ لیکن
ابتدائی حالت میں یہ کیفیت ایسی کافی نہیں ہوتی کہ انسان اوسے پر اکتفا کرے اور نہ اس سے
اس قدر فائدہ پہنچتا ہے جتنا پہنچنا چاہیے۔ اپنے کسی فعل کی اصلاح کا خیال کر سکے
بھی ابتداء میں بہت بڑے عزم اور بہت بڑی جرات کی ضرورت ہوتی ہے اور جس قدر اس میں
انسان کو تکلیف ہوتی ہے اس کی نسبت فائدہ کم معلوم ہوتا ہے لیکن فائدہ ہوتا ضرور ہے۔
مستقل مزاج آدمی جو اپنی ذہن کے پورے ہوتے ہیں ان کا لیف سے شکستہ خاطر نہیں ہوتے
نہ وہ ایسی ادھوری اصلاح پر قناعت کرتے ہیں بلکہ محاسبہ نفس کی عادت کو زیادہ مستحکم اور
زیادہ پائدار بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جب تک اپنے نفس کی پوری تفتیش اور پوری
درستی نہیں کر لیتے سعی سے باز نہیں رہتے۔ فرض کرو کہ کسی ایسے شخص سے جو اپنے نفس
کی اصلاح میں مصروف ہو کوئی لغزش ہو اور غرض اس ناشائستہ حرکت پر اس سے ملامت کرے تو
اچھے خستہ بچ ہوگا۔ اس موقع پر وہ اپنے دل میں مصمم ارادہ کرے گا کہ وہ ہر اس فعل کا ترک نہ ہوگا

لیکن اپنے نفس کے امتحان کے لیے وہ ایسے موقع کا منظر رہے گا کہ باوجود نفس شہوانی یا
 غضبی کی سرکشی کے اپنی طبیعت پر قابو رکھ سکے اور جب کبھی ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی طبیعت کی
 باگ تواری شہوانی یا غضبی کے ہاتھ میں دیدے اوس وقت اوس کی اصلاح کامل
 سمجھی جائے گی۔ اس وقت انسان کی روحانی کیفیت بدل جاتی ہے اور اوس کا رتبہ
 اتنا بالا ہو جاتا ہے کہ وہ بُرائی بھلائی کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جیسے بلند می پر سے نیچے کی
 چیزیں الگ الگ دکھائی دیتی ہیں۔ اور انسان پر تخیلات فاسدہ کا قابو نہیں چل سکتا۔
 جب انسان روحانی طاقتوں کو قوت پہنچاتا اور خصائل حمیدہ کی عادت ڈالتا ہے اوس وقت
 وہ ملکات روتیہ کا مقابلہ کرتا اور اون کے دور کرنے کی کوشش کر سکتا ہے اور چون چون
 فضیلت حاصل ہوتی جاتی ہے اوس قدر ذائل کی تکلیفی بھی ہوتی جاتی ہے اس وقت انسان
 کو ذائل سے نفرت ہونے لگتی ہے اوسے تعجب ہوتا ہے کہ اس وقت تک ایسے بدنام
 خصائل کا اوس پر کیونکر قابو تھا جس قوت کے ذریعہ ہی انسان کے افعال میں اتنا بڑا تغیر پیدا
 ہوا وہ عقل علی کہلاتی ہے۔

عقل علی

عقل علی انسان کو یہ سمجھاتی ہے کہ جو جو وسائل اور اسباب اوسے دنیا میں حاصل ہیں
 اون سے کوئی کام کس طرح سب سے عمدہ اور بہتر ہو سکتا ہے یہ قوت انسان کی دیگر تمام
 قوتوں کو مناسب درجہ پر رکھتی ہے۔ اور اون میں انتظام اور ترتیب قائم رکھتی ہے۔ یہ قوت
 انسان کو یہ بتاتی ہے کہ اوس کا درجہ کیا ہے اور وہ دنیا میں کیا کر سکتا ہے۔ عقل علی انسان
 کو اون فرائض کے ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے جو اس وقت درپیش ہیں اور اس کی مدد
 سے انسان خیالی اور مہمی خوش آئندہ حالتوں کا انتظار نہیں کرتا نہ تاسف و حسرت کے عالم
 میں اپنے زور و قوت کو ضائع کرتا ہے۔ بلکہ حالت موجودہ کو خوشگوار اور دل پسند بنانے کی
 سعی کرتا ہے۔ عقل علی کسی خاص قوت کا نام نہیں ہے بلکہ انسان کی مختلف قوتوں کے ملکر
 کام کرنے کا نام ہے۔

راست غلط

عقل علی کا بڑا کام یہ ہے کہ وہ راست و غلط میں تمیز کرنا بتاتی ہے۔ اس صورت میں

کرنے پر تمام اخلاق کی بنیاد قائم ہے۔ اگر صحیح و غلط کی تمیز نہ ہوتی تو دیگر حیوانات کی طرح انسان خواہ کچھ ہی کرے اسے جائز ہوتا اور دنیا میں حسن و قبح مہلانی و بُرائی نیک نامی و بدنامی ایسے الفاظ ہوتے جن کے کچھ معنی نہ ہوں لیکن قوت تمیز صحیح و غلط جائز و ناجائز میں امتیاز کرنا سکھاتی ہے اور ایک کام کو اختیار کرنے اور دوسرے کو ترک کرنے کا حکم دیتی ہے۔ راست و غلط میں تمیز کرنا اور اصول اخلاق پر کاربند ہونا خود انسان کا کام ہے۔ بعض اوقات طبیعت کے تقاضے مختلف جانب رجحان پیدا کرتے ہیں لیکن جن کے دل نور حکمت سے معمور ہیں وہ تمام جذبات کو عقل کا مطیع رکھتے ہیں۔ وہ عادت اور خواہش کے محکوم نہیں ہوتے بلکہ ان پر حکمرانی کرتے ہیں۔

دنیا کا مدرسہ

انسان کی تمام زندگی ایک مدرسہ ہے جس میں وہ ہر روز تجربہ کے نئے نئے سبق پڑھتا ہے۔ اس مدرسہ کے معلم گونا گون افکارات نئے نئے امتحانات نئی نئی دقتیں۔ طرح طرح کی تکالیف اور مشکلیں ہیں لیکن یہ صبر و استقلال پر ہیزگاری۔ غریت تمامہ ہمت۔ قناعت۔ اور خدا پرستی سکھاتے ہیں۔ انسان کو اپنی نسبت نہ صرف یہ جاننا چاہیے کہ وہ کیا کر سکتا ہے بلکہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ وہ کیا نہیں کر سکتا۔ لیکن اس سبق کے حاصل کرنے کے لیے انسان کو دنیا میں مختلف لوگوں سے ملنا اور مختلف قابلیت کے آدمیوں کی صحبت سے فائدہ اٹھانا لازم ہے۔ سوسائٹی میں بغیر انسان کو اپنی قابلیت کا پورا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ ہمیشہ خود میں اور خود رائی رہتا ہے اور اپنی استعداد کے جانچنے میں غلطی کیا کرتا ہے۔ سوسائٹی میں ملنے سے اس کو بہت سے ایسے تجربے حاصل ہوتے ہیں جو اس کی عقل کو زیادہ اس کے دماغ کو روشن اس کی رائی کو مستحکم اس کی نظر کو بلند کرتے ہیں اور نیک و بد کی وہ تمیز جو عملاً کوئی ایسا کام کرنا سکھاتی ہے ایسے ہی تجربے سے حاصل ہوتی ہے۔ تجربہ کے علاوہ علم ہی انسان کے دماغ کو روشن۔ خیالات کو درست۔ رائی کو صائب اور اعتقادات کی اصلاح کرتا اور عقل کو جلا دیتا ہے اور عقل عملی اس معلومات سے جو تجربہ اور علم سے حاصل ہو فائدہ اٹھانا اور اسی کام میں لانا سکھاتی ہے۔

باب دوم حقائق نفس الامر و اشیا کی معرفت ۱۔ حصول علم

انسان اور دیگر
حیوانات میں
ماہر الامتياز

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم ہی وہ خاصہ ہے جس سے انسان اور
حیوان میں تمیز ہو سکتی ہے۔ انسان کو جس بات سے دیگر حیوانات پر شرف و امتیاز حاصل
ہے جب تک وہ اس میں موجود نہ ہو وہ انسان کہلائیگا مستحق نہیں۔ انسان زور جسمانی
میں حیوانات پر شرف نہیں رکھتا کیونکہ اونٹ اس سے زیادہ زور آور ہے نہ قوی الجثہ ہونے
میں اس کو تفوق ہے کیونکہ ہتھی آدمی سے کہیں بڑا ہے۔ شجاعت کے سبب سے ہی
انسان کو برتری نہیں ہے کیونکہ درندہ جانور انسان سے کہیں زیادہ دلیر اور شجاع ہیں۔
بہت سا کہنا بھی باعث شرف و امتیاز نہیں۔ ہیل کا پیٹ انسان سے بہت بڑا ہے
بلکہ انسان کو دیگر حیوانات پر صرف اسی سبب سے شرف و امتیاز حاصل ہے کہ انسان عالم
ہے اور اسی علم حاصل کرنے کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جس کو علم نہ ملا اسے دنیا میں کچھ نہ ملا
اور جسے علم حاصل ہوا اس سے کچھ باقی نہ رہا اگر کسی مریض کو کچھ دن کمانا پانی نہ دین تو وہ
مر جاتا ہے یہی حال دل کا ہے کہ جب علم و حکمت سے دل گور وک دیا جائے تو وہ بھی
بہت جلد مر جاتا ہے۔ انسان کو اپنے دل کی بیماری اور موت کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ وہ
دنیا کی محبت اور دیگر مشاغل میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ اس طرف سے بے حس ہو جاتا ہے
اگر کسی شخص کو غوب نشہ چڑھا ہوا ہو تو زخم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب فضول و نیادی
مشاغل میں اہمک ہو جائے تو دل کی بیماری کی انسان کو خبر نہیں ہوتی ایک اور جگہ امام
صاحب فرماتے ہیں کہ انسان کا بدن نفس کی سواری ہے اور نفس محل علم ہے اور علم ہی انسان
کا مقصود ہے جس کے واسطے انسان پیدا ہوا ہے۔ انسان کا رتبہ یہاں تک ہے کہ اگر وہ

ہے اس واسطے کہ انسان باعتبار غذا اور نشوونما کے سبزہ ہے اور جس و حرکت اختیار
 کے بہت سے حیوان ہے۔ صورت قد و قامت کے اعتبار سے نقش بدیوار ہے لیکن
 اوس کی خاصیت اور فصل حقیقی حقائق اشیا کی معرفت ہے پس جس شخص نے اپنے
 تمام اعضاء اور قوا سے اس طرح کام لیا کہ علم و عمل میں اوس کو استعانت ہو تو وہ فرشتوں کی
 مانند ہے علم کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان میں نہایت بلند نہایت آزادانہ اور محققانہ خیالات پیدا
 ہو جاتے ہیں اور انسان کی اخلاقی حالت درست ہو جاتی ہے اور وہ عمدہ قوتیں جو اس کی
 طبیعت میں پوشیدہ ہیں ظاہر اور مجلی ہو جاتی ہیں جہالت کی حالت میں انسان بالکل وحشی ہوتا ہے
 لیکن جب اوس کو علم حاصل ہوتا ہے تو وہ مذہب اور ثنائیت بن جاتا ہے اور اوس میں
 صداقت کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

علم کا فائدہ

علم کی قدر انسان کی طبیعت میں فطرتاً پیدا ہوتی ہے۔ جاہل سے جاہل آدمی بھی
 کسی امر سے واقفیت اور علم ظاہر کر کے خوش ہوتا ہے اسی طرح ناواقفیت کا اظہار کرتے
 شرماتا اور جہالت کی طرف منسوب ہونے سے چڑتا ہے اور چونکہ علم اکتسابی اور قیام پذیر ہے
 ہے اس سبب سے جو شرف نفس کو حصول علم سے حاصل ہوتا ہے وہ انسان کا ذاتی جوہر
 اور کمال خیال کیا جاتا ہے جس میں شرافت انسانی کی طرح دوسروں کا کچھ حصہ نہیں ہے
 اور اسی سبب سے شرف علم اعتباری نہیں بلکہ حقیقی ہے۔

علم کی خواہش

انسان کو علم کی ضرورت اکتساب معاش کے لئے نہیں بلکہ آدمی بننے کے لئے
 علم درکار ہے شیکسپیر کا قول ہے کہ جہالت خدا کی پشیمانی ہے اور علم کے بیرون سے ہم آسمان
 پر اڑتے ہیں اور نوجوانوں کی تعلیم سے جنہیں اپنا اکتساب معاش کسی پیشہ یا حرفہ سے
 کرنا ہے یہ مراد نہیں کہ وہ پڑھ لکھ کر ایچے کاری کر بن جائیں گے بلکہ اہل حرفہ اور پیشہ وروں کو
 عمدہ تعلیم دینے سے یہ مطلب ہے کہ جس طرح وہ صنایع میں پیشہ ہوں اسی طرح انسانی
 کا علمی جوہر بھی اون میں پائے جائیں تعلیم کا عام اثر یہ ہے کہ جرائم کی تعداد گھٹ جاتی
 ہے اور لوگوں کی طبیعتوں میں سے آوارگی جاتی رہتی ہے۔ علم ایک زینہ ہے جس کا ایک
 سر ازمن برے اور دوسرا سر اسے آسمان سے مانتہ کہ تاکہ ہر جو لوگ اس زینہ پر چڑھیں

علم کی ضرورت

وہ ترقی کرتے کرتے ایک دن اوج کمال پر پہنچ جاتے ہیں۔ افلاطون کہتا ہے کہ انسان کے حق میں سب سے عمدہ چیز علم ہے اور جہالت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

کتاب

علم حاصل کرنے کی طریقہ ہیں منجملہ اون کے ابتدائی اور نہایت ضروری طریقہ یہ ہے کہ کتابیں پڑھے۔ انسان کے لئے کتابیں ایسی ہیں جیسے کسی شخص کو اپنے حافظہ۔ اون میں ہماری قوم کے بزرگوں کے کارنامی درج ہوتے ہیں۔ ہماری ایجادیں۔ ہمارے اختراعات۔ ہماری ترقی و تنزل کے حالات لکھے ہوتے ہیں۔

دوسروں کے علم اور اون کے تجربہ اور سرگزشتیں کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں معلوم ہوتی ہیں۔ صانع قدرت کی بے انتہا خوشنما و تمکاریوں کے تذکرے کتابوں ہی میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں اپنے پاک مذہب کے قوانین اور خدای عزوجل کے تقدس و

عظمت و جلال کے حالات اور اوس کے احکام کتابوں ہی میں محفوظ ہیں و لکھنا جتنا ہم بکتاب فصلناہ علی علم کتابیں شکل کے وقت ہماری معاون اور غم غصہ کے وقت دل بہلانے والی ہیں۔ کتابیں تکلیف اور ماندگی کی حالت کو خوشی اور تسکین کی کیفیت

سے بدل دیتی ہیں اور ہمارے دل میں ایسے ایسے خیالات پیدا کر کے مسرت بخشتی ہیں جن سے ہمارا رتبہ عالی اور بلند ہو جاتا ہے جب ہم کسی بڑے مصنف فلسفی کی کتاب پڑھتے ہیں تو گویا اوس سے باتیں کرتے ہیں اور اوس کے خیالات اور رائے سے فائدہ حاصل کرتے ہیں یا کسی طرح اگر کسی فن کی کتاب پڑھتے ہیں تو گویا اوس کے موجود سے مشورہ کرتے ہیں اگرچہ مصنفوں کو اس دنیا سے گزرے

سیکڑوں برس گزر گئے لیکن کتابوں نے اونسے بیش بہا خیالات اور ایجادات کا سبق دینا موقوف نہیں کیا

ہمارے ایسے ایسے دوست جو نہایت عمدہ عمدہ مشورے دے سکتے ہیں جب ہم سے مفارقت اختیار کرتے ہیں تو ہم اون کے مشوروں سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن کتابیں ایسی عمدہ مشیر ہیں کہ ہر دم اور ہر وقت مشورہ کو حاضر اور موجود رہتی ہیں۔ پہرہ کو پہنا یا کیلون کا مشورہ نہیں کہ بات بات پر فیس ادا کرنی پڑے اور بار احسان جدا ہو۔

بلکہ بے دام اور بے منت۔ کتابیں استاد ہیں لیکن استادوں کی طرح جھڑکتی اور نجانہ ہوتیں اور کیسے ہی بیش بہا مسائل کیون نہ ہوں کہیں بتانے میں نکل نہیں کرتیں نہ عدم انصاف

کا بہانہ کر کے ٹالتی ہیں اس لیے کتابوں کا ذخیرہ دولت کے ذخیرہ سے زیادہ قیمتی اور زیادہ بکار آمد ہے جو لوگ صداقت کے خواستگار عقل کے جویا اور سائنس کے متلاشی ہیں وہ ضرور کتاب سے محبت رکھتے ہیں

مطالعہ

کتاب کا مطالعہ بہت سے فائدہ بخشتا ہے۔ دل بہلتا ہے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ تحریر و تقریر میں لطافت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔ لیکن سارے دن پڑے پڑے وقت ٹالنے کے لیے کتاب دیکھنا سستی اور کاہلی ہے۔ آرائش کی خاطر طے پٹا ظاہر داری اور نمائش ہے۔ البتہ علم کے دانشمندانہ نتائج پر چلنا اور تعمق و فراست کے اصول پر کاربند ہو کر اپنے تمام افعال کا تصفیہ کرنا طالب علمی کا حقیقی ثمرہ ہے۔ جب سے چھاپہ کافن ایجاد ہوا کتابیں کوڑیوں کے مول بننے لگیں ہیں۔ ایک ماہ میں پان اور سگار کا خرچ قیمت کتاب سے کہیں زیادہ ہو جاتا ہے۔ عمدہ اور دل حبیب کتاب کے پڑھنے سے جو مزہ آتا ہے وہ پان اور سگار تو کیا دنیا کی کسی نعمت اور کسی دولت کے حصول سے بھی نہیں آسکتا۔ یہ بھی اخراجات میں روپیہ برباد کرنا اور کتاب خریدنے میں کفایت شعاری سے کام لینا عقل صواب اندیش کے خلاف ہے۔

پڑھنے پڑھنے کا یہی طریقہ ہے۔ کتابوں کی ورق گردانی کرنا اور یہ کہہ دینا کہ اس میں کچھ دل حبیب بات نہیں ہے کتاب کا قصور نہیں بلکہ پڑھنے والے کی توجہ کا قصور ہے اور اس طرح کے پڑھنے سے کچھ زیادہ حاصل ہی نہیں ہوتا بلکہ جب کتاب ہاتھ میں لے تو اوس میں محویت اور استغراق کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ مضامین اچھی طرح دلچسپ ہوں بلکہ اون کی تصویریں ہو جو سامنے نظر آئیں

علم و تجربہ

علم سال بہر میں اتنا سکھا دیتا ہے کہ تجربہ بیس سال میں ہی نہیں سکھا سکتا تجربہ جو کچھ سکھاتا ہے وہ اوس وقت کہ اکثر تیر از کمان رفتہ ہو اور تلافی مافات نہ ہو سکے۔ بلکہ بعض اوقات عمر بھر بچتا ہی پڑے۔ دران حالیکہ علم قبل از وقت متنبہ کر دیتا ہے اور نقصان سے بچاتا ہے۔ وہ شخص کیا نامک ملحق ہو سکتا ہے جس نے فن جہاز رانی بہاروں جہاز ڈبو کر سکھا ہوا اور سیکڑوں وفد اپنے اور دوسروں کی جانوں کو معرض ہلاکت میں ڈالا ہو مگر وہ شخص اس

کام کو شروع کرنے سے پہلے ہی کتابوں کے ذریعہ سے سیکھ لے وہ کس قدر محفوظ و امان
 رہ سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص علم جغرافیہ سے ناواقف ہو اور بار بار دور دور کے چکر
 لگا کر کسی ملک کا نزدیک کا راستہ دریافت کرے تو اس نے کیا فائدہ اٹھایا۔ عالم
 شخص ایک منٹ میں کتاب کے ذریعہ سے معلوم کر سکتا ہے کہ کس راستہ سے جانے
 میں سہولت ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تجربہ کار آدمی کو خاص خاص معاملات یا خاص خاص
 امور کی زیادہ واقفیت یا زیادہ مہارت ہو لیکن عالم آدمی کی نظر تجویز کے ہر پہلو پر حاوی
 ہوتی ہے اور وہ جو منصوبہ کرتا ہے یا جس کام کو کرنا چاہتا ہے اس کے کل لوازم کو یکساں
 خوبی اور پورے کمال سے انجام دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسان میں عقل فطراناً اور
 قدر تائید انکی ہے لیکن علم سے عقل کو جدا ہوتی ہے اس لیے کہ اس میں کائنات کا جو ہر موجود ہے۔
 لیکن تلوار کو صیقل کرنا ضرور ہے۔

وقت فرصت کے لیے کتب بینی بیشک بہت اچھا مشغلہ ہے لیکن عمدہ کتابوں کا
 انتخاب کرنا بھی ایک ضروری کام ہے۔ ہر شخص اس قابل نہیں ہے کہ اس سے دوستی رکھی
 جائے ایسی طرح ہر ایک کتاب اس قابل نہیں کہ وہ پڑھی جائے۔ پڑھنا تو درکنار بعض کتابوں کا تو
 رکھنا ہی ممنوع ہے۔ خراب کتابوں کے پڑھنے سے نہ صرف تضييع اوقات ہوتی ہے بلکہ خیالات
 خراب اور دل میں تاریکی پیدا ہو جاتی ہے جو خوشی یا مسرت ایسی کتابوں کے پڑھنے
 سے حاصل ہوتی ہے وہ ایسی بے ثبات اور جھوٹی خوشی ہے جیسے آوارہ مزاج لوگوں کو
 لہو لعب یا عیاشی جیسے بڑے مشاغل میں مصروفیت سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان کی
 برہمنی سے دنیا میں ایسی کتابوں کا ذخیرہ کچھ کم نہیں ہے اور وہ ایسے ایسے عنوان سے
 پیش کیا جاتا ہے جس سے اس کو مفید خلاق اور بکار آمد بلکہ قوم کی ترقی کی گنجی سمجھا جائے
 لوگوں کے مذاق اس قدر خراب ہو رہے ہیں کہ ایسی کتابوں کی طرف زیادہ توجہ اور اعتنا
 کیا جاتا ہے اور زبانوں میں بھی جن کو آج علمی زبان ہونے کا فخر ہے ایسی لغویات کی کمی
 نہیں ہے لیکن ان میں واقعی مفید اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں بھی نہایت کثرت سے ہیں
 اور ان کے مصنفان کے کلام غرور مذاق اور سر اعلیٰ تر ہوئے ہیں کہ ان کے

کتابوں کا
 انتخاب

صرف دل پہلانے کے لئے لکھتے ہیں اور میں ہی قوم کو کسی مفید اور اعلیٰ خیال کا سبق
 دیتے ہیں۔ اردو کو بدقسمتی سے یہ رتبہ حاصل نہیں اس میں علمی مضامین کی بہت کمی ہے
 اور لوگوں کی توجہ مبتذل ناول اور اشعار بکھنے کی طرف زیادہ مائل ہے جن میں سوائے
 حسن و عشق کے راک گانے اور بڑے جذبات کو اگسانے کے اور کچھ نہیں ہوتا ایسی
 کتابوں کے اشتہار اگرچہ بہت آب و تاب سے دئے جاتے ہیں اور ان کو اخلاق
 کا سبق آموز بتایا جاتا ہے لیکن یہ دو کا نداری کی باتیں ایسی ہی غلط ہیں جیسی کہ اشتہاری
 دو افروش اپنی ناکارہ دواؤں کو بھی تمام امراض کے واسطے اکیسر کا خطاب دیا کرتے
 ہیں۔ بعض کتابیں ان سے بھی زیادہ بیوقوفوں سے پڑھیں کہ اگر وہ آدمی ہو تین تو شرعاً
 ان کو ہلاک کر نیکاً حکم دیا جاتا پس ایسی کتابوں کا پڑھنا مفید نہیں بلکہ اور زہر آلود خیالات پیدا کرنا
 علم حاصل کرنے کے لئے پڑھنا نہایت ضروری ہے اور بعض صورتوں میں استاد
 سے پڑھنا اور دوسروں سے تفہیم مطالب میں مدد لینا بھی لازمی ہے لیکن یہ ضرور نہیں
 ہے کہ ہمیشہ اور ہر مضمون کو جب تک استاد سامنے نہ ہو ہاتھ ہی نہ لگائیں بلکہ خود مطالعہ
 کرنا اور اپنے غور و فکر سے مضامین کا حل کرنا بہت زیادہ مفید ہے۔ اس طرح کا حاصل
 کیا ہوا عمر بہ یاد رہتا ہے اور مضمون کے سمجھنے اور فکر کرنے کی قوت بہت زیادہ اور
 جلدی ترقی کرتی ہے۔ جن لوگوں نے علم میں ید طولیٰ حاصل کیا ہے یا کسی سائنس کو
 ترقی دی ہے انہوں نے استاد کی پابندی نہیں کی۔ اگر کسی شخص نے مدرسہ میں زیادہ
 نہیں پڑھایا اور اس نے طالب علمی کے زمانہ میں جب دل خواہ ترقی نہیں کی تو دل
 شکستہ ہونے کی بات نہیں ہے وہ اپنے مطالعہ اور محنت سے وہ کچھ کر سکتا ہے جس پر
 مدارس میں پڑھنے والے رشک کریں۔ ایک دفعہ بہت کر کے محنت سے مطالعہ
 کرنے کی عادت ڈالنے کی کوشش کی جائے تو ہر روز دن میں سہولت نظر آنے
 لگتی ہے۔ اور پھر مشغلہ ایسا سہل اور بامزہ معلوم ہوتا ہے کہ چٹاؤ تو نہ چھوٹے۔ مدارس
 اور کالجوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ نہایت ابتدائی اور بہت ناکافی ہوتا ہے اور اگر
 یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کر کے مطالعہ چھوڑ دیا جائے تو جو کچھ حاصل کیا ہے وہ بھی بیکار

جاتا ہے بلکہ اوسکی تکمیل آئندہ زندگی میں اپنے مطالعہ اور محنت سے کرنی چاہیے اور
 اسی کا نام "سیلف ایجوکیشن" ہے۔ بہت سے آدمی یہ افسوس کیا کرتے ہیں کہ ہماری
 تعلیم ناقص رہ گئی اور ہم نے طالب علمی کے زمانہ میں فلان علم کی تحصیل یا تکمیل نہیں
 کی لیکن اگر دیکھا جائے تو انہوں نے صرف طالب علمی ہی کے زمانہ میں عدم توجہی
 نہ کی ہوگی بلکہ اوس کے بعد بھی جبکہ اون کی صحت درست اور قوا و کام کے قابل تھے
 بہت سا وقت ضائع کیا ہوگا ورنہ شوق درہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست۔
 اور جن لوگوں نے کسی علم میں نام روشن کیا ہے انہوں نے صرف مدرسہ کی تعلیم پر
 اکتفا نہیں کیا بلکہ اون کی تمام زندگی طالب علمی کا ایک بڑا دن تھی اور اپنے مطالعہ سے
 انہوں نے کمال ترقی حاصل کی۔ دوسرے لوگوں سے سیکھنے میں جو علم آتا ہے وہ
 اس قدر یاد نہیں رہتا جیسا کہ خود اپنے مطالعہ سے کیونکہ اپنے مطالعہ سے جو کچھ حاصل کیا
 ہے وہ دل میں نقش ہو جاتا ہے اور اوس سے دماغی قوت اس قدر بڑھتی ہے کہ ایک
 مسئلہ خود حل کرنے سے دوسرے مسئلہ کے حل کرنے کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔
 مدرسہ میں قوا و دماغی کو کام میں لانا سکھایا جاتا ہے اور اون کی اصلاح کی جاتی ہے اور فطرت
 کا مادہ پیدا کیا جاتا ہے لیکن خیالات میں ترقی اور بلند پروازی اوس وقت پیدا ہوتی
 شروع ہوتی ہے جب مدرسہ چھوڑ دینا وقت ہوتا ہے اور اس سبب سے اگرچہ مدرسہ
 کی تعلیم بہت اعلیٰ درجہ تک حاصل کی گئی ہو لیکن اگر آئندہ مطالعہ کتب جاری نہ
 رکھا جائے اور مطالعہ فطرت نہ کیا جائے تو روشنی خیالات اور اصابت رائے
 حاصل نہ ہوگی۔ نہ دماغ کی تاریکی اور اعضا باطنی کی سُستی دور ہو سکتی ہے عقل
 اوس وقت پختہ ہوتی ہے جب انسان دنیا میں قدم رکھے اور جو علم حاصل کیا ہو اسکو عملاً کام میں لائے
 علم میں ترقی کرنے اور جو کچھ پڑا ہے اوس کو ضبط و محفوظ کر نیکیے لیے یہ مناسب
 ہے کہ تھوڑا وقت مضامین پر غور و فکر کرنے میں صرف کیا جائے اس طرح بیشک تھوڑی سی
 سوچنے سے جو نتیجہ نکلے گا وہ ساری کتاب پڑھنے سے نہیں حاصل ہو سکتا خیالات

کا جو اہر خانہ پیش نظر رہتا ہے اور کتابوں کے مضامین جو علوم کے ذخیرہ ہوتے ہیں اپنے اصلی جوہر میں چھوٹی چھوٹی تصویریں بن کر حاضر و موجود ہو جاتے ہیں جن سے موجودات کی حقیقت اور حقیقت کی کنہ دریافت کرنے کا وہ مادہ پیدا ہوتا ہے جو کائنات کے رازوں کے معلوم کرنے کی کنجی ہر کنجی اور دانشمندوں کو ہاتھ لگتی ہے۔ جن کے دل بیدار ہوں اور جو عمر بھر علم کے خزانہ کی تلاش کی دُہن میں لگے رہتے ہیں۔

علماء کی صحبت

علم حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ جس فن کے سیکھنے کا شوق ہے اس کے علماء کی صحبت اختیار کی جائے اور ان کی زبانی جو مسائل سنے وہ یاد رکھے جائیں اس طریقہ میں یہ سہولت ہے کہ باہم مکالمہ کے سبب دل نہیں گہرا تا اور یہ سنی ہوئی باتیں یاد خوب رہتی ہیں۔ ایک عالم شخص کی تھوڑی دیر کی گفتگو سے ایک بڑی کتاب کے مشکل سے مشکل مسائل کا خلاصہ نہایت سہولت سے ذہن نشین ہو جاتا ہے لیکن یہ طریقہ کتب بینی سے بالکل مستغنی نہیں کر دیتا اور اس وقت بکار آمد ہوتا ہے جبکہ پہلے سے کچھ استعداد موجود ہو۔

علم کا شوق

جب طالب علم مدارس کے درجہ طے کر رہے ہوتے ہیں تو بہت سی باتیں اور ان کو حصول علم کی طرف محرک اور ان کی آتش شوق کو مشتعل کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً دوسروں پر سبقت لیجائے کا شوق۔ امتحان میں کامیابی اور نام آوری کا دلولہ۔ دوسروں کی نظروں میں مستعدی اور شوق پیدا کرنے کا خیال۔ لیکن یہ باتیں اگرچہ ایک حد تک طلباء کے لئے مستحسن ہیں اور اس سے بھی ان کے ہونہار ہونے کی امید ہو سکتی ہے لیکن دراصل حصول علم کی خواہش نہیں مگر بلکہ جب ایسے محرک اسباب نہیں رہتے اور پھر یہی انسان علم کا جو یار رہتا ہے تو اوسکی کوشش سچے شوق کے نام کی مستحق ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو طالب علم مدارس میں بہت بڑھ کر رہتے تھے جب کوئی ڈگری حاصل کر لیتے ہیں تو پھر ان کی آتش شوق بجھ جاتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ شہتہ کی حالت میں پڑ جاتے ہیں لیکن علم سے سچی محبت رکھنے والے اپنے قدم چستی سے اگڑے بڑھ جاتے ہیں اور نہایت استقلال سے مشکلات اور موانع کا مقابلہ کرتے ہوئے مدارج کمال پر پہنچنے لگتے ہیں۔

عزت اور شہرت حاصل کرتے ہیں۔ اس وقت جو چیزیں اوس کو طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں دہندلی اور بہت دور کہانی دیتی تھیں صاف اور قریب نظر آتی ہیں اور زندگی کی خوشی اور لطف مصیبت اور تکلیف کی حقیقت اوس پر کھل جاتی ہے۔ اور چون وہ دنیا میں قدم بڑھاتا ہے ہر قدم پر اوس کا علم اور اوس کا تجربہ اوسکی رہنمائی کرتا ہے۔ جن لوگوں کے تجربہ ایسے اعلیٰ اور جن کا علم ایسا وسیع ہو دراصل وہ عالم کہلانے کے مستحق ہیں۔

کائنات کا مدرسہ بھی چشم حقیقت سے دیکھنے والے کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ جو لوگ مطالعہ فطرت کا شوق رکھتے ہیں ان کے خیالات بہت وسیع اور ان کے مذاق بہت اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ جو نوجوان علی الصبح یا شام کو کسی سنان اور سرسبز مقام میں صرف سیر کرتے ہیں ان کو کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے گویا دماغ کے کوڑا کھل گئے اور اوس میں عجیب تازہ معلومات پیدا ہو گئی۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے لیکن بیشک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا روح بشارت ہوتی ہے اور نظر عمیق اور حقیقت میں ہو جاتی ہے طبعیت میں نئی باتوں کے دریافت اور معلوم کرنے کی قوت پیدا ہوتی ہے جو چیزیں کہ چشم بصیرت پر پردہ ڈالے ہوئے تھیں وہ مفقود ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح موجودات عالم کی ہر شے کو بنظر غور و تعمق دیکھنے سے معلومات کا نیا ذخیرہ ملتا ہے واقعات طرح طرح کی جسمانی صورت میں سامنے آتے ہیں اور بہت سی حقیقتیں کھلنے لگتی ہیں جو اور طرح اس آسانی سے نہ معلوم ہوتیں اسی کا نام مشاہدہ ہے۔

جس شخص نے کبھی آنکھ کھول کر کسی کان کی شکل نہ دیکھی ہو اوس کو علم معدنیات کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اسی طرح علم نباتات علم حیوانات۔ علم طبقات الارض۔ علم کیمیا تعمیرات۔ نقشہ کشی۔ مصوری اور تمام فنون لطیفہ کا حال ہے کہ ان کا کمال مشاہدہ ہی ہے اور جس شخص میں مشاہدہ کی قوت نہیں اوس کو ان علوم کے اصول جانتے اور بجاتے یکسان ہیں۔ افسوس ہے کہ انسان کو دنیا میں انکھیں دی گئی ہیں لیکن وہ موجودات کی حقیقت کو نہیں دیکھتا اور فقط مشاہدہ کی قوت کو نہ دیکھتا ہے۔

میں ہزاروں بلکہ لاکھوں نادیر چیزیں ہیں کہ سرسری نظر سے اون کی صورت دیکھ لینا کام نہیں آتا بلکہ اون کی ماہیت معلوم کرنی چاہیے۔

علم کی غشی

کسی چیز کے حسن کو دیکھنے یا کسی خوش آواز کو سننے کے لیے صرف انکھوں اور کان ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ روح کی ضرورت ہے جو درکات حسی اور عقلی کو لطیف اور حظ کو حاصل کر سکتی ہے اور روح جس قدر زیادہ پاک جس قدر زیادہ منترہ جس قدر زیادہ بلند ہوگی اسی قدر درکات کا احساس اور احساس کی لذت زیادہ ہوگی اور چونکہ علم روح کو ترقی دیتا ہے لہذا وہ درکات کے لطیف کے بڑھانے میں بھی مدد ہے۔ اگر ایک نادان بچہ یا جاہل شخص کائنات قدرت کا نظارہ کرے یا کسی فاضل کا لکچر سنے تو اسے کیا اچھا معلوم ہوگا لیکن اگر ایک پڑھے لکھے صاحب استعداد شخص کو ایسا موقع ملے تو وہ بہت سی نئی معلومات سے اپنا دامن بہرے گا۔ اور اس طرح ادراک محاسن سے اسے خوشی حاصل ہوگی اگر کسی شخص کی قوت ادراک اتنی قوی نہ بھی ہو جیسی کہ ایک فلسفی کی ہوتی ہے لیکن اس کے دل میں تھوڑی بہت علم کی روشنی ہو اور اسے یہ معلوم ہو کہ قواء و داعی کو کیونکر کام میں لاتے ہیں تو اسے تمام صور محسوسات اور معقولات میں بے انتہا دل چسپی کے سامان میں گے مخلوقات عالم کی ماہیت فنون و حرفت کا کمال و ترقی نظم کی بلند خیالی اور نزاکت۔ تاریخی واقعات و سوانحات۔ زمانہ موجودہ اور گزشتہ ان قانون کے اوضاع و اطوار وغیرہ کل باتیں اس کے لیے ایک وجدانی مسرت کا سامان ہونگی۔ جو لوگ علم طبیعیات۔ علم کیمیا۔ علم نباتات علم حیوانات یا کسی سائنس سے اچھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سائنس زندگی کی دیجیسی اور اس کے آرام کو کس قدر بڑھاتا ہے۔ یہ خیال کرنا کہ سائنس غیر دل چسپ مضمون ہے غلطی ہے بلکہ سائنس کی دل چسپی نے اس کی مشکلات کو سہل کر دیا ہے اور عام خاندانوں نے دنیا کے آرام و آسائش کے سامان اور سہولتوں کے پیدا کرنے میں بہت مدد دی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو نباتات یا تعمیرات سے ناواقف ہے کسی عمدہ درخت یا سہول یا نئی عمارت کو دیکھے تو خود دل چسپ اور اس کے مطالعہ میں

نہیں حاصل ہوتی جو کمالات کے علم سے جاہل ہیں۔

سائنس

سائنس مشاہدہ کی قوت کو تیز اور مکمل کرتا ہے۔ اشیاء موجودات اور تغیرات عالم کو سب ہی دیکھتے ہیں لیکن اکثر لوگوں میں مشاہدہ کی قوت نہیں ہوتی اور وہ نہیں جانتے کہ خاص خاص نتائج کیوں پیدا ہوئے لیکن سائنس دان آدمی کا مشاہدہ صحیح نتیجہ نکال لیتا ہے وہ علت و معلول کے تعلق اور سلسلہ کو جانتا ہے اور اپنے مشاہدہ سے اس سلسلہ کا کھوج لگاتا ہے وہ موجودات کے انتظام اور تعلقات و روابط سے واقف ہوتا ہے اور اس طرح اپنے دلائل سے بہت جلد ہی صحیح نتیجہ پہنچ جاتا ہے۔

سائنس کی قوت

سائنس کے جاننے سے صرف حسن و آرائش ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ قوت حاصل ہوتی ہے وہ قومیں جو آج سائنس سے کام لیتی ہیں ترقی کے آسمان کا تارہ بن رہی ہیں۔ یہ سائنس ہی کا نتیجہ ہے کہ سمندرون میں جہاز اور خشکی پر ریلین دوڑ رہی ہیں اور جو مسافت پہلے برسوں میں طے ہوتی تھی اب گھنٹوں میں گزر جاتی ہے۔ عالم مسافرت میں جن احباب کے مرنے جینے کی خبر ہی نہ معلوم ہوتی تھی اب تار برقی (ٹلگراف) کے ذریعہ سے ان سے ہر وقت باتیں کر سکتے ہیں۔ ٹیلیفون میں ہر وقت بالمشافہ باتیں کر نیکالطف حاصل ہے۔ سائنس نے قدرت کی اون اشیاء کو انسان کا محکوم بنا دیا ہے جو انسان کے وہم و خیال سے بھی بالاتر تھیں۔ اب آفتاب کی کرن دوستوں کی عکسی تصویر بھیجتی ہے۔ اور آواز فونو گراف کے پردوں میں مقید ہو جاتی ہے تاکہ جن شیریں زبانوں کے لب و لہجہ سے محبت ہے ہر وقت اون کی آواز بے منت سُن سکیں۔ سائنس نے غریبوں اور دور میں ایجاد کی اور دور و پاس کی ہر ایک چیز کی حقیقت کا پردہ فاش کر دیا۔ سائنس کی قوت کی ادنیٰ کرامت یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں من کا بوجہ جراثیل میں تنگے کی طرح اٹھا لیتا ہے۔ بجلی کی روشنی چاند و سورج کو شرماتی ہے اور رات کو دن کر دکھاتی ہے۔ سائنس نے انسانی محنت اور محکیمت کے کم کرنے میں بڑی مدد دی ہے جو کام وہ برسوں میں پورا کرتا اسے اس سے اچھا گھنٹوں میں تیار کرتا ہے۔ سیکڑوں اور ہزاروں طرح کی مشینیں ایجاد کیں

جو ایسے ایسے نادر کام کرتی ہیں کہ انسان کے ہاتھ بمشکل ویسا بنا سکتے ہیں اور اس قدر کم عرصہ میں بنانا تو ناممکن ہر آج اس سائنس کے طفیل سلطنتیں تہمتی ہوتی ہیں اور اس کے سبب سے ہزاروں میل دور ملکوں پر حکمرانی کرتی ہیں سائنس کی مدد سے انسان ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ بادی النظر میں معجزہ اور کرامت معلوم ہوتے ہیں اور سائنس ہی وہ علم ہے جس کا حاصل کرنا قوت ہے۔ اور اسی انسان نے سائنس کے مسائل کو معلوم کرنا شروع ہی کیا ہے اور موجودات عالم کی بے انتہا خاصیتیں ابھی معلوم نہیں۔ علم کا ایک بے پایان سمندر موجود ہے جس کی تہ میں معلومات کے پیش مہا موتی چھپے ہوئے ہیں۔

علمی تحقیقات

تمام علوم میں اس طرح ترقی ہوتی ہے کہ ذرا ذرا سی چیزوں کا غور و خوض سے مشاہدہ کیا جاتا ہے اور ذرہ برابر دریافت کو نہایت احتیاط سے قائم رکھتے ہیں۔ یہ دریافتیں دوسری جدید معلومات سے مل کر رفتہ رفتہ ایک علم بن جاتی ہیں اور جب ان کو عملاً کام میں لایا جائے تو غضب کے کرشمہ دکھاتی ہیں۔ ریاضی کے سارے اصول ایک دن میں نہیں معلوم ہو گئے تھے اور ابتدا میں جو اصول دریافت کئے گئے وہ بے کار اور فضول معلوم ہوتے تھے لیکن جب ان کی تکمیل ہو گئی تو آج ان کی بدولت جرنیل کے عمل ہوتے ہیں اور تراشہای محروطی کے اصول پر قطب نما بنتے ہیں جس کے طفیل جہازوں کو ناپید اکنا رسمند رہیں راستہ ملتا ہے۔

سائنس کی تعلیم

سائنس قومی ترقی کا زینہ ہے اور ملک کی رفاہ و بہبودی ترقی متول سائنس پر منحصر ہے۔ افسوس ہے کہ ایسی ضروری چیز اور اسی کی تعلیم سے ہمارے اپنائی ملک کو بے پروائی اور بے اعتنائی ہے۔ ملک کے نوجوانوں کو اس طرح تعلیم دینی چاہیے کہ وہ موجودات کی حقیقت اور ماہیت کو سمجھنے لگیں اور نئی نئی چیزوں کی ایجاد اور مسائل سائنس کے دریافت کرنے میں ان کو دلچسپی اور خوشی حاصل ہو وہ ملک کی تاریخ پر فخر کریں اور اپنے ملک کی عظمت و شان کے گیت گائیں۔ مدارس کی یہ تعریف نہیں ہے کہ وہ ان چند خشک اور بد مزہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں بلکہ اگر مدارس اسلاف میں

ادا کرنا چاہتے ہیں تو طالب علموں کو اس طرح تعلیم دیں کہ وہ دانشمندی کے اون
کاموں کی قدر کرنا سیکھیں جو ادنیٰ اعلیٰ امیر و غریب سب کے لیے یکساں مفید ہیں
اور سب کو یکساں خوشی بخشتے ہیں ملک میں عالی شان اور اونچے اونچے مکان بنانا
مفید نہیں بلکہ مکانون کی جتنی بلند کرنے کے عوض لوگوں کے خیالات بلند کرنا زیادہ بہتر ہے
۲۔ اشاعت علوم

علم و عالم

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حقائق موجودات کا علم ہی وہ چیز ہے جس پر صحیح العلم قوت
کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں تلگرام ٹیلیفون ریل وغیرہ سب سائنس کے ادنیٰ
کرتبہ ہیں۔ پولیٹیکل اکادمی نے تجارت اور قومی دولت کی ترقی میں بے انتہاء مدد دی
ہے۔ ڈاکٹری اور طب کے طفیل ہزاروں بلکہ لاکھوں مرعین روز شفا پاتے ہیں
انجینئرنگ۔ بوٹانی۔ اگر کھیلچر وغیرہ نے اپنے اپنے متعلقہ کاموں میں ایسی مدد دی ہے
کہ ان فنون کے جاننے سے انسان کے ہاتھوں میں دیو کی طاقت آگئی۔ فن حرب نے
دنیا میں زلزلہ ڈال دیا اپنے ملک اور قوم کی حفاظت اور مخالف کے استیصال میں
کیا کچھ نہیں کیا قس علیٰ ہذا پس ظاہر ہے کہ جس قوم کے بہت سے افراد میں علم کی طاقت
ہوگی وہ قوم کیسی زبردست کیسی طاقتور اور کس رتبہ ترقی پر ہوگی کسی قوم کے ترقی یافتہ
ہونے سے یہ مراد ہے کہ بہت سے افراد میں کمال کا جوہر موجود ہو نہ علم کے یہ
معنی ہیں کہ حروف کی خاص شکلوں اور کسی زبان کے الفاظ کے خاص معنی سے واقفیت
ہو بلکہ اگر کسی شخص کو بالکل یہی لکھنا پڑھنا آتا ہو تو ممکن ہے کہ وہ عالم ہو۔ مثلاً ایک باغبان
جسے اپنے فن میں عمدہ نگاہ حاصل ہے اور جسے اون اصول سے پوری واقفیت ہے
جو فن باغبانی کی کتابوں میں مصنفوں نے اوس ہی کی طرح تجربہ کر کے درج کیے ہیں اوس
پر سے لکھے شخص سے اوس فن میں زیادہ عالم ہے جسے باغبانی میں بالکل واقفیت
نہیں۔ اسی طرح عمدہ معمار۔ مصور۔ لوہار۔ بڑھئی۔ سنگ تراش۔ سنار۔ اور تمام صنایع
جو اپنے اپنے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اوس فن کے عالم ہیں اگرچہ وہ نوشتہ خواند

قوم کی ترقی اور ملک کی بہبودی کے لیے مہایت ضروری ہے اور کتابوں میں ان
 فنون کے اصول مدون کرنے سے یہ مطلب ہے کہ دوسرے لوگ یا آئندہ نسلیں
 ان تجربوں سے آسانی سے اچھی طرح واقف ہو کر اپنے تجربات کا علم زیادہ کریں
 اور اس طرح یہ فن روز بروز زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے ایک شخص کے تجربہ کا جاننا دوسرے
 کے لیے علم ہے۔ اگر کسی شخص کو اپنے تمام علم حاصل کر نیکی کے لیے خود ہی تجربہ کرنے
 پڑیں تو دنیا میں علم کی مقدار بہت ہی کم رہ جائے گی اور شاید کوئی شخص یا کوئی فن
 ابتدائی مرتبہ سے زیادہ ترقی نہ کر سکے اور اس سبب سے جن لوگوں نے
 کسی خاص فن کی اشاعت میں بخل کیا اور اسے اپنے ہی لوگوں اور اپنے ہی
 خاندان میں محفوظ رکھنے کے لیے سینہ بہ سینہ ملتین کیا۔ رفتہ رفتہ وہ فن ہی اس
 قوم سے جاتا رہا۔ پس قومی ترقی کے لیے ضرور ہے کہ علوم و فنون کی اشاعت ہی
 کی جائے اور قوم کے مختلف افراد اپنے اپنے مذاق کے موافق مختلف علوم
 و فنون میں تحصیل اور کتاب کمال کریں اس کے لیے سب سے پہلے ضرورت
 یہ ہے کہ بہت سی تعلیم کا مین قائم کی جائیں اور ان میں عام طور پر ہر شخص کو اس کے
 مذاق کے موافق ایک خاص علم اور خاص فن کی تعلیم دی جائے آج کل بہت سے مدارس
 دیہات اور قصبہ تک میں قائم کیے گئے ہیں اور داخلہ کی عام اجازت بھی دی گئی
 ہے لیکن ان میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ہر سب ایک ہی نصاب کی تعلیم دیتے
 اور طلباء کے مذاق اور میلان طبع کا بالکل خیال نہ کر کے مختلف علوم کی ابتدائی کتابیں
 پڑھاتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مدارس میں پڑھنے والوں کی بہت سی جماعت
 بیکار ثابت ہوئی اور جو وقت کہ ان مختلف علوم میں جن کی طرف طالب علم کا میلان تھا
 صرف ہوا سب بیکار گیا۔ بلکہ ان علوم کے اکتساب کے مشاغل نے اس خاص علم
 کے کما حقہ حاصل کرنے سے محروم رکھا جس کے واسطے قدرت نے اس کی طبیعت
 مناسب بنائی تھی۔ علاوہ ازیں سولے علم اخلاق کے اور کوئی تعلیم مہی کیون نہ ہو خواہ
 کتنی ہی مفید اور ضروری ہو تمام اشخاص کے لیے مفید اور ضروری نہیں ہو سکتا اور بالآخر

مدارس اور
 تعلیمی

ایسی تعلیم کا نتیجہ بے قدری اور تنزل ہوگا۔ اور یہ نتیجہ آج کل کے مدارس کے تعلیم یافتہ اپنی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ نصاب تعلیم کے نقص جتانے اگر یہ ضروری ہیں لیکن چونکہ اس مضمون کی بحث سے خارج ہیں اور اون پر بہت کچھ رد و قدح کیا جا چکا ہے لہذا صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ اگر یہ تعلیم صرف قواعد و معانی کے تیز اور روشن کرنے کے لئے دی جاتی ہے تو یہی اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر کسی شخص کو اس کے مناسب طبیعت کسی خاص علم کی کما حقہ تعلیم دی جائے تو اس تعلیم سے بھی یہ نتیجہ بہت اچھی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔ غرض ملک میں مختلف علوم و فنون کے بہت کثرت سے مدارس قائم کیے جائیں۔ اور ہر طالب علم کو اس کے مذاق کے موافق صرف ایک فن میں صاحب کمال بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہ صاحب کمال ایک ایسا تخم ہو گا جو اپنی اعلیٰ اور محققانہ تعلیم اور تصنیف سے بہت سے ایسے صاحب کمال پیدا کرے گا اور اپنی کامل قابلیت سے اس فن کو اور ترقی دے گا۔ ایسے مدارس کے داخلہ کے لئے فضول شرائط اور غیر ضروری قیود نہ لگائے جائیں۔

ملکی زبان
میں تعلیم

دویم تعلیم ملک کی زبان میں ہو۔ ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں بہت سی مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں اور بد قسمتی سے اون میں ایک ہی علمی زبان نہیں۔ فصاحت و بلاغت کی دیسی سنسکرت آج مردہ زبان ہے۔ عربی جو مسلمانوں کی زندہ زبان ہے جس میں علوم و فنون کے خزانہ موجود ہیں اور جس میں ہر مضمون کو کما حقہ ادا کرنے کی قوت ہے ہندوستان کے مسلمانوں سے کنارہ کش ہے۔ اردو ابھی عالم طفولیت میں ہے لیکن مبصر جانتے ہیں کہ اس نو نہال ہی میں ایسے آثار نمایاں ہیں کہ سارے ہندوستان پر ملکی زبان کی حیثیت سے حکمرانی کی قابلیت رکھتا ہے اور آج اس ہی میں علمی زبان بننے کی قابلیت ہے پس جو لوگ ہندوستان میں اشاعت علوم کے شائق ہیں انہیں اردو کو علمی زبان بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور دنیا کی مختلف زبانوں سے ہر علم اور ہر فن کی کتابیں اردو میں ترجمہ و تالیف

نہیں لائق تسلیم نہیں ہے کوئی زبان شروع سے علمی زبان نہ تھی مصنفین ہی نے
 اسے بڑایا اور درجہ کمال تک پہنچایا۔ جب نئے نئے علوم و فنون آتے ہیں
 تو ان کے ساتھ نئے نئے الفاظ نئی نئی اصطلاحیں بھی آجاتی ہیں اور اس طرح
 زبان میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت انگریزی یا کسی غیر زبان کا حاصل
 کرنا اور اس کے بعد کسی فن کی طرف متوجہ ہونا بہت مشکل کام ہے اور غیر زبان
 کے حاصل کرنے میں اس قدر وقت صرف ہو جاتا ہے کہ پہر فن کے حاصل کر نیکی
 مہلت نہیں ملتی۔ اگر اپنی زبان ہی میں علوم و فنون موجود ہوں تو اگر کوئی شخص باقاعدہ
 طور پر مدارس میں تعلیم حاصل کرے تو یہی وقت بوقت بہت کچھ سیکھ سکتا ہے
 اور بہت کم عمر میں اور بہت سے لوگوں کو وہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے جو اب بہت تھوڑے
 لوگوں کو یہی بہت سی عمر صرف کر کے نہیں حاصل ہوتا۔ اگر گورنمنٹ نے اس طرح
 توجہ کی ہوتی اور اردو زبان میں علوم و فنون مدارس میں پڑھاتی تو آج کو اردو کا پایہ
 کہیں سے کہیں بلند ہوا ہوتا صرف دفاتر میں اردو جاری کرنے سے جب اردو کو
 اتنے تھوڑے عرصہ میں اس درجہ پر پہنچا دیا تو کاجون اور مدارس میں اردو تعلیم سے
 کیا اس نے علمی زبان بننے کا درجہ حاصل نہ کر لیا ہوتا لیکن جب اردو میں علوم کی
 تعلیم ہی رائج نہیں تو کسی شخص کے دل میں اردو زبان میں تصنیف کرنے کی تحریک
 کیونکر پیدا ہو۔ ہندوستانی زبان کی ڈکشنری میں ریل سٹیشن۔ انجن ٹکٹ۔
 پلیٹ فارم وغیرہ الفاظ بالکل موجود نہ تھے لیکن جب ہندوستان میں ریل چلانے کی
 ضرورت ہوئی تو شاید ایک دن ہی ان الفاظ کے موجود نہ ہونے سے ریل کی رفتار میں
 ہرج واقع نہ ہوا اور اب اس قسم کے سیکڑوں الفاظ ہیں جو محکمہ ریل یا تار یا ڈاک وغیرہ
 سے تعلق رکھتے ہیں اور اردو الفاظ کی طرح ملک میں رائج ہیں اگر علوم و فنون جدیدہ بھی
 اردو میں نقل کیے جائیں تو کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اردو میں فنون جدیدہ کے اصطلاحات
 کی عدم موجودگی ارج ہو سکے گی۔ غیر زبان خواہ کسی قدر وسیع کیوں نہ ہو ملک میں اس کے
 جاننے والے کتنے ہی موجود کیوں نہ ہوں بلکہ زبان نہیں ہو سکتی اور یہ شخص اور

فائدہ نہیں حاصل کر سکتا آج سے صرف ساٹھ برس پہلے کی بات ہے کہ دفاتر سرکاری اور خانگی خط و کتابت میں بھی زبان فارسی استعمال ہوتی تھی۔ اور ہندوستان میں مسلمانوں کے پورے چھ سو برس کے زمانہ میں فارسی نے ادنیٰ اور اعلیٰ کی زبان پر قبضہ کر رکھا تھا لیکن آج فارسی کس حالت میں ہے؟ غرض صرف ملک ہی کی زبان جب تک علمی زبان نہ ہو اور اس میں کثرت سے ہر علم و فن کی کتابیں موجود نہ ہوں اچھا علوم محال ہے۔

تصانیف

سویم۔ ہر علم و فن کی کتابیں کثرت سے تصنیف کی جائیں اور جہاں تک ممکن ہو اوزان قیمت پر فروخت ہوں۔ ہندوستان میں اعلیٰ تصنیف اور مصنف دونوں کی کمی ہے۔ بہت سے جدید علوم یورپ کی زبانوں میں ایسے ہیں جن کی ایک ابتدائی کتاب بھی ہمارے کسی اعلیٰ مصنف نے تصنیف نہیں کی در ان حالیکہ وہاں اس مضمون پر چھوٹی بڑی صد ہا کتابیں نہایت قابلیت اور تحقیق سے لکھی جا چکی ہیں۔ یورپ کے کتب فروش اور صاحب مطابع وہاں کے علوم و فنون کی اشاعت میں جس قدر مدد دیتے ہیں اور اپنے ملک کے مصنفین کی جیسی قدر کرتے ہیں ہندوستان کی کوئی ریاست بھی ویسا نہیں کرتی۔ وہاں خود صاحب مطابع طرح طرح کے عمدہ سیریز (سلسلہ) شائع کرتے ہیں جس میں بڑے بڑے مصنفین حصہ لیتے ہیں اور یہ سیریز (سلسلہ) کوڑیوں کے مول فروخت ہوتے ہیں۔ وہاں کی علمی سوسائٹیاں علمی تحقیقات میں لگی ہوئی ہیں اور ہر ملک و ہر قوم سے علم کا ذخیرہ لیکر اپنے خزانہ میں بھر رہی ہیں۔ در انحالیکہ ہندوستان میں ایک جماعت بھی ایسی نہیں ہے جو متحدہ طور پر علمی تحقیقات اور اس کی اشاعت میں مصروف ہو اگر ہم نئی تحقیقات نہ بھی کریں تو اتنا تو کریں کہ جو کچھ وہ علمی سوسائٹیاں جدید تحقیقات کریں اسے بذریعہ ترجمہ یا تالیف اپنی زبان میں منتقل کریں اور بیشک نئی تحقیقات کرنے کی قابلیت تو ہم میں بہت عرصہ میں ہوگی اول تو موجودہ ذخیرہ کو اپنے قبضہ میں کرنا ہی بہت بڑا اور بہت مفید کام ہے قوم کی موجودہ حالت سے امید نہیں ہے کہ وہ غیر گورنمنٹ کی استعانت کے کچھ کر سکے البتہ اگر گورنمنٹ ذرا بھی توجہ کرے تو ہم لوگ سب کچھ

کرنے کے قابل ہو جائیں۔ گورنمنٹ کی طرف سے کسی خاص کتاب یا کسی خاص فن کے ترجمہ یا تالیف کی نسبت اشارہ ہونا کافی ہے لوگ خود اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور تھوڑے عرصہ میں بہت کچھ کر لیں گے۔ طریقہ ہونا چاہیے کہ کسی خاص کتاب کے ترجمہ کے لئے آشت تہار دیگر مختلف نمونوں میں سے ایک نمونہ انتخاب کیا جائے اور اسی شخص سے ساری کتاب کا ترجمہ کرایا جائے اگر کسی فن میں کوئی تالیف مطلوب ہے تو لوگوں کو کمپٹیشن (منافست) کا موقع دیا جائے۔ اور سب سے اعلیٰ کتاب لکھنے والے کے لئے کوئی مناسب انعام مقرر کیا جائے اسی طرح تھوڑے عرصہ میں چند کتابیں تصنیف ہوں گی اور ان میں سے صرف ایک پر گورنمنٹ کا روپیہ صرف ہو گا۔ باقی مصنفین کو جن کی تصنیف اس قابل خیال کی جائے کچھ تھوڑا انعام یا صرف طبع کرانگی اجرت دیدی جائے کہ وہ خود طبع کر اگر فائدہ اوٹھائیں اس طرح لوگوں کے دلوں میں تصنیف و تالیف کی طرف توجہ اور تحصیل علم کی تحریک اور دوسروں پر علم و فضل میں تفوق حاصل کرنیکا شوق پیدا ہو گا جو کتاب گورنمنٹ خود خرید کر کے اپنے دارالاشاعت میں طبع کرائے گی اس سے گورنمنٹ کا مالی فائدہ ہی ہے اور اس طرح تھوڑے عرصہ میں یہہ محکمہ شاید اس قابل ہو جائیگا کہ خود اپنے اخراجات کا کفیل ہو سکے اور صرف گورنمنٹ کا تمام اور نگرانی کا محتاج رہے۔

کتاب کی قیمت

چہارم۔ کتابوں کی قیمت جہاں تک ممکن ہو کم رکھی جائے تاکہ غریب شوقین لوگ بھی بآسانی خرید سکیں اور ہر شخص فائدہ اوٹھاسکے اور ہر اعلیٰ اور علمی کتاب کا ایک ارزان ادیشن ضرور شائع کیا جائے۔

کتاب خانہ

پنجم۔ ملک میں ایسے کتب خانہ بھی ہوں جن میں ہر زبان اور ہر فن کی عمدہ عمدہ تصنیف جمع کرنے کی کوشش کی جائے اور ایسی قدیمی کتابیں بھی جو اب کیاب ہیں جمع کی جائیں ہر شخص کو بلا فیس داخل ہونے اور مطالعہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ مصنفین اور عام طلبہ کو کسی ایسی کتاب کے مطالعہ میں ذرا دقت نہ ہو جو وہ کسی وجہ سے نہیں حاصل کر سکتے۔ ہندوستان کے تمام مصنفین اور اہل مطابع کے ذمہ لازم کر دیا جائے کہ عوامی کتابخانوں

وہ شائع کریں اوسکی ایک جلد کتب خانہ میں داخل کریں۔

ملک میں مدارس اور کتب خانہ قائم کرنے سے کچھ سی فائدہ نہیں ہے کہ لوگ حرفت آشتابن کر خانگی اور دفاتر کے کام انجام دیں گے بلکہ اونکی عقل اون کے دل و دماغ علم کی روشنی سے ایسے منور ہو جائیں گے جن سے اونکی تمام زندگی مسرت بخش اور اعلیٰ ہو جائے گی خصوصاً ایسے بڑے شہروں میں جہاں لوگ تجارت یا خاص خاص صنعت و حرفت زیادہ کرتے ہیں عام کتب خانوں کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ وہ تمام دن ایک ہی مشغلہ میں زیادہ لگے رہتے ہیں اور چونکہ اس سے اکتساب معاش ہوتا ہے اون کی عمر ہی اوس کام میں صرف ہو جاتی ہے ان کے لئے اس سے بہتر و سرادچسپ اور مفید مشغلہ نہیں ہے کہ فرصت کا وقت کتاب بینی میں صرف کریں۔

لیکچر

ششم لیکچر۔ ہر فن کے صاحب کمال کہی کہی اپنی معلومات کا اظہار بذریعہ لیکچر کر کے لوگوں کو فائدہ پہونچائیں۔ عام جلسوں میں لیکچر سننے سے لوگ ایسی بہت سی باتوں سے واقف ہو جاتے ہیں جو اوس سے پہلے اون کو معلوم نہ تھیں اور پہرہ سنی ہوئی باتیں کہی نہیں ہو تھیں اور سامعین کے دل میں اوس علم کے حاصل کرنے اور اوس کمال حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔

جبری تعلیم

ہفتم۔ ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے کہ تعلیم لازمی قرار دینا کس طرح ممکن ہے اور وہ تعلیم کیا ہونی چاہیے اور اوس کا نتیجہ کیا ہوگا اگرچہ میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ کسی غریب آدمی کو اگرچہ وہ خاکروب ہی کیوں نہ ہو ذلیل کہوں یا کسی پیشہ کو جس میں دیانتداری سے اکتساب معیشت ہوتا ہے بتدل بتاون لیکن دنیا میں ضرورتاً ایسے لوگ پیدا کیے گئے ہیں جن کی حالت اس سے زیادہ ترقی نہیں کر سکتی لیکن ان کے علاوہ ہر شخص کو بلکہ شاید ان کو بھی ابتدائی تعلیم دینی مفید ہوگی اور یورپ کی جن قوموں نے تعلیم کو لازمی قرار دیا ہے اونہوں نے اس سے بہت فائدے اٹھائے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ اس مطلب کے حاصل کر نیکے لئے بہت سے مدارس قائم کرنے پڑیں گے اور نہ صرف تعلیم ہی بغیر فیس دینی ہوگی

بلکہ شاید کچھ اس سے زیادہ بارہی گورنمنٹ کو اوٹھانا پڑے۔

یہ تعلیم جہاں تک ممکن ہو بہت کم عرصہ میں ختم ہونی چاہیے اور نہایت ضروری
معلومات اس زمانہ میں پیدا کی جائے۔ ابتدائی تعلیم صرف اسی قدر ہونی چاہیے
کہ انسان کو کاروباری آدمی بنانے کے یعنی مادی زبان میں اس قدر مہارت کہ تحریر
و تقریر اور ادائی مطلب پر قدرت حاصل ہو اور نیز اصول علم حساب کہ دنیا کی معاملات
میں غلطی نہ کرے۔ اس کے بعد ہر شخص اپنی معلومات اور میلان کے لحاظ سے
اعلیٰ تعلیم حاصل کرے یا نہ کرے یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ تعلیم کا لازمی قرار دینا
اہل حرفہ کو اپنے فن میں مہارت حاصل کرنے سے باز رکھے گا اور تعلیم یافتہ اشخاص
کی کثرت کا جو نتیجہ آج ہے اس سے اور بدتر ہو جائیگا۔ لیکن یہ خرابی اس صورت
میں واقع نہ ہوگی جب یہ خیال رکھا جائے کہ ابتدائی لازمی تعلیم میں اس قدر کم زمانہ
صرف کیا جائے کہ کتابت فن میں ہارج نہ ہو اور تعلیم کاروباری آدمی بنانے کے لیے
دی جائے تاکہ وہ اس فن میں اور ترقی کر سکیں اور اپنے کاروبار کو بخوبی سنبھال
سکیں۔ موجودہ طرز تعلیم میں یہ خرابی ہے کہ اس میں عمر کا بہت سا حصہ صرف ہوتا ہے
اور ابتدائی میں وہ علوم شروغ کر ادا کر جاتے ہیں جو کاروبار میں زیادہ مدد نہیں دیتے
اس طرح ضروری تعلیم بھی ایک اتنے عرصہ میں جا کر ختم ہوتی ہے جب عمر اور قوا دوسرے
فن کے کتابت کے لائق نہیں رہتے۔ قدرت کا فیض کسی کے لیے بند نہیں ہے
اور اس نے غریب آدمیوں کو بھی قوا عقلی اور دماغی اعلیٰ اعلیٰ عطا فرمائے ہیں۔
لیکن ان کی زودہ حالت اور بھالت کے سبب ان قوا میں جلا ہونے پاتی ہے
انہ اس کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح ہر شخص اپنے قوا باطنی کو کام میں لا کر
اس درجہ تک ترقی کر سکے گا جو قدرت نے اس کے واسطے معین فرمایا ہو۔

ہشتم۔ ابتدائے لیکر انتہا تک ہر فن کی تعلیم اپنے ہی ملک میں ہو۔ ہمارے
زمانہ میں اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لیے ولایت جانا پڑتا ہے لیکن یہ امر اشاعت
اور ترقی علوم میں بہت مانع اور نہایت مارج ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم کے

بچے ملک میں
تعلیم

موقع اوس ہی شخص کو مل سکتے ہیں جو اس قدر وسیع فرصت اور بڑی استطاعت رکھتا ہو اگرچہ اوس کی قابلیت اوس غریب شخص سے کم ہو جو صرف کم استطاعت کی وجہ سے وہاں جانے سے محروم رہ گیا اور اگر اوس کو موقع ملتا تو اوس شخص سے زیادہ ترقی کرتا۔ اگر ان درجوں کی تعلیم جو ولایت میں محدود رکھے گئے ہیں ہمارے ملک میں دی جائے تو ہر شخص کو داخل ہونے اور ترقی کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور اب کی نسبت ہزاروں قابل آدمی ہمارے ہاں زیادہ ہو جائیں۔ یہ عذر کہ یہاں ویسے کالج اور پروفیسر نہیں ہیں قابل تسلیم نہیں۔ کالج قائم کیے جائیں اور ویسے ہی لائق پروفیسر بلائے جائیں پھر پھوٹے عرصہ میں خود ہمارے ہاں ایسے لائق آدمی پیدا ہو جائیں گے جو پروفیسری کی کرسی کے شایان ہوں۔ ہوا اور ابر کا فیض کسی کے لیے بند نہیں ہے علم کہ غذائی روح ہے کسی کے لیے بند نہ ہونا چاہیے۔

۳۔ تعلیم نسوان

موجودات عالم میں کوئی شے اوس وقت تک کامل نہیں خیال کی جاسکتی جب تک اوس کے تمام اجزاء کامل نہ ہوں اگر کسی لپ کی جمنی شکستہ یا ملی ہو تو خواہ وہ کیسا ہی قیمتی اور خوش نما لپ ہو اوس کی روشنی پوری صاف نہ ہوگی۔ انسان کیسا ہی عالی خاندان کیسا ہی نجیب الطیفین اور دولت و ثروت و حکومت کے لحاظ سے کیسا ہی عالی مرتبت نہ ہو بلحاظ شرافت اوس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اوس کا دماغ علم کی روشنی سے منور نہ ہو۔ جب تک اوس کے اخلاق و فضائل مسلمہ عمدہ اور قابل تعریف نہ ہوں کوئی انسان کیسا ہی طاقتور کیوں نہ ہو اوس کی صحت کامل نہیں تسلیم کی جائیگی جب تک اوس کے تمام اعضا اپنا اپنا کام اچھی طرح نہ ادا کرتے یا نہ ادا کر سکتے ہوں یہی حال قوم کا ہے کہ کسی قوم کا تمدن اوس وقت تک اعلیٰ نہ ہو گا جب تک کہ اوس کے اکثر افراد میں اعلیٰ قابلیت نہ ہو اور کوئی قوم برگزیدہ شریف اور ترقی یافتہ نہیں ہو سکتی جب تک اوس کے اکثر افراد روشن خیال نیک صفات اور دانشمند نہ ہوں۔ انسان کا گروہ مرد اور عورت سے

کمال کی ضروری
شرط

کے بغیر ناممکن ہے۔ ایک کی آسائش خوشی انتظام۔ بقا دوسرے پر منحصر ہے اور کوئی
 گھر جس میں صرف دو آدمی رہتے ہوں اوس وقت تک گھر نہیں کہلایا جاسکتا جب تک انہیں
 سے ایک عورت نہ ہو پس انسان کا گروہ اُس وقت تک شایستہ مہذب ترقی یافتہ نہیں
 ہو سکتا جب تک یہ دو افراد انسانی باہم ترقی نہ کریں۔ عورت و مرد ایک تصویر کے دو رخ
 ہیں اور دونوں کی غلطی تصویر کا حسن ہے جس طرح قوار انسانی کی تہذیب کیلئے دل و
 دماغ دونوں کی قوتوں کی نگہداشت کرنی پڑتی ہے اسی طرح سوسائٹی کی تہذیب کی واسطے
 عورت و مرد دونوں کی تعلیم کی حاجت ہے۔ مرد و عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیہ ہیں
 اور منزل مقصود تک صحیح و سلامت پہنچنے کے لئے دونوں پہیوں کا استحکام لازم
 ہے۔ جو لوگ صرف مردوں کو تعلیم دیکر قوم کو ترقی دینا چاہتے ہیں وہ شاید یہ امید رکھتے ہیں
 کہ پرندہ ایک پر سے آسمان پر اڑ جائیں اور گاڑی ایک ہی پہیہ سے منزل مقصود تک پہنچ جائے
 فطرت نے جو کچھ پیدا کیا ہے اوس کے لئے ایک خاص غرض اور غایت معین
 فرمائی ہے۔ عورتیں دنیا میں محض بیکار و فضول نہیں پیدا کی ہیں بلکہ اُن کے لئے کرشمے
 واسطے خاص کام ہیں اور وہ اگرچہ مردوں کے کام سے مختلف قسم کے ہیں لیکن ایسی ہی
 ضروری ایسے ہی لاجب ہی ایسے ہی اہم اور ایسے ہی مشکل ہیں جیسے مردوں کے کام اور
 اُن کاموں کے لئے تعلیم تربیت عقل و فراست پیش مبنی۔ انتظام کی ایسی ہی ضرورت
 ہے جیسی کہ مردوں کو اپنے کاروبار کے لئے ان چیزوں کی حاجت ہے۔ عورتوں کے
 کام مرد اور مردوں کے کام عورتیں نہیں کر سکتیں اور اگر یہ تفریق اوٹھ جائے تو نظام مل
 بگڑ جائیگا بلکہ ہر ایک کو اپنے اپنے کام با حسن الوجہ پورے کرنے فرض ہیں اور تمدن
 کی ترقی اور قومی حالت کی رفاه بلکہ نسل انسان کی بہبودی کیلئے دونوں کی تعلیم برابر توجہ سے ہونی چاہیے
 عورت مرد کی ساتھی مرد کی شیر مرد کی راز دار اور مرد کے گھر کی مالک اور اوس کے سوا
 برابر کی حصہ دار ہے لیکن عورتیں مرد سے قوت و زور جسم و توانائی میں بہت کم ہیں۔ مرد کے
 اعضا زیادہ سخت زیادہ قوی زیادہ بڑے ہیں۔ عورت کے اوستی نسبت چھوٹے۔
 نازک۔ دُلمے تلے سے۔ قوت بلکہ لگاؤ کے اعتبار سے کم ہیں۔

عورتوں کے
 کام اور ان کی
 ضرورت

عورت کے
 اوصاف

تو عورت کے دلی جذبات مرد سے زیادہ قوی ہیں۔ عقل۔ دور اندیشی تدبیر میں
 خواہ وہ مرد کے برابر نہ ہو لیکن اوس کے دل میں محبت رحم غم غصہ خوشی۔ انفعال کا
 احساس مرد کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ مرد اگر سوسائٹی کا سر ہے تو عورت دل اور
 جس طرح ایک شخصی تہذیب کے لیے دل و دماغ کے قواد کی تہذیب ضروری ہے
 اسی طرح نوعی تہذیب کے واسطے مرد و عورت کی تعلیم لازم ہے اور صرف یہی نہیں
 کہ مرد و عورت کے دماغ اور عورتوں کے دل کی تہذیب کی جائے بلکہ اس کے عکس
 عورتوں کے دماغ اور مردوں کے دل کی تہذیب کی بھی حاجت ہے بلکہ کمزور حصہ
 کو تعلیم کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایک مردہ دل اور بے حس شخص سوسائٹی میں
 رہنے کے قابل نہیں اسی طرح ایک دیوانی عورت بھی گھر کے کام کی نہیں ہے جس
 مرد کے دل میں خدا کا خوف انسانی ہمدردی۔ انصاف نہ ہو وہ خود غرض۔ آزار دہ
 ہو گا اسی طرح جس عورت کے دماغ میں عقل و ذکاوت و فہم نہ ہو وہ اگر خوبصورت
 خوبصورت بھی ہے تو چینی کی مورت ہے اس لیے عورتوں کی قوت عقل کو
 ترقی دینے کے لیے تعلیم کی حاجت ہے۔ تعلیم سے انسان کے قواد باطنی ایسے
 مکمل ہو جاتے ہیں کہ وہ مشاہدہ اور تجربہ سے صحیح صحیح نتائج استنباط کرنے کے قابل
 ہو جاتے ہیں اور جو واقعات پیش نظر ہیں یا جو حالیتیں گزر رہی ہیں ان کی نسبت صحیح رائے قائم
 کر سکتا اور اوس کا خیال اوسکی صحیح کیفیت ظاہر کر سکتا ہے۔ نیز وہ اپنی معلومات کے
 وسیلہ سے صحیح استدلال قائم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم انسان کو اس قابل
 بناتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کے اہم فرائض کی حقیقت کو سمجھتا اور اوس کو با حسن و جوہ
 انجام دے سکتا ہے اس لیے عورتوں کو بھی تعلیم کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ مردوں
 لیکن یہ تعلیم ایسی ہی نہیں ہونی چاہیے کہ عورتوں میں سے اوس خصوصیت بلکہ اوس
 جوہر کو ہودے جو قدرت نے مصلحتاً اون کو عطا فرمایا ہے بلکہ یہ تعلیم و تربیت اس قسم کی ہو
 کہ اگرچہ قواد دماغی کی تہذیب ہو لیکن قواد دلی کی وہ حالت جو فطرتاً پیدا کی گئی ہے اور زیادہ
 ترقی کر کے تعلیم کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ انسان کے فطرتی خواص کو بدلے بلکہ یہ منشا ہے

عورتوں کو تعلیم
 کی ضرورت

کہ جو خالصتین قدر تپا پیدا کی گئی ہیں اور ان میں جلا اور صقل ہو جائے اس لیے اس سے
 پہلے کہ یہ سوچا جائے کہ عورتوں کو کیا تعلیم دی جائے یہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا میں
 عورتوں کو قدرت نے کیا مرتبہ دیا ہے اور کس قسم کے کام اور ان کے سپرد کیے ہیں
 عورتیں اگرچہ مردوں کی لونڈیاں نہیں ہیں لیکن مردوں کو اور ان پر فضیلت حاصل ہے۔
 سوسائٹی میں قدرتا عورت کا رتبہ مرد کے بعد ہے۔ **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ**
يَمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ۔ مرد اپنے بل پر کھڑا ہوتا اور اپنی قوت بازو پر بہرہ
 کرتا ہے۔ مرد کو سکھایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں صرف اپنے ہی کئے سے کچھ ہو سکتا ہے
 اور دنیا میں اسے بلا کسی کے سہارے کے آگے بڑھنا چاہیے لیکن عورت بلا
 سہارے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ضرور ہے کہ عورت اپنے باپ اپنے بھائی اپنے
 خاوند پر بہرہ سہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ بلکہ اس کے پیچھے پیچھے چلے اگر عورت کو
 بلا سہارے چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک دن میں برباد ہو جائیں اور ان کی فطرتی نزاکت عموماً
 دنیا کے حوادث اور سختیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مرد عورت کا محافظ ہے اور عورت مرد
 کی معاون۔ اور وہی تعلیم زیادہ عمدہ۔ زیادہ مفید ہوگی جو عورتوں میں اس معاونت کی
 قابلیت کو بڑھائے تاکہ سوسائٹی کا قوام بگڑے اور ہر جنس اپنے اپنے کام کو اچھی طرح
 انجام دے۔ عورتوں سے یہ معاونت محبت اور مہربانی کی خدمتوں میں ظاہر ہوتی ہے
 ننہ ننے بچوں کی پرورش آسان کام نہیں اور عورت سے زیادہ دل چسپی سے
 اسے کوئی آوا نہیں کر سکتا۔ بیماروں کی تیمارداری جس سلیقہ اور دلی جوش سے عورت
 کرتی ہیں اور عیسایا آرام وہ بیمار کو پہنچاتی ہیں مردوں سے ممکن نہیں۔ رنج۔ مصیبت
 افلاس اور سختی کے زمانہ میں عورتیں عورتوں سے پہنچتی ہیں اور عیسایا خاموشی اور
 استقلال سے وہ مردوں کا ساتھ دیتی ہیں اور صبر و برداشت کرتی ہیں وہ خاص
 ان ہی کا حصہ ہے۔ ان نظام خانہ داری میں عورت سے زیادہ کسی شخص سے انسان کو
 وہ آرام و راحت نہیں مل سکتی جو عورت سے ملتی ہے اور گھر کا انتظام چھوٹی سی بات
 مرد عورتوں کے سروہرے میں اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر

عورت کا رتبہ

عورت کی خدمات

عورتوں کی اخلاقی
خصوصیات

نہیں بلکہ ایسی شے ہے جس پر انسان کی زندگی بہر کی راحت خوشی بلکہ کامیابی کا دار و مدار ہے اور جس شخص کے گہر کا انتظام گہرا ہو اسی کو خواہ امیر ہو یا غریب میں جہنم عورتیں جسمانی طاقت میں مرد کی نسبت کمزور ہوتی ہیں اور اون کے بدن پتی مردوں کی نسبت نازک ہوتے ہیں اسی طرح اون کی قوت ادراک اور فہم مرد کی نسبت کم اور اون کا دل بھی کمزور و نازک ہوتا ہے عورتوں میں حیا اور اخلاق کے حاصل کرنے کی قابلیت مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اون کے مذہبی عقائد بھی مردوں کی نسبت زیادہ مستحکم اور قوی ہوتے ہیں لیکن اوہام پرستی اور ضعیف الاعتقاد ہی بھی بہت ہوتی ہے۔ عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ باعظمت اور زیادہ پرہیزگار ہوتی ہیں اور وہ اس کو اپنی غرت و آبرو کا باعث خیال کرتی ہیں عورتوں میں محبت اور نفرت کے دونوں مادہ مردوں سے زیادہ ہوتے ہیں لیکن اون کی محبت یا بغض کا دائرہ وسیع نہیں ہوتا۔ قومی کاموں میں عورتیں شاذ و نادر ہی حصہ لیتی ہیں اون کی محبت اپنے بال بچوں اور گھر والوں تک محدود رہتی ہے لیکن مہردومی اور شفقت کا مادہ عورتوں میں زیادہ تیز اور قوی ہوتا ہے اور مصیبت زدہ کے حال پر عورتوں کو زیادہ رحم آتا ہے اور اکثر وہ اس کی مدد کرنے میں مردوں سے زیادہ تکلیف بھی برداشت کر لیتی ہیں۔ اور عام طور پر اون کی حالت کا اقتضایہ ہے کہ گہر کے کاروبار اون کے ہاتھوں میں دیتے جائیں اور مرد باہر کے کام سرانجام دیں اگر عورت اور مرد کی ایک ایک ایسی تصویر کھینچی جائے جس سے اون کے خصائل اچھی طرح معلوم ہو سکیں تو مرد کی تصویر سے دلیری ہمت۔ تدبیر ظاہر ہوگا۔ اور عورت کی تصویر دیکھیں تو شرم۔ حیا۔ خوف۔ بہرہ۔ نرم دلی پائی جائیگی۔ اور یہی ایسے صفات ہیں جو عورت و مرد میں تمیز پیدا کرتے ہیں۔ عورتیں صرف مردوں کے دل پہلانے کے لیے ہی نہیں پیدا کی گئی ہیں بلکہ وہ دنیا کے انتظام میں حصہ دار اور امن و آسائش کی کارپرداز ہیں وہ زندگی کو خود اپنے لیے اور دوسروں کے لیے مفید اور بکار آمد بناتی ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اون کو دماغ اور قوت متخیلہ عطا فرمائی ہے۔ اگرچہ یہ قوت مردوں کی نسبت کم ہو لیکن یہ کمی اتنی

قلیم نسوان

لمی نہیں ہے کہ صرف لے درجہ پر ہو جو کام اون کو بطور فرض اور الے پرے ہیں اون
 لیے ہمدرد دل اور فہم رسا کی ضرورت ہے۔ عورتوں کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ وہ اپنا
 سارا وقت آرایش و سنگھار میں صرف کریں اور اگر ایسا کریں گی تو شاید حسن صورت میں
 نظریہ پیدا کر لیں لیکن زندگی کے کاروبار اس سے نہیں چل سکتے بلکہ اس استعداد
 کے حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ تعلیم سے یہ مراد
 نہیں کہ مردوں کی سی تعلیم دی جائے بلکہ اون فنون کی تعلیم سے مراد ہے جو عورتوں کے
 لیے ضروری اور بکار آمد ہیں اور جن کی مقدار اوسی قدر ہو جتنی کہ مردوں کی تعلیم کی۔
 اگرچہ مضامین میں اختلاف ہو۔ تعلیم عقل کو روشن کرتی اور قوار دماغی کو جلا دیتی ہے
 اور گہر کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں عورت کی دانش اور فراست سے اوس کی عمر کی
 نہ بڑھتی ہو۔ تعلیم عورت میں حیالات کی بلندی اور پیش بینی پیدا کرتی ہے اور تعلیم کے اثر
 عورت اس قابل ہو سکتی ہے کہ وہ گہر کا انتظام بلکہ اپنے اور دوسروں کی زندگی کا انتظام
 سوچ سمجھ کر کرے اور انتظام خانگی کے عمدہ عمدہ اصول سوچے۔ تعلیم ہر طرح عورت کو
 ایسی تقویت دیتی ہے جیسی کہ مردوں کو تقویت بخشتی ہے۔ تعلیم عورت کو دہوکہ اور فریب
 سے بچاتی اور اوس کو بہت سے جاہلانہ لالچوں اور اوہام پرستی سے محفوظ رکھتی ہے
 تعلیم عورت کا اثر زیادہ قومی اور ساتھ ہی یادہ مفید بھی دیتی ہے کیونکہ جو کچھ وہ کہتی یا کرتی ہے
 وہ کہنا اور کرنے کے قابل ہوتا ہے اور ہر دل اوس کو نہ صرف بہہولت بلکہ بہ طیب خاطر
 منظور کرتا ہے۔ اگر عورتوں کے اخلاق کمزور اور اون کے دل ناپاک ہوں تو مرد او
 اثر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ انسان کی اخلاقی تعلیم زیادہ تراوس کے گہر کی حالت پر منحصر ہے
 اس لیے عورتوں کی تعلیم نہ اون کی ذات کے لیے مفید ہے بلکہ قومی بہبودی اور ترقی
 کا زینہ بھی ہے۔ جس قدر عورت اور مرد دونوں کے قوار عقلی اور غرضی مہذب اور شایستہ
 ہوں گے جس قدر اون کے دل آرایش سے پاک اور منزه ہوں گے اور جس قدر اون
 قوار کی باگ عقل کے ہاتھ میں ہوگی اوسی قدر سوسائٹی میں امن و ترقی بہبودی اور
 آسائش ہوگی اور اوسی قدر انسان کا تمدن اعلیٰ درجہ پر ہوگا اس لیے عورتوں کو تعلیم

تعلیم نسوان کا اثر
 مردوں پر

دینا گویا مردوں کو تعلیم دینا ہے اور عورتوں کا رویہ اور عقل درست کرنا مردوں کا اخلاق درست کرنا ہے۔ جہاں کہیں عورتوں کی حالت خراب ہوگی وہاں مردوں کی حالت خراب ہونی لازمی ہے کسی قوم کی حالت کے خراب ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اوس کے ممبروں کی حالت درست نہیں ہے اور لڑکوں کی ابتداء کی حالت اس کا نتیجہ ہے کہ مائیں جاہل ہیں بچوں کی صحت اخلاق۔ ابتدائی تعلیم سب ماؤں کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ خصوصاً صحت کا مسئلہ ایسا ہے کہ اخلاق اور تعلیم ہی اوس کے تحت میں آجاتے ہیں جو عورتیں صحت کے اصول سے ناواقف ہیں یا اصول اخلاق سے جاہل ہیں وہ اپنے بچوں کو کسی طرح عمدہ تربیت نہیں کر سکتیں اور اس وقت کی بے تربیتی یا فساد صحت آئندہ عمر بھر اپنا رنگ دکھلاتا ہے۔ تعلیم یافتہ عورت ابتدا ہی سے اپنی اولاد میں حسن اخلاق کی جڑ قائم کر سکتی ہے۔

تعلیم نسوان
کے خصوصیات

ہر چیز کی خصوصیت اوس کا جو ہر ہے۔ آفتاب کی تمازت اور تیز روشنی اوس کا خاصہ ہے۔ ماہتاب کی ہلکی اور ٹھنڈی روشنی۔ ماہتاب کی دلاویزی اور خوشامی اور عام پسند ہونے کا باعث ہے اگر ماہتاب کی یہ خاصیت جاتی رہے اور وہ آفتاب کی ہسری کرنے لگے تو رات کی بہار اور راحت مٹ جائے اور ساتھ ہی ماہتاب بے قدر ہو جائے۔ اگر کوئی تعلیم عورتوں میں سے عورتوں کے جوہر تازہ تو وہ سوسائٹی کے راحت و آرام اور امن و آسائش کو کھو دیگی اور نہ صرف مرد ہی بلکہ عورتیں بھی مصیبت میں پڑ جائیں گی۔ دنیا میں جو شخص جس کام کی واسطے پیدا کیا گیا ہے اوسے پورے طور پر انجام دینا اوس کی سعادت و عزت کا باعث ہے اور اوس حد سے افراط و تفریط میں تجاوز کرنا اور دوسروں کی نقلین اُتارنا اپنی عزت کا کھو دینا ہے اگر کسی عورت سے کوئی ایسا کام بن آئے جو عموماً عورتوں کا حصہ نہیں ہے تو بعض اوقات سوسائٹی کی غلط فہمی سے اس پر بہت واہ و اہونی ہے لیکن وہ صرف تعجب کا اظہار ہوتا ہے اور اوسے وقت تک رہتا ہے کہ ایک

طرح ناپا اور کرتب دکھانا گھوڑے کی صفت نہیں ہے لیکن سرس کے گھوڑے
کرتب دکھاتے ہیں اور تماشائی اون کی تعریف کرتے ہیں اسی طرح سوسائٹی میں
بعض عورتیں غیر معمولی طور پر مردوں کے سے کام کرتی ہیں اور اون کی تحسین و آفرین
بھی ہوتی ہے لیکن وہ صرف اظہار تعجب ہے۔

سوسائٹی پر عورتوں کے حقوق ہیں اور اون میں سب سے بڑا حق یہ ہے کہ
عورتوں کو تعلیم دی جائے **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ** لیکن
فرض وہ تعلیم ہے جو عورتوں کے ذاتی جوہروں کو نہ صرف قائم رکھے بلکہ ترقی دے۔
اول مذہب کی تعلیم عورتوں کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ مذہب کی تعلیم
خدا کا خوف۔ ایمانداری۔ صداقت۔ پرہیزگاری۔ عصمت۔ رحمہلی۔ انصاف۔
فیاضی۔ رقت قلب۔ صبر۔ توکل۔ پیدا کرتی ہے اور یہ ایسے اوصاف ہیں جو
ایک عورت میں لازمی طور پر ہونے چاہئیں۔

مذہب کی تعلیم

عورتوں میں مذہبی تعلیم تمام سوسائٹی کو مذہب کی طرف مائل رکھتی ہے چونکہ
قاعدہ ہے کہ جو کچھ وہ کہہ میں دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں اور جو مذہب مان کے دودھ
کے ساتھ اون کو حاصل ہوتا ہے وہ رگ رگ میں ایسا پیوستہ ہو جاتا ہے کہ یہ ہر اک
دل سے اوس کے اعتقادات نہیں بہول سکتے۔ مان کا اثر چونکہ روئے کو
بہت کچھ بناتا یا بگاڑتا ہے جس طرح بچے بچنے میں عورت کے دودھ سے پرورش
پاتے اور اوسکی گود میں پلتے ہیں اسی طرح اس عالم طفولیت میں مان کے اخلاق
سے اون کی روح نشوونما پاتی ہے۔ اگر وہ دینداری کی ہوا میں پلتے ہیں تو ضرور
بڑے ہو کر بھی اون کے دل میں مذہب کی چمک رہتی ہے اور جو بچی اپنے گھر میں
جہالت کا اندھیرا دیکھتے ہیں اور بے دینی اور لامذہبی کی باتیں بچتے ہیں اون کے
دل میں گہر کر چمکتی ہیں تو بڑے ہو کر اگر اون کو علم دین پڑایا جائے تو اوس کی جڑ
مضبوط نہیں ہوتی **اَلَا مَشَاءُ اللّٰہ**۔ عالم طفولیت میں چونکہ عورت کا اثر اتنا بلیق

کی جہت سے ہوتا ہے۔ جو انون پر عورت شیر صلیح کا ہمد و ہمزاز بن کر اپنا اثر ڈالتی ہے۔ غرض کہی مان بہن کی جہت سے اور کہی بیوی کی حالت میں مردون پر عورت کا اثر ہوتا ہے اور انسان کی قسمت میں یہ اثر اچھا اور بُرا ہو سکتا ہے۔ دیندار عورت کا اثر ہمیشہ اچھا۔ ہمیشہ مفید اور قابل اعتماد ہوگا اور جہان عورت کی بے دینی اپنا اثر ڈال رہی ہو مان کی نحوست اور بربادی کا کہن ٹھکانا نہیں ہے۔

اپنی زبان کی تعلیم

دویم اپنی زبان کی تعلیم ہونی چاہیے۔ کلام کی شستگی اور لطافت عورتون کی زبان کا جوہر ہے۔ اون کے محاورے اور ادائی مطلب کی آسان اور دلکش کہیں اون کی ضرب الامثال۔ زبان میں شیرینی اور شستگی پیدا کرتی ہیں۔ اور اوسکی سادگی اور حسن کو قائم رکھتی ہیں۔ زبان کی آراستگی میں مردون سے زیادہ عورتوں کا حصہ ہے کیونکہ جو صفائی اور شیرینی مرد بہ تکلف زبان میں پیدا کرتے ہیں عورتیں بے ساختہ اور قدرتی طور پر اسے ادا کرتی ہیں اس لئے اپنی زبان کی تعلیم عورتون کو اعلیٰ درجہ کی دینی چاہیے۔ یہ تعلیم نہ صرف عورتون کے جوہر کو ترقی دے گی بلکہ خود سوسائٹی کو اس سے یہ فائدہ پہونچے گا کہ زبان میں وسعت اور لطافت پیدا ہوگی۔

جو عورتیں اپنے عزیزوں یا خاوندون سے دور ہوتی ہیں اور جہالت کے سبب اون کو خط تک نہیں لکھ سکتیں اون کی تکلیفیں اور دقتیں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں غیر در خط لکھوانے یا پڑھوانے پر پڑتے ہیں اور کوئی بات خواہ کسی قدر راز کی کیون نہ ہو پوشیدہ نہیں رکھ سکتیں۔ اپنی زبان پر اتنی قدرت کہ ہر طرح کے مضمون کو بہ آسانی ادا کر سکیں عورتون کو حاصل ہونی چاہیے۔ جو شخص اپنے مافی الضمیر کو مناسبت الفاظ میں ظاہر نہیں کر سکتا وہ گونگا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص کو اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے کہ وہ کسی بیوی او سکا مطلب سمجھ سکے یا اپنا مطلب ادا کر سکے۔ اسی طرح عورتون کا خط بھی پاکیزہ اور پختہ ہونا لازم ہے وہ اگر خوشنویس نہ ہوں تو صاف اور بایقرا ضرور لکھتی ہوں۔ حروف میں اس قدر خوشنمائی ہو کہ اچھے معلوم ہوتے ہوں۔ ذاتی کمالات کی خوشنمائی ظاہری اور عارضی بنا و سنگھار سے زیادہ و لفریب اور قدر افزا ہوتی ہے ایک عورت کے ہاتھ میں

خوشنما خط لنگن اور چوڑیوں سے زیادہ دلکش ہے اور اسکی وقعت اور عزت کو بہت بڑھا دیتا ہے
 سویم علم حساب - یہ ضرورت نہیں ہے کہ دفاتر کے محاسب اور تجارت پرست
 اشخاص کو ہی حساب میں مہارت ہو بلکہ حساب ہر مرد اور ہر عورت کو جانا چاہیے۔
 کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ انسان کو علم حساب کے اصول سے کام نہ پڑتا ہو ہر چھوٹے
 سے چھوٹے گھر کے انتظام کے لیے یہی حساب جاننے کی ضرورت ہے امیر و میسر
 بیویوں کو تو علم حساب سے ہر روز زیادہ کام پڑتا ہے کیونکہ ان کو اپنے گھر کا انتظام بڑے
 پیمانہ پر کرنا ہوتا ہے۔ چونکہ عورتیں علم حساب سے ناواقف ہوتی ہیں اس سبب سے
 گھر کے کاروبار کے انتظام میں وہ اتنا حصہ نہیں لے سکتیں جتنا لینا چاہیے اور اپنے
 مرد و بچہ کا فحاشی انتظام میں ہاتھ نہیں بٹاتیں۔ بعض مردوں کی نسبت عورتوں کو یہ
 شکایت ہوتی ہے کہ وہ خود خرچ اوٹھا لے میں بیشک گھر کا خرچ اوٹھانا عورت کا حق ہے
 لیکن عورتوں کو اپنے تئیں اس لائق بنانا چاہیے کہ وہ آمدنی کو سلیقہ سے خرچ کر سکیں
 اور آمد و خرچ کا حساب مرتب رکھ سکیں۔ جاہل عورتیں ذرا ذرا سے لین دین میں دھوکہ
 کھا جاتی ہیں اور گھر کی آمدنی کا ایک حصہ اپنی جہالت کے ہاتھوں برباد کرتی ہیں عورتوں میں
 کاروبار کی قابلیت ایسی ضروری ہے جیسی کہ مردوں میں اور اچھے منظم گھر میں آرام و
 فلاح قائم رکھنے کے لیے عورت میں کام کرنے کا سلیقہ ہونا لازم ہے کام سے یہی
 مراد نہیں ہے کہ تجارت ہو بلکہ زندگی کا معمولی کام جو روزمرہ کیا جاتا ہے ایسا ہی ضروری
 ہے اور ہر چیز جو گھر کے استعمال کے لیے خریدی جائے یا گھر کی کوئی چیز فروخت
 کی جائے یا بنائی جائے کام ہے اور ان سب کے لیے علم حساب جاننے کی ایسی
 ضرورت ہے جیسی کہ دکانداری کے لیے۔ شادی بیاہ کے موقع پر ہزاروں روپیہ خود
 عورتوں کو خرچ کرنا پڑتا ہے اور چھوٹی بڑی ہزاروں چیزیں خریدی اور بنائی جاتی ہیں
 کیا ایسے وقت علم حساب کا جتنا ضروری نہیں ہے۔ علاوہ ازیں علم حساب طبیعت میں
 غور محنت اور کفایت شعاری کی عادت ڈالتا ہے اور ترتیب ہوشیاری پابندی طریقہ
 اور صحیح نتیجہ نکالنا سکھاتا ہے۔ علم حساب کی ضرورت رو بہ ہمارے گھر کے لیے اس قدر

نہیں ہے جس قدر روپیہ خرچ کرنے کے لیے ہے اور گہر کاروبار و عورتیں ہی خرچ کرتی ہیں
 چارم اصول خانہ داری تدبیر منزل کے بیان میں۔ خانہ داری کی لیاقت کی
 ضرورت پر کسی قدر وضاحت سے بحث کی گئی ہے۔ شاید اس بات کے ثابت
 کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ عورت کو اصول خانہ داری سے واقف ہونا لازم
 ہے اور یہ ضرورت امراء کو غریبا کی نسبت بہت زیادہ ہے جس قدر کسی گھر میں دولت
 زیادہ ہو اسی قدر گہروالی میں انتظام خانہ داری کی لیاقت زیادہ ہونی چاہیے۔
 اگر کسی انجینئر کو فن تعمیر میں واقفیت نہ ہو۔ یا ڈاکٹر کو علم طب سے آگہی نہ ہو یا سپاہی کو
 استعمال آلات حرب نہ آتا ہو تو وہ اپنا فرض ادا نہیں کر سکتا۔ جس عورت کو اصول
 خانہ داری سے آگہی نہ ہو وہ خواہ مردوں کے سے کام کرے بلکہ اون سے بہتر
 کرے لیکن عورت کے کام انجام نہیں دے سکتی۔ کوئی کام کیون نہ ہو اوسکا
 طریقہ آنا ضرور ہے اور اسی کا نام سلیقہ ہے۔ علاوہ ازین پیش بینی بھی سر انجام
 امور میں مدد دیتی ہے اور پیش بینی اوس وقت حاصل ہو سکتی ہے جب دماغ میں
 امور کے جانچے نیوچے اور نتیجہ نکالنے کی قوت ہو اور علم و تجربہ فی قوت متخیلہ کو قوت دی ہو
 افسوس ہے کہ ملک میں اس وقت ایسی کمی رائج نہیں ہیں جو اصول
 خانہ داری سکھاتی ہوں۔ سینا پر ونا کہا نا پکانا۔ گہر کا خرچ چلانا۔ نوکردن کی نگرانی
 بچوں کی نگہداشت اور پردریش اون کی تربیت وغیرہ ایسے سہل کام سمجھے جاتے
 ہیں کہ اون کی طرف ہمارے مصنفین نے ابھی تک التفات نہیں کیا اور اوس
 آسائش و برکت کے حاصل کرنے میں مدد نہیں کی جسکی ہر شخص کو ضرورت ہے۔
 عورتوں کو اون کے مناسب حال تعلیم نہ دینا ایک غلطی سے نکال کر دوسری غلطی
 میں ڈالنا ہے اون کو دنیا میں وہ کام نہیں کرنے جو مردوں کو کرنے ہیں پھر دونوں کو
 ایک سی تعلیم کیافائدہ دیگی؟ عورتیں تو عورتیں تمام مردوں کو ایک سی تعلیم مفید و بکار
 نہیں ہو سکتی اور اس زمانہ میں قومی تنزل کا بڑا سبب یہی ہے کہ مردوں کو ضرورت
 زمانہ کے مطابق تعلیم نہیں دی جاتی بلکہ سب کو ایک لکڑی پانکا جاتا ہے اگر اس گروہ

اصول خانہ داری کی تعلیم

میں عورتیں بھی شامل ہو گئیں تو سوسائٹی ترقی تو کرے گی لیکن معکوس !
 خانہ داری کا علم عورت کا خاص حصہ ہے اگر دیگر علوم میں اسے کمال دیا جاسکے
 حاصل ہو لیکن خانہ داری کے اصول سے ناواقف ہو تو وہ عورت عالمہ و فاضلہ کہتی
 ہے لیکن عورت نہیں ہو سکتی۔ کوئی شخص جو علم حساب سے ناواقف ہو تاجر نہیں ہو سکتا
 اسی طرح عورت خانہ داری کی قابلیت کے بغیر عورت کہلانے کی مستحق نہیں۔
 عورت کو خواہ امیر ہو یا غریب۔ جوان ہو یا بڑھیا۔ منکوحہ ہو یا غیر منکوحہ ہر حال میں
 گھر کے ہر کام کرنے کی لیاقت اور ہر کام کو اچھی طرح انجام دینے کی استعداد حاصل
 ہونی لازم ہے کیونکہ یہ عورت کا بڑا فرض ہے اور اگر ان کاموں کا اسے علم نہ ہو تو یہ
 کام آسان نہیں بلکہ مشکل نظر آئیں گے۔ اور مشکل یہی ایسے کہ نہ خود کرنے کی لیاقت
 اور نہ خادموں سے کام لینے کی قابلیت۔

تعلیم نسوان کا جہان ذکر کیا جاتا ہے وہاں حروف کی شکلوں اور الفاظ کے معنی
 جاننے سے مراد لی جاتی ہے لیکن تعلیم صرف اسی کا نام نہیں ہے بلکہ ہر پیشہ اور ہر کام کی
 تعلیم جو کسی خاص شخص یا فرقہ کے لیے ضروری ہے اسے حاصل کرنی چاہیے ورنہ وہ
 اوس فن میں جاہل رہے گا۔ کسان اور زمیندار کو فلاح و زراعت۔ باغبان کو باغبانی
 معمار کو عمارت کا علم جتنا ضروری ہے۔ اسی طرح انتظام خانہ داری کا علم عورت کو لینے
 فرض ہے اور تعلیم نسوان کے حایوں کو سب سے پہلے یہ تعلیم دینی چاہیے خصوصاً
 طفولیت کے زمانہ میں اس میں مہارت پیدا کرنی لازم ہے اگر ابتدائی عمر میں اس طرف
 توجہ نہ کی جائے تو آئندہ بھی اس کام میں دل نہ لگے گا۔ بعض عورتوں کی یہ تعریف
 کی جاتی ہے کہ وہ شعر خوب کہتی ہیں بعض ہارمونیم خوب بجاتی ہیں کسی نے کسی
 غیر زبان میں مہارت حاصل کی ہے لیکن یہ اوصاف اوس وقت تک بہت
 عجیب اور محسن معلوم ہوتے ہیں جب قوم کے کروڑوں افراد میں ایک دو نے یہ
 خصوصیت حاصل کی ہو اگر تمام عورتیں صرف اسی طرف متوجہ ہو جائیں اور گھر بار کے
 کام جو درجہ تو آج گھر کا شہانہ کا علم نہ لگے گا۔

تلاش ہو اگر یہ سلیقہ مند عورت کو جاہل کہنا زیبا نہیں ہے۔ شاید کوئی شخص ایسی
 عورت پسند نہ کرے گا جو میان اور بچوں کے کپڑے سینے تو درکنار اپنے کپڑے بھی سینے
 کے لیے درزی کو دے اور اگر گھسی باورچی یا ماما یا کانیوالی نہ ہو تو اس دن گھر کے گھر
 کو فاقہ کرنا پڑے اور بجائے سینے اور بچائیے کے اوٹنے میں کرنا نیکو ایک غل گھر کی ہو
 اگر اوقات باقاعدہ صرف کئے جائیں اگر ہر کام مناسب وقت پر اور مناسب
 طریقہ سے کیا جائے تو عورتوں کو اتنا وقت ملتا ہے کہ وہ گھر کے کام دھندسے کے
 بعد لکھنا پڑھنا سیکھ سکیں اور بعض عورتیں کوئی خاص علم بھی اچھی طرح سیکھ سکتی ہیں۔
 امیر آدمیوں کی بیویاں اور بیٹیاں گھر کے کام کرتے ہوئے اس سبب سے
 شرماتی ہیں کہ وہ کام اون کی خلاف شان ہیں لیکن یہ چوٹی شرم ہے جو کام جس کے
 کرنے کا ہے اس کے کرنے میں ذلت نہیں عزت ہے۔ گھر کا کوئی کام عیب اور
 قابل شرم نہیں بلکہ یہ کام نہ کرنے اور نہ سیکھنے قابل شرم ہیں اور ان کاموں میں جس قدر
 اعلیٰ مہارت ہوگی اسی قدر وہ عورت زیادہ قابل قدر خیال کی جائے گی۔ اس سے
 عورت کا مذاق اس کی ذہانت اور طبیعت کی کیفیت معلوم ہوتی ہے کیونکہ گھر کو بنانا
 اور سنوارنا آرائش اور زیبائش کا سبب ہے عمدہ کہانا اور کپڑا تیار کرنا صرف پکانا اور
 سینا ہی نہیں ہے بلکہ جس کے واسطے کیا گیا ہو اس کی محبت کا اظہار اور اس کے
 واسطے تفریح اور راحت کا سامان ہوتا ہے جس کی دل عزت اور قدر کرتے ہیں۔

علم حفظانِ صحت اور
 طب و ڈاکٹری کی
 تعلیم

پنجم۔ علم حفظانِ صحت۔ انسان کی صحت اس کا حسن ہے اور عورت کا حسن
 اس کی قیمت زیادہ کرتا ہے۔ عورتوں کو صحت و توانائی کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی
 مردوں کو۔ عورتوں کے ذمہ خانہ داری کے کام ہیں لیکن وہ کام آسان نہیں اور ان کی
 نگرانی اور انجام دہی بغیر کامل صحت کے ناممکن ہے علاوہ ازیں صحت قیام و ثبات
 ذات کا سبب ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ عورت کی ذات دنیا میں ایسی ناکارہ ہے
 کہ اس کے قیام و ثبات کی نگہداشت نہ کی جائے اس واسطے عورتوں کو اصول

کی نگہداشت کی لیاقت نہ ہو تو ڈاکٹر اور حکیم اوس کی صحت کی ذمہ داری کر سکیں بعض
 موقع اور حالتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہاں کسی عمدہ طبیب کا میسر آنا ناممکن ہوتا ہے یا بعض
 بے احتیاطیان بیماریاں پیدا کرتی ہیں اور یہ بیماریاں اگرچہ ابتدا میں خفیف معلوم ہوتی
 ہیں لیکن پھر عمر بھر کے لیے روگ لگا دیتی ہیں۔ جب تک خود انسان کو حفظ صحت کے
 اصول نہ معلوم ہوں وہ صحت جیسی نازک اور ضروری چیز کو اچھی طرح قائم نہیں رکھ سکتا۔
 بچوں کی صحت کا مسئلہ اور بھی زیادہ نازک ہے اور اونکی پرورش بالکل عورتوں
 ہاتھ میں ہے بے احتیاط اور ناواقف عورتیں بچوں کی صحت کو ایسا خراب کر دیتی ہیں
 کہ وہ بڑے ہو کر ہمیشہ مریض اور ناتوان رہتے ہیں اس واسطے لازم ہے کہ عورتوں کو
 حفظان صحت کے اصول سے آگاہی ہو۔ اس کے علاوہ بعض عورتوں کو طب و ڈاکٹری
 میں پوری مہارت بھی حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنی قوم اور ملک کی عورتوں کی خدمت
 کر سکیں۔ عورتوں کی بعض بیماریاں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ وہ ڈاکٹروں سے بیان کرتے
 شرماتی ہیں بعض وقت یہ ضرورت آپڑتی ہے کہ اگر کوئی عمدہ ڈاکٹر مشورہ اور مدد نہ دے
 تو اون کی جان پر بن جاتی ہے اور ان تمام موقعوں پر عورتوں کی خدمت کی زیادہ
 حاجت ہوتی ہے۔ عورتیں فرقہ انات کے ضروریات و مختصہ حالات اور تکالیف کے
 خود واقف ہوتی ہیں اس سبب سے اون کے امراض اور کیفیت کو زیادہ سہولت سے
 سمجھ سکتی ہیں اور چونکہ اوس تکلیف کا احساس کر سکتی ہیں اون کو قدرتنا بیمار سے زیادہ ہمدردی
 اور اوس کے حال پر زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ ایک شریف عورت جس طرح ایک لیڈی
 ڈاکٹر سے اپنی کیفیت بیان کر سکتی اور آزادی سے اپنے تئیں اوس کے حوالہ کر سکتی ہے
 یہ گوارا نہیں کرتی کہ مردوں کو اوس کی خبر ہی ہو۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر عورتوں کی ضرورت
 اس قدر زیادہ ہے کہ غیر ملکوں سے ڈاکٹر عورتیں یہاں آکر ہندوستانی عورتوں کی خدمت
 کرتی ہیں۔ یہ ملک جس طرح تجارتی اشیاء میں دوسروں کا محتاج ہے اسی طرح حفظ صحت
 اور بقائی شخص کے لیے بھی دوسروں کی معاونت کا حاجت مند ہے۔ یورپین و امریکن ڈاکٹر

ملک کی خدمات پورے طور پر انجام دے سکیں۔ بڑے شہروں میں صرف امراء ایسے
 ایسے نازک موقع پر اون سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ جب جان پر آسے اور اون کی
 طلب کے بغیر علاج ہی نہ ہو۔ باقی چھوٹے چھوٹے شہروں کے باشندے اور ہر طبقہ کے
 اکثر اشخاص ان کی خدمت سے محروم ہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ غیر ملک کی عورتیں ایسی
 بہرہ رومی اور دل سوزی سے توجہ نہیں کر سکتیں جیسی اپنی قوم اپنے ملک اپنے
 مذہب کی عورتیں بکار آمد ہو سکتی ہیں۔ جن کو یکانگت کے سبب یہ سہولت اور ہر وقت
 طلب کرنا اور مشورہ لینا ممکن ہو۔ متوسط حال اور غرباء تو یورپین لیڈی ڈاکٹروں سے
 ادائیگی کی عدم استطاعت کے سبب رجوع نہیں کر سکتے اور جو کرتے بھی
 ہیں تو بیماری سے زیادہ اخراجات کی تکلیف سے مصیبت میں پڑ جاتے ہیں۔
 اختلاف زبان بھی پورے طور پر فائدہ حاصل کرنے نہیں دیتا۔ نہ یہاں کی عورتیں
 اپنے مطالب اور حالت کو اون کی زبان میں ادا کر سکتی ہیں نہ وہ یہاں کی زبان
 اچھی طرح سمجھتی ہیں۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے سے الگ اور ناواقف رہتے
 ہیں اور علاج جیسے نازک کام میں دقت واقع ہوتی ہے۔ اگر اپنے ملک کی عورتیں طب
 و ڈاکٹری میں مہارت حاصل کر لیں تو یہ دقتیں رفع ہو جائیں اور ہزاروں جانیں تکلیف
 و مصیبت سے بچ جائیں۔

ششم۔ عام واقفیت۔ یہ ضرور نہیں کہ عورتوں کی تعلیم کو ان ہی مضامین
 پر محدود رکھا جائے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ بلکہ یہ چیرمین تعلیم کا لازمی جزو ہیں
 اور ابتداء میں ان سے واقفیت حاصل کرنی فرض ہے جس طرح لباس زیور پر مقدم
 ہے۔ اسی طرح یہ مضامین دوسرے مضامین پر مقدم ہیں۔ ان میں جہان تک کمال
 حاصل کیا جائے بہتر ہے اس کے علاوہ اگر فرصت و موقع ہو تو علم و فضل میں زیادہ
 کمال حاصل کرنا اور قوار و داعی کو ترقی دینا شرافت و سعادت کی تکمیل ہے۔

دیگر مضامین
 کی تعلیم

باب سویم

خدا کا فرض انسان پر

مذہب

علم کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اسے اُن فرائض کے ادا کرنے کی تدبیر معلوم ہو جاتی ہے۔ انسان کا سب سے پہلا فرض ہے کہ وہ اپنے خالق کو پہچانے اور اس کی عبادت کرے اور اس کا نام پڑھے دنیا میں پیدا کیے فلاسفر بھی ہوئے ہیں جنہوں نے باوجود علم و فضل مذہب کے انکار کیا ہے مگر اُن کی تعداد مذہب کے ماننے والوں سے کم بلکہ بہت کم ہے اور تاریخ میں قدیم سے قدیم زمانہ میں جہاں کسی قوم کا پتہ لگا ہے وہاں اس کے مذہب کا ضرور پتہ لگا ہے اگرچہ کیسی ہی ضعیف الاعتقادی کی بنیاد پر کیوں نہ ہو جس زمانہ میں شائستگی اور تہذیب کا نام بھی نہ تھا اور انسان اپنی ضروریات زندگی صرف جانوروں کی طرح یا اس سے کسی قدر بہتر اور اکر تا تھا۔ جب وہ درختوں کی جڑوں اور پہلوں اور پتوں پر گزارہ کرتا تھا۔ جبکہ وہ زمین کے بہت یا جھوڑوں میں رہتا تھا تو اس وقت بھی کسی مذہب کا پتہ نہ تھا اس سے ظاہر ہوا کہ مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ قدرت طبعی طور پر ہمیں سکھاتی ہے اور ہمیں کوئی امر و نہی نہیں کیا جاتا جو ضروری اور سچا نہ ہو۔ اگر دنیا میں سے مذہب اُدھتہ جائے تو اخلاق کبھی قائم نہیں رہ سکتا اور دنیا فتنہ نامیدی اور یاس کا منظر ہو جائے کوئی شخص اپنے انجام یا آخرت یا موت کو امید نہ دیکھے اور تسلی نہ حاصل کرے اور زندگی کا آخر زمانہ نہایت تاریک اور دل خراش ہو اور کوئی شخص روحانی زندگی کی طرف رجوع نہ کرے بلکہ صرف امور دنیوی کے سرانجام اور خود غرضی کے خیالات رہ جائیں اور روز بروز زیادہ پست ہوتے جائیں مذہب نے دنیا میں جس قدر ترقی پہنچائی اور جس قدر اعلیٰ نتائج مذہب کے ادنیٰ اشارہ نے پیدا کیے اُن سے دنیا بے خبر نہیں ہے وہ قومیں جو بالکل کمزور حالت میں

مذہب کی ہے

مذہب کا اثر
دلوں پر

مذہب کا اثر
اخلاق پر

پڑی تہیں مذہب کے اثر سے اون میں شجاعت اور دلیری پیدا ہو گئی۔ بزدل
اور بے ہمت بہادری کا دم بہرنے لگے۔ جو لوگ غلامی کی حالت میں تھے مذہب نے
اون کو آزادی دی اور وحشی اور خونخوار قوین مہذب و شایستہ ہو گئیں مذہب کے
سوا اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو انسان میں یکایک ایسی تحریک پیدا کر دی اور اونی کیا پلٹ
جہاں قانون کی دسترس نہیں وہاں مذہب ہی راہ راست پر لاسکتا اور رکھ سکتا ہے
انسان کو ایسے ہزاروں موقع ملتے ہیں کہ اگر وہاں کوئی گناہ کرے تو قانون نہیں جان سکتا
اور قانون کی سزا کا خوف کہی اون مواقع پر باز نہیں رکھ سکتا مگر صرف خدای تعالیٰ کے
علیم و بصیر ہونے کا ایمان اور سزا و جزا کا یقین ہی بچا سکتا ہے۔ اور کونشنس جن امور
کو صحیح و غلط بتاتا ہے اون پر عمل صرف مذہب ہی کر سکتا ہے۔ خفیہ خیالات اور ارادوں
صرف مذہب ہی کا قابو چل سکتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ صرف مذہب ہی
ابتائی جنس کے ساتھ عدالت۔ محبت۔ مروت۔ ہمدردی سکھاتا ہے۔ خود مذہب عصمت
پاکدامنی پر قائم رکھ سکتا ہے اگر مذہب نہ ہو تو قانون ہیج ہے نہ کہی قانون کی روک
کافی ہو سکتی ہے اگر مذہب اڑھٹہ جائے تو انتظام دنیا بالکل اتر ہو جائے قانون اس سے
زیادہ نہیں ہے کہ جو لوگ خاص معاملہ میں مذہب کے قانون سے تجاوز کریں اون کو
اپنی دسترس کے موافق درست کرے۔ مذہب تمام اخلاق کی جڑ ہے اور سچی مسرت
صرف مذہب ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ مذہب دنیوی رشتوں میں اتحاد و لوگوں میں
اخوت و دوستوں میں محبت و یگانگت۔ مصیبتوں میں استقلال اور آرام۔ صبر و شکر و غم و
الم میں تسکین و مدد۔ معاملات میں عدالت۔ غرض تبارکی میں نور اور موت میں امید پیدا
کرتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلِی النُّوْرِ۔ جب دنیا کے
کاموں میں ناامیدیوں کی انتہا نہیں رہتی اور کلیفین اور مشکلیں چاروں طرف سے گھیرتی
ہیں تو خداوند عزوجل کی ذات پاک کا یقین اور اس کے انعامات کے وعدوں پر بہرہ ور
ہی زندگی کا وسیلہ رہتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی خاص مذہب کی فضیلت

ملے ترجمہ اور اللہ جانتا ہے جو دنوں میں ہے۔ نہ اللہ دوست ہے اون لوگوں کا جو ایمان لائے غلات ہی
ادوم کو تیار کیا ہے

جناون یا کسی خاص مذہب کے اصول کی تعلیم کروں بلکہ صرف اس قدر جتنا ہے کہ
 مذہب الابدی اور ضروری چیز ہے اور اصلاح امور معاش و معاد و اخلاق و تمدن میں
 اس سے بڑھ کر رہتا اور اس سے عمدہ معلم اور اس سے قوی حاکم اور کوئی نہیں۔ اور
 خداوند عزوجل پر ایمان اور اس کی عظمت و محبت و سیاس گزاری کا اثر طبیعت کو
 مجلی اور مہور کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ انسان کے افعال و اقوال کو دیکھتا اور سنتا ہے
 خداون کی نگہداشت کرتا اور اون پر رحمت نازل کرتا ہے اور جو اس کی مدد کے خواہاں
 ہیں اون کی مدد فرماتا ہے۔ **وَكُفِّنِي بِاللّٰهِ وَكِيلًا**۔

بیدنی کا اثر

جو لوگ الحاد کی تعلیم دیتے ہیں یا الحاد کے قائل ہیں وہ نسل انسان میں سے تمام
 اصلی آرام۔ دلی تسکین اور اطمینان قلبی۔ امید۔ مدد اور حیات جاودانی کی بیج کنی کرتے
 ہیں۔ اگر یہ ممکن ہو کہ تمام ستاروئی روشنی بھادی جائے تو رات کیسی تیرہ و تاری ہو جائے
 پس اس ستارہ کو بھانا جو روح کو روشن کرتا ہے کیسا خوفناک ہے۔

تمام آفرینش اپنے
 خالق کو ظاہر کرتی ہے

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت شناس آنکھ دی ہے وہ دیکھتے ہیں کہ
 صانع قدرت کا جلوہ موجودات کے ہر ذرہ میں موجود ہے اور ادنیٰ و اعلیٰ ہر ایک چیز
 ظاہر کر رہی ہے کہ اس کا کوئی ایسا صانع ہے جس کی قدرت اور حکمت کو کوئی نہیں
 پہنچ سکتا۔ **اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وََاٰخِلَاتِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ**
اٰيٰتٍ لِّاُولِيْ اَلْبَآبِ۔ زمین و آسمان دریا و سمندر پہاڑ پھل پھول۔ چاند اور سورج
 ستارے۔ ستارے انسان و حیوان وغیرہ کل نظام قدرت اس کے بے انتہا علم
 اور غیر محدود دانش کی مثالیں ہیں۔ جن لوگوں نے نظام قدرت کے اصول ختم غور
 و نظر سے ملاحظہ کیے ہیں وہ ذرا اور اسی بات میں ایسے سرسراہٹیں پاتے ہیں کہ انسان
 خواہ کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو بغیر استعجاب کر رہ نہیں سکتا اور اس کو کم از کم اتنا
 ماننا پڑتا ہے کہ قوت بشری ایسے انتظام کرنے سے قاصر ہے۔ پس جیسا انسان کہ

لے اور بس کرتا ہے جسہ اکام بنانے والا۔ لے تحقیق پیہ اکرنے میں آسمان و زمین کے
 اور آگے پیچھے تھے میں رات دن کے البتہ نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔

استیفاءات ہے ایسا عاجز و تار ساس ہے تو بدیکر ان چہ رسد۔ کارخانہ عالم میں ایک
 نظام شمسی ہی ہے کہ عقل دیکھ دیکھ کر دنگ ہوتی ہے اور منجم جانتے ہیں کہ ایسے ایسے
 بے تعداد نظام ہیں اور اس زمین اور اس دنیا سے بڑے بڑے اور بہتر سے کرہ
 ہیں جن پر وہ قادر و الجلال حکمرانی کرتا ہے۔ اس نظام میں ایک سیارہ دوسرے
 سیارے کے گرد اس طرح گردش کرتا ہے اور وہ بلحاظ قد و قامت فاصلہ سمت رفتار ایسا
 ٹھیک اور مناسب ہے کہ کل مل کر ایک عمدہ انتظام اور اتحاد پیدا کرتے ہیں۔
 پروفیسر فلٹ بیان کرتے ہیں کہ زمین چاند اور سورج سے اس طرح متعلق ہے کہ
 موسموں کے تغیر و تبدل فصل کی آمد و رفت مد و جزر کے وقوع میں نہ کہی بی ترتیبی
 ہوتی ہے نہ وہ کہ اور اس نظام شمسی جیسے اور اس سے کہیں بڑے بڑے کرہ اور
 اور نظام ہیں اور لاکھوں سورج اور ستارے فضا میں پہلے ہوئے ہیں لیکن انہیں
 ایسی ترتیب اور تعلق ہے اور ایسے ریاضی کے اصول پر قائم ہیں کہ وہ باہم ایک دوسرے
 کی اور کل نظام کی کامل محافظت کرتے ہیں اور ہر جگہ اتحاد و خوبی پیدا کرتی ہیں ہر ایک
 مدار دوسرے مدار پر اثر ڈالتا ہے اور ان کا تجاذب اس طرح ہے کہ اگر اوس میں
 ذرا فرق واقع ہو تو تمام نظام منتشر ہو جائے لیکن یہ نظام ایسے حیرت انگیز اصول پر
 قائم ہے کہ یہ ظاہری خوفناک پہیلا دے بربادی کے روکنے اور عام خوبی پیدا کرنے کے
 باعث ہوتے ہیں۔ کیونکہ دوسری قوتیں مناسب قاعدی پر اوہنیں درست رکھتی ہیں
 یہ مسلم ہے کہ مادہ میں ارادی اور تجویز کی قوت نہیں ہے نہ اوس میں یہ لیاقت ہے
 کہ کوئی ایسا قاعدہ مقرر کرے کہ تمام امور ٹھیک ٹھیک اور مفید واقع ہوں۔ اگر
 یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ مادہ فی نفسہ خاص خاص خواص رکھتا ہے جن کا اثر نظام
 عالم پر پڑتا ہے۔ مگر اسی ترکیب کیونکہ حاصل ہوتی کہ ہر فعل کا نتیجہ مفید اور موبد
 یہ نظام پیدا ہوا۔ کیونکہ انہیں اوس میں بے ترتیبی اور خلل واقع ہوتا اور وہ خاصیتیں
 کہی کوئی بے ڈھنگا نتیجہ کیونکہ پیدا نہیں کرتیں۔ یہ خاصیتیں اوس قاعدے سے جو
 سموات والارض نے مقرر فرمادیا ہے اگر ذرا انحراف کریں تو تمام عالم کو اکدم مرہ و تہ و بالا کریں

مادہ میں قوت
 ارادی نہیں

نہیں بنا بلکہ
وہ قانون ہے

اگرچہ میں کوئی ترتیب اور قاعدہ نہ ہوتا تو اس امر کے شبہ کرنے کی وجہ ہوتی
کہ اس پر کوئی حکمران نہیں ہے۔ مگر نیچر کے تمام سلسلے نہایت مدبرانہ ترتیب اور کامل
قوانین سے وابستہ ہیں۔ جن کو نہ کہیں تبدیل کی ضرورت ہوتی ہے نہ جس میں کہیں
تغییر واقع ہوتا ہے اور یہ قاعدہ اس طرح واقع ہوا ہے کہ مادہ کی تمام خاصیتیں جو نہایت
تیز اور قوی ہیں اس کے حکم کی مطابقت سے نہ صرف نظام پیدا کرتی ہیں بلکہ کوئی
فعل حکمت اور کسی پہلائی سے خالی نہیں ہے پہر کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ مادہ نے اپنی
سرکش طاقتوں کو اس طرح قابو میں رکھا در ان حالیکہ کوئی حاکم نہ ہوا۔

مذاق ان قدر
کا متض ہے

قوانین قدرت اپنے مقنن کی بے انتہا قدرت کا اظہار اپنے فعل میں
کرتے ہیں جیسا کہ کسی فاضل کی لیاقت کا نمونہ اس کی ایجاد کی ہوئی مشین کے
پرزوں اور ہر حرکت سے ہو۔ مثلاً ایک گھنٹہ ہی ہے کہ پرزوں میں کام کرنے کی قوت
ہے مگر جب تک وہ بالترتیب نہ جائے جائیں ان سے ٹھیک ٹھیک وقت معلوم کرنا
ناممکن ہے۔ یہ خیال کیسا مضحکہ آمیز ہوگا۔ اگر کوئی شخص بیان کرے کہ بغیر گھڑی سان
کی قوت فکر کے تمام پرزے اس طرح جمع ہو گئے اور فطر چلنے لگا۔ اگرچہ وقت
گھنٹہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن تمام شکریہ کا مستحق موجود ہے گھنٹہ۔

گرچہ تیرا زکسان بھی گزرد از کما نذر بسند اہل خرد

تمام قسم کے
محسوسات کو سمجھنا
کرنے سے جو
غیر عاجز ہیں

یہ کوئی دلیل نہیں کہ ہم خدا کو نہیں دیکھ سکتے۔ خدا تو خدا ہم تو ہوا کو بھی نہیں
دیکھ سکتے اور ہوا کے احساس میں قوت ہائی شامہ باصرہ اور ذائقہ تینوں بیکار ہیں
صرف سامعہ اور لامعہ اسے احساس کر سکتی ہیں پس جس طرح کسی چیز کا بعض حواس
سے معلوم ہونا محال ہے ممکن ہے کہ کسی چیز کے احساس میں پانچوں حواس ظاہری
بیکار ہوں اور عقل و نور ایمان ہی اس تک راہ نمائی کر سکے۔

اتفاقاً کوئی فعل
میرزا نہیں ہوتا
نکوئی غریب نہیں ہوتا

ہم خدا کو نہیں دیکھتے لیکن خدا کے کاموں کو دیکھتے ہیں۔ یہ عجائبات فی حقائق
ایسے مکمل اور ایسے اعلیٰ ہیں کہ ان سے زیادہ بہتر ہونا ممکن نہیں اگر کوئی ان کا بنا بنا
نہیں ہے تو ان کی ایسی حیرت انگیز ساخت کیونکر ہوتی؟ اور یہ کمال و خوبی کہاں سے

آئی؟ جو لوگ خداوند تعالیٰ کی ذات کے قائل نہیں وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ
 اتفاق سے مادہ نے ایسی صورت اختیار کی اور اتفاق سے اس کو اوصاف ایسی عطا کیے
 ایسے خوبصورت اور ایسے اعلیٰ ہوئے لیکن فی الاصل اتفاق کوئی چیز نہیں ہے
 اور اگر ہو بھی تو وہ اندھا دہند کام کر سکتا ہے نہ اس میں اشیاء کے جاننے کی تیز
 ہو سکتی ہے نہ اون کو انتخاب کرنے اور ترتیب کی عقل۔ اتفاق سے یہ کیونکر ممکن
 ہے کہ اتنی بڑی اتنی وسیع گونا گوں اور بوقلمون کائنات پیدا کرے اور اس میں وہ
 انتظام اور ترتیب ملحوظ رکھے جو تدبیر و اندیشہ کی حد سے بہت بالاتر ہے اس لیے
 ضرور ہے کہ اس تمام کائنات کا ایسا خالق ہو جس کی غیرتناہی قدرت جس کی بحد و
 اندازہ عقل ہو۔ جس کی تدبیر اتنی سلیم اور درست ہو کہ اس کے کاموں میں ہر اصلاح
 کی گنجائش اور نقص کا نام باقی نہ رہے نہ کہ وہ بے ارادہ اور بلا اندیشہ پیدا ہو کتنی عمدہ
 نظم کی کتاب ہو اور پڑھو۔ کیا کوئی شخص یہ خیال کر سکتا ہے کہ کسی قادر الکلام شاعر
 کے بغیر یہ نظم پیدا ہو گئی اور حروف جو ایک زمانہ میں علیحدہ علیحدہ تھے خود بخود اگر
 اس طرح جمع ہوئے کہ اون سے الفاظ بنے اور پہر الفاظ اس طرح مرتب ہوئے کہ
 اون سے فقرے بنے اور وہ بھی مقفیٰ اور ہم وزن۔ پہر الفاظ کی ترتیب ایسی باقاعدہ
 اور درست واقع ہوئی کہ اس سے نہایت باریک اور نازک معنی پیدا ہوئے۔
 اور معنی بھی مسلسل۔ واقعات کا خاکہ کہنیا تو ایسا کہ تصویر آنکھوں کے سامنے گنچ گئی کسی
 منظر کا بیان کیا تو ایسا ہی و لفظ کہ پڑھنے والا محو ہو گیا۔ غم و غصہ۔ محبت و مبغضت
 کی تصویریں کہنچیں تو ایسی عمدہ کہ آنکھوں کے سامنے سماں بندہ گیا۔ غرض ایک
 کتاب طرح طرح کی دل چسپ اور مفید مضامین سے آراستہ ہوئی۔ اور یہ صرف
 حروف کے اتفاقاً مل جانے سے ہوا اور کسی شاعر کی قوت تخیلہ کو اس میں دخل نہیں!
 جس اتفاق میں اتنی قدرت نہیں کہ ایک مصرع گھڑ سکے تو ساری نظم گھڑ لینا کس طرح
 ممکن ہے۔ کوئی فلسفی جو قدرت الہی کے بطلان پر تلمیظ ہے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کوئی
 نظم حروف کے اتفاقاً جمع ہونے سے پیدا ہو سکتی ہے بلکہ یہ کہ قدرت

جو عمدہ سے عمدہ نظم و نثر کی کتاب سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے کیونکہ بغیر مصنف کے پیدا
 ہو گئی! اگر پردہ کے پیچھے سے ستار بجنے کی آواز آ رہی ہو تو کون ایسا بیوقوف ہوگا کہ
 جو یہ اعتبار کرے کہ بغیر انسان کے ہاتھ کی مدد کے ستار کے تار آپ ہی آپ پڑے
 رنج رہتے ہیں اور دلکش ترانہ پیدا کر رہے ہیں یا ایک سنان جگل میں ایک پتھر کی
 صورت کھڑی ہوئی ہو تو فلسفی یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یقیناً یہاں پہلے آدمی رہتے تھے۔
 اور ان کو سنگ تراشی میں بہت بڑا دخل تھا۔ مورت کے اعضا کی موزونیت۔
 تراش کی خوبی اور صفائی۔ صورت اور خط و خال کی مناسبت۔ ساخت اور استادگی
 کے طرز میں انسان سے بالکل مشابہت صنایع کی ہنرمندی پر دال ہیں اگر کسی
 فلسفی سے یہ کہا جائے کہ اس مورت کو انسان نے کبھی نہیں بنایا بلکہ مادہ (خاک)
 کے ذرے خود بخود اگر اس طرح جمع ہونے لگے کہ ہر روز زمانہ اس قسم کی ایک
 مجموعی صورت پیدا ہو گئی جو انسان کی شکل سے بالکل مشابہ ہے اور ایک عرصہ
 کے بعد اس میں چلنے پھرنے سوچنے سمجھنے اور استدلال کرنے کی عقل پیدا
 ہو جائے گی تو کون اس کا یقین کرے گا؟ لیکن تعجب ہے کہ ایک گروہ اس کا
 قائل ہے کہ انسان جس کی تصویر بغیر بنائے نہیں بن سکتی خود بغیر صانع کے پیدا
 ہو گیا اور اتفاق جو ریت کے ذروں کو ایک جگہ جمع نہیں کر سکتا کہ ایک مورت بنادے
 اس نے زمین۔ آفتاب۔ ماہتاب۔ سیارے۔ درخت۔ پتھر۔ انسان۔ حیوان
 اور لاکھوں کڑوڑوں طرح کے کامل نظام پیدا کر دیے جن میں سے ایک انسان
 بھی ہے کہ اپنی ساخت میں ایک حیرت انگیز صنایع کا مجموعہ ہے دیگر مخلوقات کی طرح
 یہ بھی مادہ سے بنا ہے لیکن اس میں عقل اس درجہ پر ہے کہ کسی اور شے میں نہیں
 سوچنے کی قوت اور حیوانات میں بھی ہے لیکن بہت کم۔ سوال یہ ہے کہ کیا مادہ
 میں سوچنے کی قوت اور عقل و تمیز ہے اور قوت عقل و تمیز کیا کوئی علیحدہ چیز ہے جو
 انسانی مادہ میں زیادہ کی گئی ہے؟ اگر خود مادہ میں یہ قابلیت ہے کہ بغیر کسی مادی
 کے قوت میں پیدا ہو تو یہی کم از کم یہ تسلیم کرنا چاہیگا کہ تمام مادہ سوچنے کی

مادہ میں قوت
 اور آگ و فہم
 نہیں ہے

قوت نہیں رکھتا اور جو مادہ کہ آج سوچ سکتا ہے پچاس برس پہلے سوچنے اور سمجھنے
 پر قادر نہ تھا۔ مثلاً وہی مادہ جس کا ایک نوجوان لڑکے کا جسم بنا ہے دس برس
 پہلے جب وہ پیدا ہوا نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مادہ میں
 تخیل کی قوت ایک خاص قسم کی ترکیب اور ترتیب اور بعض اجزاء کی حرکت سے
 پیدا ہوتی ہے۔ ایک پتھر یا لکڑی یا پھل پھول سوچنے کی قوت نہیں رکھتا ہے
 اور ان کو متخیل بنانے کے لیے ان کے تمام اجزاء کو ایک نئے ڈھنگ سے
 ترکیب دینا اور خاص طریقہ سے ایک درجہ پر پہنچانا ضرور ہے۔ وہ کون ہے جسکو
 یہ اندازہ ہے کہ مادہ میں اس طرح یہ تغیر پیدا کیا جائے۔ اور اس درجہ تک (نہ ذرا کم
 نہ ذرا زیادہ) اس کی ترکیب بدلی جائے۔ کہ یہ بے ڈھنگا مادہ ایک لڑکے کی
 صورت اختیار کرے اور اس میں رفتہ رفتہ ادراک فہم۔ ذہانت۔ عقل۔ شعور۔
 پیدا ہو یہ مسلم ہے کہ وہی مادہ جس سے یہ صورت بنی ہے عقل سے خارج ہے
 پھر عقل کا پیدا کرنا اور ایسا حکیمانہ کام کرنا اس سے کیونکر ممکن ہے۔ مادہ سے
 بیشک سب چیزیں بنتی ہیں لیکن اس سے زیادہ احمقانہ خیال اور نہیں ہو سکتا
 کہ مادہ سب چیزوں کو بناتا ہی ہے اور وہ اوصاف اور ان میں پیدا کرتا ہے جو خود
 مادہ میں نہیں لگے یہ کہا جائے کہ مادہ اور عقل دو علیحدہ چیزیں ہیں اور انسان کا جسم
 ایک مادہ سے بنتا ہے اور عقل اس میں زیادہ کی جاتی ہے تو یہی کسی صانع
 کی ضرورت ہے جو عقل جیسے پیش بہا جو ہر کو مادہ میں ملائے کی قوت رکھتا ہو۔

کائنات کی کل
 چیزیں بیکار پیدا
 نہیں ہوئیں۔

ملحد فلاسفہ کا قول ہے کہ دنیا اور اس کی چیزیں انسان کے لیے یا کسی
 مطلب کے لیے نہیں بنائی گئی ہیں بلکہ خود انسان نے دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو
 اپنے مطلب کا بنا لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان قدرت کی لاکھوں چیزوں کو
 استعمال کرتا ہے اور ان سے آرام پاتا ہے لیکن قدرت نے ان چیزوں کو
 انسان کے آرام کے لیے نہیں بنایا بلکہ یوں ہی بے تمیزی سے پیدا کر دیا تھا
 انسان نے جن چیزوں کو جس طرح اسے مطلب کا بنا لیا ہے۔

کسی پہاڑ کے ناہموار پتھروں پر پاؤں رکھ کر اوپر جایا اور نیچے آیا کرے تو اس سے
 یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ ناہموار چٹانیں اس لیے بنائی گئی تھیں کہ وہ حقانوں کو
 سیڑھیوں کی طرح استعمال کرے یا اگر خوب زور کا مینہ پڑ رہا ہو اور کسی شخص کو
 وہاں کوئی ایسا غار مل جائے کہ اس میں پناہ لے لے تو اس سے یہ ثابت نہیں
 ہوتا کہ وہ غار خاص اسی کام کے لیے بنایا گیا تھا بلکہ انسان نے اس حسن اتفاق
 سے فائدہ اٹھایا۔ یہی دنیا کی تمام موجودات کا حال ہے کہ اتفاق سے بن گئیں
 نہ ان کے بننے کا کوئی خاص مطلب نہ غرض خود انسان نے ان کو اپنے مطلب کا
 پایا اور استعمال کرنے لگا۔ پس اگر تعریف ہے تو انسان کی ہر کھو سے اپنے
 گرد و پیش کی چیزوں کے کام میں لانے کا ذہب آتا ہے بلکہ دین کی یہ بڑی دلیل
 ہے لیکن اس سے زیادہ کمزور دلیل اور کوئی نہ ہوگی جسے سن کر منہسی آتی ہے
 دنیا کی مثال چٹان یا غار کی سی نہیں ہے جس کے ذریعہ سے انسان پہاڑ پر چڑھا
 یا دم کے دم اس نے پناہ لی بلکہ دنیا کی مثال ایک مکان کی سی ہے جس کی عمارت
 شاندار اور وسیع ہے اور جس کے دالان اور کمرے ضرورت کے لیے مناسب اور
 ایک دوسرے کے متناسب بنائے گئے ہیں جس میں نہ صرف تعمیر کی خوبصورتی
 کا لحاظ رکھا گیا ہے بلکہ مکین کی ضرورتوں کے لحاظ سے آرام اور صحت کا بھی
 پورا خیال ہے اور جس میں تمام بیش قیمت اور بوقلمون اسباب ایسی عمدگی سے
 آراستہ کیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ بہتر ممکن نہیں ہے اور اس کی ایک ایک
 چیز سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سوچ سمجھ کر اس کام کے لیے بنائی گئی تھی۔
 اس مکان میں کوئی چیز ناموزون اور بے جوڑ نہیں ہے اور ڈھونڈے سے بھی کوئی
 ایسی چیز نہیں ملے گی جو کسی خاص فائدہ یا غرض کے لیے نہ بنائی گئی ہو ایسی عمدہ ایجاد کی
 نسبت کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اس کی تکوین برفائدہ اور ضرورت کی گئی تھی اور اتفاق سے
 وہ سب سے اور مناسب اور مفید نکلی۔ بلکہ صاف ظاہر ہے کہ عمارت کا یہ منشاء تھا کہ اس کے
 بنائے ہوئے محل نہ صرف لائق رہے بلکہ مفید ہو اور انسانی فائدہ کا وسیلہ بنے۔

صفات الہی

پس جب اللہ تعالیٰ موجودات کے ذرہ ذرہ پر قادر اور حاکم علی الاطلاق ہے تو ضرور ہے کہ اوس کا علم موجودات کی ہر فرد سے زیادہ اوس کی قدرت کائنات کی ہر شے سے برتر اوس کے صفات تمام نقائص سے منزہ اوس کی ذات خواہ بشری سے پاک و مبرا ہو اوس کی رحمت ہر دل کو ڈھارس دے اوس کا عدل ہر شخص کو تنبیہ اور تادیب کا خوف دلائے اوس کے جلال اور اوس کے قہر سے ہر وقت انسان ڈر رہتا ہے اور جانے کہ کوئی آنکھ نہیں ہمیشہ دیکھتی ہے کوئی ہاتھ نہیں پکڑے ہوئے ہے اور جب تک ہم اوس کی مرضی کے مطابق نہ چلیں اور اوس کے احکام کی بجا آوری نہ کریں نہ دنیا میں کوئی ٹھکانا ہے نہ دین میں اور ہماری خوش قسمتی سے اگرچہ مذہب کے بہید سمجھنے میں ہماری سمجھ قاصر ہو مگر احکام ایسے لکھل اور صاف ہیں کہ نہ اون پر کار بند ہونا اگر ان سے نہ اون کی تقسیم میں ذرا وقت ہے مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرْجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُؤْتِيَكُمْ نِعْمَةً عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ پہر یہ کس قدر خوبی ہے کہ حسن تمدن اور حسن معاشرت ہی شریعت کی تعلیم ہے اور دنیوی فرائض کی بجا آوری اور حقوق کی نگہداشت ہی خدا کی خوشنودی اور رضا مندی کا باعث ہے پس اصول شریعت پر کار بند ہونا علی وجہ الکمال شریعت لائق کی اصلاح ہے کیونکہ احکام شریعت معاملات میں عدالت انسانی جنس کے ساتھ رعایت اور صداقت نیز ادائی فرائض سکھاتے ہیں اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنا علم انسان کو دیا ہے کہ انسان خدامی تعالیٰ سے مدد طلب کرے اور اوس کی مرضی کے موافق کام کرے شریعت اوس کی رضا جوئی کا خاص طریقہ ہے پس احکام شریعت میں فرصت و تنہائی کے وقت جب انسان خدامی عزوجل کے سامنے سر نیاز جھکاتا ہے اور اپنی عبودیت کا اقرار کرتا ہے تو اوس کا رتبہ زیادہ بلند ہو جاتا ہے اور اسکی روح میں تازگی اور جلایا پیدا ہوتی ہے اور اوس کو یہ اطمینان اور تسکین حاصل ہوتی ہے کہ وہ ایسی بارگاہ میں موجود ہے جس سے بڑا کوئی دربار نہیں اور ایسے عظیم الشان مقام

احکام مذہب

عبادت کا
انسان پر اثر

لہذا انہیں چاہتا کہ تمہاری لیے کوئی ہرج کرے بلکہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تمہاری نعمت بوری کرے شریعت کی

تعلق اخلاص و عبودیت قائم کرنے سے اوس کے دل کو ایسی تقویت حاصل ہوتی ہے جو کسی فانی بادشاہ کے اکرام اور وعدوں سے ممکن نہیں۔ خواہ کیسی ہی تہنائی اور ہونکا مقام کیوں نہ ہو عبادت الہی کی حالت میں خوف و پریشانی معلوم نہیں ہوتی اور رتبتہ گران گزرتا ہے انسان کے خیالات اور دلی جذبات اسفل سے اعلیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اسی سبب سے عبادت میں انشراح خاطر حاصل ہوتا ہے کیونکہ اوس کے دل میں نئی امیدیں پیدا ہوتی ہیں اور نئی کیفیتیں اوس پر اپنی تجلی ڈالتی ہیں۔ خوف و رنج و ہراس و انقباض رفع ہو جاتا ہے اور ایک طینت کی اعلیٰ کیفیت اور استغنیٰ کا ساسور حاصل ہوتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ وَاقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوْا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

عبادت کبر و نخوت سے بچاتی ہے اور خود داری قائم رکھتی ہے

انسان مختلف خیالات اور مختلف حالتوں کا مجموعہ ہے کہیں اوس کا علم اتنا وسیع ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز کی ماہیت اور حقیقت کی گہنہ معلوم کرتا ہے اور کہیں اوس پر اس قدر جہالت طاری ہوتی ہے کہ اپنی ذات اور اپنے رتبہ کو بھی نہیں پہچانتا اور اپنے رتبہ کی شناخت میں اتنی غلطی کرتا ہے کہ جب غرور و نخوت عجب و سر تکندی کی طرف رجوع ہوتا ہے تو ریاست و شہنشاہی سے گزر کر خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور خود بینی میں ایسا گرفتار ہو جاتا ہے کہ اپنے سوا کوئی چیز اسے اعلیٰ اور برتر نہیں سمجھتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جابر اور ظالم۔ ناخدا ترس۔ سفاک بن جاتا ہے لوگوں کے حقوق تلف کرتا ہے اور اپنی قوت غضبی کے جوش میں ملک کو برباد اور ویران کرتا ہے۔ وہ ایک مست آہی یا جھلائے ہوئے شیر کی طرح ہر طرف حملہ کرتا ہے اور خوف و ہراس پھیلاتا ہے۔ دوسری جانب تنزل کی طرف مائل ہوتا ہے تو اپنے رتبہ سے اتنا گر پڑتا ہے کہ جمادات اور نباتات کی پرستش کرتا ہے۔ حیوانات کو مغفول جانتا ہے تو ہمت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ضعیف الاعتقاد می ہر ادنیٰ چیز کے سامنے

لے تختہ ہو لوگے بیان ملاؤ اور انہوں نے ایسے کام کو کرنا اور زکوٰۃ دی اون کے لئے بد لہے اون کے رب کے پاس اور اون کو کوئی دین نہیں ہے۔

جہکا دیتی ہے اس حالت میں اوس کی روح ابتذال کی طرف مائل ہوتی ہے اور
 اوس میں کمزوری اور تاریکی پیدا ہو جاتی ہے لیکن سچا مذہب انسان کو سکھاتا ہے
 کہ انسان اشرف المخلوقات ہے وہ بیشک برگزیدہ ہے لیکن مطلق العنان نہیں
 بلکہ اوس کے اختیارات محدود ہیں اور اس بزرگی کا حق ہر شخص کو حاصل نہیں
 بلکہ اون کو حاصل ہوتا ہے جو اوس کے مستحق ہیں۔ یہ استحقاق وراثۃ عطا
 نہیں ہوتا بلکہ انسان خود اوسے پیدا کرتا ہے اور جس کا دل جس رتبہ پر پہنچنے
 کو چاہے پہنچ سکتا ہے۔ مذہب یہ بھی سکھاتا ہے کہ انسان کی قدرت اور قوت
 بہت کم ہے اور ایسا خدا می قادر مطلق اوس پر حاکم ہے جو اوس کے افعال کو
 دیکھتا اور اوس سے باز پرس کر سکتا ہے اور ایک دن انسان کو اوس کے سامنے
 اپنے پہلے بُرے کاموں کا حساب دینا اور جواب دہی کرنی پڑے گی۔ اِنَّ الدِّیْنَ
 یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَکُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا نَسَوْتُمْ الْحِسَابِ
 عبادت الہی ایک طرف انسان کو اپنی حد سے قدم باہر نکالنے نہیں دیتی اور
 اوس میں عجز و انکسار کی کیفیت کو قائم رکھتی ہے دوسری طرف اوسے انسانیت
 کے رتبہ سے گرنے نہیں دیتی اور وہ ایسے خدائی ذوالجلال کے سوا جو جسم و مادہ
 جہت و مکان سے بالکل پاک ہے اور جسکی قوت و عظمت لا انتہا ہو اور کیسے سامنے نہیں
 اس زمانہ میں جہان امور معاشرت اور لباس میں فیشن کا اتباع کیا جاتا ہے
 خیالات میں بھی فیشن کی ہوا چل رہی ہے۔ ہر شخص یہ استثناء بعضے انگریزی کی
 تھوڑی مہارت پیدا کرتے ہی اصول مذہب کو لغو بنانا شروع کر دیتا ہے اور اون
 کا رہنما ہونا یا احکام شریعت بجا لانا تو نہ صرف خلاف خلیفہ یعنی سمجھتا ہے بلکہ اون خصال
 رفیہ سے بھی بدتر جو وہ خلیفہ یعنی کے پردہ میں اختیار کر لیتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے
 نوجوانوں نے انگریزوں کی خوبیاں نہیں بلکہ اون کی بُرائیوں اور خرابیوں کا چربہ
 اوتارا ہے بہت سے اشخاص جو عرفاً خلیفہ یعنی کہلاتے ہیں علوم ظاہری و باطنی

بے دینی کا
 سبب

دو نو سے بے بہرہ ہیں اور صرف شراب پینے لباس اور تکلفات ظاہری میں
 روپیہ برباد کرنے۔ آزادی کو بے حیائی کے طور پر استعمال کر نیا لے ہیں
 انہوں نے فصول خچی میں روپیہ برباد کرنا اور پیا فوجا نا ہی سیکھا کاش یہ انگریزوں کا
 پابندی وقت۔ ادائی فرائض منصب۔ تلاش علوم۔ توسیع تجارت کسب کمال
 حب وطن حب قوم جستجوی فضیلت میں ہی اتباع کرتے مگر افسوس ہے ایسے
 بہت کم ہیں جنہوں نے ٹھوڑا یا بہت اوصاف حمیدہ سے حصہ لیا ہو وہ اپنے دماغ
 اور خیالات کی بلندی صرف اسی میں دکھاتے ہیں کہ اپنے اسلاف کی ہر ایک شئی
 کی خواہ کسی قدر عمدہ ہوتی کہ مذہب کی بھی حقارت کریں۔ وہ اپنی عقل کو اس قدر
 کامل اور اس قدر رسا جانتے ہیں کہ جو اون کی سمجھ میں نہ آئے اس کے وجود ہی
 سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ کیا اور اون کی عقل کیا۔ اور عقل ہی وہ جس کو تعلیم
 مذہبی کی ہو اس ہی نہ لگی ہو اور تعلیم کا معیار اگر کچھ ہو بھی تو صرف یونیورسٹی کو رس
 جس طرح علم نباتات کا ماہر عمدہ انجینئر نہیں ہو سکتا۔ اور ایک اعلیٰ درجہ کا مہندس علم حیوانیات
 سے ناواقف ہوتا ہے۔ جس طرح علم عروض کا ماہر منطقی استدلال نہیں سمجھ سکتا۔
 جس طرح ایک منجم فلسفہ پر بحث نہیں کر سکتا اور اس کی عقل اپنے علم کے سوا دوسرے
 علوم میں اچھی طرح نہیں دوڑتی اسی طرح علم دین پر ہے اور اس میں کمال حاصل کیے
 بغیر مذہب کی کنہ حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی نہ ہر ایک انسان کی عقل اگرچہ علوم
 دنیوی سے بہرہ مند ہو موز مذہب کو سمجھ سکتی ہے۔ انسان و انسان قوت عقل
 میں متفاوت ہیں بعض بہت تیز عقل اور ذہین ہوتے ہیں بعض کم بعض بالکل ہی
 بے وقوف۔ بعض کسی خاص فن کے مسائل کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں اور دوسرے
 فن میں اون کی عقل نارسا ہوتی ہے۔ مثلاً اکثر علما کہ منطق و فلسفہ ریاضیات
 وغیرہ میں ید طولی رکھتے ہیں قانون اور پولٹیکس میں اون کی عقل کام نہیں کرتی
 اور اگر انتظام مملکت اون کے ہاتھ میں دیدیا جائے تو اون کا علم ذرا بھی رہنمائی نہیں
 کر سکتا۔ بعض لوگ ایک مسئلہ کو سہولت سے سمجھ لیتے ہیں بعض بہ وقت بعض بالکل

مذہب کی کہ بھینے
 کے لیے علم مذہب
 کی ضرورت ہے

نہیں سمجھ سکتے اسی طرح ممکن ہے کہ بعض مسائل ایسے مشکل ہوں (اور وہ دین کے
 بعض مسائل ہیں) کہ افراد انسانی میں بہت بڑے بڑے بھی ہوں کو نہیں سمجھ سکتے
 اور صرف وہی لوگ اُن کی حقیقت سے واقف ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے
 خاص علم عطا فرمایا ہے اور جن کے سینے حقیقت و معرفت کے نور سے معمور ہیں
 کوئی صحیح مسئلہ اگر کسی شخص کی سمجھ میں نہ آئے تو وہ مسئلہ غلط نہیں ہو سکتا اس صورت
 میں تصور اس کی فہم کا ہے نہ مسئلہ کا۔ دنیا میں ایسی بہت سی باتیں ہیں انسان کی سمجھ
 میں نہیں آتیں۔ اور ممکن نہیں کہ قدرت کے تمام اصول ہر ایک شخص سمجھ سکے۔
 لیکن کیا ہر ایک بات سے جسے وہ نہیں سمجھ سکتا انکار کر دینا مقتضای عقل ہے؟
 یہ سب جاننے ہیں کہ مقناطیس میں لوہے کو کھینچنے کی قوت ہے مگر کوئی بتاؤ کہ کیوں
 ہے؟ اور اگر یہی قاعدہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے وہ غلط تو یہ بدیہی امر ہی غلط!

انسان میں عقل ہے لیکن ہر انسان میں بلکہ کسی انسان میں اللہ تعالیٰ نے
 کامل عقل نہیں ہے۔ اس لیے نہ تو انسان کو اپنی عقل اور علم پر اتنا بہروسہ کرنا چاہیے
 کہ وہ تمام حقائق کو احاطہ کرنے کی کوشش کرے اور جو بات نہ سمجھ سکے اس کو
 غلط بتا دے۔ نہ اپنی عقل کو ایسا معطل چھوڑ دینا لازم ہے کہ اعتقادات حق و باطل
 میں تمیز ہی نہ کرے بلکہ حقیقت و معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرنی اور اُن
 لوگوں کی پروردگی مناسب ہے جو علم و عقل میں ہم سے فائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ دانش مفید
 عطا فرمائے اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہے۔

باب چہارم اپنی ذات کا فرض انسان پر ۱۔ اصول صحت

جس طرح انسان پر خدا کا یہ فرض ہے کہ اس کو پہچانے اور اس کی عبادت
 کرے اسی طرح اپنی ذات کا یہ فرض ہے کہ اس کی نگہداشت کرے اور اپنی صحت

و تندرستی کا خیال رکھے۔ نعمتہا می دنیا سے متمتع ہو اور خوشی و راحت حاصل کئے
 صحت کی تعریف یہ ہے کہ بدن کا ہر ایک حصہ اوس کام کو اچھی طرح انجام
 دے جو اوس کے خلق کی علت غائی ہے۔ دل و دماغ۔ پھیپھاڑے۔ جگر۔ معدہ۔ رگ و
 پٹے۔ جلد۔ سب کسی نہ کسی کام کے لیے بنائے گئے ہیں اور ہر وقت اپنے کام
 کرتے رہتے ہیں۔ صحت کی حالت یہ ہے کہ مزاج اعتدال کی طرف مائل ہو اور یہ ہر کل اعضاء
 اپنے اپنے کام ٹھیک ٹھیک انجام دین۔ بیماری کی تعریف یہ ہے کہ اعضاء حیسانی
 کو جو کام قدرتا سپرد ہے اوس کو کل اعضاء یا کوئی عضو درستی سے انجام نہ دیتا ہو
 اور مزاج اعتدال سے منحرف ہو جائے۔ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو ضرور کوئی سبب
 ایسا پیدا ہو جاتا ہے جس نے بیمار ڈالا ہو اور اگر وہ سبب واقع نہ ہوتا تو بیماری پیدا
 نہ ہوتی۔ بیماری کے بعض اسباب تو ایسے ظاہر اور صریح ہوتے ہیں کہ معمولی فحشیت
 اور عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے لیکن بعض اسباب علالت ایسے خفی و دقیق ہوتے
 ہیں اور اون کی تشخیص ایسی مشکل ہے کہ بڑے بڑے اطباء اور ڈاکٹر بھی اوس میں
 کا سر رہتے ہیں لیکن خواہ کچھ ہی سبب کیوں نہ ہو اکثر بیماری خود انسان کی غفلت
 یا اصول حفظان صحت کے خلاف کرنے سے پیدا ہوتی ہے اس واسطے اون
 قواعد کا جاننا جو حفظان صحت سے تعلق رکھتے ہیں ہر انسان پر لازم اور ضروری ہے
 اور اسی سبب سے علم طب کا رتبہ علم دین کے برابر قرار دیا گیا ہے **الْعِلْمُ عِلْمَانِ**
عِلْمُ الْاَدْبَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ اگرچہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر شخص اس فن کو اس
 درجہ تک حاصل کرے کہ بوعلی سینا اور علوی خان ہی بن جائے لیکن حفظان صحت
 کے اون قواعد سے جو عموماً ہر وقت کام آتے ہیں و انہفیت پیدا کر لینی واجب ہے
 تاکہ جو امور صحت کو نقصان پہنچانے والے ہیں اون سے اجتناب کیا جاسکے اور
 مفید صحت طریق اختیار کیے جائیں۔ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں بلکہ امانت دار ہے
 اور یہ اوس کو صرف اس واسطے عطا ہوا ہے کہ جو باطنی اور دماغی قوتیں قدرت نے عطا فرمائی ہیں

وہ جسم کے ذریعہ سے عملاً کام میں آئیں۔ جسم ایک آلہ ہے لیکن ایسا عمدہ اور ضروری آلہ ہے کہ کوئی نیک و بد فعل بغیر اوس کی معاونت کے واقع نہیں ہو سکتا۔ جسمانی صحت دماغی کاموں کے لیے ضروری ہے اور صرف دماغی کاموں ہی پر منحصر نہیں انسان جو کچھ کرتا ہے اپنے جسم کے ذریعہ سے کرتا ہے۔ اس لیے ہر فعل کے عمدہ طور پر عمل ہونے کے واسطے جسم کی درستی اور صحت لازمی ہے۔ بہت سے طالب علم ہیں جو علم میں صرف اس سبب سے ترقی نہ کر سکے کہ اُن کی صحت خراب تھی۔ جب حافظہ کمزور ہو جائے اور ناتوان جسم محنت نہ کر سکے تو ترقی کیونکر نصیب ہوگی۔

صحت کے
فائدے

توانا اور صحیح المزاج آدمی مشکلات کا مقابلہ کرنے سے نہیں ڈرتا بلکہ جب کہی کوئی وقت پیش آئے تو اوسے اپنے قوت بازو سے دور کر دینے کے لیے فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔ انسان کے لیے یہ کس قدر حسرت انگیز بات ہے کہ وہ قبل از وقت بڑھا ہو جائے اور اصول صحت پر کار بند نہ ہونے کے سبب اوس کو یہ افسوس کرنا پڑے کہ وہ اس سے زیادہ طاقتور اور حیت و چالاک ہو سکتا تھا۔

جسمانی طاقت کو بنائے رکھنا اور صحت کو بگڑنے نہ دینا بہت سے موقعوں پر عزت و آبرو کا سبب بھی ہوتا ہے کیونکہ جن کے جسم میں طاقت ہے وہ خطرات کا دلیری سے مقابلہ کرتے ہیں اور اکثر خطروں سے بچ جاتے ہیں۔ اپنے دوستوں اور عزیز واقارب کی بُرے وقت پر مدد کر سکتے ہیں اور نہ صرف اپنی بلکہ اور لوگوں کی جان بھی بچا دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ یہ کہ اپنے ملک اپنی قوم اپنے مذہب کی ہر طرح حمایت کر سکتے ہیں اور اسی سبب سے دنیا میں اُن کا نام روشن ہوتا اور لوگ اُن کی قدر و منزلت کرتے اور وہ دوسروں کے واسطے شجاعت اور جوانمردی کی ایک شریفانہ مثال قائم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آج کل ہمارا وطن زندگی اس قسم کا واقعہ ہوا ہے کہ جت تک ہم اپنی صحت کی خود پرداخت نہ کریں اوس کا قائم رہنا ذرا مشکل ہے۔ ہم اکثر بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہیں اور ایسے پیشے کرتے ہیں جن سے جسمانی ورزش کچھ نہیں ہوتی جس کا عمدہ نتیجہ یہ ہے

کہ روز بروز قوتیں کم ہوتی اور عمر میں گہشتی جاتی ہیں لہذا حفظانِ صحت کے اصول
واقفیت حاصل کرنا اور اون پر کاربند ہونا نہایت ضروری بلکہ فرض ہے حالت
بیماری میں انسان اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ زود درج و بدو
ہو جاتا۔ اور دوسرے لوگوں پر بار خاطر ہوتا ہے۔

طلباء کی صحت

طلباء کو اپنی صحت کی حفاظت نہایت ضروری ہے کیونکہ اگر اون کی صحت
خراب ہوئی تو زندگی بجای خوشی کے رنج پہنچانے لگے گی مطالعہ چھٹ جائے گا
اور اگر نہ بھی چھٹے اور وہ وہ رتبہ حاصل کر لیں جو اون کو مد نظر تھا تو بھی بعد فراغ تحصیل
علم بیکار ہو جائیں گے اور اس علم کا کچھ پھیل نہ پاسکین گے۔ افسوس ہے کہ شوقین
طلباء اس طرف بہت کم خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ رات دن دماغی محنت
کرنا اور جسمانی ورزش نہ کرنا کتاب کا کثیر ابن جانا قوائی بدنی کو کمزور کرتا اور جسم کو
گھن لگا دیتا ہے۔ کاریگر اپنے اوزاروں کو سپاہی اپنے ہتھیاروں کو ہر وقت تیز
وصاف رکھتے ہیں۔ طلباء کو بھی اپنے جسمانی اور دماغی قوا کو ایسا صحیح رکھنا چاہئے
کہ اون سے پورا پورا کام لے سکیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص امیر ہے کوئی غریب ہے کوئی عیش و آرام کے مزے
اوڑا رہا ہے کوئی رات دن محنت و مصیبت میں سینسا ہوا ہے تو ہمیں اون کی ظاہری
اور بیرونی حالتوں کے اس قدر اختلاف پر تعجب ہوتا ہے لیکن ہمیں اس وقت
یہ خیال نہیں آتا کہ خوشی تو ہم ہی میں سے پیدا ہوتی ہے اور صحت جسمانی اصلی خوشی
حاصل کرنے کا سرچشمہ ہے یہ ایسی دولت ہے کہ ممکن ہے کہ فقیر کے پاس ہو اور
پادشاہ اس کے لئے ترسا کرے اور جب صحت حاصل نہیں ہے تو دولت کے
سامان اور شان و شکوہ کے اسباب سب بیکار و بیچ ہیں صحت خدا کا ایسا بڑا عطا
ہے کہ قارون کا خزانہ بھی اوس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ
اس کی پروا نہیں کرتے اور اپنی نادانی و نا عاقبت اندیشی و بے توجہی سے اسے
کہہ دیتے ہیں یا خطرات میں ڈال کر ایسا خراب کرتے ہیں کہ صحت سے ہاتھ

وہ ہوتا پڑتا ہے۔ صحت کے صرف یہی معنی نہیں ہیں کہ جسم میں کوئی روگ یا تکلیف
 نہ ہو بلکہ یہ معنی ہیں کہ جسم میں توانائی اور تازگی موجود ہو اور انسان قوا و طاہری و باطنی
 کو مکمل حق استعمال کر کے ان سے نفع اور خوشی حاصل کر سکے۔ انجن کا ایک پیرز
 بگڑ جائے تو ساری کلیں چلنے سے رُک جاتی ہیں اور جو پیرزے چلتے بھی ہیں وہ
 نہ نئی کام نہیں دے سکتے جس لیے وہ مشین بنائی گئی تھی۔ یہی حال جسم کا ہے کہ ذرا
 بھی مزاج خراب ہو یا ذرا بھی سپائس چبھ جائے تو ساری جان بے کل ہو جاتی ہے
 آدمی کہتے ہیں جس کو ایک پتلا کل کا ہے پھر کہاں کل اوس کو جب ہو کل ذرا بگڑی ہوئی
 جب قوا سے برابر کام لیا جائے اور ان کو ضروری آرام و راحت پہنچائی جائے تو
 صحت حاصل رہتی ہے لیکن جو لوگ کسی خاص فن کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتے ہیں
 خصوصاً وہ جو دماغی کام زیادہ کرتے ہیں ان کی دماغ پر تو زیادہ بار پڑ جاتا ہے اور دوسرے
 اعضا معطل رہ جاتے ہیں جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اعضا سے کام لینے کا اندازہ
 اور قرینہ بگڑ جاتا ہے اور صحت مفقود ہو جاتی ہے۔

صحت قوی ترقی
 کا سبب ہے

ہر قوم میں دو طرح کی برتری ہوتی ہے۔ ایک تو بلحاظ قوا و دماغی دوسرے بلحاظ
 قوا و جسمانی۔ صحت جسمانی کا ٹھیک ہونا دونوں کے لیے لازمی امر ہے۔ جو قومیں جسم
 میں توانا اور طاقتور ہیں ان کی ذکاوت و ذہانت و دانش و فراست بھی زیادہ اعلیٰ
 درجہ کی اور زیادہ ترقی پر ہوتی ہے۔ جو لوگ دماغی محنت کرتے کرتے اپنی صحت
 کو خراب کر لیتے ہیں اور جن کے جسم کمزور اور ناتوان ہو جاتے ہیں ان کی عقلی قوت
 کا مرتبہ بھی رفتہ رفتہ گھٹ جاتا ہے اور ان کی آئندہ نسلوں کے دماغ کمزور اور
 ناتوان پیدا ہونے لگتے ہیں۔

انسان کا دماغ کوئی خزانہ نہیں ہے کہ وہ ان ہر طرح کے مضامین بہرے میں
 بلکہ دماغ کی قوت کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہر قسم کے امور سوچنے اور ہر قسم کے واقعات
 سے صحیح نتائج استنباط کرنے کے لائق ہو اور صرف یہی قوت ہے جو ایک نسل سے
 دوسری نسل میں منتقل ہو سکتی ہے ورنہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے علم کا ذخیرہ

انسان کے واسطے جس قدر نعمتیں دنیا میں پیدا کی گئی ہیں اور ان کو حاصل کرنے اور ان کا حفظ اور بھالنے کے لیے خود انسان کو الکتاب کی تکلیف اور بھائی شریط قرار دی گئی ہے۔ یہی حال صحت کا ہے کہ اصول صحت پر کاربند ہونے اور قوانین حفظان صحت پر عمل کرنے سے صحت قائم رہتی ہے۔ چونکہ عمل کرنے سے پہلے علم ضروری ہے۔ حفظان صحت کے قواعد جاننے اور ان کو کام میں لانے سے انسان بہت سی ایسی بیماریوں سے بچ سکتا ہے جو آب و ہوا کے ناصاف ہونے یا غذا و لباس و مکان کی خرابی سے پیدا ہوتی ہیں۔ بیمار پڑ کر علاج کرنے سے بہتر ہے کہ عالم صحت میں بیماری سے محفوظ رہنے کی تدبیر کو کوشش کی جائے اور اس کے لیے یہ ضرور ہے کہ صحت قائم رکھنے اور انحراف اعتدال مزاج سے بچنے کی تدابیر کا ہمیشہ خیال رکھا جائے اگرچہ پرہیز علاج سے بہتر ہے لیکن اگر بیماری زیادہ ہو اور بغیر دوا استعمال کیے جا ہی نہ سکے تو دوا استعمال کرنے کا مضائقہ نہیں۔ دوا بیماری کا استیصال نہیں کرتی۔ بیماری کوئی مادی شے نہیں ہے کہ اس کا استیصال ہو سکے بلکہ دوا کا فعل یہ ہے کہ اعتدال میں نقص واقع ہونے کے سبب جو خرابی پڑی ہے اس کو روکتی ہے اور طبیعت اس نقص کو دور کرتی اور اصلی حالت پر لاتی ہے۔ دوا طبیعت کو مدد دینے کا آلہ ہے نہ کہ بیماری کو دور کرنے کا۔ حالت بیماری میں دوا بیشک مفید ہوتی ہے لیکن صحت کا قیام دوا کے ذریعے سے نہیں طبیعت کی قوت کو قائم رکھنے سے ممکن ہے اور طبیعت کی قوت ہو یا پانی غذا لباس وغیرہ غرض سب ضروریہ کے اعتدال پر منحصر ہے نہ کہ دوا پر اس لیے مناسب ہے کہ حفظان صحت کے چند ضروری اصول اس موقع پر مختصراً بیان کیے جائیں۔

۱۔ جسمانی ورزش اور تفریح۔ اعضائی جسمانی کا نمو اور ان کی صحت ورزش پر منحصر ہے ہر عضو۔ ہر رگ۔ ہر مچھ۔ ہر ہڈی ورزش سے توانا ہوتی اور بڑھتی ہے اور ان میں زیادہ کام کرنے کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ ورزش کرنے سے خون کا دوران

بدن میں خوب ہوتا ہے اور اعضا اچھی طرح سے حرکت کرتے ہیں اگر ورزش نہ
 کی جائے اور دن بھر بیٹھے ایک کام کیے جائیں یا کتاب پڑھے جائیں اور پھر اس کا
 خمیازہ بہکنا پڑے تو یہ خود اپنا قصور ہے۔ فطرت کا قاعدہ ہے کہ وہ غلطی کی سزا
 دے بغیر نہیں چھوڑتی جب اپنے ہاتھ اپنی صحت بگاڑی جائے تو بخیر یہ کیا الزام
 ہے؟ کم از کم دو تین گھنٹہ کھلی ہوا میں پھرنا یا کچھ ورزش کرنی ہر شخص کو لازم ہے
 بیروں۔ کرکٹ۔ فٹ بال۔ ٹینس وغیرہ کھیل۔ ورزش میں داخل ہیں اور یہ
 نہ صرف صحت کو درست کرتے ہیں بلکہ کام کرنے کی قوت بخشتے ہیں تو جوان لڑکوں پر
 اس قسم کے کھیل باہم مل کر کھیلنے سے اخلاقی اثر بھی عمدہ پڑتا ہے کیونکہ ان کو بغیر
 کسی غرض یا لالچ کے باہم مل کر کام کرنے کی عادت پڑتی ہے اور جو اچھا کام کرتے
 ہیں ان کی وقعت کرنا اور خود بھی اسی قدر مشق بہم پہنچانے کی خواہش پیدا ہوتی ہے
 جنگل میں شکار کرنا دریا میں چمیلیاں پکڑنا میدانوں میں گھوڑے دوڑانا۔

تالابوں میں تیرنا۔ غرض تمام قسم کے اسپورٹس اعضا کو توانا دل کو مضبوط اور
 بدن کو چست کرتے ہیں اور وقت پڑے یہ کام آتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ہمارے
 بزرگوں کی زندگی ان ہی مشاغل میں بسر ہوتی تھی اور اسی سبب سے وہ ہم سے
 کہیں زیادہ طاقتور اور بہادر ہوتے تھے اگر ہمیں کسانوں کی طرح ہل چلانے
 اور کھیتی کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی تو نہ سہی گہرے صحن میں اپنے ہاتھوں سے
 کیاریاں بنانا پودے لگانا ان کو پانی دینا اور اپنی تفریح کے لیے ایک چوٹا سا باغچہ
 اپنے ہاتھ سے تیار کرنا طبیعت میں پسندیدہ مذاق پیدا کرتا ہے اور بچہ کی خوشنما
 چیزوں کی قدر کرنا اور موجودات عالم کی خوبصورتی سے حظ اٹھانا سکھاتا ہے یہی طرح
 ایک چھوٹی سی کشتی کو جمع اجاب کے ساتھ یا تنہا اپنے ہاتھ سے کھینا اور سیراب
 کے لطف اٹھانا نہ صرف مسرت بخش مشغلہ ہے بلکہ قیام صحت کے لیے عمدہ ورزش
 ہے اسی طرح اگر عضلات سے مناسب کام لیا جائے تو وہ مضبوط بھی ہوتے ہیں
 لیکن اگر ان سے کام نہ لیا جائے یا زیادہ کام لیا جائے تو کمزور ہوتے ہیں

ہو جائیں گے اور سکر جائیں گے۔ ہر عضو ایک خاص کام کے لیے بنایا گیا ہے اور اس سے وہ کام مناسب طور پر لیا جائے تو وہ مضبوط ہوتا ہے اور کام کرنے کی قوت باقی رہتی ہے لیکن اگر اس سے کام لینا چھوڑ دیں تو اس کام کی قوت بھی اس سے رفتہ رفتہ جاتی رہے گی۔ ہاتھ پاؤں۔ دماغ اور آنکھیں عرض کل اعضاء اس وقت تک کام کر سکتے ہیں جب تک کہ ان کی قوت کے مطابق ان سے کام لیا جائے نہیں تو تھوڑے دن میں بیمار ہو جاتے ہیں اور انسان بیمار ہو جاتا ہے۔ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے لڑکے اور لڑکیاں جس قدر قوت و طاقت حاصل کر لیں اس سے ہی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ بڑے ہو کر وہ کیسے صحیح المزاج اور توانا ہوں گے جب لڑکے بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کو اکتساب معاش کے لیے سخت محنتیں ادا کرنی پڑتی ہیں اس لیے اوائل عمر میں ایسی عادت ڈالنی اور قوت حاصل کرنی چاہیے کہ بڑی عمر میں وہ محنت کے کام کر سکیں اور ان کے اعضا ہی بدنی و ذہنی اچھی طرح کام دے سکیں۔ جیٹا شک کرنا۔ ٹنڈ پلینا۔ مگر رہلانا۔ اوچلانا۔ کودنا۔ دوڑنا۔ بہاگنا۔ سب مفید صحت ہیں اور اعضا ہی بدن کو قوت بخشتے ہیں۔

اصلی خوبصورتی

نوجوانی اور نوجوانوں کے زمانہ میں ورزش کرنے سے جسم نبتا اور خوبصورت ہوتا ہے تیس بیس برس کی عمر میں ورزش کرنے سے بدن کی خوبصورتی اور مضبوطی قائم رہتی ہے۔ خوبصورتی صرف یہی نہیں ہے کہ انسان کا رنگ اچھا اور صاف ہو بلکہ اصلی خوبصورتی یہ ہے کہ جسم سڈول اور موزون ہو اعضاء استوار اور پیر گوشت اعصاب پختہ اور گہچے ہوں۔ یہ خوبیاں ورزش سے پیدا ہوتی ہیں۔ سینہ چوڑا ہوتا ہے۔ شش مضبوط ہوتے ہیں تنفس میں سہولت اور دل کی حرکت میں تیزی پیدا ہوتی ہے۔ ہڈیاں پسیان مضبوط ہوتی ہیں۔ کھانا خوب ہضم ہوتا اور جگر و بدن ہوتا ہے۔ کہاں کہاں تے ہی یا غلو معدہ میں ورزش نہیں کرنی چاہیے کمزور آدمیوں کو لازم ہے کہ صبح کی ہوا غری کو جانے سے پہلے کھانا کریں۔

جن لوگوں کی عمر پچیس سال سے زیادہ ہے وہ بہت زیادہ ورزش کرنے سے پرہیز کریں کیونکہ عصبی طاقت بہت صرف ہوتی ہے اور اس زمانہ میں اعصاب بدن ایسے چکدار نہیں رہتے جیسے کہ اوائل عمر میں تھے اور اس سبب سے محنت کی مکان اون سے جلدی رفع نہیں ہوتی لیکن ان لوگوں کو بھی باقاعدہ لمبی ورزش روزانہ کرنی مفید ہے۔

۲۔ تفریح۔ قیام حیات کے لیے ضروری چیز پاک و صاف ہوا ہے جس قدر پاک و صاف ہوا ملے گی اسی قدر صحت زیادہ عمدہ اور درست ہوگی۔ کہانا تو دینین دو تین ہی دفعہ کھاتے ہیں لیکن ہوا کی ضرورت ہر دم ہے۔ صاف ہوا سے خون زیادہ صاف ہوتا ہے اور نا صاف ہوا خفیف زہر کا اثر رکھتی ہے اگرچہ ہم لوگ چھوٹے مکانوں میں اکٹھے رہتے ہیں جن میں ہوا صاف نہیں رہ سکتی لیکن پہر ہی مکان ہوا دار بنانا چاہئے اور کمرہ میں ایسے دریچہ رکھے جائیں جن میں ہوا کی آمد و رفت خوب ہو۔ جب ہوا صاف نہیں ہوتی تو دل کا عمل بھی کمزور ہو جاتا ہے اور آلات تنفس صاف نہیں رہتے بلکہ تمام جسم کا نشو و نما اچھی طرح نہیں ہوتا۔ رات کو منہ لپیٹ کر سونے کی عادت بھی مضر صحت ہے کیونکہ تازہ ہوا کپڑے کے اندر نہیں جاسکتی اور وہی خراب ہوا بار بار آلات تنفس میں جا کر آلات تنفس کو خراب کرتی ہے۔

صبح و شام ہوا خوری کرنا۔ جنگل۔ میدان۔ کہیت۔ اور باغ میں دور دور نکل جانا اور جس قدر ہو سکے تماشائی قدرت سے دل بہلانا۔ حفظان صحت کے لیے اول درجہ کا مفید عمل ہے۔ زمین و آسمان۔ جنگل اور میدان۔ ندی۔ نالے۔ دریا اور تالاب پہاڑ اور سمندر فطرت کے سبق آموز زمین اور جو کچھ ہم کتابوں سے سیکھتے ہیں اس سے زیادہ یہ ہمیں سکھاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے مقامات کی سیر کرنے سے قوت متحیدہ بہت بڑی ہوتی ہے۔ ایسے مقامات پر قدرت کے دلفریب منظر دیکھنا اور اسکی بے انتہا خوشنما و مستکار یوں کا مزالوٹنا نہ صرف چاق و چوبند کرتا ہے بلکہ افکارات اور پریشانی یا انتقام طبع کو دور کرتا ہے۔

کے بوجھ سے دبا جاتا تھا لسی قدر بلکہ بہت کچھ ہلکا ہو جاتا ہے اور طبیعت پر لبثا
 چھا جاتی ہے۔ اگرچہ بظاہر یہ نہ معلوم ہو کہ یہ انقلاب کیونکر ہوا۔ کسی نے سقراط
 سے پوچھا کہ سچی تفریح کیا ہے اوس نے جواب دیا کہ سچی تفریح وہ ہے جو خوشنما رنگ
 خوشنما صورت۔ خوشنما درمہک اور دل فریب آواز یا کسی ایسی چیز سے پیدا ہو جسکی
 موجودگی مسرت بخش اور دل خوشکن ہو لیکن اگر وہ کیفیت جاتی رہے تو تکلیف نہ ہو
 ایسے اوصاف کا مجمع سوائے ہنر و شاداب جنگون یا باغون کے اور کہاں مل سکتا ہے
 قدرتی پہولون کے رنگ سے زیادہ عمدہ رنگ اون کی صورت سے زیادہ خوشنما
 اور دل فریب صورت اون کی خوشنوی سے زیادہ بہتر خوشنوی جو ہوا میں عطر افشانی کر کے
 اپنی مہک کو دور دور پہونچاتی ہے اور کہاں مل سکتی ہے؟ اور جہاں وہ چھوٹے
 چھوٹے آزاد گوئیہ جو رنگا رنگ کے پروں کا فاخرہ لباس پہنے ہوئے اون قدرتی
 نازنینوں کی محفل میں خالق اکبر کی قدرت کے راگ ڈال ڈال کر گاتے پہرتے
 ہن ثابت کرتے ہیں کہ ان کی آواز سے زیادہ دلکش کوئی آواز نہیں ہے۔ اور
 یہ کس قدر بے آزار کہ جب یہ سمان بدل جائے تو نہ کسی دل پر ملال نہ کسی طبیعت پر
 لوگ بعض موسمون کو برا کہتے ہیں لیکن اصل میں کوئی موسم برا نہیں ہے۔
 ہر موسم میں تفریح حاصل ہوتی ہے لیکن مختلف طرح سے۔ گرمی۔ جاڑا۔ برسات
 موسم بہار اور خزان۔ صبح اور شام۔ رات اور دن۔ دھوپ اور ابر۔ دریا اور سمندر
 درخت اور پودے۔ پہل اور پھول بلکہ موجودات عالم کی کل چیزیں اور ہر ایک کا تغیر
 حقیقت میں نظر کے لیے دل فریب ہے لیکن افسوس ہے کہ ہم ان سے لطف
 اٹھانا نہیں آتے۔ ہم رات رات بہر تہیہ کے دنگل اور تلچ گانے کے جلسوں میں
 صرف کر دیتے ہیں جو مضر صحت مضر اخلاق اور اصراطِ بیجا میں داخل ہیں۔ اور ان
 بے انتہا مسرت بخش چیزوں سے حظ حاصل کرنے کی ہمیں پرواہ بھی نہیں ہوتی
 یہ ہماری تعلیم اور تربیت کا قصور ہے کہ ہم کو بچنے میں اصلی خوبصورتی کی قدر کرنا اور
 اوس کا حظ اٹھانا نہیں سکھایا جاتا لیکن جو لوگ چشم بصیرت سے خالق کی دستکاریوں کو

دیتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایک تیسری لے پر میں جو خوشنما اور حیرت انگیز رنگ ہیں وہ ناک کے کسی پردہ میں نہیں۔ عیش پرستی اور لہو و لعب کی زندگی کو ہم لوگ مرے کی گزران کہتے ہیں لیکن اصل میں یہ طرز حقیقی خوشی سے بہت دور ہے۔ اور جب اس کا نقصان اوٹھانا پڑتا ہے تو لوگ دنیا کو بڑا کہنے لگتے ہیں لیکن اصل میں خود انسان ہی کا قصور ہے انسان کی زندگی کی قیمت اس کی اخلاقی حالت سے اندازہ کی جاسکتی ہے۔ روح اور جسم دونوں مل کر انسان کی تکمیل کرتے ہیں۔ روح کا کام یہ ہے کہ وہ جسم پر عقلمندی سے حکم چلائے اور اس کو بھٹکنے نہ دے لیکن اگر اسکے خلاف جسم روح پر حکم چلائے اور عقل کا کہنا نہ مانے تو روح و جسم کا ملاپ نہیں رہ سکتا اور انسان بے وقوف اور مصیبت زدہ بن جاتا ہے۔

پرہیز گاری
معد صحت ہے

صحت زیادہ تر عمدہ عادات اور استعمال کی اشیاء پر منحصر ہے اور اگر اس کا خیال رکھا جائے تو ادویات کی ضرورت نہیں پڑتی اصول صحت کے خلاف نہ کرو اور طبیعت کو اس قدر توانا اور بشاش رکھو کہ امراض کی مزاحمت کر سکے۔ تو یہ ہزار دواؤں کی ایک دوا ہے۔ غصہ۔ غم۔ رنج۔ فکر۔ نفرت اور خوف بشاشت کو کہو دیتے ہیں اور اسی سبب سے صحت پر بڑا اثر ڈالتے ہیں۔ اس کے برخلاف بشاشت خوش دلی۔ نیک مزاجی۔ تسکین خاطر۔ صحت کے بڑے مدد ہیں۔ بستی کاہلی۔ عیاشی۔ اوباشی سے اس قدر لوگ قبل از وقت مرتے ہیں کہ زیادہ محنت اور کام کرنے سے ہرگز نہیں مرتے۔ اگر علی الصبح اوٹھ کر ورزش اور ہوا خوری سے دماغ کو تازہ کیا جائے اور پرہیز گاری کی عادت ہو تو سخت سے سخت محنت کا بھی تحمل ہو سکے گا۔

تہذیب مضر
صحت ہے

یہ کہم تعجب کی بات نہیں ہے کہ وہ حیوانات جن میں نہ انسان کی برابر عقل ہے نہ علم ہے اپنی اپنی عمر طبعی کو پہنچ جاتے ہیں اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ عمر طبعی سے پہلے مرن۔ مثلاً کتا سولہ سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ بلی دس سال تک۔ گھوڑا پچیس سال تک۔ یہہ حیوانات عموماً اتنی عمر تک زندہ رہتے ہیں۔ لیکن انسان کی

جبھی ہر سال ہے اور اس کی زندگی کا یہ حال ہے کہ باوجود سب کے جن ممالک میں حفظانِ صحت کا بہت خیال ہے وہاں بھی بحسابِ اوسط عمر
 بیالیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کی یہ
 تہذیب اور تالیفگی بھی انسان کے لیے باعثِ مضرت واقع ہوئی ہے۔ لوگ
 بڑے بڑے شہروں اور گنجان آبادیوں میں رہتے ہیں۔ اونچے اونچے مکانات
 اور عمارات بناتے ہیں۔ کھانے پینے میں وہ وہ تکلفات کرتے ہیں کہ قوارِ معدہ
 و کلبہ (جاذبہ دماغ و دافعہ) کے لیے مضر ہو جاتے ہیں۔ شراب و کباب کی
 لذتوں میں پھر صحت کو خراب کر لیتے ہیں اور عیاشیوں کا تو کیا کہنا ہے جو رات دن
 رنگریاں منائیں اور اپنی صحت کو بگاڑ لیں اسی طرح بعض لوگ ایسے پیشہ کرتے
 ہیں کہ وہ بھی مضرت سے خالی نہیں۔ مثلاً قصابی۔ رنگریزی۔ دباغی وغیرہ
 جانوروں کی نسبت انسان پر وبائی امراض کا اثر بھی زیادہ
 ہوتا ہے۔ موروٹی امراض کا اثر بھی انسان پر زیادہ پڑتا ہے۔ تمدنِ انسان
 کو عزت گزینی اور آبادی سے کنارہ کشی کی اجازت نہیں دیتا اور ان سب کا
 یہ نتیجہ ہے کہ بہت کم انسان عمرِ طبعی کو پہنچتے ہیں اور بہت جلد موت کا شکار ہو جاتے ہیں
 ۳۔ صفائی۔ طبی تحقیقات سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ بہت سی متعدی بیماریاں
 غلاظت کے وجود اور صفائی کے نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ہمارا بدن
 ہمارا گھر۔ ہمارے ارد گرد کی کل جگہ۔ پانی کہانا۔ سب نہایت صاف اور پاک
 ہونا چاہیے۔ بدن کو صاف رکھنے کے لیے ہر روز صاف پانی سے نہانا لازم ہے
 انسان کے بدن میں وہ مادہ جو جسم کو بناتا اور بدل مایکل ہوتا ہے ہر وقت پکتا
 رہتا ہے اس مادہ کے پکنے میں بہت سامیل اور فضلہ باقی رہ جاتا ہے۔ فیصلہ
 مسامات کی راہ سے پسینہ کے ساتھ نکلتا ہے اس واسطے مسامات کو کشادہ رکھنے چاہیے
 بدن صاف رکھنا نہایت ضرور ہے۔ ورنہ جلدی امراض پیدا ہو کر صحت خراب جاتی ہے
 لوگ شہروں و قصبوں اور گاؤں میں مل کر رہتے ہیں اگر سب لوگ صفائی کا

انتظام رکھیں اور حفظانِ صحت کے اصول پر عمل کریں تو اس آبادی میں بیماری
 بہت کم ہو جائے گی اور اموات گھٹ جائیں گی۔ ایک شخص کی مضر صحت عادتیں
 صرف اوس کو نقصان نہیں پہنچاتیں بلکہ اوس کے پڑوسیوں پر بھی اوس کا اثر
 پڑتا ہے اس طور پر جو چیز ایک شخص کو نقصان پہنچا سکتی ہے وہ تمام آبادی کو
 نقصان پہنچا سکتا ہے اور یہی وبائی امراض کے شیوع کی اصل ہے
 یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جہاں آبادی زیادہ ہوگی وہاں امراض کے اسباب
 ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے
 تو ہمیشہ بڑھتے جائیں گے۔ افسوس یہ ہے کہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔
 اور اوس وقت تک اُن کو خبر نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی سخت وبائی مرض پھیل جائے
 اور لوگوں کی جان معرضِ ہلاکت میں نہ پڑے۔ اس سبب سے مہذب سلطنتوں
 نے لوگوں کو صفائی رکھنے پر قانوناً مجبور کیا ہے اور اگر بازاروں سڑکوں اور آبادی
 کے قریب مقامات پر کوئی شخص غلاظت پھیلائے تو قانوناً اُسے سزا ملتی ہے ہماری
 گورنمنٹ کی یہ توجہ بیشک قابلِ شکر یہ ہے۔ اور لوگوں کو ان قوانین کی سخت پابندی
 کرنی چاہیے۔ لیکن پھر بھی جیسی چاہیے ویسی صفائی نہیں رہتی۔ اور یہ گورنمنٹ کا
 قصور نہیں بلکہ عام رعایا کا قصور ہے کہ وہ اپنے مکانات وغیرہ صاف نہیں رکھتے۔
 اگر ہر شخص اس قدر انتظام رکھے کہ اپنا مکان اور مکان کے گرد و نواح کی جگہ صاف پاک
 رکھے تو سارا شہر صاف رہے اور لوگوں کی صحت میں خلل نہ ہو جس شخص کے مزاج
 میں صفائی کا خیال نہیں وہ صرف اپنا ہی نہیں بلکہ سب لوگوں کا دشمن ہے۔

کیونکہ قوم کی زندگی اور قوت کی ایک علامت یہ ہے کہ اوس کی آبادی نہ صرف وسیع
 ہو بلکہ تندرست بھی ہو اور قوم کے بہت سے افراد کی صحت و تندرستی علم و صنعت و فہمت
 زراعت اور تجارت میں کامیابی کا سبب ہوتی ہے۔ پس جو شخص کہ لوگوں کی صحت
 میں خلل ڈالنے کے کام کرے وہ اپنی جان کا اور اُن تمام لوگوں کا جو اس کے ساتھ رہتا ہے جان و جسم
 ہموں۔ پانی اور غذا۔ دنیا میں جسم کے قائم رکھنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت

ہوتی ہے۔ مثلاً ہوا۔ پانی۔ لہا۔ پیرا۔ دم۔ پوس۔ لین۔ ان میں ہوا سب سے زیادہ
 ہے۔ انسان پیدا ہوتے ہی سانس لیتا ہے اور جب مرتا ہے تب ہی سانس
 بند ہوتا ہے۔ اگر ایک دم سانس لینے کو ہوا نہ ملے تو جان کے لاسے پڑ جاتی ہیں
 دم گھٹ جاتا ہے۔ جان ادھ موئی ہو جاتی ہے اور اگر تھوڑی دیر یہ حالت رہے تو دم
 نکل جاتا ہے۔ دنیا میں ہوا کی کمی نہیں جس قدر قیام زندگی کے لئے اس کی زیادہ
 ضرورت ہے قدرت نے اسی قدر افراط سے پیدا کی ہے کہ پیسہ خرچ کیے بغیر
 بلا طلب ملی جاتی ہے لیکن اس دنیا میں انسان کے واسطے جو چیز مہیا کی گئی ہے خواہ دنیا
 میں اس کی قلت ہو یا کثرت ہو انسان کی محنت اس میں ضرور درکار ہے۔ ہوا کے
 پیدا کرنے میں انسان کی محنت کی ضرورت نہیں لیکن صاف رکھنے میں انسان کی
 محنت کو بڑا دخل ہے۔ زندگی کا دارمشیک ہو اور یہ ہے لیکن صحت قائم رکھنے کے لئے
 صاف ہوا کی ضرورت ہے اگر ہوا نا صاف ہوگی تو صحت کو نقصان پہنچائے گی
 اور اگر بہت ہی خراب ہوگی تو بجائی قیام حیات کے موت کا باعث ہوگی اور پہر ایک
 کی نہیں بلکہ ہوا کی خرابی شہر کے شہر صاف کر دیتی ہے۔ اکثر بڑے شہروں اور
 آبادیوں میں بیماری کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اس قسم کی صفائی اچھی نہیں ہوتی اور
 ہوا میں زہریلے اور مضر صحت بخارات ملے رہتے ہیں اور وہی ہوا سانس کے ساتھ
 پکھپکھ پڑے میں جاتی اور جسم کو خراب کرتی ہے۔ ایک جوان آدمی ایک سانس میں
 پچیس یا تیس مکعب انچ ہوا سونگھ جاتا ہے اور اگر بڑا سانس لے تو اس سے کہیں
 زیادہ یعنی ایک سو تیس مکعب انچ یا ایک گیلن ہوا سونگھ سکتا ہے۔

ہوا کی ترکیب

ہوا گویا ایک سمندر ہے جس میں ہم اس طرح رہتے ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں سطح
 زمین سے چپاں میل تک ہوا اس قابل ہے کہ اس میں سانس لیا جاسکتا ہے۔
 آگے بڑھ کر ہوا تو موجود ہوتی ہے مگر اس قدر نہیں کہ سانس لیا جاسکے یا کوئی جاندار
 زندہ رہ سکے۔ یہ ہوا دو گاسون سے مرکب ہے ایک کا نام آکسیجن ہے اور دوسری کا
 نام نائٹروجن۔ اس کے علاوہ ہوا میں آبی بخارات کاربانک اسڈکس اور امونیا

(نوساؤر) ملا ہوا ہوتا ہے لیکن یہ چیزیں ہوا کے اجزاء نہیں ہیں۔ کاربانک ایسڈ گیس
 اور امونیا تو ایسی کم مقدار میں ہوتے ہیں کہ تنفس پر اون کا کچھ اثر نہیں پڑتا نہ یہ دونوں
 انسان کی حیات کے لیے ضروری ہیں البتہ نباتات پر انکا بہت عمدہ اثر ہوتا
 ہے۔ جہاں کہیں آبادی گنجان ہے اور صفائی کا خیال نہیں ہے وہاں کی ہوا میں
 بناتی اجزاء زہریلے بخارات حیوانات کے فضلات کی ذری اور ایسی ہی مضر اجزاء مل سکتی ہیں
 آکسیجن اور نائٹروجن جو ہوا کے اجزاء ہیں تقریباً ایک اور چار کی نسبت
 سے ہوتے ہیں یعنی تھو حصہ ہوا میں اکیس حصہ آکسیجن اور اتنا ہی حصہ نائٹروجن
 گاس ہوگی۔ ان میں آکسیجن مہر حیات ہے اس سے خون صاف ہوتا ہے
 زندگی قائم رہتی ہے آگ روشن ہوتی ہے۔ یہی گاس ہلکی ہلکی بدن کے اندر
 جلتی رہتی ہے لیکن یہ گاس بہت تیز ہے اگر صرف آکسیجن ہی ہو تو ایک دم سے
 جل اوٹھے اور ساری کائنات جلادے۔ انسان اور حیوان سب جل کر خاکستر
 ہو جائیں قدرت کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اس نے اس کے ساتھ
 نائٹروجن اتنی مقدار میں ملا دی ہے کہ یہ تیزی کم ہوگی اور اسی قدر رہ گئی جس قدر
 بکار آمد اور مفید ہے۔ نائٹروجن بے آزار گاس ہے اور وہ آکسیجن کی حرارت اور
 تیزی کو اعتدال پر رکھتی ہے لیکن نائٹروجن فی نفسہ مہر حیات نہیں ہے اگر کسی حیوان
 کو صرف نائٹروجن گاس میں رکھا جائے تو فوراً مر جائیگا۔ یا سمع روشن کرو تو گل
 ہو جائے گی غرض مفید حیات وہی مرکب ہے جو قدرت کاملہ نے پیدا کیا ہے۔
 سانس کے ساتھ جو ہوا باہر نکلتی ہے اس میں آبی بخارات لے ہوئے ہوتے
 ہیں۔ اگر ایک جوان آدمی کے سانس کا اندازہ کیا جائے تو پوچھیں گہنٹہ میں نواؤں
 سے لیکر گیارہ اونٹ تک پانی سانس کے ساتھ نکل کر ہوا میں مل جاتا ہے۔ جراثیم
 کے موسم میں تو یہ بخارات صاف منہ سے نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر
 کسی آئینہ پر سانس لو تو اس کی سطح بھیک جاتی ہے آبی بخارات کے علاوہ کاربانک
 ایسڈ گاس بھی سانس کے ساتھ نکلتی ہے آبی بخارات اور کاربانک ایسڈ گاس

ہوا کی خرابی
 کے اسباب

صحت کے لیے مضر نہیں لیکن ان دونوں کے علاوہ سانس کے ساتھ حیوانی مادہ بھی نکلتا ہے اور یہ خیر البتہ مضر صحت ہے اور اگر ہوا میں زیادہ مقدار میں ملا ہوا ہو تو قاتل ہے۔ اس طرح سانس لینے سے ہوا خراب ہو جاتی ہے اور اگر وہی ہوا جو ایک بار سانس ساتھ باہر نکلی ہے پھر سانس کے ساتھ اندر جاتے تو صحت پر برا اثر ڈالتی ہے۔ جن چھوٹے چھوٹے مکانوں میں بہت سے آدمی مل کر رہتے ہیں ان کی صحت اسی سبب سے خراب ہو جاتی ہے کہ جو ہوا سانس لینے سے خراب ہو گئی ہے وہی ہوا پھر ان کو سونگھنی پڑتی ہے اور اس طرح خون صاف نہیں رہتا بلکہ غلیظ اور خراب ہو جاتا ہے اور بیماری کے بیج جڑ بکڑ جلتے ہیں۔ چنانچہ درد سر، بخشہمی، کمزوری وغیرہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ کھلے میدانوں میں رہتے ہیں ان کی صحت اسی سبب سے شہر کے اندر رہنے والوں کی نسبت زیادہ عمدہ ہوتی ہے۔

ہوا میں جو خراب مادہ ملا ہوا ہوتا ہے وہ دکھائی نہیں دیتا لیکن بدبو محسوس ہوتی ہے اور اگر بدبو زیادہ ہو تو سمجھ لو کہ اس میں خراب اجزاء بھی زیادہ ہیں جو لوگ صاف ہوا میں رہنے کے عادی ہیں ان کو ذرا سی بدبو بھی صاف محسوس ہوتی ہے اور وہ پہچان جاتے ہیں کہ فلان جگہ کی ہوا خراب ہے اور جہاں تک ممکن ہو اس کے صاف رکھنے کی تدبیر کرتے ہیں لیکن جو لوگ خراب اور بدبودار ہوا میں رہتے ہیں وہ اس کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں کہ انہیں محسوس نہیں ہوتا کہ ہوا میں کیا کچھ خراب اور بدبودار اجزاء ملے ہوئے ہیں۔

تنفس حیوانات کے علاوہ اور اسباب بھی ہیں جو ہوا کو خراب کر دیتے ہیں۔ مثلاً آگ اور لپ کے جلنے سے بھی ہوا خراب ہوتی ہے کیونکہ آگ اور لپ وغیرہ بغیر کسی جن کے نہیں جل سکتے اور اس طرح ہوا کی کسی جن جو مدد حیات ہے خراج ہو جاتی ہے اور اس میں سے کاربانک ایسڈ گیس اور طرح طرح کے بخارات نکل کر ہوا میں ملتے ہیں اس لیے جس کمرہ میں آگ یا لپ زیادہ روشن ہوں وہاں ہوا بھی زیادہ ہونی چاہیے

مردہ جانوروں اور نباتات کے سڑنے سے بھی ہوا خراب ہوتی ہے کیونکہ انہیں
سے متعفن بخارات نکل کر ہوا میں مل جاتے ہیں اور جب سانس کے ساتھ اندر
جاتے ہیں تو صحت پر خراب اثر ڈالتے ہیں اس واسطے مکان اور اوس کے
ارد گرد کی زمین کو کوڑے اور فضلات سے بہت پاک رکھنا چاہیے۔

میلے کپڑے اور میلی دیواریں اور میلا اسباب بھی ہوا کو خراب کرتا ہے۔
اور ان میں سے بدبو آتی ہے لہذا گھر کی ساری چیزوں کو حتی الامکان پاک و صاف
رکھنا واجب ہے جس مکان میں دروازے اور کھڑکیاں اتنی کافی ہوں گی کہ ہوا
اور دھوپ آسکے تو اوس میں بدبو کی شکایت نہ ہوگی۔

جس طرح انسان کے جسم میں ہوا داخل ہوتی ہے اوسی طرح زمین کے اندر
بھی داخل ہوتی ہے لیکن جب اوس میں سے نکلتی ہے تو بہت سے بخارات اور
نباتی حیوانی مادوں کے ذرات اور خراب اجزاء جو زمین میں موجود ہوتے ہیں ہوا میں
مل جاتے ہیں۔ جہاں کہیں کوڑا کرکٹ مزلہ اور ناپاک فضلات اور ایسی ہی بدبو دار
چیزیں پڑی ہوتی ہیں۔ موریان بہتی ہیں۔ فضلات کے ڈھیر لگے رہتے ہیں وہاں
زمین میں زہریلے مادہ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور بہت کثرت سے ہوا کو خراب
کرتے ہیں اس کا علاج یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو گھر کی اور گھر کے گرد و نواح کی
زمین پاک و صاف رکھیں۔ قبرستان آبادی سے دور بنائیں۔ مویشی کو کھلے میدان
میں رکھیں۔ گھر کا کوڑا اور تمام فضلات کو نکال کر دور پہنکوا دیا کریں اور وہ تدابیر اختیار
کریں جو ہوا کو صاف رکھتی ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ مکان میں ہوا اور دھوپ آئے کا
راستہ کافی ہو دوسرے یہ کہ جہاں تک ممکن ہو صفائی رکھی جائے۔ مکان میں چیت کے
قرب درآمد و برآمد ہوا کے لئے دریچہ رکھنے چاہئیں تاکہ خراب ہوا نکل جائے اور باہر
کی صاف ہوا اندر داخل ہو اور جیسی باہر کی ہوا صاف ہی ایسی ہی کمرہ کے اندر کی ہو اور صاف ہی
ہو اسے دوسرے درجہ پر پانی کی ضرورت ہے۔ اگر کھانا نہ ملے اور پانی ملتا رہے
تو انسان چند روز تک زندہ رہ سکتا ہے۔ انسان کے جسم سے پانی کئی طرح خارج ہوتا ہے

پھیپھڑے کے بخارات - پسینہ - پیشاب - سب پانی ہی میں اور جس قدر پانی طرح
 کم ہو جاتا ہے اوس کی بجائی صاف پانی مناسب مقدار میں مینا چاہیے۔ یہ پانی
 بدن میں جا کر بہت سے کام کرتا ہے۔ خون کو رقیق رکھتا ہے تاکہ وہ بدن میں اچھی طرح
 دورہ کر سکے اور باریک رگون میں بھی باسانی پہنچے۔ خون کے اس فعل سے ساری
 بدن کا نشوونما ہوتا ہے۔ اگر بدن میں ضرورت سے کم پانی ہو تو خون اس قدر غلیظ ہوتا
 ہے کہ باریک رگون اور شرایین میں نہیں پہنچ سکتا۔ بعض رگیں تار عنکبوت سے بھی
 زیادہ باریک اور نازک ہیں کہ بغیر خوردبین کی مدد کے نظر ہی نہیں آسکتیں لیکن خون ان میں
 بھی پہنچ جاتا ہے اور پہنچنا ضرور ہے ورنہ اگر خون کا دوران کم ہو اور وہ اتنا غلیظ ہو جا
 کہ رگون میں اچھی طرح دوڑنے کے تو متعدد امراض اور مرض ہیفیہ پیدا ہوتا ہے۔ پانی ہی
 غذا معدہ میں گھلتی ہے اور رگون میں پہنچ کر ایک حصہ بدن کی پرورش کرتی ہے۔ پانی ہی
 کے سبب سے بدن میل سے صاف رہتا ہے اور جلدی امراض پیدا نہیں ہوتے
 لیکن یہ سارے فائدے اوس وقت اچھی طرح ظاہر ہوتے ہیں جبکہ وہ پانی جو استعمال
 کیا جائے پاک و صاف ہو ورنہ بجائی فائدے کے اولٹا نقصان اوٹھانا پڑتا ہے۔
 اور انسان طرح طرح کی بیماریوں میں گہر جاتا ہے۔ ناصاف پانی سے اکثر مہلک اور خراب
 امراض پیدا ہوتے ہیں مثلاً شکایت امعاء - ہیفیہ پیمیش - اسہال - طیریا - تپ لرزہ
 تب نوبت - تاب تلی - امراض جگر - ضعف معدہ - سنگ مثانہ - نار و وغیرہ اس سبب سے
 اس امر کا ہمیشہ اہتمام رکھنا چاہیے کہ استعمال کے واسطے صاف پانی مہیا کیا جائے
 اور خواہ کتنی ہی حرج اور محنت کیونچ کرنی پڑے برداشت کر کے صاف
 پانی حاصل کرنے میں کبھی دریغ نہ کیا جائے اور یہ احتیاط رکھی جائے کہ جس حشر یا کتھن
 کا پانی پیئے اور کھانا پکائے کے کام میں آتا ہے اوسے وگ خراب اور غلیظ نہ کریں۔
 پانی دو گاسون او - سجن اور ہا سڈروین سے بنا ہے جو پانی میں ایک اور آٹھ
 کی نسبت سے ملی جلتی ہوتی ہیں۔ انسان کے جسم میں پانی کی ایک بڑی مقدار لگی

تقریباً ۳۰ وزن پانی کا ہے۔ جو چیز ہم کھاتے ہیں اوس میں کم و بیش پانی ملا ہوا ہوتا ہے۔ سیر سہر گوشت میں چوبیس اونس پانی ہوتا ہے۔ یہی حال آلون کا ہے۔
 آدھ سیر چاتیون میں چھ اونس پانی ہوتا ہے۔ ترکاریوں میں عموماً $\frac{9}{11}$ حصہ پانی ہے شربت۔ چاء۔ کافی وغیرہ تو پانی ہی ہیں۔ کھانے اور سالن میں بہت سی پانی ہوتی ہے پانی کے حاصل ہونے کے بہت سے ذرائع ہیں اون میں سے بعض کا پانی بہت صاف ہوتا ہے بعض کا غلیظ۔ بعض کا بے احتیاطی سے نا صاف ہو جاتا ہے اور اگر احتیاط رکھی جائے تو پاک و صاف رہتا ہے۔

بارش کا پانی

بارش کا پانی زمین پر پڑنے سے پہلے بہت صاف و مقطر ہوتا ہے اور کسی صاف برتن میں جمع کر کے پین تو بہت مفید صحت ہے۔ ہند کے بعض مقامات میں لوگ چھتوں یا زمین کے غاروں سے بارش کا پانی جمع کرتے ہیں لیکن یہ پانی صاف نہیں رہتا کیونکہ اس میں چوہ مٹی۔ اور اوس کے ساتھ اور بہت سے خراب اجزاء مل جاتے ہیں۔

دریا کا پانی

دریا کا پانی عموماً نا صاف اور بد مزہ ہوتا ہے اوس میں مٹی اور کوڑھ وغیرہ بہت ملا ہوا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں کا پانی جو بہت تیز بہتے ہیں چھانے اور صاف کرنے کے بعد پینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ دریاؤں کے پانی خراب ہونے کا سبب یہ ہے کہ عموماً بڑے بڑے شہر دیہات اور گاؤں دریا کے کنارے آباد ہوتے ہیں لوگ اون میں جا کر مناتے اور کوڑھ اور فضلہ پھینکتے ہیں۔ مردے جلاتے اور کپڑے دھوتے ہیں اور سارے شہر کی موریان بہکر دریا میں جاتی ہیں اگر دریا ان خرابیوں سے پاک ہو تو اوس کا پانی ایسا نا صاف نہ ہوگا کہ قابل استعمال نہ ہو

چشمہ کا پانی

جیل کا پانی

چشمہ کا پانی عموماً بہت صاف اور عمدہ ہوتا ہے اور پینے کیلئے سب سے عمدہ پانی یہی ہے جھیل کا پانی ہمیشہ بہت نا پاک اور نا صاف ہوتا ہے اس میں نباتی اجزاء بہت سے ہوتے ہیں اور گلاسٹرا نباتی مادہ۔ میسر یا نجار۔ پھیش وغیرہ بیماریاں

جھیل کے اور کوئی پانی ہی نہ ملے تو پہلے پانی کو جوش کر کے چھان لینا مناسب ہے
 کنوئین کا پانی۔ بعض کنوئین زیادہ عمیق نہیں ہوتے اور سطح زمین سے
 مین سے چالیس فٹ کے اندر پانی نکل آتا ہے۔ ان کنوؤں کے پانی میں ذرا
 اجزاء اور گلاٹر مادہ جو زمین پر پڑا ہوتا ہے مل جاتا ہے اور اس سبب سے اسے
 کنوؤں کا پانی صاف اور عمدہ نہیں ہوتا اس لیے پینے سے پہلے اسے صاف کرنا چاہیے
 بعض کنوئین چالیس یا پچاس فٹ گہرے ہوتے ہیں اور ان کی تہ پہوڑ کر پانی
 نکالا جاتا ہے یہ پانی نہایت صاف اور عمدہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی خراب مادہ ملا ہوا نہیں
 تالاب کا پانی بھی کسی قدر نا صاف اور کثیف ہوتا ہے اور لوگ اس میں
 نہانے کپڑے دھوئے اور مویشی کو پانی پلائی اور یہی خراب کر دیتے ہیں جس تالاب
 کا پانی کم ہو کر خشک ہونے کے قریب ہو گیا ہو وہ بہت ہی نا صاف ہوتا ہے۔
 خندق اور گڑھوں کا پانی بہت ہی ناپاک ہوتا ہے اور اس کا استعمال کرنا۔
 نہایت ہی مضر صحت ہے اور جب خندق اور کنڈ آبادی کے قریب ہوں تو بہت ہی کثیف اور
 خراب ہوتے ہیں۔

کنوئین کا پانی

تالاب کا پانی

خندق کا پانی

دریا جھیل۔ تالاب اور کنڈ کا پانی انسان کی بے احتیاتی سے زیادہ خراب
 ہوتا ہے کہ لوگ اس کے کنارہ کپڑے دھوتے ہیں مویشی کو پانی پلاتے ہیں۔
 نہانے ہیں۔ نجاست دھوتے ہیں۔ شہر کی ساری کثافت بہکر اس میں جا کر پڑتی
 ہے ورنہ اگر ان باتوں سے احتیاط کی جائے تو اس کا پانی بھی ایک حد تک صاف اور
 قابل استعمال رہ سکتا ہے۔ جو پانی تیزی سے بہتا ہے وہ بند پانی کی نسبت زیادہ
 صاف ہوتا ہے کیونکہ اوس میں ہوا زیادہ ملتی ہے اور اس میں جو مہد حیات گاس ہے جو پانی کو
 صاف کرتی ہے۔

اگر کسی آبادی میں ایسا موقع ہو کہ سوائے تالاب کے اور کوئی پانی کا منبع
 نہ ہو تو نہانے کے تالاب جدا اور پانی پینے کے تالاب جدا ہونے چاہئیں اور

پانی صاف
 کرنا چاہیے

پانی نہ پنی سکین تالاب کے گرد درخت ہی نہ اگنے دیں تاکہ پتے پانی میں گر کر نہ
 لگیں۔ اسی طرح کنوئیں کے گرد بھی منڈیر بنانی چاہئے کہ اوپر کا پانی بہ کر کنوئیں میں
 نہ جائے۔ جو پانی سطح زمین سے بہ کر کنوئیں میں گرتا ہے اس میں بہت سے ردی
 اور خراب مادے ملتے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ پانی کو خراب کر دیتے ہیں اس سطح
 کنوئیں کے اوپر بھی درخت چھایا ہوا نہ ہو یا کنوئیں کے اوپر ایسا پٹ بنا دیں کہ جب
 پانی بہرے گا تو بند کر دیا جائے۔

جن شہروں میں نل کے ذریعے سے پانی پہنچایا جاتا ہے وہاں اکثر عمدہ اور
 صاف پانی مل سکتا ہے کیونکہ نل میں آنے سے پہلے پانی صاف کیا جاتا ہے اور
 نل کے پانی کو لوگ اس طرح خراب نہیں کر سکتے جیسے کہ تالاب یا دریا کے پانی کو
 خراب کرتے ہیں۔ اگر نل میں آنے سے پہلے پانی صاف نہ کیا جائے تو زیادہ مفید نہیں ہوتا
 پانی کی خوبی یہ ہے کہ اس کا رنگ نہ تو نہایت صاف اور چمکدار ہو خوش ذائقہ ہو
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں آکسیجن اور کاربانک ایسڈ موجود ہیں۔ پانی میں
 کسی قسم کی بو بھی نہ ہونی چاہئے۔ اگر بہت سے عمیق پانی کو دیکھنے سے پانی نیلگون
 معلوم ہو تو برا نہیں ہے۔ سبز رنگ بھی بہت خراب نہیں لیکن زرد یا بھوری رنگ کا
 پانی عموماً مضر صحت ہوتا ہے۔

بارش کا پانی اور پہاڑی چشموں کا پانی بغیر چھانے استعمال کیا جاسکتا ہے باقی سب
 پانیوں کو استعمال سے پہلے صاف کرنا لازم ہے اگر پینے سے پہلے پانی کو جوش
 کر لیا جائے تو پانی کے وہ کھڑے جو باعث بیماری ہوتے ہیں سب مر جاتے ہیں اور
 اگر پانی کو دو تین بار جوش کر کے چھان لیں تو نہایت صاف اور صحت بخش ہو جاتا ہے
 پانی چھاننے اور صاف کرنے کی عمدہ اور سہل ترکیب یہ ہے کہ ایک لکڑی
 کی گھڑوچی پر اوپر تلے تین مٹی کے گہڑے رکھیں اوپر کے گہڑے کو صاف کوئلہ سے
 آدھا بہرین بیج کے نصف گہڑے میں دریا کا ریت صاف کیا ہوا بہرین۔ ان گہڑوں
 ایک ایک سو راج کر کے اوپر کے گہڑے میں یا پانی بہرین۔ اس طرح سب سے نچے

صاف پانی

پانی چھاننے کی
 ترکیب

لے کرے میں صاف پانی جمع ہو جائے گا۔ ان لہڑوں پر ہی سورخ دار چھپان
 دھانک دین تاکہ پانی میں کوئی چیز یا گرد و غبار نہ پڑے اور اوس میں سے پرندے
 پانی نہ پئیں اور کیڑے نہ کریں اس طریقے سے پانی ٹھنڈا اور خوش ذائقہ رہتا ہے
 اور خوش کرنے سے جو بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے وہ بھی نہیں ہوتی۔ ہمدرد مہینے
 کے بعد ان کو نکون کو یا تو بدل ڈالیں یا صاف کر کے دھوپ میں سکھائیں۔ اور پھر
 استعمال کریں۔ چھ ہفتہ بعد ریت اوپر اوپر سے نکال ڈالنی چاہیے اور تین مہینے کے
 بعد سب ریت کو بدل ڈالنا لازم ہے اس فلٹر میں یہ خوبی ہے کہ بہت آسان اور
 سہل الحصول اور کم خرچ ہے۔ بازار میں طرح طرح کے فلٹر بکتے ہیں ان میں سے کسی پانی
 خوب صاف ہوتا ہے سفر اور دورہ کے موقع پر پاک فلٹر رکنا بہت بکار آدے ہے کیونکہ بعض
 اوقات جنگل میں جیل کا نام صاف پانی ہی پینے کو ملتا ہے

غذائی ضرورت

انسان کا بدن ایک علقی ہوئی بیٹی کے مانند ہے کہ بیٹی سلگائے رکھنے کے
 لیے ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔ جسم ہر وقت کچھ نہ کچھ کھتا رہتا ہے اگر اوس کو
 ایک دن رات کھانا نہ دو اور پھر تو لو تو وزن میں بہت کمی نظر آئے گی۔ اس کمی کو پورا
 کرنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہے کہ بدل یا تحلیل ہو اور جسم توانا اور صحیح رہے
 انسان ہو یا حیوان ہر وقت کچھ نہ کچھ کام کرتا ہے۔ زندگی اور موت میں ایک بڑا فرق یہ
 بھی ہے کہ زندہ آدمی ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے اور مردہ ساکن اور غیر متحرک
 رہتا ہے۔ یہ کام خواہ کیسا ہی کم کیوں نہ ہو جسم کا ذرا سا حصہ کھٹا دیتا ہے۔ ظاہری اور
 برسی بڑی حرکتوں کو جاتے دو۔ سانس لینے مطالعہ کرنے اور دل کے دھڑکنے
 سے بھی جسم میں کمی و تحلیل واقع ہوتی ہے اور طبیعت جو کہ مدبر بدن ہے اس کمی کو پورا
 کرنے کے لیے غذا کی طالب ہوتی ہے اسی کا نام بہوک اور پیاس ہے۔ ایک
 جوان آدمی ایک دن میں تین ساڑھے تین سیر کھتا ہے اور خوراک و پانی اوسی قدر
 پورا کر دیتی ہے۔ بچے جس قدر کھتے ہیں اوسی قدر زیادہ کھاتے پیتے ہیں اس سب سے
 اون میں نشوونما ہوتا ہے اور اون کا وزن بڑھتا رہتا ہے۔ اگر کس شخص کو کہہ دیا جائے

تو غالباً سات آٹھ دن بعد مر جائے گا۔ خوراک ہی سے انسان کے جسم میں حرارت اور گرمی پیدا ہوتی ہے۔ فاقہ کشی سے بدن ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ خوراک پر معدہ میں جانے کے بعد بہت سے تغیر ہوتے ہیں اور پہلے وہ خون بزرگ رگ میں دوڑتی ہے اور جسم کے ہر حصہ کا نشوونما کرتی ہے۔ ہر شخص کے لیے کھانے کی اشیاء کا مقرر کرنا مشکل ہے۔ کوئی خاص مقدار ہی مقرر کی جاسکتی ہے کیونکہ ایک ہی طرح کا کھانا سب کو میسر نہیں ہو سکتا۔ مقدار بھی جسم و توانائی کے لحاظ سے بہت کم و بیش ہوتی ہے۔ معدہ ایک خاص وقت میں کھانے کی ایک معین مقدار ہضم کر سکتا ہے اور اگر معدہ کو خوب بہر دیا جائے تو نہ تو وہ کام کر سکتا ہے نہ دماغ اور وہی غذا باعث خرابی ہو جاتی ہے۔

عمدہ خوراک

غذا میں صرف اس قدر خیال رکھنا چاہیے کہ اوس میں بدن کو پرورش کرنے کی قابلیت زیادہ ہو۔ دودھ میں بدن کو پرورش کرنے کی قابلیت بہت ہے اوس میں وہ تمام اجزاء موجود ہیں جن سے انسان کا بدن نشوونما پا سکتا ہے اور اس سبب سے بچوں کے لیے سب سے پہلے اور سب سے عمدہ غذا دودھ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ گھوسے دودھ میں خراب پانی ملا دیتے ہیں۔ اور بالائی اوتار کر اوسے بد مزہ و کمزور بلکہ مضر کر دیتے ہیں۔

نمک بھی جسم کی ساخت میں بہت کام دیتا ہے بلکہ ہڈیاں اسی کی بنتی ہیں۔ چربی۔ گھی۔ مکھن۔ بالائی۔ تیل۔ جسم میں گرمی پیدا کرتے ہیں اور بدن کو موٹا کرتے اور طاقتور بناتے ہیں۔ بکری کا گوشت پچھلی اور پرندوں کا گوشت طاقت بخش ہے اور اچھی طرح پکا ہوا ہو تو خوب جزو بدن ہوتا ہے۔ اٹھا۔ شہد خالص خون پیدا کرتے ہیں مختلف قسم کی دالین۔ گیہون۔ چانول وغیرہ اجناس مقوی ہیں۔ چنا گوشت پیدا کرتا ہے۔ میٹون میں بہت سے ایسے اجزاء ہوتے ہیں جو جسم کی ساخت اور پرورش میں بہت بکار آتے ہیں۔ تازمی ترکاریاں مثلاً آلو۔ کرم کلا۔ گوہی۔ ساگ۔ گاجر۔ شلغم۔ چغندر وغیرہ خون کو درست حالت میں رکھتے ہیں اور بہت عمدہ غذا ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے ہمارے لیے مختلف غذا میں پیدا کی ہیں۔ اس لیے ہمیں
اون سے تمتع حاصل کرنا چاہیے۔ ایک غذا کھائے تھے کھائے تھے بھوک بند ہو جاتی اور
طبیعت اکتا جاتی ہے۔ لیکن جو کچھ کھائیں وہ حالت عمر موسم اور وقت کے لحاظ سے
مناسب ہو۔ مخفی آدمی کو غذا کی زیادہ ضرورت ہے۔ کابل اور پیکار کو کم۔ جوان عورت
کو جوان مرد کی نسبت کم غذا اور کار ہے۔ بچوں میں افعال حیوانی زیادہ تیز ہوتے ہیں
اس لیے اون کو زیادہ غذا کی ضرورت ہے لیکن ایک دفعہ ہی نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا
کر کے کئی بار کھانا چاہیے۔ دن میں زیادہ سے زیادہ تین بار اور کم سے کم دو بار
کھانا صحت قائم رکھتا ہے۔ ہر کھانے میں پانچ چھ گھنٹے سے کم کا وقفہ نہ ہو اور
پچھلے کچھ نہ کھائیں کھانا کھانے کے بعد فوراً سخت دماغی یا جسمانی محنت کرنی نہیں چاہیے
بلکہ کم از کم معدہ کو ڈیڑھ گھنٹہ کا آرام دینا لازم ہے۔ بیماری کی حالت میں چونکہ ہاضمہ
سست اور کمزور ہو جاتا ہے اس سبب سے زیادہ کھانا مناسب نہیں۔ جاڑے
کے موسم میں گوشت اور گھی گرمی میں نباتات اور میوے زیادہ کھانے چاہئیں۔
یہ غذا خون ہو کر سارے بدن میں دوڑ جاتی ہے۔ اور پہرہ خون کہیں بڑی بنتا ہے
کہیں بال کہیں ناخن کہیں دماغی تازک یافت۔

اصول صحت کی یورپی ماہیت کتب حفظان صحت اور طب کے مطالعہ سے
حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کتاب میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ ریح و راحت

دنیا میں ہر شخص کا مقصد یہ ہے کہ وہ خوشی اور راحت حاصل کرے۔ اور
ہر انسان کا یہی مقصد ہونا چاہیے اس لیے راحت و ریح کی حقیقت میں غور کرنا اور
حقیقی راحت کے حاصل ہونے کے طریقوں کو معلوم کرنا مفید ہے۔

انسان کا مقصد

انسان کی سعادت اس کی اعمال کی عمدگی پر منحصر ہے اور ہر کام کی عمدگی کا
اختصار خواہ دینی ہو یا دنیوی اسباب کی عمدگی اور جمعیت حیات پر ہے اس لیے
یہ امر قابل غور ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو اپنا مقصد حاصل کرنا چاہیے۔

دنیا کی حالت

زندان ہے کہ انسان اوس میں پریشانی تکلیف اور عدم میسری اسباب کے سبب
 کچھ نہ کر سکے یا اس میں راحت - آرام - اور کام کی تکمیل کے اسباب اتنے
 اور کثرت سے مہیا ہیں کہ وہ بلا وقت و تکلیف بہ اطمینان خاطر اپنے فرائض کو انجام
 دے سکے اس کی حقیقت اسباب دنیا اور انسان کے حالات پر بغور نظر ڈالنے
 سے منکشف ہو سکتی ہے۔ زمانہ کی حالت یہ ہے کہ کوئی خوش نظر آتا ہے کوئی ناخوش
 کسی کے ہاں خوشی کے شادیانے بچ رہے ہیں کوئی سریر ہاتھ دھر کر رہا ہے
 کسی کے پاس تمام اسباب راحت اور سامان عیش مہیا ہیں کوئی ضروریات زندگی
 کو محتاج ہے۔ ایک طرف نظر ڈالو تو جو کل سنس رہے تھے آج رو رہے ہیں وہی
 سامان جو عیش و کامرانی کے اسباب خیال کیے جاتے تھے موجود ہیں لیکن دل کا
 کنول کھلایا ہوا ہے طبیعت افسردہ ہے انقباض طبع و رنج و آلام نے گہیر رکھا ہے۔
 دوسری طرف دیکھو تو وہ غریب تاوار شخص جس کو سامان امارت اسباب راحت
 میں سے کچھ بھی میسر نہیں خوشی کے مارے پہولا نہیں سماتا چہرے سے بشت
 ٹپک رہی ہے دل مطمئن اور چین سے ہے۔ غرض ظاہری و باطنی حالات میں اس قدر
 اختلاف ہے کہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون خوش ہے اور کون ناخوش اور یہ معلوم کرنا
 کہ آیا قدرت نے انسان کو راحت و آرام میں بسر کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔
 رنج و کلفت میں مبتلا رہنے کے لیے اور وہ راحت جس کی تلاش میں ہر ایک انسان
 سرگردان ہے کس طرح حاصل ہو سکتی ہے ذرا آسان کام نہیں ہے لیکن خدای
 عزوجل جو خالق کائنات ہے اپنے رازوں کو چھپاتا نہیں اور جس قدر مخلوقات کی
 حقیقت میں غور کیا جائے اوسکی گتہ معلوم ہوتی جاتی ہے رنج و راحت کی کیفیت کے
 معلوم کرنے کے لیے دنیا اور اوس کے اسباب پر غور کرنا چاہیے کہ آیا وہ انسان
 کی ضرورتوں کے لیے کافی اور مسرت بخش ہیں یا ناکافی اور ایذا رسان؟ دوسرے
 یہ کہ مصائب کی حقیقت میں غور کریں کہ انسان اس قدر کیوں رنج و افکار میں پڑا ہوا
 ہے اور جس اندرونی بے اطمینانی اور تکلیف میں وہ گرفتار ہے یہ واقعہ سے باخبر

سامان ظاہر
 مسرت بخش
 نہیں ہوتا

انسان نے اوس کو ایسا سمجھ رکھا ہے؟ اور کوئی مصیبت قدرتا انسان پر پڑی ہے
 یا وہ خود اپنی غلطی سے اوس میں گرفتار ہوا ہے؟ نیز ان رنج و مصائب سے بچنا
 جن میں انسان عموماً مبتلا رہتا ہے ممکن ہے یا نہیں؟ ان امور میں غور کرنے سے
 معلوم ہوگا کہ انسان کی اصلی ضروریات بہت کم ہیں اور دنیا میں ان کے پورا
 کرنے کے عمدہ عمدہ سامان بے فراط ہوتا ہیں۔ ہر ایک چیز انسان کے لئے مفید
 اور مسرت بخش ہے اور کائنات کا تمام سلسلہ حیرت انگیز خوشنما اور دل بہلانوالا ہے۔ گویا
 ایک عجائب خانہ تاورات روزگار سے صرف اس واسطے آراستہ کیا گیا ہے کہ
 انسان کا دل بہلے لیکن عموماً انسان ان سے وہ مسرت و راحت نہیں حاصل کرتا
 جو ان سے حاصل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ دنیا کی اصل خوبیوں کو نہیں دیکھتا اور ایسی
 خوبیوں کی تلاش کرتا ہے جو دراصل دھوکہ دہ یا نالیٹی اور عارضی ہیں انسان نے
 ان غیر حقیقی خوبیوں کا اعتبار اس قدر بڑھالیا ہے کہ اب اصلی حسن پر اوس کی نظری
 نہیں پڑتی مثلاً انسان قدرتی سین اور دل چسپ مناظر سے کما حقہ لطف نہیں لے سکتا
 قدرت کے خوش الحان گوئی یا انسان کو سادہ دلکش راگ اوسے محو نہیں کرتے
 بلکہ وہ ان کی تصویریں تھیٹر کے نظریہ پر دون میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور
 کبھیوں کے تاج اور طبلہ کی تہا پ پر ہر دہنتا ہے۔ اسی طرح اشیاء کی لذت سے
 نا آشنا ہے۔ اوسے عمدہ کہانا مزا نہیں دیتا جب تک چاندی کی رکابیوں میں نہ ہو۔
 گویا کہانے میں مزا نہیں رکابیوں میں ہے اوس نے اس بات کو نظر انداز کر دیا
 ہے کہ کہانے کی لذت بھوک کی شدت پر منحصر ہے اور ہمیشہ عمدہ باورچی کی تلاش
 کرتا ہے۔ غرض اسی طرح لذات و راحت کے حصول کے طریقے انسان نے
 بہلا دئے ہیں اور ایسے نئے طریقے کھڑے ہیں جو ہر شکل اوس کو کبھی کوئی عارضی
 خوشی بخشتے ہیں۔ انسان قوت غصنی کا محکوم ہو گیا ہے اور ترفع جاہ کی خواہش نے
 اوس کو عجیب کشمکش اور مجسمہ میں ڈال رکھا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس قدر رفعت جاہ
 اور متول حاصل ہو جائیگا اوس کے رنج و مصائب کم ہوں گے اور اس کا دل

اسباب نیکی
 افراد اور حسن

تلاش لذت میں
 انسان کی غلط
 فہمی

نہیں ہوتا۔ بادشاہوں کو دولت۔ عزت۔ حشمت۔ شہرت سبھی کچھ حاصل ہوتی ہے
 لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ خوش اور آرام سے رہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ
 جس شخص کی رائی کی پہلانی بُرائی پر ایک عالم کی یہودی اور خرابی کا انحصار ہو
 جس کے ذمے بہت سے بڑے بڑے اور مہتمم بالشان فرائض ہوں جس کے
 دشمن نہایت قوی اور زبردست ہوں وہ کیونکر بے فکر ہو سکتا ہے۔ یہی خوشیاں
 ابر کا سایہ ہیں کہ آن کی آن میں گزر جاتی ہیں اور جو راحت اس سامان سے حاصل
 ہوتی ہے اوس میں ریخ و افکار مخفی ہوتے ہیں جو بہت جلد ظاہر ہوتے اور
 تکلیف دیتے ہیں اور ایسی ہی مسرتوں کی نسبت کہا گیا ہے مَسَرَاتِ الدُّنْيَا
 مَقْرُونَةٌ بِالْعُغْمِ وَحَلَاوَةٌ أَرْوِيَانِ مَجْعُونَةٌ بِالسَّيْمِ وہ مسرت جو اسباب
 قدرت سے حاصل ہوتی ہے طبیعت سے غم و فکر و اتقباض دور کرتی ہے۔
 البتہ طبیعت میں اون سے خوشی حاصل کرنے کا مذاق سلیم ہونا چاہیے یہی
 حال احتیاج کا ہے کہ انسان کی اصلی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے
 دنیا میں اس قدر فراوان سامان موجود ہے کہ وہ اوس سے خرچ نہیں کر سکتا۔
 لیکن حرص طمع۔ لالچ۔ خود غرضی۔ ہمیشہ زیادہ کا خواہشمند رکھتی اور سب کو خفہ خود
 لینا چاہتی ہے۔ انسان کو اس بیجا کوشش میں کامیابی حاصل ہونے سے جو
 عارضی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ اوس کو جدوجہد کی علت غائی سمجھتا ہے۔ لیکن
 یہی مسرت غم سے ملی ہوئی ہے اور اسی حلاوت میں زہر کھل رہا ہے۔

انسان کی
 حاجتیں

حاجتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو فطرتی اور ضروری ہوں۔ دویم
 وہ جو فطرتی اور ضروری نہ ہوں۔ پہلی قسم کی ضرورتیں محدود ہیں اور یہ بہ آسانی پوری
 ہو جاتی ہیں کیونکہ فطرتی ضرورتوں کے سامان وافر مہیا ہیں اور نہایت آسان حصول بھی
 ہیں لیکن دوسری قسم کی حاجتوں کی کوئی انتہا نہیں اور وہ بسہولت پوری ہی نہیں
 ہوتیں پس زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ضرور ہے کہ غیر ضروری اور غیر فطرتی
 خواہشوں سے اجتناب کیا جائے کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص مال و دولت

جاہ و حشمت رکھتا ہو وہ خوش اور مطمئن رہی ہو۔ بلکہ خوشی ظاہری حالت پر نہیں بلکہ باطنی حالت اور طبیعت پر منحصر ہے کہ اگر انسان اُن اصول پر کار بند ہو جو نتیجہ خوشی اور مسرت ہیں تو مسرت حاصل ہوگی۔ خوشی حاصل کرنے کے لیے اسبابِ راحت کو نہایت جدوجہد سے تلاش کرنا نہیں چاہیے بلکہ یہ سعی کرنی چاہیے کہ قدرت جو کچھ عطا فرمائے اوس سے جس قدر خوشی اور راحت حاصل ہو سکتی ہے اسی طرح حاصل کی جائے متواتر مسرت بخش اسباب کا تہوڑا تہوڑا واقع ہو تا رہنا اس سے بہتر ہے کہ ایک بار تو شادی مرگ کی نوبت ہو اور پھر کچھ نہیں۔

موجودات عالم
میں ہر چیز
مسرت بخش ہے

دنیا کی بہت سی نعمتیں ایسی ہیں جن کی انسان قدر نہیں کرتا اور بہت سی خوبیاں ہیں جنہیں آنکھ پر کر بھی نہیں دیکھتا۔ موجودات عالم کی ہر ایک چیز چوٹی ہو یا بڑی۔ دور ہو یا پاس اگر ذرا نظر تامل سے دیکھی جائے تو خوشی بخشی ہے لیکن ایسی خوبیوں کی قدر کرنے کے لیے ضرور ہے کہ انسان میں خوبی کی شناخت کا مادہ ہو۔ جس طرح پھولوں میں سے عطر نکالنے کا ایک قاعدہ ہے اسی طرح موجودہ اسباب سے خوشی حاصل کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے۔ دنیا کی ہر ادنیٰ اور اعلیٰ چیز جو ہمارے گرد و پیش ہے کسی نہ کسی کام کی ہے اور جن لوگوں کا مذاق صحیح ہے وہ اوس سے وہی کام لیتے ہیں اور جس قدر ممکن ہے فائدہ اور خوشی حاصل کرتے ہیں۔ خود دنیا ایک عجائب خانہ ہے اور اگر انسان آنکھیں کھول کر دیکھے تو ہر چیز کی صورت اور ماہیت ہی اوس کے دل پہلے کو کافی ہے اور دنیا میں اتنی نعمتیں موجود ہیں کہ ایک انسان سے ناممکن ہے کہ ان کا شمار کر سکے۔ اس دنیا میں خوبصورت سے خوبصورت اور حسین سے حسین چیزیں بہ افراط موجود ہیں اور ان کا حسن ایسا قسم قسم کا ہے اور ان کے انواع و اقسام ایسے جدا جدا ہیں کہ ہر مذاق کا انسان اور ہر انسان کے مختلف حواس اوس سے حظ اٹھا سکتے ہیں۔ نہایت شاندار پاکیزہ صورتیں۔ نظر فریب اور دل بہانہ والی شگلیں طرح طرح کے خوشنا منظر اور رنگ۔ میٹھی میٹھی خوشبودیں جن کی لطافت کے

آگے ہزار عطر شرمائیں۔ دل خوش کن تراز اور راگ جو دلوں میں بے انتہا خوش پیدا
 کرتے ہیں۔ دھوپ کی چمک دمک چاند کی ہلکی روشنی جھیل اور بے پایاں سمندر
 پہاڑوں کی بلندی اور شان۔ لوت و دوق صحرا۔ سفید برف کا غلاف پہاڑوں کی چوٹیوں
 ڈھنکا ہوا طلوع آفتاب کی رونق اور چمک۔ غروب کے وقت کی نرمی اور اسی ہی
 لاکھوں اور ہزاروں چیزیں جو تہیہ کے پردوں سے زیادہ نظر فریب ہیں۔ اس
 کثرت سے موجود ہیں کہ ایک صاحب نظر انسان کو نہ اس سے زیادہ بہتر کی خواہش
 ہو سکتی ہے نہ زیادہ افراط کی ضرورت۔ خود انسان میں انہی خوبیوں سے حظ اٹھاتا
 اور اس نگار خانہ کو دیکھ کر دل بہلانے کا مادہ ہی دیا گیا ہے۔ لیکن اگر وہ اس طرف سے
 آنکھیں بند کر لے تو فطرت کا کیا قصور ہے۔ بہت سے لوگ دنیا میں سے اس طرح
 گزر جاتے ہیں کہ اس کے کسی حسن کو آنکھ نہ دیکھتے ہیں اور دیکھنے والوں کی
 نظریں ہر لمحہ ایک ایک بات دیکھنے کے قابل آتی رہتی ہے ایک ہی جگہ کی حالت
 ہر لحظہ متغیر ہوتی جاتی ہے اور جو سین کہ اس وقت موجود ہے وہ پہلے ایسا ہوتا تھا
 ہو گا۔ مناظر قدرت کو پسند کرنا اور نیچر کی خوشنما صنعتوں سے دل بہلانا بے بہا نعمت ہے
 اگر یہ دلچسپی نہ ہو تو گویا انسان بہت سی مسرتوں اور حلوں سے محروم ہے جن کی تلاش
 کسی طرح ممکن نہیں اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو قدرت کے عجائبات
 سے ذرا بھی دل چسپی نہیں طلوع و غروب آفتاب کا شاندار منظر۔ وسیع سمندر کا یہ
 عالی شان نظارہ کہ کہیں تو ہر طرف ساکن و ہوا رہے اور کہیں اس کا لٹاؤ اور موجیں
 ایک محشر برپا کر رہی ہیں۔ ہرے بہرے جنگلوں میں بارش کی مہار اور پرندوں کے
 چہچہے۔ پہاڑوں کی عظمت و شان۔ غرض کائنات کی کل چیزوں کی خوبی اُن کے
 دل پر کوئی اثر نہیں کرتی ایسے لوگوں کی حالت قابل رحم ہے اور وہ بہت بڑے
 لطف سے محروم ہیں اور دیکھنے والے اُن سے ایسا لطف اٹھاتے ہیں کہ پہرہ
 عارضی اور غیر حقیقی سامان کی طرف ذرا بھی التفات نہیں کرتے۔
 ایک موسم بہار کے موسم میں

ہوتے ہیں۔ ہوا قدرتی پھولوں کی خوشبو سے معطر ہوتی ہے اور خوش الحان پرندوں کی آوازیں ہوا میں گونج رہی ہوتی ہیں۔ سبزہ اور ہریاؤں کی کثرت سے جنگل۔ باغ گہائیوں۔ مالامال ہوتے ہیں اور جو وقت کہ ایسے خوش آئند مقامات کی سیر میں گزرے وہ زندگی میں سب سے بہتر خیال کرنا چاہیے کیونکہ اس سے دل میں بشارت۔ تازگی اور روح میں حسن پیدا ہوتا ہے۔

علم حیوانات کی دلچسپیاں

اسی طرح علم حیوانات دلچسپی کا ذریعہ ہے۔ کوئی شخص کسی انسان مقام میں ہی ہر سی گہائیں پر ہنسیکراؤں جانوروں کے حرکات و سکنات کو دیکھے جو اس کے گرد و پیش پھر رہے ہیں۔ تو ان کی صورت۔ عادت۔ حواس کی تیزی۔ ہوشیاری دیکھ کر اس سے تعجب ہو گا اور ان کے حالات کے معلوم ہونے سے عجیب دلچسپی حاصل ہوگی یہ بھی کیفیت پھولوں پر نظر ڈالنے سے ہوتی ہے کہ ہر ایک کا رنگ ہر ایک کی خوبیاں ہر ایک کی صورت جدا جدا ہے۔ ہر موسم میں اور ہر مقام پر مختلف طرح کے پھول پیدا ہوتے ہیں پھول انسان کا دل بہلائے اور خوش کرنے کے لیے پیدا ہوتی ہیں۔ بچوں کو پھولوں سے محبت ہوتی ہے۔ بڑے آدمی پھول پسند کرتے ہیں۔ عورتیں شگہار کے کام میں لاتی ہیں۔ شادی بیاہ میں دولہا دولہن کو پھولوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ مردوں کی قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے۔ امیر غریب عالم۔ جاہل سب ان کی قدر کرتے ہیں اور ان سے اپنی اور اپنے گھر کی آرائش کرتے ہیں۔ پھول صرف آنکھوں ہی کو اپنی نہیں معلوم ہوتے بلکہ کتاب فطرت کے مطالعہ کرنے والوں کے لیے تازک خیالی کا سبق بھی دیتے ہیں۔ یہی حال درختوں۔ پودوں اور پتوں کا ہے کہ ہر ایک کی وضع دل بہاتی ہے۔ ہر ایک درخت خدا کی قدرت کا سدا کا نمونہ اور بے مثل خلقت کی تصویر ہے۔

پھولوں کی سیبا

مناظرہ قدرت کی دلچسپیاں

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفت لیت معرفت کرد کا اسی طرح سمندر جھیل۔ ندی کا نظارہ دل کو بشارت اور القابض کو کم کرتا ہے جب سورج کی کرنیں شفات مانی بر سر کر جھوٹا جھوٹا لہر دوڑا جھک کر رہی ہوں

تو کون سی آنکھ ہے جس میں اس منظر کو دیکھ کر نور نہ پیدا ہو۔ جھیلین سمندر کی نسبت
 چھوٹی ہوتی ہیں لیکن حسن میں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ کیونکہ جھیلوں کے کنارے ہمیشہ
 سرسبز رہتے ہیں اور درختوں کا سایہ جھیل کے منظر کو اور بھی زیادہ دل آویز کر دیتا ہے
 اسی طرح قدرت کی دلچسپیوں کا مینا بازار ہر وقت اور ہر جگہ لگا ہوا ہے۔ اس کتاب
 میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ کتاب فطرت کا پورا پورا ریویو اس میں سما سکے۔
 اور الفاظ میں اتنی قدرت کھان ہے کہ اس اثر کا خاکہ کہنچ سکے جو ان مناظر کو دیکھنے سے دل بہوتا

فضل خدائی را کہ تواند شمار کرد	یا کیست آنکہ شکر کی از ہزار کرد
آن صانع لطیف کہ بر فرش کائنات	چندین ہزار صورت الوان نگار کرد
ترکیب آسمان و طلوع ستارگان	از بہر عبرت نظر ہوشیار کرد
بر آفرید و بحر و درختان و آدمی	خورشید و ماہ و انجم و لیل و نہار کرد
الوان نعمتی کہ نشاید سپاس گفت	اسباب راحت کہ نہ اندام شمار کرد
اجزاء خاک مرده بہ تشریف آفتاب	بستان و میوہ و چمن و لالہ زار کرد
چندین ہزار منظر زیبا بہ فرید	تا کیست کہ نظر ز سر اعتبار کرد

فنون لطیفہ کی
 دلچسپیوں

قدرتی مناظر کے علاوہ خود انسان کی صنعت کی چیزیں بھی مسرت بخش ہیں اور
 دل میں محویت اور مذاق میں عمدگی پیدا کرتی ہیں اور انسان میں صناعی کی یہ
 قدرت دینے سے فطرت کا منشاء صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے راحت
 اور دل بہلانے کے سامان میں اور ترقی دی جائے تاکہ زندگی کا زمانہ انسان
 کو وبال اور دوا بہرہ معلوم ہو بلکہ وہ دلچسپی فریشتگی۔ بشارت۔ محویت کا زمانہ ہو لیکن
 یہ حالت ممنوعات میں نہیں بلکہ جائز مشاغل میں ہونی چاہیے۔ مصوری۔ نقاشی
 سنگ تراشی۔ اور تمام فنون لطیفہ۔ دل بہلانے کا سامان ہیں۔ کون ہے جس نے
 آگرہ کا تاج محل۔ دلی کی جامع مسجد۔ ایلور اسکے غار۔ دیکھے ہوں اور محو نظارہ
 نہ ہو گیا ہو یا اون کا ریکردن کی صنعت کی تعریف نہ کرے جنہوں نے ایسی عیالیش
 ایسی دلفریب عمارتیں بنا کر کھڑی کر دیں۔ ایک خوشخط لکھا ہوا قطعہ ایک اچھا

ہونی صورت۔ ایک عمرہ بنی ہوئی تصویر جو اصل سے مشابہ ہو دلچسپی اور محویت پیدا کرتی ہے۔ فنون لطیفہ۔ انسان کی خوشی کا چشمہ اور دل بہلانیکا پورا سامان ہیں۔ جس طرح سورج سے پھولوں میں رنگ پیدا ہوتا ہے اسی طرح فنون لطیفہ سے انسانی زندگی میں بہار ہوتی ہے شاعر الفاظ کے ذریعے سے ایک چیز کا سامان باندھ دیتی ہیں اور الفاظ سے کلام میں رنگینی اور دل چسپی پیدا کرتے ہیں صنایع اپنی ہنرمندی کے نمونوں میں جان ڈالتے اور اپنی مصنوعات کی زبان سے اپنی استعداد کو کا اظہار کرتے ہیں۔ ایک نقشہ یا ایک تصویر دیکھ کر کیفیت بادی النظر میں معلوم ہو جاتی ہے صفحہ کے صفحہ حالات پڑھنے سے بھی وہ منکشف نہیں ہوتی۔

نظم کا اثر

نظم کی دل چسپی اور اوس کا اثر مصنوعات سے بھی کہیں بڑا ہوا ہے اور خدا نے نظم کی قوت انسان کو اس لیے عطا فرمائی ہے کہ کلام میں نہ صرف شوخی شیرینی لطافت اور بلندی پیدا ہو بلکہ اثر بھی اور نظم کا اثر وہ ہے جو رنج و غم فکر و غمی خود غرضی وغیرہ کل خیالات کو ایک دم مٹا دیتا ہے۔ شاعر کے ہاتھ میں تلوار نہ ہو لیکن اوس کی زبان تلوار سے زیادہ کاٹ کرتی ہے۔ وہ نیکی کی خوبیاں اور برائی کی بدیہیوں کی تعریف اور برون کی نکو ہش ایسی ادا سے کرتا ہے کہ دلون پر اوس کے کلام کا نقش جم جاتا ہے اور وہ نقش نہ صرف اوس وقت بلکہ اوس کے بعد ہمیشہ نسلاً بعد نسل قائم رہتا ہے اس کا کلام دلون کو ہلا دیتا اور جوش و ولولے پیدا کرتا ہے چاند کے اثر سے سمندر میں مد و جزر واقع ہوتا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد دب جاتا ہے جو تلاطم شاعر کا کلام دلون میں پیدا کرتا ہے وہ کسی فرد نہیں ہوتا اوس میں ہر وقت نئے نئے زور شور سے طعنائی ہوتی رہتی ہے۔ وہ لوگوں کے خیالات پر ہر دیتا۔ نئے نئے خواہشیں۔ نئی امنگیں نئے شوق پیدا کر دیتا ہے۔ اُس کے کلام کا اثر اندر کی دلون پر ایسا قبضہ کر لیتا ہے کہ جو لوگ اوس کے شکار ہوئے ہوں وہ بھی نہیں جانتے کہ اون میں کیا اور کیوں تغیر پیدا ہوا جس طرح ایک زاہد فریب صورت ایک جہلک دکھا کر اپنا والد و شہید بنا لیتی ہے اسی طرح شاعر کا ایک شعر اسامیچ کر دیتا ہے کہ وہ

کیفیت نہ بادہ انگوری سے آتی ہے۔ نہ شراب ارغوانی سے۔ جس وقت طبیعت نہایت ہی اوداس متفکر طول ہو یا مکان اور ماذگی نے پست کر لیا ہو اس وقت نظم کی کوئی عمدہ کتاب پڑھو اور دیکھو کہ کس قدر تسکین حاصل ہوتی اور طبیعت کی کیفیت کیسی بدل جاتی ہے۔

نظم ہی ایک قسم کی مصوری ہے لیکن تصویر منہبہ سے نہیں بولتی اور یہ بے رنگ کی تصویر حرکات و سکنات اور بات چیت کے لطف بھی دکھا دیتی ہے۔ نظم دل کو بیدار اور قوا و داعی کو ہتیار کرتی ہے اور اس سے طرح طرح کے عمدہ اور نفیس خیالات پیدا ہوتے ہیں جیسے زیور اور فاخرہ لباس ایک مجہین کا لطف و بالا کر دیتا ہے اسی طرح نظم الفاظ میں اثر اور معمولی مضمون میں بلند سی اور دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ جو حالتیں دن رات ہمہ گزرتی ہیں یا وہ کیفیتیں جو عموماً ہم آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں اور ان کی پروا بھی نہیں کرتے وہ واقعات جو رات دن پیش آتے اور بے پروائی سے گزر جاتے ہیں۔ وہ سوانح جن کی طرف ہمیں اعتدائی نہیں ہوتا لباس نظم ہنر سانس آتے ہیں تو ان کا اثر بہت قوی ہو جاتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کے چہرہ پر جو نقاب پڑی ہوئی تھی وہ اوٹھ گئی اور اب وہ اصلی حالت میں ظاہر ہوئے۔ ہم لوگوں سے رات دن ملتے اور ان کی عادت و خصلت سے واقفیت رکھتے ہیں۔ لیکن شاعر و فطرت انسانی کا پورا ماہر ہوتا ہے۔ جب ان عادتوں اور خصلتوں کو بیان کرتا ہے تو آنکھیں کھل جاتی ہیں کہ اس نے یہ بید کہاں سے پایا نظم کا اثر موسیقی کے ساتھ اور بڑھ جاتا ہے۔ قدرت کی قوتوں میں خوش الحانی و لون کے تسخیر کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ موسیقی موجودات عالم میں روح پہنکتی ہے۔ خیالات میں پرواز اور دل میں جوش پیدا کرتی ہے۔ رنج و غم میں تسکین دیتی ہے اور گویا ہر ایک جذبہ میں جان ڈالتی ہے۔ رنج و مصیبت اور محنت کا اثر کم کرنے کے لیے موسیقی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پسنداریاں چکی پیسنے میں گیت گاتی ہیں۔ کسان مچھتا گاتے اور گیت گاتا ہے۔ عرب کا مدلول و دوق مدلولین

اونٹوں کو لیے کو سون چلا جاتا ہے اور اپنے کیتون (جڈی) سے خود محور ہوتا اور
 اپنے اونٹ کو بھی محور کہتا ہے۔ یہ سب اس لئے گیت گاتے ہیں کہ محنت کی تکلیف
 کم محسوس ہو۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ بے خودی کا عالم تھکان کا احساس نہیں ہوتا
 چرواہے جنگلوں اور پہاڑوں میں گاتے پھرتے ہیں۔ ملاح کشتی میں گاتے ہیں۔
 اور ان کا اثر نہ صرف کانوں پر پڑتا ہے بلکہ دل پر۔ میدان جنگ میں مہینڈ کی آواز سے
 خون رگون میں جوش مارنے لگتا ہے اور انسان کو نہ تن بدن کی پروا ہوتی ہے
 نہ جان کا ہوش۔ اگلے زمانہ میں عورتیں لڑائی کے میدانوں میں رجز پڑھتی اور
 مردوں میں شجاعت بڑھاتی تھیں۔ بزدل سپاہی بھی اس آواز سے مست ہو کر جان
 کھیل جاتا تھا۔ غرض موسیقی موت کی تکلیف کم کرنے میں بھی مدد دیتی ہے۔ سنا
 بانسری کی آواز پر باہر نکل آتا ہے اور سپنیرے کا شکار ہو جاتا ہے۔ موسیقی ایک
 نعمت ہے جو خوشی کو بڑھانے اور رنج و مصیبت اور وقت کو سہل کر نیک آرز ہے
 اسی طرح جذبات انسانی محبت۔ رحم دلی۔ فیاضی۔ شجاعت وغیرہ مسرت
 بخشتے ہیں۔ علوم و فنون مثلاً طبیعیات۔ علم نباتات۔ تاریخی واقعات طبیعت میں جوش اور
 مسرت پیدا کرتے ہیں۔

امید کی مسرت

آئندہ کی امید بھی خوشی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ امید انسان کو مشکل کے
 وقت مدد دیتی ہے۔ تکلیف اور مصیبت کے اثر کو کم کرتی ہے۔ ارادوں میں قوت اور
 استقلال پیدا کرتی ہے۔ انسان کو ہراس اور دل شکستگی سے بچاتی ہے۔ امید انسان
 کی ہمت کا عصا اور قوت کا سہارا ہے۔ امید انسان کو یہ سبق پڑاتی ہے کہ اگر سعی
 میں ناکامی بھی ہو تو بھی ہمت ہارنی اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا نہیں چاہیے۔ کسی کام
 میں غلطی کرنا مقتضای انسانیت ہے۔ جو غلطی نہیں کرتے وہ کچھ نہیں کرتے لیکن
 ہمیشہ غلطی میں پڑنا خلاف دانشمندی ہے۔ اگر انسان اپنی غلطیوں سے سبق حاصل
 کرے تو وہی اصلاح کی راہ بنا اور ترقی کا زینہ ہو جاتی ہیں۔ آئندہ زمانے کو خوشگوار
 بنانے کے لیے ضرور ہے کہ ہم موجودہ زمانہ کی قدر کریں اور اس کو اچھے طرح کا دیکھ لیں

آخر زندگی کا بہت سا حصہ اس سبب سے تلخ ہو جاتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی تھوڑی سی راحت یا کسی خیالی اور جھوٹی خوشی کو پیچھے آئندہ کی تمام زمانہ کی اکتون پانی پیر کی امید کی خوشی حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ نہ تو امیدیں حد سے بڑائی جائیں نہ تمنا کے بہت جلدی پورا ہونے کا یقین کیا جائے۔ رنج و آلام تو ستاتے ہی رہتے ہیں لیکن مردانہ وارادوں کا مقابلہ کرنا خوشی اور راحت بخشتا ہے۔ اور موجودہ ملول حالت میں امید کا خیال ضرور تسلی بخش ہے کہ اگر نقصان ناقابل تلافی ہے تو امتداد زمانہ جس طرح تلوار کے زخم کو بہرتا ہے دل کے زخموں کو بھی بہرتا ہے اور مصیبت کا زمانہ بھی ایک نہ ایک دن ختم ہونے والا ہے حتیٰ کہ موت ہی جس سے انسان ایسے ڈرتے ہیں جیسے بچے بی شادی سے اس وقت خوشگوار ہو جاتی ہے جب یہ خیال آئے کہ اس دنیا کی تکلیف کا خاتمہ ہونے والا ہے اور پہر ایک جاودانی راحت اور سکون نصیب ہوگا۔

مصرفیت
رنج و فکر
دور کرتی ہے

اتنا خیال رہے کہ راحتیں حقیقی راحتیں اور خوشیاں واقعی خوشیاں ہوں بہت سے لوگ کچھ نہ کرنے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کو آرام و راحت خیال کرتے ہیں لیکن نہیں۔ دانش۔ علم۔ اصابت راسی۔ دلائل صحیحہ کا حاصل کرنا۔ سب سے زیادہ مسرت بخش اور آرام دہ ہے۔ اگرچہ اس کے حصول میں وقت اوٹھانی پڑے۔ یہاں تک کہ جس وقت کسی غم نے طبیعت کو گہیر رکھا ہو تو کوئی مصرفیت جو اون خیالات کو بہلاوے راحت بخش ہوتی ہے۔ خوشی حاصل کر لیا کریم ہے کہ کسی عمدہ مطلب کے حاصل کر نیکی تمنا میں کچھ کیا جائے اور اس کو پورا ہونے کی امید ہو زندگی کی پیالیش وقت سے نہیں بلکہ اعمال سے کرنی چاہیے اگر تھوڑے زمانہ میں کسی شخص سے بہت سے اعمال حسنہ صادر ہوں تو اس کی زندگی اس شخص سے بدرجہا بہتر کچی جس نے بہت عمر پائی لیکن ساری تا کر دنی افعال میں گنوائی۔ اگر انسان نیک کاموں میں خوب کوشش کرے اور ذرا ذرا سی تکلیف پر گہرا نہ جائے۔ اور خدا تعالیٰ

خوشی حاصل
کر نیکی طریقہ

حظ ادا ہٹائے تو اوس کو معلوم ہو گا کہ بیشک زندگی ایک بیش بہا نعمت ہے۔
 جس سے ہر آن خوشی اور اربنساط ٹپکتا ہے لیکن افسوس ہے کہ بہت تھوڑے
 آدمی ایسے ہیں جنہوں نے یہ غور کیا ہو کہ خوشی کیونکر حاصل ہوتی ہے۔ خوشی بادی
 خیر نہیں ہے بلکہ اوس اسباب سے حاصل ہوتی ہے جو انسان کو میسر اور مہیا ہوں
 اور اس لیے جو لوگ ہمیشہ بشارت رستے ہیں ضرور ہے کہ وہ موجودہ اسباب راحت
 کی قدر و قیمت جانتے ہوں۔ اگر انسان اپنے فرائض کو کما حقہ ادا کرے اور جو کام
 اوس کے سامنے ہے اوسے محنت سے انجام دے اور جائز نعمتوں پر جو اوس کو
 مل سکتی ہیں قانع ہو۔ اگر سہرا انجام امور کا خدا تعالیٰ پر بہرہ ور رکھے اگر اوس کے
 دل میں شکر گزاری کا مادہ ہو۔ اگر وہ نہایت پابندی سے عقل سلیم اور صداقت کی
 پیروی کرے۔ کوئی خوف یا لالچ اوس کی طبیعت ڈانوا ڈول نہ کرے۔ اپنے
 معاملات ایسے صاف رکھے کہ روز حساب اوسے شرمندہ ہونا نہ پڑے۔ اگر وہ
 اپنی قوت سے زیادہ کی تمنا اور امید نہ کرے اور اپنی آزادی کو قائم رکھنے کیلئے
 کسی کی پروا اور کسی کا خوف نہ کرے اور اپنے الفاظ میں صداقت کو قائم رکھے
 تو بیشک وہ خوش اور بشارت رہے گا۔

دل کو مطمئن رکھنے اور طبیعت میں سکون پیدا کرنے کے لیے عمدہ اور پاکیزہ
 خیالات و مرغیں پیدا کرنے چاہئیں اور اون پر حتی المقدور کار بند ہونا لازم ہے یہ سقراط
 کا قول ہے کہ جو شخص اپنے تئیں انسان کامل بنانے کی کوشش کرتا ہے وہ بہت
 اچھا آدمی ہے اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ درجہ کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے دنیا میں
 سب سے زیادہ خوش ہے۔

مشکلات کے سمندر کو عبور کرنے کے لیے کنارے پر کھڑے کھڑے یہ
 خیال کرنا کہ ہمارے جسم میں تو انسانی نہیں۔ خطرات زیادہ ہیں۔ موسم زیادہ تکلیف دہ ہے
 کوئی کام نہیں دیتا بلکہ اگر تجھ پر کرنا ہے تو جو کلمت علی اللہ تعالیٰ کہہ کر ایک دم سو کو دھڑکا
 اور گوہر مقصود حاصل کرے نیز باز رہنا نہیں۔ جاسے انسان اوقاف اور اوصاف اپنے

مشکلات کا
 حل کرنا خوشی
 جنت ہے

اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ اپنے خیالی اور وہی خطرات سے ڈرتا ہے۔ مثلاً یہی کہ بہت
عمدہ کام وہ اس سبب سے نہیں کرتا کہ لوگ مجھ پر تنہیں گے لیکن اگر وہ مستقل مزاج
آدمی ہے تو اس سے یہ امید ہوتی ہے کہ میں جب ان تمام مشکلوں کو پورا کر لوں گا تو
یہی لوگ میری تحسین کریں گے اور یہ خیال اسے ایسا خوشی بخشتا ہے کہ وہ کسی خطرہ
اور کسی تکلیف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

انسان خود
مصائب پیدا
کرتا ہے۔

بیشک دنیا میں رنج و محن اور مصیبت ہی ہے لیکن وہ انسان نے اپنی ہاتھوں
مولیٰ ہے۔ وہ دنیا میں خود ایسی مصیبتوں کو ڈھونڈتا ہے جو راحت و خوشی کا
لباس پہنے ہوئے ہوں۔ دنیا میں رنج و مصائب و آلام ہیں لیکن سب سے زیادہ رنج
دینے والے اور حسرت و افسوس میں ڈالنے والے وہ مصائب ہیں جو خود انسان
کی سورتدبیر یا غفلت یا غلطی سے اس پر پڑے ہوں۔ بعض چھوٹی چھوٹی ناگوار باتوں کو
بھی انسان بہت بڑا خیال کر لیتا ہے اور بجائی اس کے کہ ذرا مردانگی سے اون کا
مقابلہ کرے اون سے دب جاتا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں سردار اور اشرف بنا کر بھیجا ہے مگر یہ کیونکر ممکن
ہے کہ وہ اس کی ذات کو رنج و محن کا پتلا بناتا اور دنیا کو اس کے واسطے قید خانہ مقرر
کرتا بلکہ خود انسان لغتہا ہی خدا کو نہیں جانتا اور نہیں پہچانتا اور اون سے محروم رہتا
یا اشیاء کے غلط استعمال سے اپنے اوپر بلا لاتا ہے اکثر انسان ایک لمحہ کی غرضی
خوشی کا خیال کرتا ہے لیکن اپنے زندگی بھر کے آرام کو دیتا ہے۔

مصیبت سے زیادہ مصیبت کا خیال انسان کو ڈراتا ہے لیکن جب وہ حالت
جس کے وقوع کا پہلے خطرہ تھا واقع ہو جائے تو ڈر جاتا رہتا ہے اور اکثر ایسا ہوتا
ہے کہ جس قدر اندیشہ پہلے ہوتا ہے اس قدر مصیبت سخت نہیں ہوتی۔ اکثر سختیاں جو
انسان کو برداشت کرنی پڑتی ہیں وہ کسی خیالی اور اعتباری امر کے سبب سے ہوتی
ہیں کیونکہ انسان بہت دفعہ ایسی چیز کے حوصلہ کی کوشش کرتا ہے جو اسے قانع
نہیں کر سکتی۔ وہ اپنے اور ذرا ہی اسباب کا بار لاوے جاتا ہے اور زیادہ کر بھگانا

تلاش کیے جاتے ہیں۔ یہ تلاش نہ صرف تھکاتی اور طول کرتی ہے بلکہ اکثر محروم بھی کر دیتی ہے اور اگر واقعی کوئی بڑی مصیبت بھی پڑے تو اس کے رفع کرنے کی پوری کوشش کرنا یا اگر وہ رفع نہ ہو سکے تو صبر سے اسے برداشت کرنا دل شکنی دیتا ہے اور مصیبت کا اثر کم کر دیتا ہے۔

خیالی تکالیف

خود انسان کے برے عادات اور اطوار اس کو زیادہ تکلیف میں ڈالتے ہیں۔ مثلاً غصہ۔ بد مزاجی۔ خود غرضی۔ لالچ دل کو بیچ و تاب میں رکھتے ہیں اور دق کرتے رہتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ امور جو انسان کو نفع و راحت رکھتے ہیں دق کرتے ہیں واقعی نہیں ہوتے بلکہ خیالی تکالیف ستاتی رہتی ہیں۔ یا چھوٹی چھوٹی تکلیفیں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے خیال کی غور میں سے ان کو بہت بڑا دیکھتا ہے۔ ان تکلیفوں کی اصلیت اور حقیقت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی بڑی مصیبت سامنے آجائے اس وقت یہ ساری تکلیفیں پیچ معلوم ہونے لگتی ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مصیبت کس کو کہتے ہیں؟

مشکلیں اور تکالیف انسان کی سبق آموز ہیں اور کامل عیار تکالیف میں اس طرح ثابت قدم رہتے ہیں جیسے پہلی سے کندن چکناکتے۔ یہ آگ اور آہن کے جوہر ہون کو اور جلا دیتی ہے اور ذاتی صفات کو اچھی طرح چمکاتی ہے۔ مشکلیں مستعد آدمی میں کام کرنے کی قوت کو بڑھاتی ہیں اور اس کے دل میں جوش۔ غم تحریک پیدا کرتی ہیں۔ اگر دنیا میں مشکلیں نہ ہوتیں تو سعی و کوشش کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ سبج۔ مشکل تکلیف۔ مصائب نہیں ہیں بلکہ قوت انتظام اور پرنیگاری کے معلم ہیں۔

مشکلات
سبق آموز ہیں

انسان کو کئی طرح سے تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ اول جسمانی تکلیف جو کامل صحت کے نہ ہونے یا قوت شہوانی کے تقاضوں کو پورا نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہو۔

تکالیف کے
اسباب

مثلاً بیماری یا تھکان۔ بھوک اور پیاس کی تکلیف۔ دویم ایسی تکالیف جو اس جسم سے پیدا ہوتی ہوں۔ مثلاً بد مزہ چیز کھانے۔ بدبودار چیز سونگھنے۔ ناگوار چیز کے چھونے۔ کرے منظر صورت دیکھنے۔ دلخیزاں آواز سننے۔ اس سے وہ گریہ کرنا دیتی

سے پیدا ہوں سویم سعی میں۔ ناکامیابی۔ یا کسی چیز کو دل چاہے لیکن اوس کے
 حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا کسی چیز کے حاصل ہونے کی امید ہو لیکن اسباب
 حصول مفقود ہو جانے سے نا امید ہو جائے۔ چہارم دشمنی۔ یہہ تکلیف اوس وقت
 زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ انسان کو یہ یقین ہو کہ میرے دشمن ایک نہ ایک دن مجھے
 نقصان پہونچا کر اپنے دل کا بخار نکالیں گے۔ پنجم بے نامی۔ یہہ خیال کہ اور لوگ میری
 نسبت کوئی بُرا خیال رکھتے اور مجھے بُرا سمجھتے ہیں۔ انسان کو تکلیف دیتا ہے۔ کیونکہ
 اوس سے ادھی کی وقعت و عزت میں فرق آتا ہے۔ ششم افعال ممنوعہ یہ تکلیف
 اوس وقت زیادہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں یہ خوف ہو کہ ایک
 دن خدائی عروج کے سامنے اعمال دنیا کی جوابدہی کرنی ہے اور سزا و جزا
 یقینی ہے جس شخص کے دل میں مذہب کا پختہ اعتقاد اور نور ایمان کی روشنی
 ہو اس سے یہ تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ ہفتم ترحم دوسروں کی مصیبت زدہ
 حالت دیکھ کر دل میں تکلیف اور رنج پیدا ہوتا ہے۔ رحم دل انسان جانور و انکی
 زدہ حالت بھی نہیں دیکھ سکتے اور اگر اون پر ظلم ہوتے دیکھتے ہیں تو اون کو رونگٹے
 کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہشتم حسد جن لوگوں سے انسان کو نفرت ہے اون کی
 خوشی اور فارغ البالی پر جلتا ہے اور خود اپنے تئیں بے آگ جلاتا ہے۔ نہم حافظہ بعض
 وقت گزشتہ زمانہ کے مصائب یا کوئی اور دردناک واقعہ۔ کوئی پتھر اہوا عزیز کوئی
 مردہ دوست یاد آ جاتا ہے اور دل دکھا دیتا ہے۔ دہم خوف کسی آئندہ مصیبت کا
 خیال بعض اوقات دل کو بہت بے قرار کر دیتا ہے اور ہر اس چھا جاتا ہے۔

وقت قلب
یا ترحم

راحت و رنج
کے ذرائع

عام طور پر دیکھا جائے تو راحت و خوشی یا رنج و کلفت کے حاصل ہونے کے
 تین ذرائع اور یہی ہیں۔ اول خود انسان کی ذات اور اوس کی صحت۔ طاقت
 حسن عادت۔ عقل۔ تعلیم وغیرہ۔ دویم انسان کی ملک اور جائداد اور تمام اشیاء
 استعمال جو اوس کو حاصل ہوں۔ سویم انسان کی وقعت و عزت یعنی وہ درجہ جو اس کو

انسان کی ذات
میں خوشی پہل
کرنے کی قوت

اس راہی کا اظہار اس مرتبہ اور شہرت سے ہوتا ہے جو ایک شخص کو اپنی سوسائٹی میں حاصل
ان میں سے پہلا ذریعہ فطرتی اور اصلی ہے اور یہی سارے رنج و تکلیف
راحت و خوشی کی بنیاد ہے۔ دو مختلف انسانوں کی خوش حالی اور بد حالی میں جو فرق
فی الواقع ہوتا ہے وہ ان کی طبعی اور ذاتی کیفیت کے سبب سے ہوتا ہے
باقی دونوں ذرائع خود انسان نے اپنے خیال میں فرض کر رکھے ہیں اور اس کا
اثر خواہ کتنا بھی قوی ہو اعتباری ہے۔ نہ اصلی۔ املاک و جامدات یا عزت و وقعت کا
اثر انسان کی خوشی پر بالواسطہ ہوتا ہے۔ لیکن بشارت یا انقباض کی عادت جو خود
انسان میں طبعاً ہوتی ہے وہ بلا واسطہ اس پر اثر ڈالتی ہے اور اس کو بشارت یا
منقبض رکھتی ہے۔ بشارت طبع اشخاص عموماً خوش رہا کرتے ہیں اور اگر کوئی فکر کی
بات ہو بھی تو وہ اس طرح گزر جاتی ہے جیسے چلتا بادل لیکن جن لوگوں کے دل فطرتاً
منقبض یا متفکر ہوں ان کو بڑی خوشی اور کامیابی کی حالت بھی بہت تھوڑی مسرت
و فرحت دیتی ہے اور ان کا دل اس میں بھی کوئی ایسا اندیشہ پیدا کر لیتا ہے جو
اس خوشی کو کہو کہ انقباض خاطر کا سبب ہو۔ جیسی انسان کی طبیعت کی کیفیت ہو
و ایسی ہی دنیا کی ساری چیزیں اس کو معلوم ہوتی ہیں۔ ایک ہی طرح کا سامان ایک ہی
طرح کا مکان ایک ہی طرح کا سامان ایک شخص کو نہایت دلچسپ۔ دل خوش کن۔
راحت بخش معلوم ہوتا ہے اور دوسرے کے دل پر اس کو دیکھ کر اوداسی
بے اطمینانی چھا جاتی ہے اور وہ ان سب چیزوں کو اجاڑ اور ناکارہ خیال کرتا ہے
غرض جب تک انسان کے دل میں بشارت کا مادہ نہ ہو۔ ظاہری سامان آرائش و
عزت اسے خوش نہیں کر سکتے۔ اگرچہ فراوان سامان اور عالی عہدہ امارت و رتبہ میں
فرق و امتیاز پیدا کر دین لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ اندرونی خوشی پر بھی ان کا قیام پذیر
اثر پڑے۔ بعض لوگوں کا دل اس وقت بھی تفکرات۔ آلام۔ بے اطمینانی سے
بھرا رہتا ہے۔ قائم رہنے والی اور ہمیشہ ساتھ دینے والی خوشیاں دل کی خوشیاں
ہیں اور دل کی خوشیاں دل کی قوتوں پر منحصر ہیں۔ اگر دل کی قوت کمزور ہے تو خواہ

کتنی ہی دولت و ثروت کیوں نہ حاصل ہو انسان مسرت خاطر کے معمولی درجہ سے کہی ترقی نہیں کر سکتا۔ اگر ایک سوکھی لکڑی پر پھولوں کے ہار لپیٹ دی جائیں یا سوکھی گھاس کو پانی میں ڈال دین تو وہ کیا تروتازہ ہوگی۔ اسی طرح جس انسان میں خوشی کا مادہ نہ ہو اس کو اگر نعمتہای دنیا سے مالا مال کر دیا جائے تو اس پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ انسان کے ذاتی اسباب میں سے سب سے زیادہ موثر اس کی صحت ہے ایک فقیر جس کی صحت اچھی ہو اس کا دشاہ سے زیادہ خوشی ہے جو بستر بیماری پر پڑا ہو۔ اسی طرح نیک مزاجی۔ دانشمندی۔ قناعت۔ خوشی کا چشمہ ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسان خوشی کے اس قدرتی مادہ کو ترقی دے جو فطرۃً طبیعت میں پیدا ہوا ہے۔

املاک و روپیہ کی
خوشیاں

باقی دو ذریعے اگرچہ خارجی ہیں اور عارضی اسباب کی فراہمی سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کو خوشی کے پیدا کرنے میں دخل ہے۔ اگرچہ یہ خوشیاں بھی عارضی ہوں اور بعض اوقات بہت جلد ان میں تبدیلی آجاتی ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ املاک و اسباب کی فراہمی سے انسان کو اطمینان آرام۔ مسرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ مسرت حصول سے زیادہ امید حصول میں ہوتی ہے۔ انسان کہی موجودہ چیزوں پر قانع نہیں ہوتا اور اس کی خواہش کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اگر اس خواہش میں اس کو کامیابی ہوتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور ناکامی ہو تو رنجیدہ ہوتا ہے۔ اس سبب سے ایک انسان جس حالت کو اپنے واسطے نعمت غیر مترقبہ خیال کرتا ہے دوسرا اسے مصیبت جانتا ہے۔ اور دونوں اپنی امیدوں کے پورا نہ ہونے سے برابر ملول ہوتے ہیں۔ انسان کی مختلف ضرورتوں کو خیال کیا جائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ مال و دولت روپیہ پیسہ کو زیادہ عزیز رکھتا اور زیادہ دولت مند ہونے کی خواہش کرتا ہے اور چونکہ روپیہ انسان کی سب سے ضرورتیں پوری کرتی ہیں لہذا اس کی زیادہ خواہش کرتے ہیں۔ روپیہ کے علاوہ ہر چیز ایک حاجت رفع کرتا ہے۔ مثلاً گنا بھدک۔ سرخار۔ دھواں۔

پانی پیاس بجھاتا ہے۔ دو بیماری سے شفا دیتی ہے وغیرہ لیکن رویہ ان کل اشیاء کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے اور اسی سبب سے ایک ایسی شے کے حاصل ہونے سے انسان کو بہت خوشی ہوتی ہے جو اس کی ہر قسم کی ضرورتوں کے پورا ہونے کا ذریعہ ہو سکے۔

عزت خوشی بخشی ہے

یہی یہ خواہش کہ لوگوں کی نظروں میں وقعت ہو اور اپنے پرانے عزت و حرمت کریں اگرچہ اس کو انسان کی راحت و خوشی سے زیادہ تعلق نہیں ہے لیکن فطرتاً انسان کی طبیعت اس قدر کمزور پیدا کی گئی ہے کہ اس کو اپنی عزت و آبرو کا بہت پاس ہوتا ہے اور نظام عالم کی نظر کی جائے تو اس میں بہت بڑی مصلحت ہے ورنہ دنیا میں تہذیب ایک بے معنی لفظ ہوتا۔ غریب۔ امیر۔ عالم۔ جاہل۔ ہر طبقہ اور ہر فرقہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اقربان و امثال جن سے اس کو تعلق ہے اس سے اچھا یا معزز یا برکزیہ سمجھیں اور اس کے لئے انسان ایسا مال بلکہ اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ جب کسی شخص کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی رائی میری نسبت عمدہ ہے یا وہ کوئی خوشامد کا کلمہ یا اپنی بڑی کی تحسین سنتا ہے تو اسے کیون خوشی ہوتی ہے۔ خصوصاً جس امین کوئی شخص فخر کرتا ہے اگر اس کی نسبت کوئی کلمہ کہا جائے تو بہت جلد سی اثر ہوتا ہے اور اس خیال میں کم و بیش دنیا کا ہر فرد بشر مبتلا ہے اور صرف اس کے واسطے بہت سے لوگ بڑے بڑے کام کرتے اور بہت سا سامان آرائش رکھتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں میں وقعت قائم ہو یہ خیال اگر فرد و شخصت یا خوشامد پسندی تک پہنچ جائے تو بڑا ہے اور اگر صرف خود داری اور عزت کی حد تک رہے تو بہت عمدہ ہے۔ دنیا میں ہر چیز کی قیمت ہے اور اگر وہ قیمت قائم رہے تو وہ خراب اور ذلیل تصور کی جاتی ہے اسی طرح انسان کی عزت اس کی ذات کی قیمت ہے اور اگر کوئی شخص اپنی ذاتی عزت کا خیال نہ رکھے تو وہ اپنی قیمت گھٹا دیکھا اور اسی نسبت سے اس کی خوشی گھٹ جائے گی سو سادہ طور پر عزت حاصل کرنے کا خیال انسان کے ذہن سے ہٹا دینا خاصیت

پیدا کیا۔ جب انسان کو ہوش آیا تو اوس نے دیکھا کہ میں دنیا میں تنہا کچھ نہیں
کر سکتا ہوں بلکہ مجھے سوسائٹی میں مل کر رہنا چاہیے اور اپنے تئیں سوسائٹی میں
بکار آمد بنانا لازم ہے اور بکار آمد و مفید ہونا یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے تئیں بکار آمد
سمجھے بلکہ یہ ہے کہ دوسرے اوس کو بکار آمد سمجھیں اور اوس کی قدر کریں اس خیال
نے ترقی کر کے عزت کی مختلف صورتیں قائم کر دیں انسان کو اپنی عزت کا یہاں تک
خیال ہے کہ اگر اوس پر کوئی الزام لگایا جائے تو خواہ جھوٹ ہی ہو اوس کا رنگ فق
ہو جاتا ہے اور اپنے تئیں بری کرنے کی سعی کرتا ہے تاکہ اوس شرم سے بچ سکے۔

دوسروں کی نظر میں بے وقعتی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے جب انسان کو یہ معلوم
ہوتا ہے کہ کسی سبب سے بہت سے لوگ میری عزت کرتے ہیں تو وہ جانتا ہے
کہ میری طاقت بڑھ رہی ہے گویا وہ میرے معاون و حامی ہیں اور اسی سبب سے
اوس کو خوشی ہوتی اور اوس کے دل کو راحت پہنچتی ہے اور انسان اپنی عزت
کی اس قدر حفاظت کرتا ہے کہ ازالہ حیثیت عربی کی صورت میں عدالت قانون سے بدولت
عزت صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اس شخص سے اس قسم
کے افعال سرزد ہوئے تھے بلکہ اس خیال کا نام ہے کہ لوگوں کو یہ یقین ہے کہ
اس شخص میں اوصاف حمیدہ اس قدر راسخ ہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی صادر ہوا کریں گے۔
جو عزت کسی اعلیٰ عہدہ یا مرتبہ کے حاصل ہونے سے ہوتی ہے وہ بھی اسی کا نام ہے
کہ لوگوں کو یہ یقین ہو کہ اس شخص میں اس عہدہ کے فرائض منصبی کو اچھی طرح انجام دینے کی
قابلیت ہے اور جس قدر زیادہ مشکل اور اہم فرائض ہوں گے اوس قدر زیادہ یقین
ہونا چاہیے کہ عہدہ دار کے اخلاق۔ علم۔ دانش۔ تجربہ اس کی انجام دہی کے قابل
ہیں۔ اور اسی سبب سے اس کا اظہار و وقعت زیادہ کرتا ہے۔ فوجی عہدہ داروں کی
خدمت بہت مشکل اور ذمہ داری کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک اپنے بادشاہ اپنی قوم
اپنے مذہب کی خاطر جان تک دیدیتے ہیں اسی سبب سے اون کی وقعت بھی زیادہ

سُرخ و کرتی ہے۔ وہ خوشی جو ایک سیاہی کو میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے سے ہوتی ہے محفوظ قلعہ نشینوں کو آرام کر سیدوں پر نہیں ہوتی۔

عورتوں کی عصمت
اور ان کی عزت کا
باعث ہے

مردوں سے زیادہ عورتوں کی عزت کا مسئلہ نازک ہے اور اون کی ساری خوشی اور آرام کا داراؤن کی عزت پر ہے۔ عورتوں کی ساری ضرورتوں کے کفیل مرد ہیں اور قدرت نے عورتوں کو امور خانہ داری میں مردوں کا ہاتھ بٹائیوالا اور معاون پیدا کیا ہے۔ مرد کو عورت کی نسبت زیادہ قوت۔ زیادہ علم۔ زیادہ عقل ہوتی ہے اور وہ دنیا میں عورت کی نسبت زیادہ عمدہ زیادہ اعلیٰ کام کر سکتا ہے۔ اس واسطے سوسائٹی کا امن اور حسن انتظام اس میں ہے کہ مرد عورتوں کے محافظ بھی ہوں۔ اس کا عیوض عورتوں کی جانب سے یہ ہوتا ہے کہ عورتیں وفادار اور ثابت قدم رہتی ہیں۔ اون کی عصمت اون کا اصلی جوہر ہے جس عورت نے اپنی وفاداری اور ثابت قدمی کو ہودی اوس نے اپنی عزت کو ہودی اور چونکہ آبرو کا کپہہ نہیں آتی وہ خوشی اوس کو پہنچانے میں حاصل ہو سکتی جو پہلی حالت میں تھی۔

خوشی کا اثر

خوشی انسان کی صحت کو ترقی دیتی ہے۔ کیونکہ افکارات اگرچہ ضعیف ہوں اور انقباض اگرچہ کم ہو لیکن اگر متواتر رہے اور دل کو برابر ہلکے ہلکے صدمے پہنچتے رہیں تو خواہ اوس کا باعث کوئی جسمانی تکلیف ہو یا روحانی عذاب ہو۔ جسم کے نازک حصوں کو ایسا صدمہ پہنچتا ہے کہ ایک دن وہ تمام شین جس کا نام جسم ہے بیکار ہو جاتی اور یہی حال کلبے کے بکاشت اور خوشی کی حالت میں اوس میں آرام اور سکون رہتا ہے ورنہ یحییٰ ستاتی ہے۔ پس ہر انسان کا فرض ہے کہ اون اصول کو سوئے جو حقیقی راحت اور خوشی بخشتے اور غیر ضروری خیالی تکالیف کو کم کرتے اور اون سے نجات بخشتے ہیں تاکہ وہ اپنی زندگی آرام اور اطمینان سے گزار سکے اور یہی ہر انسان کا مقصد ہے۔

باب پنجم

اکتساب محامد اخلاق

۱۔ روئے

زندگی کی قیمت
کام کی عمر کی پر
منحصر ہے

ہر شخص کی زندگی کی قدر و قیمت کا اندازہ اوس کے چال و چلن سے ہو سکتا ہے
یعنی دنیا میں اوس نے جس قدر اچھے کام کیے اوس کی قدر اوس کی زندگی زیادہ
قیمتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ ہر شخص عمدہ مقرر۔ سخن سنج۔ عالم۔ صنم بن سکے۔
لیکن یہ ممکن ہے کہ ہر شخص خوش اخلاق سچا۔ مہربان۔ پرہیزگار۔ کم سخن بکھار
صفائی پسند۔ منکسر مزاج۔ بردبار۔ محنتی۔ آزاد۔ قانع بن جائے۔ یہہ اوصاف ہیں
جن کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قدرت نے یہ مادہ نہیں دیا لیکن بہت تھوڑے
میں جو ان اوصاف کو حاصل کرتے ہوں۔ کسی فن کے اصول کا صرف جانتا ہی
ہے۔ فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ عملی طور پر اوسے کام میں نہ لایا جائے۔ اسی طرح
اخلاق کے اصول سے صرف آگاہی ہی مفید نہیں ہے جب تک کہ انسان اون پر
کار بند نہ ہو۔ اگر بھلا مانس بنے کو جی چاہتا ہے۔ دل میں خوش رہنے اور پھلنے
پھولنے کی آرزو ہے تو اصول اخلاق کی پیروی کرنی لازم ہے جب یہ ٹھان لی
کہ سید ہی راہ سے کہی نہ پھریں گے اور کاشت نش (نفس لوامہ) جن امور کی ہدایت
کرتا ہے اون سے کبھی منہ نہ موڑیں گے تو رحمت و برکت کی دروازہ کھل جاتی ہیں۔
بہت سے کام اور خصوصاً بڑے کام ایسے ہیں جن کی کسی کو قانون کا نہ پتہ
نہیں ہوتی اور اسی سبب سے بعض لوگ ایسے افعال قبیحہ کے کرنے میں جنگی
افشار راز کا اندیشہ نہ ہوا احترام نہیں کرتے لیکن فقط لوگوں کی نظروں کا خیال رکھنا
اور دوسروں کی راسی میں عمدہ ہونا اصلی خوبی نہیں ہے بلکہ نفس لامرین انسان کا روتہ
اچھا ہونا اور خود اوس کی اپنی نظر میں اپنا کوئی نہ کوئی ایک نظر نہ انا اصلی عمدگی ہے۔

خود انسان کی
نظر میں اپنا روتہ
عمدہ ہونا چاہیے

ترقی دل خوشی

انسان کا طہنت آتہ قسہ اگر کہہ کر کہہ کر وہ ایک حالت میں قائم رہتا ہے

رہ سکتا یا عروج کی طرف ترقی کر گیا یا حقیقتاً نکتہ میں گر گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ترقی خواہ آہستہ آہستہ ہو۔ دلچسپ اور دل خوش کن ہوتی ہے لیکن ہر ترقی میں اتنا خیال رہے کہ علم و عمل دونوں ترقی کریں۔

اعمال کی عمرگی
اسی ترقی ہے

کسی فعل کے متعلق یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ ہمارا دل کیا چاہتا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ ہمیں کیا کرنا لازم ہے اور یہی بات حقیقی مسرت کی کنجی ہے۔ دنیا میں نیکو کار اور بدکار دونوں طرح کے آدمی ہیں لیکن بدکار کے سب دشمن ہیں حتیٰ کہ اوستے دوست بھی اوس کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں خود بچنے کے لیے زمانہ کی یاد اون کو تکلیف دیتی ہے دنیا قید خانہ اور موت خوفناک معلوم ہوتی ہے۔

آوارہ نوجوان اپنے افعال ناجائز کا یہ عذر پیش کیا کرتے ہیں کہ یہ تقاضائی عمر ہے لیکن رویہ کی غلبی کے امتحان اور عمدہ اصول پر کار بند ہونے کا زمانہ عمر جوانی ہی ہے۔ ورنہ جب اقدام معصیت پر قدرت نہ رہے اوس وقت اگر انسان نے منہیات سے اجتناب کیا تو فی الحقیقت اوس کا وہ فعل عصمت بی بی است از بے چادری "شیکا گول" ہے کہ گویا اچھا ہوتا اگر لوگ اپنے دماغوں سے بھی ایسا ہی کام لیتے جیسا کہ وہ جسم سے لیتے ہیں اور نیکی حاصل کرنے میں بھی ایسے ہی مشغول ہوتے جیسا کہ خطا حاصل کرنے کی ذہن میں لگے ہوئے ہیں "دنیا میں ایسے آدمی بہت سے ہیں جنہوں نے خود اپنے تئیں خراب کیا ہے اور ایسے کم ہیں جن کو دوسروں نے برباد کیا ہو انسان نے جتنے شہروں کو برباد کیا جتنے مکانات کی جگہ کی او تنی نہ سمندر کے طوفان نے کی نہ زلزلہ کی شدت نے۔ اور جو بربادی کہ خود انسان کے ہاتھ سے ہو وہ زیادہ قابل افسوس ہے۔ ایک اور حکیم کا قول ہے کہ بہت سے لوگ اپنا بہت سا وقت باقی وقت کو معصیت زدہ کرتے ہیں گنوا تے ہیں "اس میں شک نہیں کہ برائیاں بادی النظر میں بہت دافریب معلوم ہوتی ہیں اور ایک گہری کی گہری بہت لطف بخشی ہیں لیکن اس ایک گہری کے خط سے عمر بھر کی خوشی پر پانی بہر جاتا ہے۔ دنیا ایک تہیڑ ہے جس میں ہر شخص اپنا اپنا ایک کرتا ہے۔ دولت۔ عزت۔ حکومت اور فرمانبرداری اور ایسی ہی

چیزیں تہیہ کے پردے میں لیکن جب یہ پردے اوٹھ جائیں گے تو اس وقت ہر شخص اور اس کے افعال جانچے جائیں گے۔ اس کی حشمت۔ اس کا مرتبہ اس کی حکومت اس کا خاندان ذرا کھم نہ آئیگا۔

جٹلمین

انسان اس جہان میں اشرف المخلوقات پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن یہ شرف بہت کچھ کتاب پر منحصر ہے۔ یعنی انسان کے رویہ کی درستی پر۔ ہمارے محاورہ میں آجکل لفظ جٹلمین عام ہو گیا ہے لیکن اصلی معنی کے خلاف استعمال ہوتا ہے ہم ایسے شخص کو جٹلمین کہتے ہیں جو لباس اور معاشرت میں فضول خرچی کرے اور نئے یا انگریزی قاعدوں کا پابند ہو۔ انگریزی لباس پہننا۔ چرٹ مینا۔ بے ضرورت عینک لگانا۔ کہانے میں چھری کا ٹی کا استعمال کرنا۔ اپنی قومی وضع کی ہر ایک چیز پر ناک بھون چڑھانا اور ایسی ہی عجیب عجیب حرکتیں کرنا جٹلمین ہونا خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن دراصل جٹلمینی (شرافت) ظاہری وضع اور فیشن سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ آدمی میں اوصاف حمیدہ کی موجودگی کا نام ہے اور جس شخص میں جس قدر زیادہ اوصاف حمیدہ ہوں گے وہ اتنا ہی زیادہ جٹلمین ہوگا۔ راست بازی صداقت۔ پرہیزگاری۔ علم وغیرہ کل اوصاف جو علم اخلاق سکھاتا ہے جٹلمین میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے رویہ کو صرف اس ہی واسطے درست نہیں کرتا کہ دوسرے دیکھیں تو برا نہ کہیں بلکہ اس لیے کہ خود اسکی نظر میں اس کا کوئی فعل قبیح نہ معلوم ہو اور اس کا دل اس سے ملامت نہ کرے جٹلمین منکر المزاج ہوتا ہے اور دوسروں کا ادب اور لحاظ کرتا ہے۔ مہربانی علم۔ سنجیدگی۔ اور متانت اس کے لیے لازمی خصائل ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی چند صفات ہیں جو ایسے شخص میں جو جٹلمینی کا خطاب حاصل کرنا چاہے موجود ہونی چاہئیں مثلاً ۱۔ اختلاف رائی کی برداشت اور تحمل کرنا۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام لوگ ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے نہیں ہیں ایک ہی ملک کے باشندوں کے خیالات۔ رسم و رواج۔ عادات میلان طبع۔ وضع اور طریقہ۔ صورت و شکل میں بہت کچھ اختلاف ہوتا ہے۔ اور جب

تحمل

کے باشندوں کی زبان۔ مذاق۔ مذہب۔ وضع طریقہ۔ مختلف ہوتا ہے۔ یہ اختلاف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ آخر ہم میں بھی تو بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے دوسرے لوگ متفق نہیں اور خود ہمیں بھی ضرورت ہے کہ دوسرے لوگ اس اختلاف راہی کے سبب سے ہماری معاونت اور میل ملاپ نہ چھوڑیں تو بہرہ کیوں دوسروں کے اختلاف سے اغماض کریں۔ پہلے آدمیوں کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسرے کے عیوب سے چشم پوشی کرتے اور مہنروں کو دیکھتے ہیں **وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْمِعْ لَهُمْ يَكُونُوا يَسْمَعُونَ**۔ عزت و آبرو کا خیال۔ جنٹلمین کو یہ بہت خیال رہتا ہے کہ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے اوس کی بات میں فرق آئے اس سبب سے وہ ہمیشہ راست بازی اور دیانت داری سے کام کرتا ہے اور جو زبان سے کہتا ہے وہی کر دکھاتا ہے۔ اگر ان کہہ دی تو تھر کی لکیر ہے کہ پہر بات سے نہیں ملتا۔ اور اگر ضرورت و مصلحت کے لحاظ سے لفظ نہیں کہنے کی حاجت ہے تو ذرا ہی باک اور تامل نہیں کرتا۔ وہ لالچ اور حرص کے پہنڈے میں نہیں پہنستا۔ نہ عدالت کے خلاف کرتا ہے۔

خود داری

۳۔ صداقت۔ صداقت جنٹلمین کی زبان کا جوہر ہے۔

صداقت

۴۔ دولت یا رتبہ کو جنٹلمین سے کوئی لزوم نہیں ہے۔ ایک غریب آدمی بھی جنٹلمین ہو سکتا ہے۔ جبکہ اوس کا دل اخلاق پسندیدہ سے معمور ہو اور روزانہ زندگی میں افعال محمود اوس سے سرزد ہوتے ہوں۔ کیا غریب آدمی دیانت دار سچے۔ راست باز۔ خلیق۔ پرہیزگار۔ دلیر۔ خود دار۔ بلند حوصلہ نہیں ہوتے؟ اور جس شخص میں یہ صفاتیں موجود ہوں وہ بیشک جنٹلمین ہے۔ غریب آدمی جس کا دل غنی ہے اوس امیر کے بہتر ہے جس کا دل محتاج و حرص ہو۔ اکثر اوقات دولت بد رویہ کی باعث ہوتی ہے اور انسان کا رتبہ بجائی بڑھانے کے گھاؤیتی ہے۔ پست ہمت اور عیش پسند لوگوں کے ہاتھ جب دولت لگ جاتی ہے تو اس سبب سے کہ ان کو اپنی طبیعت پر قابو حاصل نہیں ہوتا ان کے جذبات نفسانی انہیں ایسی باتوں کی طرف مائل کر دیتے ہیں جو خود اپنی ذات کے لئے اور دوسروں کے

دولت

لیے موجب ننگ اور باعث شرم ہوں۔

۵۔ ارسطو نے عالی ہمت آدمی کی جو تعریف لکھی ہے وہ آجکل غنیمینون کو اختیار کرنی چاہیے وہ کہتا ہے کہ عالی ہمت آدمی فارغ البالی اور بد حالی دونوں میں اعتدال سے رہتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ترقی اور تنزل کیا چیز ہے۔

اس لیے نہ وہ کسی کامیابی پر خوش ہوتا ہے نہ ناکامی پر رنجیدہ۔ وہ نہ خطرات سے بھاگتا ہے نہ خواہ مخواہ خطروں میں پڑتا ہے بہت کم ایسی چیزیں ہیں جنکی اوس پر واہونی ہے

جب قوم کے بہت سے افراد میں مکارم اخلاق کی پابندی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے اور عام طور پر لوگ کم و بیش عمدہ عمدہ عادات اختیار کر لیتے ہیں تو قومی ترقی اور قومی عزت کا فخر حاصل ہو جاتا ہے اور یہی کل ترقیوں کی بنیاد اور کل ترقیوں سے زیادہ دیر پا ہے اور ہر شخص کو ہر کوشش میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی فائدہ خود غرضی سے نہیں حاصل کیا جائے بلکہ قوم کی عام بہبودی اور سرسبزی اور ترقی مد نظر رہے جو اوصاف کہ ہم حاصل کرنا چاہتے اور حاصل کرتے ہیں اون میں یہی ملحوظ خاطر رہے کہ چونکہ ہم بھی قوم کے ایک ممبر ہیں اس واسطے ہماری ترقی بھی ایک خاص حد تک قوم کی ترقی سے ہے۔ اور اصول اخلاق کے جس قدر قواعد ہیں وہ صرف اشخاص کی ذات سے فرد افراد ہی تعلق نہیں رکھتے بلکہ اون کا تعلق اور اون کا اثر من حیث القوم تمام افراد قوم پر پڑتا ہے اور جو قوم ان قواعد کو نظر انداز کر دیگی اور اون پر کاربند نہ ہو پھر ڈیوٹی وہ بہت جلدی دنیا میں ذلت و خواری کے رتبہ پر پہنچ جائے گی جب تک قوم کے اخلاق اور قوم کا مذاق درست نہ ہو اوس کو دیرپا عظمت اور بزرگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے سنگین قلعہ اور قلعہ شکن توپیں محلات اور شاہی عمارتیں اور ظاہری نمائش کی باتیں ترقی کے نشانات نہیں ہیں بلکہ قومی ترقی کے نشانات ہیں قوم کا جو ایسی علم و صداقت ہونا۔ اون میں محنت کی عادت اور وقت کی پابندی ہونا۔ قوانین کی اطاعت و وفاداری اور باہم محبت و اخوت وغیرہ اور یہ سب ترقی و علم اخلاق سے معلوم ہوتے ہیں۔

عالی ہمتی

خوش رویگی
قومی عزت کا
سبب ہے

خوش روئی کی
کامیابی کی
اہل ہے

زندگی کے کاروبار اور دنیا کے معاملات میں دانشمندی سے زیادہ خوش
روئی کی ضرورت پڑتی ہے اور دماغ سے زیادہ دل کی قوتوں کا اثر انسان کو
کامیاب کرتا ہے۔ ذکاوت سے زیادہ خود داری۔ صبر اور پابندی وقت کام آتی ہیں
ایسا ہی ہوتا ہے کہ خوش رویہ آدمی کی شہرت آہستہ ہوتی ہے اوس کے سچے اوصاف
ہرگز چھپے نہیں رہتے ممکن ہے کہ خود غرضی سے لوگ غلط بیان کریں یا غلط فہمی سے
اوس کی خوبیوں کو نہ سمجھیں ممکن ہے کہ نکبت و بد قسمتی کا یہی سامنا ہو لیکن صبر اور
تحمل سے یہ دن گزر جاتے ہیں اور پھر زمانہ اوس کا ادب کرتا ہے اور اوس کا
وہ اعتماد قائم ہو جاتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔

درستی اخلاق
کی کوشش
کامیابی بخشتی
ہے

عمدہ رویہ اور نیک چال و چلن بغیر کوشش کے نہیں حاصل ہوتے اور عمدہ
رویہ رکھنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان اپنے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل کو
نظر فور سے دیکھتا رہے اور قواعد و اصول کی پابندی کا ہر لحظہ خیال رکھے اولاً
انسان کو بہت خواہشیں ستاتی ہیں۔ ان قیود سے دل گھبراتا ہے۔ مزاج میں تلون
پیدا ہوتا ہے۔ لیکن خواہ کتنے ہی مشکلات ستائیں اور نا کامیوں کا سامنا ہو اگر دل
مضبوط اور غم مستقل ہے تو ان سب پر فتح حاصل ہوگی صرف یہ کوشش کرنا ہی کہ انسان
اپنا رویہ درست رکھے اور مکارم اخلاق کا پابند رہے دل کو قوت بخشتا اور نفس ناطقہ کو ترقی دیتا
احکام مذہب و علم اخلاق انسان کے رویہ پر بہت عمدہ اثر ڈالتے ہیں۔
انسان دیانت و راستبازی کی روشنی میں اپنا راستہ تلاش کرتا ہے اور ثابت قدمی
سے اوس پر قائم رہتا ہے۔ صداقت کا جو ہر ہمیشہ کندن کی طرح چمکتا رہتا ہے اور یہ
ناممکن ہے کہ لالچ یا گمانیش کا رنگ اوسے کہا جائے۔

مذہب اخلاق
عقل کا اثر
انسان پر

دیانت و صداقت کے بغیر ذکاوت ایسی ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں تلوار
دنیا میں بہت سی خونریزیوں اور لوٹ مار صرف اس سبب سے ہوتی ہے کہ جن لوگوں میں
نور تھا ان میں ایسا انداز اور صداقت نہ تھی وہ اپنی عقل کو خلق خدا کے لوٹنے اور
دنیا کو غارت کرنے کے کام میں لائے۔

بر اخلاق آدمی
میں ذکاوت
کا اثر

تمدن کی حمایت کے اوس کو برباد کرنے اور خلق خدا میں بھل چائیکہ کام لیا
اور اون کی عقل و ذکاوت اون کے غرور کو ترقی دینے اور اون کے خود غرضانہ
کاموں کی تکمیل میں جس کا اوال العزمی اور بہادری نام رکھا گیا تھا صرف ہوئی۔ اور
آج تک تاریخ کے صفحے اون کے نام خوف سے لیتے ہیں۔

نیک رویہ لوگ مودب بھی ہوتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں میں ادب کی
حضرت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اون کے دل پاک اور کسی اعلیٰ خمیر کے بنے ہوئے
ہیں۔ پرانی یادگاروں اور بزرگوں کی نشانیوں۔ پاک اور متبرک چیزوں۔ پاکیزہ خیالات
نیک ارادوں۔ مقدس بزرگوں اور پیشواؤں کا ادب انسان کی سرشت کی صفائی
اور صاف باطنی کی دلیل ہے اور یہ انسان کی خوشی کو من حیث الافراد اور من
حیث القوم بڑھاتا ہے اور خاندانوں اور گھرانوں میں محبت اور معاشرت میں جس طرح
اس سے قائم رہتا ہے اگر اظہار ادب کوئی چیز نہ ہو تو دنیا سے خوش اعتقاد ہی۔ اعتبار
اور وقعت اور عزت سب چیزیں مٹ جائیں

نیک رویہ کہلی آنکھوں سے واقعات دنیا کو دیکھتا ہے اور جو کچھ دیکھتا ہے اوس سے
سبق حاصل کرتا ہے۔ وہ بات بات سے ایک تجربہ حاصل کرتا ہے اور یہ تجربے اوسکی
عقل کو بڑھاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ خدا نے عقل انسان کو بے ضرورت عطا نہیں
فرمائی ہے اور خود اعمال کی اصلاح اپنے تجربوں اور عقل سے کرنی چاہیے جس طرح
آفتاب اہل جہان کی آنکھوں میں نور بخشا ہے اسی طرح نیک رویہ شخص اپنی سوسائٹی کا
آفتاب ہے کہ سب کے سب اوس کی ہدایت کی نورانی شعاعوں سے استفادہ کرتے
ہیں۔ جون جون زمانہ گزرتا جاتا ہے وہ کمزور اور بڑھاپہ نہیں ہوتا بلکہ اوس کی روحانی
طاقت اور اوسکی عقل کی قوت بڑھتی جاتی ہے اور بجائے تکلیف کے بڑھاپا اوس سے
راحت اور اطمینان بخشتا ہے۔

انسان کا عمدہ چال و چلن اوس کے کاروبار سہل کرتا ہے اور معاشرت اور
تمدن کے تعلقات میں سہولتیں آسان بنا دیتا ہے اور اطمینان دیتا ہے اور

خوش اخلاق
ادبی کا طریقہ

خوش اخلاق
کی بہترین

کے چال و چلن ہی سے اوس کی اندرونی حالت اور دلی نیکی اور قلبی صفائی کا اندازہ کرتے ہیں اور اسی لحاظ سے لوگوں کے دلوں میں اوس کی وقعت ہوتی ہے انسان کے چال و چلن سے اوس کا مذاق اور اوس کی سوسائٹی کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ ہر چیز بنائے سے بنتی اور پیدا کیے سے پیدا ہوتی ہے اخلاق حمیدہ ہی عادت اور احتیاط سے قوی اور مستحکم ہوتے ہیں اسی طرح رویہ کی درستی بہت کچھ محتاج پرداخت ہے اور دیگر تمام اوصاف پر اس بات کو مقدم رکھنا چاہیے کہ انسان کا چال و چلن ٹھیک رہے۔ یہ ایسی چیز ہے کہ خوشی۔ ہنر۔ دولت۔ قوت۔ ذکاوت زیادہ اس کا خیال رکھنا لازم ہے کیونکہ وہ اوصاف نیک رویہ کی کے طفیل سے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ صفائی قلب اور نیک رویہ کے بغیر ظاہری طمطراق اور صفائی جس کو عرفاً تہذیب اور حنیفیت کہتے ہیں ریاکاری اور دام ترذویر ہے۔

قوم کی حالت
کن لوگوں سے
معلوم ہوتی ہے

بڑے بڑے فلسفیوں۔ شاعروں۔ ادیبوں۔ متقنون کو دیکھنے سے کسی قوم کی اصلی کیفیت اور قوم کا اصلی رویہ نہیں معلوم ہوتا۔ بلکہ اوس کے ادنیٰ سوداگر۔ دستکار۔ مزدوری پیشہ آدمیوں اور ہر طبقہ کے لوگوں کے رویے سے اوس قوم کی اصلی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ امرا کا طبقہ قوم کی خوش حالی کی اتنی دلیل نہیں ہے جتنا غریبا کا وہ طبقہ جو اپنی روزانہ معیشت اپنی قوت بازو سے پیدا کرتا ہے اور یہی لوگ قوم کی طاقت اور قوت ہیں اور ان ہی کی خراب حالت اور کمزوری ملک کی کمزوری ہے۔ قوم کے اکثر افراد میں خواہ امیر ہوں یا غریب بد رویہ کی کا پایا جانا اوس کے برباد ہونے اور اوس کے تشرل کی دلیل ہے۔ جو اوصاف فرد افراد ایک شخص کو معزز بناتے ہیں وہی جب قوم کے اکثر افراد میں پائے جاتے ہیں تو اوس کو معزز و محترم کر دیتے ہیں۔ جب تک افراد قوم عالی حوصلہ۔ بلند ہمت۔ دیانت دار۔ راست باز۔ نیک کردار۔ جری بہادر۔ شجاع نہ ہوں۔ دنیا کی دوسری قومیں اون کو عزت و حرمت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں بلکہ معزز بننے کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح ادا کریں۔ جو قوم بھی رات دن عیش و عشرت میں بسر کرے اور شراب غفلت میں بسر کرے۔

کے کنارے پر آگئی ہے۔ اصول اخلاق کی تعلیم جس قدر عام ہوگی اور لوگوں کے دل خود جس قدر نیک کاموں کی طرف راغب ہوں گے اسی قدر اون میں امن قائم رہے گا اور وہ ترقی کریں گے ورنہ قوانین اون کی خرابیوں کا انسداد اور جرائم کا استیصال نہیں کر سکتے۔ دنیا میں اقوام کی قوت۔ تہذیب۔ شائستگی۔ علم و فن میں ترقی۔ ہر کمال کا اکتساب اور اخلاقی حالت کی درستی پر منحصر ہے۔ اور اگرچہ ایک وقت ایسا ہو کہ ناشائستہ اشخاص مزے اڑائیں لیکن زمانہ کچھ عرصہ میں ساری طاقت کو اس طرح خاک میں ملا دیگا جیسے ایک عالمی شان مکان سیلاب کے پوشیدہ اثر سے ایک دم سے گر پڑتا ہے اور بد اعمالی کا نتیجہ جلد ہی یا دیر میں ملکر رہیگا جب کسی قوم میں زوال آتا ہے تو اس کے اخلاق خراب ہونے شروع ہوتی ہیں باقی جاہ و مراتب اور مال و دولت اور ظاہری سامان سب کچھ ویسا ہی برقرار رہتا ہے جیسا پہلے تھا۔ اخلاق کا ضعف اون کی طاقت کو رفتہ رفتہ گھٹا کر بالکل کمزور کر دیتا ہے اور پھر دوسری سربراہ اور وہ قومیں اون پر قابو حاصل کر لیتی ہیں یہاں تک کہ اون کی ترقی کے سارے آثار مٹ جاتے ہیں۔

قومی تنزل
کے آثار

عقل فساد
اندیش

ذہانت و ذکاوت فہم و ادراک حسی و چالاک کی بد اخلاق آدمیوں میں ہی ہوتی ہے لیکن وہ ان آلونسے خرابی وقت پہنچاتے ہیں جیسے قزاق کے ہاتھ میں تلوار اور ران کے نیچے عمدہ گھوڑا ہو کہ خوب لوٹے اور بہاگ جائے۔ ایسی شہسواری سے سوا بربادی کے اور کیا ہوگا اسی طرح عقل فساد اندیش بے عقلی سے زیادہ مضر ہے۔ صرف علم اخلاق ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو راہ مستقیم پر قائم رکھتا اور فراق منبھی ادا کرنا سکھاتا ہے

۲۔ امراض نفسانی

اگر انسان کے کسی عضو میں درد یا پھوڑا ہو تو تکلیف کے مارے ساری جان بے کل ہو جاتی ہے اور وہ علاج کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن قلب کی بیماریاں اگرچہ جسمانی بیماریوں سے زیادہ سخت۔ زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ تباہ کرنے والی ہیں لیکن

بہت کم لوگ ہیں کہ اوس کے علاج کی طرف متوجہ ہوتے ہوں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان کو امراض نفسانی کی خبر نہیں ہوتی اور انسان کی نظر اپنے عیوب کی شناخت اور امراض کی تشخیص میں بہت غلطی کرتی ہے وہ امراض کو صحت اور عیوب کو ہنر جانتا اور کجائی اُن کے مٹانے اور استیصال کرنے کے اُن کی نگہداشت کرتا اور غور کرتا ہے۔ ایک عصبناک شخص اپنی تعریف کرتا ہے کہ مجھ میں ذرا برداشت نہیں۔ ایک بندہ شکم بخشی بگھارتا ہے کہ میں دو تین آدمیوں کا کھانا اکیلا ہضم کر جاتا ہوں ایک مبتلا ہو اوجھڑا غور توں کی کثرت بعد اُپر غور ہوتا اور اپنی جو اُردی کی داو چاہتا ہے۔ یہی حال کم و بیش ہر مرض کا ہے کہ انسان کو اوس کی طرف اعتنا نہیں ہے اور اسی سبب سے امراض نفسانی کے علاج میں بہت بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اول تو امراض سے واقفیت ہی نہیں ہوتی۔ دوسرے علاج کرنا خود مرخص کے ارادے پر منحصر ہوتا ہے لیکن جو شخص تزکیہ نفس کرنا چاہے اور اخلاق حسنہ پیدا کرنا سچ میچ خواہشمند ہو اوس کے لئے مشکل نہیں ہے کہ وہ اپنے عیوب سے آگاہ ہو جائے۔ اس واقفیت حاصل کرنے کے چار طریقے ہیں۔

امراض نفسانی کی شناخت میں مشکلیں

۱۔ استاد سے اپنا حال دریافت کرنا۔

امراض نفسانی کی شناخت کے طریقے

۲۔ دوست صادق سے اپنا حال دریافت کرنا اور اوس کو اجازت دینی کہ غلطی پر متنبہ کر دے۔
۳۔ دشمنوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی پر غور کرنا اور جو عیوب اپنے نفس میں فی الحقیقت پائے جائیں انکی اصلاح کرنا۔

۴۔ اور لوگوں میں جو بات اپنی نظر میں ناپسندیدہ معلوم ہو اوس کو خود بھی کر نیکی کوشش کرنی اسی طرح علاج کی حقیقت اور حسن خلق کی ماہیت معلوم ہونی لازم ہے اور یہ علم اخلاق کے مطالعہ سے حاصل ہوتی ہے اور اس واسطے علم اخلاق کا مطالعہ کرنا فرض ہے۔ امراض جسمانی سے بدنی تکالیف ہوتی ہیں اور انسان کا جسم ناکارہ ہو جاتا ہے لیکن روحانی بیماریاں قلب کو بیکار کر دیتی ہیں اور اس طرح کہا جاتی ہے جیسے لوہو کو زنگ یا لکڑی کو کھن۔ انسان کے طبائع مختلف ہیں جس طرح بعض

اشخاص جسمانی صحت کے لحاظ سے بہت صحیح بعض علیل اور بعضوں کے امراض قابل علاج اور بعض ناقابل علاج ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض امراض نفسانی آسانی سے جاسکتے ہیں بعض بمشکل اور بعض طبیعت میں ایسے راسخ ہو جاتے ہیں کہ اون کا سنا محال ہو جاتا ہے لیکن یہ دشواری اس سبب سے پڑتی ہے کہ خود مریض اپنے تئیں مریض نہیں سمجھتا اور وہ علاج کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ کسی مرض کا علاج ناممکن نہیں ہے بلکہ مریض کو مرض کا حال سمجھانا اور اسے علالت کا یقین دلانا ناممکن ہے اور اگر کسی طرح مریض کو یہ خیال ہو جائے کہ واقعی اخلاق ذمہ او سے تباہ کر رہے ہیں اور وہ اس کے استیصال کی طرف متوجہ ہو تو کوئی مرض ناقابل علاج اور کوئی اخلاق ناقابل تغیر نہیں ہے۔ تغیر اخلاق کے لحاظ سے انسان کی چار حالتیں ہیں۔
 ۱۔ جاہل محض۔ یعنی وہ شخص جو اخلاق ذمہ کا اس سبب سے مرتکب ہوتا ہو کہ او سے اچھے برے کی تمیز ہی نہیں ہے۔

مریضوں کی
مختلف حالتیں

۲۔ جاہل و گمراہ یعنی وہ شخص جو عمل بد کو جانتا ہو مگر عمل صالح کا عادی نہ ہو اور او سے وہ عمل ہی اچھا معلوم ہوتا ہو یا اس کی عقل قوائے شہوانی اور غضبی کی مطیع ہو رہی ہو۔ لیکن وہ برے کام کو برا جانتا ہو۔

۳۔ جاہل گمراہ و فاسق۔ یعنی وہ شخص جو اعمال بد کو اچھا جانے اور ان کا اعتقاد امر تکبیر کا ہو۔

۴۔ جاہل۔ گمراہ۔ فاسق۔ شریر۔ یعنی وہ شخص جو شر پر اعتقاد رکھنے کے علاوہ اس پر فخر بھی کرتا ہو اور اسے فضیلت جانتا ہو۔

ان میں سے پہلے شخص کا علاج بہت آسان ہے اس کو تعلیم و تادیب کی ضرورت ہے۔ دوسرے شخص کا علاج کسی قدر مشکل ہے۔ کیونکہ برے کام چھوڑنے اور نیک کاموں کی عادت ڈالنی پڑتی ہے۔ تیسرے اور چوتھے شخص کا علاج محال ہے کیونکہ اس کو یقین دلانا کہ جو افعال و اعمال وہ کرتا ہے وہ مذموم و قبیح ہیں بہت مشکل کام ہے۔ لیکن جب وہ اپنے اعمال کی بُرائی کو سمجھنے لگے تو پہلے اور دوسرے درجہ میں آجائے گا اور اس صورت میں علاج ممکن ہوگا۔ اور صحت نفس حاصل ہوگی۔

صحت نفس کی تعریف یہ ہے کہ اعتدال قوت عقل اور مثال حکمت حاصل ہونے پر
 نیز قوت غضب و شہوت عقل کی مطیع رہیں۔ یہ کیفیت دو وجہ سے حاصل ہوتی ہے
 اول تو طبعی یعنی فطر تا کسی شخص کا مزاج نیک اور صالح واقع ہوا ہو۔ دوم یہ کہ مجاہدہ
 اور ریاضت سے نیک خلاق کی اتنی عادت ڈالے کہ بے تکلف وہ افعال اوس سے
 صادر ہونے لگیں اور انسان کو اوس میں لذت آنے لگے۔ کیونکہ اگر لذت نہ ہو اور وہ
 کام شاق گزرے تو نقصان باقی ہے اور ہمیشہ نبھنے سکے گا۔ مثلاً ایک بخیل شخص روپیہ خرچ
 کر بیٹھے اور بجائے لذت حاصل ہونے کے اوسے انقباض ہو تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ سخاوت کا
 ملک حاصل ہو گیا یا کوئی آدمی عبادت کرے مگر بجائے لذت حاصل ہونے کے دل گھبرائے
 تو وہ شخص عابد نہیں بلکہ ہیمن تک عادت ڈالنی چاہئے کہ اخلاق حمیدہ میں لذت اور قبیحہ
 سے تکلیف ہو انسان جس کام کی عادت ڈالے وہ اوس کو مزیدار معلوم ہونے لگتا ہے
 چور تیرا پاتے ہیں لیکن چوری کی چاٹ پڑ جاتی ہے تو باز نہیں آتے قمار باز گھر بار کر کوڑی
 کوڑی کو محتاج ہو جاتے ہیں مگر جوئے کا چسکا نہیں چھوٹا کبوتر باز سارے دن دھوپ
 میں کھڑے رہتے ہیں اور اوس میں اون کو ایسی لذت آتی ہے کہ دھوپ کی شدت گوارا
 کرتے ہیں پس جب بڑے اعمال کا یہ حال ہے تو اعمال حسنہ جو روح انسانی کی خاصیت
 کے موافق ہیں کیونکہ لذت مذکورہ معلوم ہونگے۔

اخلاق کے لئے چار شرطیں ضروری ہیں۔ اول فعل کا حسن و قبح۔ دوم فعل پر
 قدرت۔ سوم فعل کی شناخت۔ چارم حسن و قبح میں سے ایک کی طرف رغبت۔ اس لئے
 کسی فعل کے صرف ظاہر ہونے یا نہ ظاہر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی شخص میں وہ
 خلق موجود یا معدوم ہے۔ مثلاً ایک شخص نام و نمود کے لالچ یا حکام کے دباؤ سے روپیہ
 دیتا ہے تو وہ سخی نہیں۔ یا کسی کے پاس روپیہ نہیں لیکن اوسکی طبیعت اس قسم کی واقع
 ہوتی ہے کہ دوسروں کی مدد کر کے یا روپیہ خرچ کر کے اوسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ
 سخی ہے۔ اگرچہ افلاس کے سبب وہ فعل اوس سے صادر نہ ہوتا ہو۔ غرض نفس میں ایک
 ایسی ہیئت کا راسخ ہو جانا کہ بلا فکر و تامل افعال محمود یا مذموم صادر ہو سکیں خلق ہی۔ اگر

صحت و عیالات
 کی حالت

افعال نیک عمدہ شرعاً اور عقلاً جائز ہوں گے تو اس خلق کا نام "حسن خلق" ہو گا اور
 یہ صحت کی حالت ہے۔ اور اگر بُرے افعال صادر ہوں تو "خلق بد" اور یہ حالت
 مرض ہے۔ حسن خلق کے چار رکن ہیں۔ قوت علم۔ قوت غضب۔ قوت شہوت۔ قوت
 عدل۔ ان کا مفصل بیان آگے آئیگا۔ قوت علم کے سبب سے انسان اقوال کا صدق
 و کذب اعتقادات میں حق و باطل اور اعمال میں اچھا بُرا جانتا ہے۔ اور قوت عدل
 ان تینوں قوتوں کو اعتدال پر رکھنے کی طاقت ہے۔ اگر کسی شخص کے اعضاء میں سے
 ایک خوبصورت اور دوسرا بد نما ہو تو اس شخص کو خوبصورت نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح
 اگر نفس میں ایک خوبی اور ایک بُرائی ہو تو وہ کامل نہ خیال کیا جائیگا بلکہ نفس کا حسن
 اور صحت یہ ہے کہ قوت غضب و شہوت عقل کی مطیع رہیں اور کمال عدالت حاصل ہو
 یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قوت غضب و شہوت کا مٹا دینا مقصود ہی کیونکہ اگر یہ قوتیں مٹ جائیں
 تو دوسرے نقصانات اور دوسری قسم کے امراض پیدا ہو جائیں گے۔ مثلاً قوت
 شہوی کے بغیر بقا و جسم و نوع محال ہے۔ قوت غضب کے بغیر کروہ چیزوں کا دفعیہ
 اور خوشگوار چیزوں کا اخذ ناممکن ہے۔ غرض ان قوتوں کا مٹانا اور نیست و نابود کرنا
 مقصود نہیں بلکہ اعتدال پر رکھنا مطلوب ہے۔ آئندہ باب میں اعتدال کی دو نو
 حدوں یعنی افراط و تفریط کا بیان ہے۔ شناخت مرض کے بعد علاج اوس کی
 ضد سے کرنا چاہئے۔ لیکن یہ کام آسان نہیں۔ تلخ واپس آسان ہے اور نفس پر
 مجاہدہ اور جبر کرنا مشکل ہے۔ مرض کی شناخت کی ایک ترکیب یہ بھی ہے کہ انسان
 اپنے نفس کی حالت پر غور کرے کہ کس حالت میں اسے کیفیت اور لذت حاصل
 ہوتی ہے اور جو فعل زیادہ سہل اور شیرین معلوم ہوتا ہے اسی کا غلبہ سمجھنا چاہئے۔ مثلاً
 اگر کام نہ کرنا اور خالی بیٹھے باتیں بنانا اچھا معلوم ہوتا ہی تو کاہلی کا غلبہ سمجھنا چاہئے۔
 اگر فضول روپیہ لٹانا اور غیر مستحقین کو بے دھڑک دیدینا گوارا نہیں معلوم ہوتا تو فضول
 خرچی کا غلبہ ہے۔ اسی طرح ہر ایک خلق پر غور کرنا اور اوس کی ضد سے اوس کا علاج کرنا
 لازم ہے یہاں تک کہ نیک کام کی عادت ہو جائے۔

۳۔ تہذیب قوا، نفسانی

جسم انسان میں جتنے اعضاء ہیں وہ کسی نہ کسی کام کے لئے بنائے گئے ہیں ان میں سے بعض میسوں کی طرح کام کرتے ہیں اور بعض خادموں کی طرح ان احکامات کو بجالاتے ہیں جو اعضاء ایسی تحریک پیدا کرتے ہیں کہ انسان کسی فعل کا مرتکب ہو۔ اعضاء باطنی دل۔ دماغ اور جگر ہیں اور جو اعضاء ان باطنی اعضاء کے حکم کی تعمیل کرتے یعنی اونکی تحریکوں سے متاثر ہو کر کوئی کام کرتے ہیں اعضاء ظاہری ہیں مثلاً ہاتھ پاؤں آنکھیں۔ کان۔ ناک زبان وغیرہ جس طرح اعضاء ظاہری کے کام جدا جدا ہیں کہ ہاتھ کام کرتے ہیں۔ پاؤں چلتے ہیں۔ آنکھیں دیکھتی ہیں۔ کان سنتے ہیں۔ ناک سونگھتی ہے۔ اسی طرح اعضاء باطنی کے کام جو ان افعال کی تحریک کرتے ہیں الگ الگ ہیں۔ مثلاً ایسے کاموں کی تحریک جو کوئی نفع حاصل کرنے یا کسی مضرت کو دفع کرنے کی غرض سے ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور ہاتھ پاؤں وغیرہ اوس کو انجام دیتے ہیں۔ عمدہ عمدہ کھانے پینے شربت پینے فخرہ لباس پہننے۔ خوشبو سونگھنی۔ سیر و تماشے دیکھنے۔ گانا سننے اور تمام اقسام کی لذتیں اور حظ حاصل کرنے کی تحریک جگر سے پیدا ہوتی ہے اور آنکھیں۔ کان۔ زبان وغیرہ اعضاء ان خواہشوں کو پورا کرتے ہیں۔ دماغ کا کام ان دونوں اعضاء سے جدا اور زیادہ شریف ہے وہ ان دونوں کے احکامات کو جانچتا اور تمیز کرتا اور بھلے برے کی تصحیح کرتا اور غور و فکر کرتا۔ پچھلی باتیں یاد رکھتا اور نتائج نکالتا ہے۔ دل جگر کی بجا تحریکوں کو روکتا اور ان میں محاکمہ اور تصفیہ کرتا ہے۔ کام کی اس تقسیم کے لحاظ سے دماغ کا مرتبہ زیادہ شریف اور زیادہ اعلیٰ ہے اور اوس کا کام بھی نازک اور بڑی ذمہ داری کا ہے۔ دل و جگر جو دفع ضرر اور اخذ نفع کی تحریکیں پیدا کرتے ہیں دماغ کے ماتحت اور فرمان بردار ہیں۔ باقی اعضاء ظاہری بمنزلہ آلات ہیں کہ اون کاموں کے پورا کرنے اور عمل میں لانے کا ذریعہ ہیں۔ دماغ کی اس قوت کا نام جو بھلے برے میں تمیز کرتی اور دل و جگر کی تحریکات کی جانچ پڑتال کرتی ہے۔ ”قوت ادراک“ ہے اور دل و جگر کی خواہشات کا نام جو جلب منفعت اور دفع مضرت کی غرض سے ہونے ”قوت تحریک“ ہے۔ دل و جگر نے اپنے

اعضائے ظاہری
باطنی کے کام

قوت ادراک

قوت تحریک

کاموں کو راہنویکا آگے اعضاء ظاہری کو قرار دیا ہے اور وہ ان ہی کے ذریعوں سے اپنے خواہشات
 کو پورا کرتے ہیں۔ دماغ کا کام چونکہ کام لینا نہیں بلکہ کاموں کی تنقید و تنقیح کرنا اور ان کا
 ایسا انتظام رکھنا ہے کہ مصلحت کے خلاف نہ ہو اس لیے اس نے درکات کی تیز
 کا ذریعہ جو اس کو قرار دیا ہے۔ یہ جو اس قوت ادراک کے آلات ہیں۔ ان میں
 پانچ جو اس ظاہر میں اور پانچ جو اس باطن میں جو اس ظاہر باصرہ۔ سامعہ۔ شامعہ۔ ذائقہ
 لامسہ کہلاتے ہیں اور جو اس باطن جس مشترک۔ خیال۔ فکر۔ و ہم ذکر ہیں۔ جو اس
 ظاہر اور جو اس باطن کے ذریعے سے ادراک جو حکم نتیجتاً قائم کرے وہ عقل ہے۔
 انسان کے تمام قوا کو اس فرمان کی اطاعت فرض ہے اور جب تک عقل تمام
 قوا پر مطلق ہے اور یہ سب عقل کے ماتحت اپنے فرائض کو انجام دیتے ہیں
 انسان کا انتظام درست رہتا ہے اور وہ انسانیت کے رتبے سے گرنے نہیں پاتا
 ورنہ یہ نہ تو باقی تمام تحریکین حیوانات میں بھی پیدا ہوتی ہیں لیکن وہ اپنی تحریکوں پر اتنا قابو
 نہیں رکھتے کہ انہیں روک سکیں انسان اور حیوان میں فرق پیدا کر نیوالی قوت عقل ہی
 ہے اور عقل ہی کے راستے پر چلنا انسان کا رتبہ بڑھاتا اور اس کو مدارج کمال تک پہنچاتا ہے
 اس قوت کو جو انسان اور حیوان میں یہ فرق پیدا کرتی ہے "قوت لطف" کہتے ہیں اور اسی کا
 نام "نفس ملکی" اور "نفس مطمئنه" ہے یہ قوت تمام امور لطیفی میں فکر کرتی اور اشیاء میں تیز کرتی ہے
 اور اس سے کاموں کی حقیقت میں غور و تامل کرنے اور طبیعت میں صحیح نتائج پر کاربند
 ہونے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ باقی دو قوتیں بہائم اور انسان میں مشترک ہیں ان میں
 ایک کا نام "قوت غضبی" ہے جس کو نفس بھی کہتے ہیں اس کے اثر سے غصہ اور غضب
 پیدا ہوتا ہے اور انسان ہولناک اور خوفناک کام کرنے میں دلیری اور جسارت کرتا ہے

عقل

نفس ملکہ

قوت غضبی

اسے جس مشترک وہ قوت ہے جس کے ذریعے سے محسوسات جو اس خمسہ ظاہری یکجا جمع ہونے میں وہم کے ذریعے سے عقلی جذبہ کا
 اندازہ ہوتا ہے جو عقل کے ذریعے سے محسوسات جس مشترک بعد غیب محسوسات مذکور محسوسات ہوتے ہیں۔ لہذا قوت مختلہ صور محسوسہ و
 عقلی جذبہ میں ترکیب نہیں ہوتی ہے۔ مذکور بافتل کے ذریعے سے درکات قوم دوم محفوظ رہا کرتے ہیں۔

قوت شہوی

اس قوت کے اثر سے دوسروں پر قابو پانے جاہ و مرتبت میں بلندی اور رفعت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تیسری "قوت شہوی" ہے کہ نفس امارہ بھی کہلاتی ہے۔ اس سے شہوت اور طلب غذا کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور کھانے پینے پہننے اور کھلج اور لذت دنیا سے متمتع ہونیکا شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ دونو قوتیں بقا و جسم اور بقا نوع کے واسطے عطا ہوئی ہیں۔ ان تینوں قوتوں کو باعتماد کام میں لانا تمام اخلاق کی بنیاد ہے اور انسان کی فضیلت و شرف یا ذلت و خساست کا انحصار ان قوتوں پر جاوید ہے۔ قوت ناطقہ۔ قوت غنصی اور قوت شہوی کے اعتدال پر رکھنے اور ان سے حسب مناسب کام لینے سے تین فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جب حرکت نفس ناطقہ اعتدال پر ہو اور طبیعت میں یہ شوق ہو کہ صحیح و یقینی معرفت اور حقائق نفس الامر کی معلومات حاصل کرے تو علم حاصل ہوتا ہے اور مسائل علم پر کاربند ہونے سے حکمت حاصل ہوتی ہے جب قوت غنصی کو اس درجہ پر رکھا جائے کہ حد اعتدال سے باہر نہ ہو اور اسی قدر تسلط و ترفع حاصل کرے جو عقل کے نزدیک محمود ہے تو اس حرکت سے علم حاصل ہوتا ہے اور یہ تبعیبت "شجاعت" حاصل ہوتی ہے اور جب قوت شہوی کو اعتدال پر رکھا جائے اور جس قدر جائز لذات میں اون سے زیادہ حظ حاصل کر لینی خواہش کو ضبط کیا جائے تو "عفت" حاصل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ سخاوت جس طرح مختلف ادویہ کے باہم ترکیب کرنے سے ایک خاص معجون تیار ہوتی ہے اسی طرح ان تینوں قوا کی حفاظت اور ان فضیلتوں کو امتزاج و اعتدال سے ایک خاص حالت کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ دراصل وہی کمال اخلاق انسانی ہے اس فضیلت کو "عالت" کہتے ہیں یہ فضائل جو قوا انسانی کے تحفظ و تسالم سے پیدا ہوتی ہیں تمام انسانی فضائل کی جڑ اور اصل ہیں۔ باقی اور فضائل فروع کی طرح ان ہی سے پیدا ہوتی ہیں چنانچہ حکمت کے بہت پہل ہیں مگر یہ سات زیادہ مشہور ہیں۔ اول ذکاوت۔ دوم بصیرت فہم۔ سویم صفائی ذہن۔ چہارم سہولت تعلم پنجم حسن تعقل ششم تحفظ ہفتم تدبیر۔

مقامات سے سہولت نتیجہ نکالنے اور قضیوں کو جلدی سے سے سمجھ کر فوراً مطلب سمجھ جانے کے نکل کو ذکاوت کہتے ہیں۔

علم و حکمت

علم و شجاعت

عفت و سخاوت

عدالت

حکمت کیل

لزومات کو دیکھ کر بلا وقت لازم کا پتہ لگانا سہل نہ ہے۔

صفائی میں یہی ہے کہ نفس کو بلا اضطراب و تشویش مطلوب کی استخراج کا مکمل حاصل
حسن تعلیم یہی ہے جو کچھ حاصل کرنا ہو اسکی طرف توجہ کرنا تاکہ اس ملک میں جو کہ انسانیت کی طرف
حسن عقل اسے کہتے ہیں کہ ہر امر میں بحث کرنے اور حقیقت کے انکشاف

میں ایسی حد کا خیال ہے کہ نہ تو ضروری باتیں ترک ہو جائیں نہ زائد وغیرہ ضروری داخل ہو
تحفظ کی تعریف یہی ہے کہ جو صورتیں کہ عقل یا دہم فکر یا خیال کو ذریعہ حاصل کی ہیں مضبوط
تذکرہ کے یہی ہیں کہ جو صورتیں حافظہ میں محفوظ ہیں جب چاہے اُن کو ظاہر کر سکے
قوت غضبی کو اتنا قابو میں رکھنا کہ وہ عقل کے حکم کے خلاف نہ کرے اور اگر ضرورت
ہو تو ہولناک مقامات اور خوفناک موقعوں میں قدم رکھتے ہر اس یا خوف نہ آنے نہ خطرات
کے مقابلہ کے وقت ثابت قدمی میں تزلزل پڑے شجاعت کہلاتا ہے جب یہ ملک حاصل
ہو تو اس کے ساتھ اور بہت سے اوصاف حاصل ہوتے ہیں جو بجا ہی خود ایک ایک
فضیلت ہیں۔ مثلاً کبر نفس۔ نجات و دلیری۔ بلند ہمتی ثبات۔ حلم۔ سکون۔ شہامت
تحمل۔ تواضع۔ جمیت۔ رقت۔

کبر نفس یہ ہے کہ جو حالت انسان پر لابدی طور پر واقع ہو خواہ اچھی ہو یا بری
تو نگری کی ہو یا افلاس کی۔ بزرگی کی ہو یا خواری کی نفس کو اس کی پروا نہ ہو اور جو حالت
خود انسان کی غلطی سے اس پر نہیں پڑی اگرچہ بظاہر خراب ہو مگر نفس انسان اسکی
طرف ذرا بھی التفات نہ کرے نہ اس سے مدح کی پروا ہو نہ ذم کی۔ نہ دولت کی خواہش
نہ فقری سے عار نہ زمانہ کے رنگ بدلنے اور اپنی تغیر حالت کا کوئی اثر نہ انفعال لیکن
یہ حالت بے حیائی کی وجہ سے نہیں بلکہ نفس کے استغنی کی وجہ سے حاصل ہوتی جاتی ہے
کہ نفس میں ملکات شریفہ کی حقیقت اتنی قائم ہو گئی ہو کہ ظاہری اور عارضی باتوں کی اوپر
پروا نہ ہے اور بزرگی اکتساب کمال کے سبب سے حاصل ہوئی ہو اس کے آگے
ایسے عارضی تغیرات ہیج اور کالعدم معلوم ہوں اور انسان میں اتنی قدرت پیدا ہو جائے

حسن تعلیم
حسن عقل

تحفظ
تذکرہ

کبر نفس

انسان آزاد رہے۔ اس قوت میں کمال حاصل کرنے سے اور بارہ فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں جو تمام اصول اخلاق کی جان ہیں۔ مثلاً حیا۔ رفیق۔ حسن ہمدی۔ مسالمت۔ دعوت صبر قناعت۔ وقار۔ ورع۔ انتظام حریت۔ سخا۔

حیا یہ ہے کہ جب انسان کو کسی فعل کی برائی معلوم ہو جائے تو وہ اس سبب سے بیزاری کا ارتکاب نہ کرے کہ لوگ نام رکھیں گے یا مذمت کریں گے۔

رفیق ایسے کاموں کے کرنے کو کہتے ہیں جو واجب تو نہ ہوں لیکن اون کا کرنا کسی پر احسان کرنا ہو اور نفس میں یہ قوت پیدا ہو کہ ایسے کاموں میں مانع نہ آئے۔

حسن ہمدی۔ کمال حاصل کرنیکی حقیقی خواہش اور سچی رغبت کا نام ہے۔ اختلاف رائے اور باہمی تنازع کے وقت برداشت کرنا چاہیے کہنا مسالمت کہلاتا ہے

حرکت شہوت کے وقت نفس کا ساکن رہنا اور بے اختیار نہ ہونا دعوت صبر کی تعریف یہ ہے کہ خواہش نفس مارہ کا مقابلہ کیا جائے تاکہ نفس قبیح لذتوں میں نہ پڑ جائے صبر و طرح کا ہوتا ہے ایک تو مطلوب پر صبر کرنا یعنی جس چیز کو دل چاہ رہا ہے اگر

نہ ملے تو بے قرار نہ ہونا۔ دویم کمزوریاں پر صبر کرنا یعنی اگر ناگوار امور پیش آئیں یا کوئی مشکل پڑے تو جبر نہ کرنا۔ دوسری صورت قوت غصہ کی تہذیب سے تعلق رکھتی ہے۔

قناعت حاجتوں کے دائرہ کو محدود رکھنا اور جس قدر آسانی اور جائز طور سے مل سکے اوس پر اکتفا کرنا ہے تاکہ جس قدر فی الواقع ضرورت ہے اوس قدر کہانی پئے اور اشیاء

مہیا رکھے نہ یہ کہ آرائش اور نمائش کے لئے تمام زمانہ کے نادرات جمع کرے اور مال و متاع صرف ضروریات کے پورا کرنے کے لئے حاصل کرے بلکہ جمع کرنا اور امیرانہ ٹھاٹھ دکھانے واسطے

وقار شباب زدگی اور عجلت سے بیزاری نہ کرے کہتے ہیں لیکن عجلت سے بیزاری اوس حد تک جائز ہے کہ مقصد فوت نہ ہو نہ یہ کہ بجائی وقار کے سستی ظاہر ہو اور مطلب فوت ہو جائے۔

ورع پرہیزگاری کا نام ہے یعنی نفس اعمال نیک اور افعال پسندیدہ پر کار بند ہو اور ان کاموں کے کرنے میں اوس سے عدا کو تا ہی اور سستی ظاہر نہ ہو

انتظام نفس کے اوس ملکہ کو کہتے ہیں جو کاموں کا اندازہ کر سکتا ہو اور حسبِ مصلحت اُن کی ترتیب کا خیال کر سکتا ہو

حضرت اکتساب مال سے متعلق ہے کہ انسان جائز پیشوں اور طریقوں سے مال حاصل کرے اور ناروا ذرائع اختیار کرے اسی طرح مال کو جائز طور سے نیک مصارف میں صرف کرے فضول اخراجات یا عیاشی میں نہ اڑائے۔

سمجھنا ہے کہ انسان کو مال یا کوئی چیز دوسرے کو دینی گرانہ گزرے لیکن یہ شرط ہے کہ اسی قدر دیا جائے جتنا کہ دینا ضروری ہے اور ایسے شخص کو دیا جائے جو اس کا مستحق ہے قوتِ طاقتِ نفسی اور شہوی کی تہذیب سے جو خاص کیفیت نفس میں پیدا ہوتی ہے

وہ عدالت ہے یہ کیفیت ہیں تنہا نہیں بلکہ بہت سے خصائل محمودہ کا مجموعہ ہے جو اپنے موقع پر ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ صداقت۔ الفت۔ وفاء۔ شفقت۔ صلہ رحمی۔ محاکات۔ حسن شرکت۔ حسن قضا۔ تو وہ تسلیم توکل۔ عبادت ہیں کہ انسانیت کی شان اور شرافت کا خاصہ ہیں انکی تفصیل تو بہت بڑی ہے۔ طوالت کے خیال سے صرف تعریفات پر اکتفا کرنا مناسب ہے تاکہ ایک اجالی کیفیت ہو جائے

صداقت دوستی صادق ہونا اور کہ دوستوں میں کوئی ٹہر جائے اور رابطہ اتحاد و اس قدر محکم ہو جائے کہ انسان جو کچھ اپنے واسطے چاہے وہی دوسرے کیلئے چاہے اور جو حالت یا جو چیز اپنے لئے ناپسند ہو دوسرے کے لئے ناپسند الفت یہ کہ تمام لوگ باہمی معاونت پر متفق ہوں اور معاملات کی نسبت انکی رائی اور اعتقاد میں اتفاق ہو وفاء ہے کہ جو عہد یا وعدہ کرے اوس کو نبھائے اور اپنے قول سے نہ پھرے اور

دوسروں کی جو معاونت یا غمخواری کرنی اختیار کر لی ہے اوس کو چھوڑ نہ دے۔

شفقت دل کا فعل ہے کہ کسی دوسرے شخص کو کوئی مصیبت پیش آجائے تو انسان کو دل پر شخص کا یہ حال دیکھ کر چٹ لگے اور جہانگیر سے ممکن ہو اسکی مدد کرے اور مصیبت کو گھٹانے پر کمر باندھے صلہ رحمی اپنے رشتہ داروں اور گہروالوں کو اپنے مال اور حیثیت میں شریک کرنا ہے۔ قرابت

رشتہ دو طرح کا ہے۔ ایک صوری اور دوسرے معنوی قرابت صوری مثلاً ماں باپ یا کوئی رشتہ دار۔ قرابت معنوی استاد۔ پیر۔ استاذ۔ زادہ۔ احباب وغیرہ جن سے اگرچہ رشتہ داری کا تعلق نہ ہو لیکن روحانی تعلقات ہوں۔ ان سب کے ساتھ سلوک کرنا صلہ رحمی میں داخل ہے

محاکات یہ ہے کہ اگر کسی سے نفع پہونچے تو اتنا یا اس سے زیادہ نفع اوس پہونچائے اور اگر ضرر یا نقصان پہونچے تو اوس سے کم نقصان یا ضرر دوسرے کو پہونچائے۔

برائے ذکر

صداقت

افت

وفاء

شفقت

صلہ رحمی

محاکات

حسن شرکت

حسن شرکت۔ معاملات کی خوبی ہے کہ داد و ستد وغیرہ اس طرح کریں جس سے
دوسرے شرکاء کی حق تلفی یا اون کی ناراضگی کا باعث نہ ہو۔

حسن قضا

حسن قضا۔ پر تمدن کا انحصار ہے یعنی حسن قضا یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق
کی نگرانی اور نگہداشت کرے اور جس قدر جس کا حق ہے وہ اسے پہنچائی کسی کا حق اوس کے
وینا اوس پر احسان کرنا نہیں ہے اور اوس کی حق تلفی کرنا گناہ اور باعث مذمت ہے لہذا ادائیگی
حق میں احسان جتنا یا حق تلفی کر کے اپنے تئیں نشانہ ملامت بنانا خلاف انسانیت ہے
تو دو۔ یہ کہ طیب کلام یا انعام و اکرام یا کسی سبب سے نیک و فاضل شخص کو دینی و دنیوی محبت حاصل کرنے
کے لیے احکام خدا و قواعد شرع کے ماننے کو کہتے ہیں اور یہ ماننا بہرہ و اکراہ نہ ہو
بلکہ برصناد خوشی اور بحسن قبول ہونا چاہیے۔

تو دور

تسلیم

توکل

توکل ایسے کاموں میں جو انسان کی قدرت اور تدبیر سے باہر ہو چکے ہوں جنہیں
انسان کو مدد اخلت نہ ہو خدا پر بہروسہ کرنا اور فضول خیالات سے دماغ نہ پکانا ہے اور یہ سمجھ لینا
کہ گوا سباب اور تدبیر سے کام لینا ہمارا کام ہے لیکن اوس تدبیر کے مطابق نتیجہ پیدا کرنا فاعا و طرق
کے اختیار میں ہے توکل کے معنی نہیں ہیں کہ انسان اسباب مہیئہ کرے یا تدبیر نگرے بلکہ یہ معنی
ہیں کہ ان اسباب سے حسبِ نحوہ نتیجہ نکلنا خدا کے اختیار میں جانی۔ بر توکل زانوی اشتہر بند
یا جن امور میں اسباب تدبیر کام نہ دیتی ہوں یا تو کوبالکل مرضی الہی پر چھوڑ دی اگر باوجود اسباب تدبیر کی تو کسی
انسان کو فی کام نہ کرے اور عمدہ نتیجہ کا متوقع ہو تو وہ اوس بیوقوف کی مانند ہو گا کہ زراعت کرے اور پیداوار کی امید
عبادت خداوند تعالیٰ کی تعظیم و تمجید کرنا اور احکام شرع کی پابندی کرنا ہے۔ اس کے
لیے تقویٰ اختیار کرنا اور معاصی سے احتراز ضرور ہے۔

عبادت

شجاعت اور عفت اور عدالت کے ملکات سے جو فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں اون کی
اجمالی کیفیت ان تعریفات سے معلوم ہو سکتی ہے ان میں بعض خود انسان کے نفس سے
تعلق رکھتی ہیں اور تہذیب اخلاق میں داخل ہیں بعض تدبیر منزل اور سیاست میں
متعلق ہیں اور اون کے اکتساب سے دوسروں کے ساتھ مدارات کرنے یا عدالت
قائم رکھنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ فضیلتیں روحانی نفسانی و کمالی ہوتی ہیں۔

اور اون کی پوری حقیقت بیان کرنے کے لیے ہر ایک پر ایک بسیط مضمون لکھنے کی ضرورت
 ہے لیکن کتاب کی مختصات سب کا مفصل حال بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔
 بعض لوگوں میں کوئی نیک عادت ہوتی ہے لیکن باقی فضیلتیں نہیں ہوتیں۔
 یا بعضوں سے کوئی فضیلت کسی موقع پر ظاہر ہوتی ہے لیکن اکثر ویسی ہی دوسری موقعوں
 اوس کا اظہار نہیں ہوتا۔ ان لوگوں سے جس قدر نیکی کا ظہور ہو اوسی قدر یہ نیک اور
 پہلے آدمی خیال کیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان کو سعادت تامہ حاصل نہیں اور چونکہ حکمت
 کی عادتیں طبیعت میں راسخ نہیں ہوتیں ان کے خصائل میں زوال آنا ممکن ہے۔ ابر کا
 سایہ ہے کہ ادھر آیا اور ادھر گیا۔ طبیعت کا جوش ہے کہ ابھی ابر کرم کی طرح برس رہے تھے
 ابھی کچھ بھی نہیں جن لوگوں کو یہ سعادت نصیب ہو کہ مسائل حکمت اون کی طبیعت میں
 ثابت و قائم ہو جائیں وہ ان فضائل کو اپنا شعار بنالیتے ہیں زمانہ اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے
 صحت و بیماری نکبت و فراخی سب گزر جاتی ہیں لیکن ان کے اخلاق میں ذرا تغیر نہیں
 آتا ان سے کہی بے صبری ظاہر ہوتی ہے نہ پریشانی اور قلق کا اظہار کرتے ہیں ان کی
 ثابت قدمی میں فرق آتا ہے بلکہ تحمل و سکون تسلیم و رضا۔ انتظام و وقار۔ صبر و توکل۔ جو ان کی
 طبیعت میں ملکہ ہو گیا ہے وہ ان کے پائی استقامت کو ذرا ڈنگا نے نہیں دیتا۔ آخر ہی
 منہ کے طوفان سے کمزور و رخت ٹوٹ کر دور جا پڑتے ہیں لیکن پہاڑ اپنی جگہ سے نہیں ہٹتے
 یہ لوگ استقلال و ثبات کے پہاڑ ہیں کہ خواہ کچھ بھی گزر جائے لیکن اون کے استقلال کو ذرا
 جنبش نہیں ہوتی ظاہر میں یہ حالت بہت کراں اور بد مزہ معلوم ہوتی ہے لیکن واقعی میں
 ایک حقیقی لذت ہے جو دوسری چیزوں میں نہیں۔ ماکل و مشارب وغیرہ لذتیں جسی لذتیں
 ہیں کہ ابھی تھیں اور ابھی نہیں۔ یہ حاصل ہی سہولت ہو جاتی ہیں اور جلدی جاتی ہیں۔
 کتاب سعادت سے جو لذتیں حاصل ہوتی ہیں اس میں شک نہیں کہ بہت محنت اور نفسی
 سے حاصل ہوتی ہیں مگر یہ لذات باقی ہیں کہ ہر حال میں اور ہر وقت میسر رہتی ہیں اور جب ان کا
 پڑ جاتا ہے تو ساری غانی اور غیر حقیقی لذات چھ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ یہ لذتیں انسان کو کامل
 تک پہنچاتی ہیں اور انسان اوس فکر۔ رنج و اضطراب۔ تشویش سے حواس ظاہر کے

تغیر یا لذات فانی کی عدم میری سے پیدا ہو محفوظ ہو جاتا ہے۔

سید اور ریاکار

قوا از ناقصہ کی تکمیل۔ حکمت۔ شجاعت۔ عفت۔ عدالت۔ پر علم کار بند ہونے سے حاصل ہوتی ہے اور جس شخص میں یہ صفات کامل ہوں وہ سعید کہلاتا ہے۔ لیکن بعض خام طبیعت اشخاص اصول حکمت پر کار بند تو نہیں ہوتے لیکن اپنے تئیں ویسا ظاہر کرنا اور ظاہر ہونے کو دیکھنا چاہتے ہیں اور جو لوگ علم اخلاق سے واقف نہیں وہ ان کے فربہ میں آجاتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو حکمت حاصل نہ ہو لیکن وہ مسائل علوم کو طوطے کی طرح حفظ یاد کر لے اور ایسے لوگوں کے سامنے جو خود فراست سے بے نصیب ہیں فی تحقیق دلائل بیان کرتا پھرے کہ وہ لوگ اسے بڑا عالم و دانشمند سمجھیں ایسے شخصوں کی حالت اون جانوروں کی سی ہے جو انسان کو دیکھ کر اوس کی سی حرکتیں کرتے لگتے ہیں۔

یا بعض لوگ عفت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عقیف النفس نہیں ہوتے ان کا مطلب نہیں ہوتا کہ لذات شہوانی جو فی الحال میسر ہیں نہ حاصل کریں بلکہ اس سے زیادہ کسی لذت اور منفعت کی خواہش ہوتی ہے جیسے مردم فریب زاد کہ اونہوں نے زہد کو دام تزویر بنا رکھا ہے۔ تاکہ مزے مزے کی دعوتیں کہائیں یا اور اغراض فاسدہ حاصل کریں یا بعض لوگ سبب عدم میری اسباب یا سبب مرض و نقصان شہوت پر نہر کار بنے رہیں یا کسی بیماری یا مرض میں مبتلا ہوں یا خوف ہو یا کسی خاص لذت سے واقف ہی نہ ہوں تو یہ لوگ عقیف نہیں ہیں بلکہ عصمت بی بی است از بے چادری کے مصداق ہیں۔

اس طرح سخاوت کا عمل ایسے شخص سے ظاہر ہو سکتا ہے جو سخی نہ ہو مثلاً خوش فخری خوش پوشی۔ یا تعمیر مکان یا فسق و فجور میں روپیہ برباد کرے یا اس لیے بڑی بڑی زمینیں چننے میں دے کہ اس سے گورنمنٹ میں کوئی رتبہ یا خطاب یا اعزاز حاصل ہو گا یا سخاوت نہیں تجارت ہے۔ اسی طرح دفع ضرر کے لیے روپیہ دینا یا غیر مستحقین کو دینا سخاوت نہیں ہے بعض لوگوں کو مال کی قدر نہیں ہوتی اور وہ یہ نہیں جانتے کہ جس وقت کوئی ضرورت آپڑے تو مال سے کس قدر حاجت براری ہوتی ہے۔ مثلاً ایسے اشخاص

کہو لکھنا تے ہیں ان کو یہ خبر ہی نہیں ہوتی کہ روپیہ پیدا کرنا کس قدر دشوار ہے اور خرچ کرنا بہت سہل
 اسی طرح فصل شجاعت ایسے لوگوں سے صادر ہوتا ہے جو اصل شجاع نہیں ہوتے
 مثلاً کوئی شخص جنگ میں اس سبب سے شریک ہو کہ مال غنیمت خوب ہاتھ لگے گا
 یا عہدہ میں ترقی ہوگی۔ یوں تو سارے درندے جانور ہی بہاڑ کہا لے کو دوڑتے ہیں
 لیکن یہ شجاع نہیں ہیں کیونکہ ان کو اپنے غلبہ اور قوت پر وثوق ہے اس سبب سے وہ زمین پر
 حملہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلح اور توانا شخص ایک ضعیف غیر مسلح شخص سے مقابلہ کر کے
 فتح پائے تو یہ داخل شجاعت نہیں ہے یا اسی طرح جو لوگ کسی رنج یا تکلیف یا کسی ناامیدی کے
 سبب خودکشی کر لیتے ہیں یہ سب سے زیادہ نامرد اور بزدل ہیں نہ کہ شجاع۔ کیونکہ شجاع ہر
 حال میں صابر اور تکالیف میں متحمل ہوتا ہے اور وہ کسی نقصان سے جس کا تدارک ناممکن ہو
 اندوہ کین نہیں ہوتا نہ کسی خطرہ سے جو ناگاہ واقع ہو جائے مضطرب ہوتا ہے۔ اسی طرح اوس کا غصہ
 اور انتقام ہی غیر واجب نہیں ہوتا اور جو لوگ مغلوب الغضب یا سریع الانتقام ہیں وہ شجاع نہیں
 اسی طرح ایسے اشخاص جو عادل نہیں ہیں اور عدالت کی نقل اوتار لے رہے ہیں ان کا
 مطلب محض ریاکاری ہوتا ہے تاکہ لوگوں کو اپنی طرف مائل کریں وراصل عادل وہ شخص ہے
 جو اپنی قوتوں کو برابر رکھے تاکہ تمام افعال جو اوس سے صادر ہوں بمقتضای عقل ہوں اور
 حد اعتدال سے باہر نہ ہوں اور اسی طرح اوس کے معاملات بھی لوگوں کے ساتھ صحیح ہوں۔
 ہر فعل کا اپنی حد پر قائم رہنا فضیلت ہے اور جو فعل اپنے حد و اندازہ پر قائم ہوگا اوسکی
 بہت سی صورتیں نہیں ہو سکتیں بلکہ اوس کے خلاف بہت سے درجہ ہو سکتے ہیں یعنی
 وہ اپنی حد سے جس قدر متجاوز ہوگا اوسی قدر فضیلت سے بعید ہے۔ یہ تجا و زخواہ افراط میں
 ہو خواہ تغیر لایم حد فضیلت سے باہر ہے۔ دو مفروضہ نقطوں کے درمیان ایک ہی خط تقسیم
 کر دیا جاسکتا ہے اور اس کے علاوہ جس قدر خطوط اس کے دونوں طرف کھینچے جائیں وہ
 غیر منقسم ہوں گے یہی حال فضیلت کا ہے کہ وہ صراط مستقیم پر چلنے کا نام ہے اور جہان اس میں
 نورانی زیادتی ہوئی اوسی قدر سید ہے رستے سے انحراف ہو گیا۔ یہ انحراف جس قدر بڑھتا جا
 اوسی قدر رذلت بڑھتا جاے گا۔ یہ کام نہ صرف سادہ حق ہے بلکہ

فضیلت و
 رذلت

افراط اور زیادتی کی جانب یا تفریط اور کمی کی طرف۔ اس طرح ہر فضیلت کے مقابلہ میں دو
 فضیلتیں پیدا ہوتی ہیں حکمت کے مقابلہ میں دو فضیلتیں سقہ و پلہ کہلاتی ہیں جن چیزوں
 فکر کرنا لازم نہیں اور ان میں عقل لڑانی یا جس قدر واجب ہے اس سے زیادہ فکر کرنا سقہ
 ہے اور جن امور میں فکر کرنا واجب ہے اور نہ سوچنا اور قوت فکر کو جان بوجھ کر بیکار
 پھوڑ دینا یا جس قدر واجب ہے قوت فکر کے استعمال میں بالارادہ کمی کرنا پلہ ہے۔
 اسی طرح شجاعت کے خلاف ہتھورا اور جہن دو فضیلتیں ہیں۔ خطرناک مواقع
 پر بے ضرورت جان جو کہوں میں ڈالنا یا مقتضائی عقل کے خلاف خطرہ میں پڑنا ہتھور ہے
 ایسے خطرات کے مقابلہ سے جان چرانا جن کا مقابلہ کرنا فرض ہے یا ایسی تکالیف سے
 حذر کرنا جن سے اس موقع پر حذر واجب نہیں چلن یعنی بزدلی ہے۔

عفت کے خلاف شرہ و خمور و دور ذائل ہیں۔ جائز مقدار سے زیادہ انفعالی
 شہوانی کی طرف مائل ہونا شرہ ہے اور لذات ضروری صلی کر نیک طبعیت کا مائل ہونا خمور
 عدالت میں افراط و تفریط نہیں ہو سکتی بلکہ عدالت سے انحراف کرنا اور لوگوں کے
 حقوق یا مال میں خود تصرف کرنا یا ان لوگوں کو جو اپنے زیر حکم ہوں کسی کی حق تلفی کرنے دینا
 اور باوجودیکہ وہ لوگوں کو ستارہ ہوں اور نہ روکنا جو کہلاتا ہے۔ جو ظلم ہے خواہ اپنے
 نفس پر ہو یا دوسرے شخص پر۔ عدالت جامع جمیع کمالات ہے اور ظلم جامع جمیع نقائص۔
 اسی طرح تمام فضیلتوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جہاں ان میں افراط و تفریط ہوتی اور
 فضیلت کا رتبہ مفقود ہوا نہ رات دن جسمانی اور شہوانی خواہشات کے پورا کرنے میں
 مبتلا رہنا۔ لوگوں کو ستانا۔ مال غصب کرنا یا فضیلت ہے نہ جائز لذات سے اپنے تئیں
 محروم رکھنا۔ پیٹ بھرنا کہنا غاروں میں رہنا عطلان کمال ہے جو دوسرے آسکتے ہیں پرہیز
 کرنا اچھے لباس جانز کی جس قدر قدرت ہے نہ پہننا۔ آرام و آسائش سے نہ رہنا
 نکاح نہ کرنا۔ اپنی قوت بازو سے روپیہ نہ پیدا کرنا اور مال سے تسخیر نہ اوشہانا۔ کاروبار
 دینی جوڑ دینا فضیلت ہے۔ بلکہ یہ دونوں حالتیں فضیلت سے بہت دور ہیں۔

فضیلت کا تہا نہ انہماک و استقامت و جہاد اور کمال ہے۔

بہت بڑی تربیت اور تعلیم کی ضرورت ہے تاکہ انسان فضیلت کی حقیقت کو جانے
 اور اوس پر کاربند ہو نیک عادی ہو۔ مان باب معلم التلق اور ہر ایک سرپرست کا
 فرض ہے کہ شروع ہی سے بچے کی طبیعت کا رنگ لے لے کر اور اوس کو اصول اخلاق پر
 اونہانے اور جو قوتیں اوس میں ظاہر ہوتی جائیں ان کی تہذیب میں کوشش کرتا جائے
 بچے میں سب سے پہلے طلب غذا کی قوت پیدا ہوتی ہے جو بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے
 طلب غذا کے لیے فطرتاً اشارات کھڑا جاتا ہے اوس کے بعد امور متشاکلہ میں تمیز کرنا
 سیکھتا ہے۔ مان باب اور غیروں میں شناخت کرنے لگتا ہے اور جب ہوا اس ظاہر و
 باطن میں ذرا قوت آجاتی ہے اور جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں ان کو یاد رکھ سکتا ہے
 تو ایسی چیزوں کا طالب ہوتا ہے جو آراہ واس حاصل ہوتی ہوں۔ مثلاً جب مان یا ر
 آتی ہے تو روتا ہے اور کوئی گود میں لینا چاہے تو نہیں مانتا۔ یا کوئی کھانا لینے کے لیے
 ہٹ کرتا ہے اور لیے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اس کے بعد اوس میں قوت غضبی کا ظہور ہوتا ہے
 جن چیزوں کو بڑا جانتا ہے ان کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر وہ نہیں کر سکتا تو
 چلاتا اور دوسروں سے مدد چاہتا ہے۔ یا جو چیزیں اوس کے کسی طلب کے حصول میں مایوس ہو
 ان کو دور کرنا چاہتا ہے ان دو قوتوں کے حصول کے بعد بچہ میں قوت لطف کا ظہور
 ہوتا ہے۔ اور جہان نیک و بد قبیح و جمیل میں تمیز پیدا ہوتی جیا پیدا ہوتی ہے۔ بڑی ہو کر
 یہ قوتیں زیادہ کامل ہو جاتی ہیں لہذا تہذیب اخلاق اسی ترتیب سے ہونی چاہیے۔
 کہ اول قوت شہوی کی تہذیب کی جائے تاکہ ملکہ عفت حاصل ہو اوس کے بعد قوت
 غضبی کی۔ تاکہ شجاعت پیدا ہو۔ بعض لوگوں میں اکتساب کا مادہ ایسا قوی ہوتا ہے
 کہ ان کو یہ باتیں بہت جلدی حاصل ہو جاتی ہیں۔ بعض کم استعدادی کی وجہ سے بد
 حاصل کرتے ہیں لیکن وقت اونہانے سے جی خیرا اور اکتساب کمال سے منہ پھرنا
 نہیں چاہیے۔ اگر طفولیت میں کسی نے تربیت نہیں کی تو بڑے ہو کر خود کسب کمال
 کرنا اور تہذیب نفس کی کوشش کرنا لازم اور فرض ہے بلکہ جس قدر اپنی کوشش سے انسان
 حاصل کرے گا وہ زیادہ پائدار اور موثر ہوگا۔ اس زمانہ میں فکر کرنے کی بات ہے کہ انسان

یہ سوچئے کہ ہم کیسے ہیں اور ہمیں کیا ہونا چاہیئے

موجودات عالم
میں ہر شے کا کمال

موجودات عالم میں جتنی چیزیں ہیں اون کا کمال ایک دوسرے سے مختلف ہے
بہول کا کمال یہ ہے کہ خوش رنگ ہو۔ خوشبودار ہو۔ بہل کا کمال یہ ہے کہ خوش ذائقہ
ہو۔ رسیلا ہو۔ تلوار کا کمال یہ ہے کہ خوب تیز ہو۔ گہوڑا نہایت چست و چالاک اور منووب
ہو۔ عالیٰ القیاس دنیا میں نفیس و کشف جتنی چیزیں ہیں اون میں ایک معین خاصیت ہے
کہ دوسری چیزوں میں وہ نہیں ہے اور یہ خاصیت ہی اور دوسری اشیاء سے امتیاز
پیدا کرتی ہے۔ تلوار میں اگر روانی نہ ہو تو تیشہ ہے۔ گہوڑا اگر تیز نہ ہو تو گدھا ہے۔ یہی حال
انسان کا ہے کہ اگر آدمیت نہ ہو تو نر یا حیوان ہے۔ سوچئے کی بات یہ ہے کہ وہ آدمیت
کیا چیز ہے اور ہمارے نفس میں کس قدر ہے؟ آدمیت قوت نطق کا نام ہے یعنی
وہ قوت کہ معقولات کا ادراک کر سکے اور اتنی تمیز پیدا ہو کہ حمل اور بیج۔ محمود اور مذموم کو
سمجھان سکے۔ اور نہ صرف پہچان لے بلکہ اپنے ارادہ اور اپنی خواہش کے بموجب حمل و
محمود کو عمل میں لائے اور بیج و مذموم کو ترک کرے۔ حیوانات میں یہ قوت نہیں ہے اس
سبب سے اون کا کوئی فعل خیر اور کوئی فعل شر نہیں ہوتا۔ انسان کو چونکہ امتیاز خیر و شر
حاصل ہے اس لئے اس کے افعال بعض خیر اور بعض شر ہوتے ہیں اور وہ اپنے
ارادے سے یا تو اتنا بلند سی کی طرف ترقی کرتا ہے کہ اشرف المخلوقات بن جاتا ہے یا
اتنا نازل کرتا ہے کہ حیوانات سے بھی ارذل ہو جاتا ہے حیوانات میں جو کمال فطر تار کہا گیا
ہے وہ انسان کے فطرتی کمال سے زیادہ کامل ہے۔ مثلاً شیر یا اور ورنڈ سے جانور قوت
غضب میں کمال رکھتے ہیں۔ انسان اگر اس قوت کو اتنا ترقی دینا چاہے کہ شیر اور جتنے جیوا
بن جائے تو محال ہے۔ اور اگر بڑی کوشش سے یہ ملکہ بہم پہنچا یا بھی تو یہی ہو کہ انسانیت
سے گزر کر درندوں میں جا ملایا قوت شہوانی کو ترقی دی تو مرغ چڑے اور سورے نہیں بڑھ سکتا
کون ایسا عقلمند ہو گا کہ اپنی ہمت ایسے کاموں میں صرف کرے کہ جانوروں سے بھی سبقت
لیجاسکے اور اگر ایسا کرے گا تو انسانیت کے رتبہ سے اس کا تزلزل ہو جائے گا۔

نافیہ انسانیت کے لئے کہ انسانیت سے گزر کر جانور بن جائے

لذت ہے۔ اول بھوک کی تکلیف سہو تو کھانے میں مزہ آئے۔ پیاس کی سختی برداشت
کرو تو پانی اور شربت سے تسکین ہو۔ اول امتلاء طبیعت میں گرفتار ہو تو فرحت اخراج
نصیب ہو۔ گرمی اور سردی سہو تو لباس سے آرام ملے۔ غرض طعام شربت و لباس
وغیرہ چیزیں فی نفسہ لذیذ نہیں ہیں۔ بلکہ بمنزلہ دوا ہیں۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر مرض
میں مبتلا ہو اور پھر دوا کھا کر اچھا ہونے کی تدبیر کرے تو کیا وہ عقلمند ہے؟ اسی طرح بھوک
پیاس و شہوت کو ہیجان میں لانا اور پھر تسکین دینا کوئی دانشمندی نہیں ہے بلکہ فطرتاً اور
قدرتاً جس قدر پیدا ہوا اس کو باحسن الوجہ تسکین دینا جائز بلکہ لازم ہے۔

انسان میں جو خصوصیت اس کو دیگر ہائے ممتاز کرتی ہے وہ قوت علمی و عملی کا
کمال ہے یعنی یہ کہ علم حاصل کرے اور موجودات کی حقیقت اور مراتب کو جانے اور اپنے افعال و
قوا مختلفہ میں ایسا انتظام رکھو کہ ان میں موافقت و مطابقت قائم رہے اور یہی وہ سعادت ہے جس کا نام انسانیت

باب ششم نفس و ناطقہ کی تہذیب ۱۔ فرض

انسان دنیا میں مطلق العنان نہیں پیدا کیا گیا بلکہ طرح طرح کے علاقوں کی بندشوں میں
جکڑا ہوا ہے۔ جس طرح یہ تعلقات مختلف ہیں اسی طرح ان کے برتاؤ میں بھی اختلاف ہے اور
اور ہر ایک کے واسطے ایک خاص لحاظ کی ضرورت ہے اگر یہ لحاظ برقرار نہ رکھا جائے تو قواعد
عدالت منحرف ہو جائیگا اور دنیا میں بے امنی۔ پریشانی۔ اضطراب پھیل جائیگا۔ انسان کا
دل تو بہت چاہتا ہے کہ بندشیں جس قدر کم ہوں بہتر اور نہ ہوں تو بہت ہی بہتر وہ آزادی
کو نہایت پسند کرتا اور فرائض و ذمہ داری کے بارے میں کبھی اسے کوئی مشکل یہ ہے کہ قدرت
نے اسے فرائض کی بندشوں میں جکڑ دیا ہے اور یہودی اور سکین خاطر اور ترقی اور امن کا
مدار فرائض اور باہمی تعلقات کو باحسن الوجہ انجام دینے پر مبنی رکھا ہے۔ انسان کا اپنی
ذمہ داریوں کو عمدہ طور سے انجام دینا ہی ایک ایسی صفت ہے جو اس کو اشراف المخلوقات

انسان کی حقیقت
اولیٰ کے ذریعہ

کے معزز خطاب کا مستحق بناتی ہے اور ہر شخص اپنی ذمہ داری کو جس قدر زیادہ
 عمل کی سے ادا کرے وہ اسی قدر اور لوگوں کی نسبت زیادہ اشرف اور زیادہ عالی رتبہ
 ہے کیونکہ اپنے فرائض کو باحسن اوجہ انجام دینے کا خیال انسانی زندگی کا پایہ بلند
 کرتا ہے اور اس کی عادات و خصائل میں ایسی استعداد و صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے
 کہ وہ مرتبہ بہ مرتبہ ترقی کرتا جاتا ہے اور اس عروج پر قائم رہ سکتا ہے جو اس طرح حاصل ہوا
 علاوہ ازین روزمرہ کے ضروری کام ہی خوبی اور خوش السلوئی سے پورے ہوتے ہیں
 روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے کام دیکھنے کو تو معمولی بات معلوم ہوتے ہیں لیکن بڑے ضروری
 ہیں اور انہی انجام دہی پر ہی انسان کی تمام بہبودی کا مدار ہے۔

دنیا میں انسان کے مختلف تعلقات ہیں اور اسی سبب سے مختلف قسم کے فرائض
 ہیں۔ سب سے اول تو خداوند عزوجل پر ایمان لانا اور اس کے احکامات کا ادا کرنا فرض
 ہے جو دنیوی اور آخروی بہبودی کا سرچشمہ تمام حسن اخلاق اور حسن معاشرت حسن
 اور حسن سیاست کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد اپنی ذات کا فرض ہے کہ اسے دنیا میں
 غرور اور ذلیل نہ کرے بلکہ اس کی پرداخت کرنی اور اپنی عزت کا خیال رکھنا چاہیے یہم اپنی
 ذات کے مالک نہیں ہیں بلکہ خدا اس کا مالک ہے پس اس کی ضمانت یا اس کے
 عطیہ کو خراب اور رسوا کرنا بددیانتی یا کفران نعمت ہے اس کے بعد ماں باپ بہانی بہن
 سیان یا بیوی۔ قریب و بعید کے رشتہ دار ہیں اور دیگر انسانی جنس جن کے ساتھ ذاتی
 تعلقات زیادہ ہوں۔ مثلاً ہمسایہ استاد و شاگرد۔ دوست و احباب۔ آقا و ملازم۔
 بادشاہ و رعیت۔ ہموطن۔ اہل ملک وغیرہ۔

ہر وقت اور ہر موقع پر یہ جاننا کہ فرائض کیا کیا ہیں اور وہ کون کون سے امور ہیں
 جن پر عمل کرنے سے حصول سعادت و معاش و معاشی و معاشی میں امن و صلح قائم ہو
 کہ ہر شخص حسب استعداد و کمال اور مدارج علیہ حاصل کر سکے عقل کا کام ہے اور اسی واسطے اس
 عقل عطا کی گئی ہے۔ اگر انسان اپنے فرائض کا خیال نہ رکھے تو بہت جلد رتبہ انسانی
 سے گر کر بہائم من جا ملے گا۔ ادائی فرض ہماری مصیبتوں کو کم نہ ہو تو ان کو زیادہ۔ ہمارا

ادائی فرائض
 کی برکتیں

مراتب کو اعلیٰ کرتا ہے۔ ہر کام اور ہر موقع پر اپنا فرض ادا کرنا دشواری نہیں بلکہ انسان کے
حق میں صحت اور سہولت ہے کیونکہ دنیا کے تفکرات اور پریشانیوں سے اس کی بدولت
نجات ملتی ہے۔ جب لالچ یا کمزوری کا سامنا ہوتا ہے تو ادائی فرض کا خیال ہی قائم اور
مستقل رکھتا اور دلیری و ہمت و جرأت بخشتا ہے۔ ادائی فرض کا خیال ہمیشہ راستہ
رکھتا ہے۔ ناجائز وسائل سے اکتساب دولت۔ طلب جاہ و ہوشی شہرت۔ زندگی کا میل
یا فرض انسانیت نہیں۔ بلکہ فرض انسانیت یہ ہے کہ انسان دنیا میں اکتساب سعادت
اور مفید و بکار کام کرے اور یہی خیال زندگی کے راستے کو صاف و سہل کرتا ہے۔
اطاعت کرنا اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا۔ مشکوک کی برداشت کرنا خطرات کا مقابلہ کرنا
محنت پر قائم و مستقل رہنا سکھانا اور بے اطمینانی و کمون مزاج کو روکتا ہے اور جو مفید کام ہم
کر رہے ہیں یا جو ہمیں کرنا چاہیے اوس پر کار بند رکھتا ہے۔ بُرائی سے بچنے اور بھلائی کی
خواہش پیدا ہوتی ہے اور حقیقی خوشی اور علم و مرتبت کا جوش طبعیت میں پیدا ہوتا ہے۔ صرف
اسی سے ناامیدی دور رہ سکتی ہے اور افسوس و حسرت نہیں اٹھانی پڑتی۔ کیونکہ ایسے
شخص کے پاس خواہ دولت اور قوت میں سے کچھ بھی نہ ہو لیکن اوس کا دل مضبوط
ہو گا اور کسی روح ابشار اور قلب مطمئن رہیگا جو قارون کے خزانہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے جو شخص
دنیا میں اپنے فرض کو ادا کرتا ہے وہ اوس منشا کو پورا کرتا ہے جس کے لئے خدا نے اوس
اس دنیا میں پیدا کیا ہے اور اس قانون فطرت (فرض) کی بجا آوری انسان کو اتنا سہا
دیتی ہے کہ وہ اپنے اوج مرتبہ سے نہیں گرنے پاتا اور اگر یہ نہ ہو تو مصیبتِ افلاس۔ لالچ کا
ایک ذرا سا اشارہ اوس کو گرا کر خاک میں ملا دیتا ہے۔ ادائی فرض انسان کو ایسی قوت عطا
دیتا ہے کہ وہ استواری بخشتا ہے جیسے چوڑا اور تہ عمارت کو مستحکم اور قائم کرتے ہیں فرض انسان
کی اخلاقی عمارت کو پائدار بناتا ہے ورنہ کچی دیوار کی طرح ساری قوت ساری طاقت۔ ساری
شہرت ساری ذکاوت۔ ساری مسرت بلکہ محبت بھی ڈھ جاتی ہے جس طرح شیش تیل
کے مٹ جانے سے کسی چیز کے ڈرتے پریشان ہو جائیں ادائی فرض کا خیال قائم
رہنے سے سارے اخلاق کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

فرض کا خیال
ناامیدی کے
مقابلہ میں
چھوڑنا چاہیے
ادائی فرض کے
مقابلہ میں جان
کی پروا نہیں ہونی

شرط ہمت یہ ہے کہ انسان اپنا فرض ہر خطہ ہر نازک حالت میں جتنی کہ ناامیدی کے
مقابلہ میں بھی پھوساویج یہ ہے کہ اگر فرض منصبی اچھی طرح ادا کیا جائے تو خواہ ناکامی ہی کیوں نہ ہو گروہ ناکامی
نہیں خیال کی جا سکتی یہ کیا کم ہے کہ انسان اپنے ذمہ داری کو جہر شیک ٹھیک مار دے اور دلک القوز العظیم
جن لوگوں کے دلوں میں پابندی اصول کا اعلیٰ خیال ہے وہ اپنے فرض منصبی کے
ادا کرنے کے سچے ایسے چیزوں کو ہی قربان کر دیتے ہیں جن سے ان کو محبت یا دوستی ہو۔
میدان جنگ میں باپ بیٹے کو خاک و خون میں لوٹا دیکھتا ہے اور اس کی شجاعت کی داد دیتا ہے
سپاہی مان باپ بیوی بچوں کے چٹنے اور گہر بار لٹنے کی ذرا بھی پروا نہیں کرتا وہ ستریلی رہ
رہ کر جان پر کھیل جاتا ہے اور مردوں کی فہرست میں نام لکھواتا ہے انسان کی بڑائی اس میں نہیں ہے
کہ وہ اپنے واسطے تمام جہان کی نعمتیں جمع کرے اور رات دن رنگ رلیاں منائے یا یہ کہ شہر
و ناموری کے سچے بڑے یا کسی ایک مقصد کو دل میں جگہ دیکر اوس میں جتنی کا خواہاں ہو اپنی
جان کی حفاظت کر لیا کسی طرح اپنی ناموری چاہنا معمولی باتیں ہیں بلکہ انسان کی بزرگی
اس میں ہے کہ وہ اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام دے۔

ادائی فرض کا خیال
میں مرج اور نقصان
ڈالنے والے امور

کئی باتیں ہیں جو فرائض کے ادا کرنے میں باج ہوتی ہیں غم میں تصمیم اور استقلال نہ ہونا
اور طلب صادق اور قوت فیصلہ قوی نہ ہونی۔ انسان پر ایک طرف تو نفس ناطقہ اور پہلے بڑی کی
تیز کا اثر پڑتا ہے۔ دوسری طرف تن آسانی خود غرضی اور لوعب اور دیگر خراب جذبات اثر ڈالتے ہیں
اور وہ تھوڑی دیر تک اس تذبذب میں رہتا ہے کہ ان میں سے کسے اختیار کروں اور پہرہ دوں
میں سے ایک کی طرف جھک جاتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ کینہ جذبات اور خراب خواہشات غالب
آگئیں تو آدمی رتبہ انسانیت سے ذلت و خواری کے قعر میں گر جاتا ہے اور اگر نفس ناطقہ نے
سنبھال لیا تو طبیعت کی قوت اور روحانی مسرت کا جوش اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ تمام ناپائدار
اور فانی روئیں جو عدم استقلال کے سبب پیدا ہو گئی تھیں دور ہو جاتی ہیں اور انسانیت پابندی
ہو جاتا ہے۔ اس واسطے عادت کو سنوارنے کے لیے یہ ضرور ہے کہ انسان ہمیشہ صحیح راستہ طے
اور اس کے لیے کوئی وقت اور روک پیدا ہو۔ ہر ایک کام کرتے وقت یہ سوچ لینا چاہیے کہ

واقعی اس کا ارتکاب درست ہے یا ناجائز عمدہ کام کرنیکی عادت اختیار کرنے اور
 خراب میلان کو روکنے۔ خواہشات اور شہوانی طاقتوں کا مقابلہ کر نیکی کے لیے تہوارے
 دن تک متواتر سختی اور ٹہانی اور طبیعت پر جبر کرنا پڑیگا لیکن جب یہ عادت راسخ ہو جائیگی
 اور جو کام کہ عقلاً و نقلاً کرنا فرض ہے اوس کو پورا کر نیکی کے لیے طبیعت میں آمادگی پیدا ہوگی
 تو پھر فرائض کے ادا کرنے میں ذرا یہی وقت نہ معلوم ہوگی

قوی ترقی لو
 فرائض سے
 ممکن ہے

جس قوم میں اپنے فرائض ادا کر نیکیا خیال زیادہ ہوتا ہے وہ ہمیشہ معراج ترقی پر
 رہتی ہے اور جب تک یہ خیال قائم رہے آئندہ ترقی سے ناامید نہ ہوتا چاہیے لیکن جب
 لوگوں میں من حیث القوم فرض ادا کر نیکیا خیال مٹ جائے اور یہ قوت دلون میں ہوجاتی ہے
 اور وہ تن آسانی یا خود غرضی میں پڑ جائیں تو اوس قوم کی حالت پر افسوس ہے اور اوس کا تزلزل
 اور بربادی کچھ دور نہیں ہے۔

۲۔ کاشت منس یعنی نفس لوامہ

إِذَا أَسْلَدَ اللَّهُ بَعْدَ خَيْرٍ أَجْعَلَ لَهُ وَاعِظًا مِنْ قَلْبِهِ

انسان کے راہ راست پر لانے اور ہدایت کر نیکی واسطے اللہ تعالیٰ نے پوری پوری
 سامان مہیا فرمادئے ہیں پیغمبر بھی صحیفے اور ترے عقل و تیز دہی اور خود ایک کھٹکاول تین
 ایسا لگا دیا کہ جہاں آدمی ذرا صراط مستقیم سے ڈگمگایا اور اوس نے ٹوکا۔ یہ قوت ممیزہ ہے
 کہ سچ کو جھوٹ سے اچھانی کو بڑائی سے تیار کی کو نور سے جدا کرتی ہے اور نیکی کے راستے
 بتاتی ہے۔ یہ قوت جب کسی بڑے کام سے روکتی یا افعال شیعہ پر ملامت کرتی ہے
 تو اوسے نفس لوامہ یا کاشت منس کہتے ہیں۔ یہی قوت ہے کہ جب انسانیت کا کوئی فعل
 ظہور میں آتا ہے تو دل کو مٹھی مٹھی مسرت اور تسکین بخشتی ہے۔ اگر ہم اسکی ہدایت کا دل
 دہر کر نشین اور اوس پر عمل کریں تو یہ قوت ایسی ترقی کرتی ہے کہ ہمارے خیالات ہمارے افعال
 و اقوال چال و چلن پر نہایت عمدہ اثر ڈالتی ہے اور اون کو یا قاعدہ بناتی ہے یا ان کے اثرات
 پر غور نہ کیا جائے اور نفس شہوانی اور قوت غرضی کا اتباع کرتے رہیں تو رفتہ رفتہ یہ کم بلکہ کم ہوجاتی ہے
 لہٰذا جب خدا کسی بندہ کی ہمت و ہمتاء قوت سے اس کو تیار کرے گا اس کا کاشت منس

کانشنس
کے فوائد

انسانی فرائض کی بجا آوری پر اطمینان اور خوشی غلطیوں پر افسوس بغیر شون پر تہ
برائیوں پر حسرت۔ نیکیوں کی خواہش سب نفس لوامہ کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔
کانشنس دلی جذبات کو روکتا اور باقاعدہ کرتا ہے اور پہلی باتوں کی طرف مائل کرتا ہے
خود غرضی سے منع کرتا اور باہمی تعلقات اور فرائض کو عمدگی سے نبھانا سکھاتا ہے۔
کانشنس اخلاق حمیدہ اور ذلیلہ میں صرف تمیز ہی نہیں کرتا بلکہ وہ وسائل بھی بتاتا
جنگلی بروی سے اخلاق حمیدہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر انسان اپنے تئیں کانشنس کے
حکم کا تابعدار بنائے تو انسانیت کے مدارج علیہ پر پہنچ جاتا ہے جن لوگوں نے کانشنس
کی قوت کو برباد کر دیا ہے وہ اخلاقی لحاظ سے ویسے ہی ہیں جیسے کہ کسی کی عقل و حواس مختل
ہو جائیں۔ دیوانہ آدمی باوجود مصیبت و زکبت کے اپنے تئیں اعلیٰ سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح
جن لوگوں کے دل کانشنس کے نور سے منور نہیں ہیں۔ وہ جس قدر اوصاف حمیدہ سے
معز ہیں اور تنہا ہی اپنے تئیں نیک کردار خیال کرتے ہیں اور جس قدر حقیقی خوشی سے دور ہیں
اور تنہا ہی اپنے تئیں خوش جانتے ہیں حتیٰ کہ جتنی غلطیوں میں آلودہ ہیں اور تنہا ہی اپنے تئیں بہلا
خیال کرتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ انہوں نے راست و غلط کو پہچانا ہی نہیں یاد دہیہ جاتے ہیں
کہ دنیا میں راست و غلط متضاد ہیں اور راست و غلط کی تمیزی اخلاق کی بنیاد ہے۔ بان اگر تمیز
اوپٹ جائے تو پہر ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا اختیار کرنے میں کوئی ہرج نہیں۔ مگر کانشنس بتاتا ہے
کہ دنیا میں راست و غلط و مختلف چیزیں ہیں اور جن امور سے کہ حقیقی خوشی پیدا ہو اور دل میں
یشامانی نہ ہو وہ راست ہیں اور جو دل میں چکیان لین اور اندرونی خوشی کو برباد کریں وہ غلط ہیں
انسان اس دنیا میں رہتا ہے اور ناقابل تغیر تعلقات اور قوانین میں گہرا ہوا ہے وہ تعلقات
بہ کچھ تو خدا سے ہیں کچھ قریب و بعید رشتہ داروں سے کچھ انسانی جنس اور عام دنیا سے۔ بان
تعلقات کے بموجب اراوے اور جذبات پیدا ہوتے ہیں اور ان جذبات کے لحاظ سے
مستعین کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ پس اگر ہمارے برتاؤ میں عدالت اور صداقت ہے
اور ہم اپنے فرائض کو مکاحقہ ادا کر رہے ہیں تو یہ "راستی" ہے اور اگر ان تعلقات میں قانون کی
خلافت و رعب اختیار کیا جائے تو اس میں شک و شبہ ہے۔

غلطی ہے۔ یہ تعلقات اور اون کے فرائض خواہ ہم جانیں یا نہ جانیں موجود ہیں اور بد قسمتی سے بہت سے فرائض اس سبب سے نہیں ادا کیے جاتے کہ ہمیں اون کا علم نہیں ہوتا۔ اور کاشف جس فرائض کا علم نہ ہوا وہ تہذیب نہیں کرتا اس لیے جس قدر علم کا ذخیرہ وسیع ہوگا اوستی کاشف کا کام رہنا ہوتا جائے گا۔

کاشف کو ترقی دینے کا طریقہ

دنیا کے ہر ایک کام میں پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ اس میں ہمیں کیا کرنا ہے یا یوں کہو کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ نہ یہ کہ کس چیز سے ہم خوش ہوتے ہیں یا کیا طریقہ آسان ہے۔ نہ یہ کہ لوگوں کی آنکھوں میں کیا اچھا معلوم ہوگا بلکہ یہ کہ بیج کیا ہے اور خدا کی نظر میں ہمارا فرض کیا ہے۔ اگر یہ خیال کیا جائے تو اچھے اچھے آدمی لالچ اور خود غرضی کا شکار ہو جائیں گے اور ہو جاتے ہیں۔ زندگی کے ہر ایک کام میں ہمیں کاشف کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ کاشف ہمارے معاملات کو درست اور ٹھیک ٹھیک رکھتا ہے اور ایماندار ثابت کرتا ہے اور ایماندار ہی ایسی چیز ہے کہ ہم ہر ایک معاملہ میں دکھانی جاتے ہیں۔ غرض معاملات دنیوی اور دینی میں دلی ارادوں اور فوقیت حاصل کرنے کے خیالات میں تجارت کے بازار میں کاشف کے کہنے پر عمل کرنا شاہراہ ترقی اور عزت ہے اور مذمہ داری کا خیال و صداقت کی محبت نہ صرف قوت بخشی ہے بلکہ سرگرمی اور ترقی ہی صحت و درستی۔ سلیقہ و فہمید عطا کرتی ہے۔ اور یہ اوصاف ایک کاروباری آدمی کے لیے۔ نہایت ضروری اور لازمی ہیں۔ چونکہ ہم میں صحیح و غلط میں تمیز کرنا سب سے سبب سے ہم بہت سے کام جن کو اچھا سمجھتے ہیں کرتے ہیں اور جن کو برا خیال کرتے ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی کیفیت ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں کی بھی ہے۔ حتیٰ کہ بچے بھی اتنی تمیز رکھتے ہیں کہ جب کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب غلط ہو جاتی ہے تو اوس سے شرمندہ ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر قوم خواہ تہذیب کے کسی درجہ پر کیوں نہ ہو وہیں یہ اختیار ضروری اور لازمی ہے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ایک قوم جس چیز کو اچھا سمجھتی ہے۔ دوسری اوسے برا جانے۔ لیکن کسی چیز کو اچھا اور کسی چیز کو برا خیال کرنا قدرتا ہر شخص میں پیدا کیا گیا ہے۔ کاشف کا کام یہ ہے کہ اوس کام کے گرتیحا حکم دے جس کو کوئی شخص اعتقاد اچھا خیال کرتا ہے۔ اور جس کو برا خیال کرتا ہے۔

کاشف تعلقات پر اثر نہیں کرتا

انسان یا قانون کی اوار سے بالآخر ہے بلکہ عالم حقیقی کی طرف ایک روحانی راہنمائی اور ادا
 انسان کے دل میں ہر وقت طرح طرح کی خواہشیں طرح طرح کے ارادے پیدا
 ہوتے ہیں۔ قوا غرضی کا اقتضا کچھ ہوتا ہے۔ قوا شہوانی کسی اور ہی طرف مائل کرتی ہیں
 بعض ضرورتیں اور مصلحتیں کسی اور طرف راغب کرتی ہیں اور ضمیر یعنی کائنات ان سب
 الگ ایک نیا حکم کرتا ہے اوس وقت انسان حیران ہوتا ہے کہ کس کو اختیار کرے لیکن
 دانشمندی اور جوانمردی کی بات یہ ہے کہ جو کچھ ہو سو ہو نہایت استقلال سے کائنات
 کی پیروی کی جائے اور اسی واسطے حکیم مطلق نے یہ قوت انسان میں رکھی ہے اور اگر
 انسان اپنی عدم توجہی سے اسے کہو دے تو خود وہ ذمہ دار ہے۔ غلط کام کرنے سے بدتر
 کوئی برائی اور عمدہ کام کرنے سے بہتر کوئی بہلائی دنیا میں نہیں ہے۔ اور برائی سے اجتناب
 اور اعمال صالحہ کا ارتکاب اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ خواہشات پر کائنات نفس و نفس ناطقہ حکم کرے
 کائنات انسان کے دلی جذبات اور قوا باطنی کا تابع ہے اور اس کو اعتقادات حق کی پابندی
 کرنا سکتا ہے۔ اگر انسان کو پورے طور پر یہ خیال ہو کہ اوسے جو کچھ اس جہان میں کرنا فرض ہے
 وہ اوس سے منہ نہ موڑے گا اور جو کچھ کرنے کا ارادہ ہے اوس کے پہلو کو اچھی طرح سوچ
 سمجھ کر اختیار کرے تو انسان اپنے راستہ میں دلیرانہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور تمام مشکلات
 اور مشکلات کا بہادرانہ مقابلہ کر کے اپنا مقصد پورا کر کے چھوڑتا ہے۔

۳۔ اخلاقی جرات

وہ قوت جو انسان کو ایسے کاموں پر جو حکمتاً جائز اور ضرور ہیں۔ اور اسی فرض کے
 خیال سے کار بند کرتی ہے اور صداقت و عدالت کے خلاف نہیں کرنے دیتی۔ نیز کسی
 شرم یا رعایت یا دباؤ یا لالچ کے سبب سے کسی ناجائز یا ناروا کام کے ارتکاب سے بچاتی ہے
 اور ہمیشہ صراطِ مستقیم پر چلنے کی محرک ہوتی ہے اور اس راستہ میں جو دقیقہ میں امن اور کمزوری
 سننے اور ایسا نفع یا سہولت کی پرواہ کرنے کی جو دراصل جائز نہ ہوں یا خلاف شان ہوں
 ہمت پیدا کرتی ہے۔ اخلاقی جرات کہلاتی ہے۔

جس چیز کو ہم اکثر اوقات مشکل یا محال کہہ دیتے ہیں وہ دراصل ایسی نہیں ہوتی بلکہ

خواہشات
 حکمرانی

اخلاقی جرات کی
 تعریف

مشکل کی
 حقیقت

خود ہم نے اپنی کمزوری سے اس کو مشکل سمجھ رکھا ہوتا ہے۔ یہ کمزوری اپنا رنگ لاتی
 اور جو نقصان اس کا نتیجہ ہونا چاہئے وہ اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر مشین کا ایک پرزہ کمزور ہو جائے
 یا ٹوٹ جائے تو ساری مشین بیکار ہو جاتی ہے۔ یہی حال دنیا کا ہے کہ اگر سختی سے عدالت
 کی پابندی نہ کی جائے تو بہت سی چوٹی بڑی وقتیں اگر گہر لیتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خصائل
 جو شان انسانیت خیال کیے جاتے ہیں اگر بے موقع استعمال کیے جائیں تو اپنی خاصیت
 بدل دیتے ہیں۔ محبت کمزوری طبیعت۔ کفایت شعاری للچ۔ فیاضی فضول خرچی۔ رحم
 ظلم ہو جاتا ہے۔ اس لیے جو بات مقتضای مصلحت ہو اس پر صداقت سے پابند رہنا
 چاہیے اور خواہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے قاعدہ کے خلاف کرنا ہرگز مناسب
 نہیں بہت سے لوگ صرف اسی سبب سے برباد ہو گئے کہ کسی کی خاطر یا مروت یا شرم کمزوری
 کے سبب لفظ "نہیں" زبان سے نہ نکال سکے انہوں نے صرف اپنے تئیں ہی نقصان نہیں
 پہونچایا۔ بلکہ کسی دوسرے کی یا اپنی حق تلفی بھی کی۔ کیونکہ جو ناجائز فائدہ اس مروت یا اس شخص کو
 پہونچا یا وہ کسی دوسرے کا حق تھا مروت ایک عمدہ صفت ہے لیکن اس وقت تک حد اعتدال سے باہر
 دنیا میں جو کچھ ترقیان ہوئیں وہ جسمانی طاقت اور تہور سے زیادہ اخلاقی جرات کی بدولت
 ہوئیں۔ بیل اور گھوڑے میں انسان سے زیادہ جسمانی طاقت اور شیر اور چیتے میں بہت زیادہ تہور
 ہے لیکن وہ جرات جو اخلاق کو قوی اور مستحکم کرتی ہے ان میں نہیں ہے۔ وہ جسمانی طاقت جو دنیا
 میں فیزیکی کرنے اور لوگوں کی جان و مال کو معرض خطر میں ڈالنے یا غارت کرنے میں صرف
 ہوئی ہو یا کئی فائدہ کے ضرر پہونچاتی ہے بلکہ وہ جرات جو چپ چاپ اپنا کام کیے جاتی ہے
 وہ جرات جو حصول مقصد میں محنت کرنے اور جان کہانے سے کبھی جی نہیں خراتی۔ وہ جرات جو
 صداقت اور ادائی فرض کے نیچے بہاری بہاری بوجھ اور بڑی بڑی تکالیف خاموشی اور
 متانت سے برداشت کر لیتی ہے۔ مشکل سب سے زیادہ بہادر درمی اور شجاعت
 کی دلیل ہے۔ ہر حال میں سچ بولنے کی جرات۔ ہر حالت میں انصاف کرنے کی طاقت
 ہر کام میں دیانت داری دکھانے کا جوہر۔ ہر حالت میں للچ کو روکنے کی قوت۔ ہر فرض کو ادا
 کرنے کی خواہش۔ اخلاقی جرات کی صحیح علامات ہیں اور جس مرد یا جس عورت میں قابلیت

اخلاقی جرات
 کے فوائد

نہو امید نہیں کہ وہ ناپسندیدہ اور غلط راستہ پر چلنے سے باز رہ سکے دلی کمزوری جسمانی کمزوری
 سے زیادہ نقصان رسان اور زیادہ خطرناک ہے۔ میدان جنگ میں دوسروں کی دیکھ بھال
 اسلحہ اور تعداد کی کثرت کے بہرہ سے پر دوسروں کے مال لوٹنے کی طمع میں جو ہر مردانگی
 دکھانا آسان ہے لیکن دنیا کے میدان میں مشکلوں اور وقتوں کے مقابلے میں صرف صداقت
 اور فرض کا ساتھ دینے کے لیے اخلاق اور کائنات کی راہ نمائی کے بموجب نفس کشی
 کرنا زیادہ مشکل اور زیادہ اہم ہے۔ میدان جنگ میں شرکت کی تو کبھی کسی کو ضرورت
 پڑتی ہے لیکن اس نفسانی اور روحانی جنگ میں ہر وقت ہر شخص شریک ہے۔

سچی بہادری

ایک نیم وحشی اور جنگ جو شخص مارنا اور مرنا کیل سمجھتا ہے لیکن اوس میں اتنی طاقت
 نہیں ہوتی کہ وہ اپنے لالچ کو روک سکے یا کوئی کام اس سبب سے کر سکے کہ وہ اوس کا
 کرنا فرض سمجھتا ہے ایسا شخص خواہ کتنا ہی نڈر اور بے خوف کیون نہو اخلاقاً جبری نہیں
 خیال کیا جاسکتا کیونکہ جب زمانہ اوس کو مشکلوں اور امتحان میں گھیر لیتا ہے تو وہ ثابت قدم
 نہیں رہتا بلکہ وہ شخص جو صداقت اور دائمی فرض کے واسطے تمام دقیقین اوستاتا اور
 مشکلیں سہتا اور کوششیں کرتا اور کوئی ناشائستہ یا کمیدہ حرکت اور فعل نہیں کرتا وہ بڑا بہادر
 ہے اور ان سپاہیوں سے زیادہ شجاع ہے جو جنگوں اور میدانوں میں مارے پھرتے ہیں

بعض اوصاف
 جو اخلاقی جرات
 ظاہر کرتے ہیں

انسان کا اپنے سینے میں صرف اتنا ہی ظاہر کرنا جتنا کہ فی الحقیقت وہ ہے اور جو کچھ نہیں ہے
 وہ نہ بنا ہی اخلاقی جرات کی نشانی ہے اسی طرح دیانت داری سے زندگی بسر کرنا فضول و جری
 سے بچنا دوسروں کی حرص نہ کرنا سب ایسی باتیں ہیں کہ اخلاقی حالت کی مضبوطی ظاہر کرتی ہیں
 کمزور طبیعت اور بے ضابطہ اشخاص ہمیشہ دوسروں کے کہے میں آجاتے ہیں یا خود انکی
 طبیعت کا ادنی رجحان انہیں کسی ایسے کام کرنے سے باز رکھتا ہے جس کو وہ اچھا جانتے ہیں
 طبیعت کی کمزوری بہت کچھ نقصان پہنچاتی ہے اور بہت سے اطمینان۔ سہولتوں اور خوشیوں پر
 پانی پہر جاتا ہے۔ صراطِ سقیم ثابت قدم رہنے کے لیے قوت فیصلہ بہت صحیح اور ارادہ بہت مضبوط
 ہونا لازم ہے۔ قوت فیصلہ کی کمزوری کے سبب انسان نہ تو بڑائیوں سے بچ سکتا نہ عمدہ باتیں اختیار کر سکتا

بے خوف اور نڈر ہونا ہی اخلاقی جرات کی ایک نشانی ہے بے خوف ہونکی عادت بھی تعلیم اور

مشق سے بڑھتی ہے اور کسی چیز کی حقیقت کے صحیح اندازہ لے لیتے ہیں اس کا خوف جانا
 رہتا ہے۔ اکثر خوف خیالی ہوا کرتا ہے اور تخیل ایسی صورتیں پیدا کر لیتا ہے جن کی نسبت ہم
 گمان ہوتا ہے کہ ہمیں آزار دین کی لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ وہ صورتیں مش آئین
 جن لوگوں کو خطرات کا مقابلہ کرنے کی عادت ہو جاتی ہے وہ خیالی اور وہی خطرات کی ذرا
 پرواہ نہیں کرتے۔ وہی خطرات چاہے کبھی واقع نہ ہوں لیکن دور سے ایسا ڈراتے ہیں کہ
 بزدل آدمی کا خون خشک ہو ہو جاتا ہے۔

خوف دل کی
 بیماری ہے

بزدلی اور خوف دل کی بیماری ہے اور بری چیز ہے خواہ جہانی کمزوری ہو یا دل کی
 کمزوری دونوں نہایت شرمناک اور بدنام ہیں اور ان میں ایک قسم کی کراہت اور سفاہت
 پائی جاتی ہے۔ ایسا دنیا میں کونسا شخص ہے جس پر نکالیف اور مصائب نہ پڑتی ہوں لیکن
 اس حالت میں بھی انسان کو ضبط اور خود داری سے کام لینا اور اپنی وقعت کو قائم رکھنا چاہیے
 اخلاقی جرأت کی عورتوں میں بھی بہت ضرورت ہے۔ یہ عورت کی محافظ اور نگہبان
 ہے اس کی عقل کو بحال اور اس کو ٹھکانے رکھتی ہے اور اس کی عزت و آبرو بڑھا
 رکھتی ہے۔ حسن صورت چاندنی کی طرح چاروں طرف میں زائل ہو جاتا ہے لیکن دل کی صفائی اور رویہ
 کی خوبی جو بڑا پائے زیادہ بڑھتی جاتی ہے اور اس کی چمک دمک کبھی کم نہیں ہوتی
 پاکدامن تھے مستعد جفاکش۔ اشخاص کی مثالیں دنیا میں ہمیشہ قائم رہتی ہیں
 اور ان کے نام اور اون کے کاموں کے افسانے تاریخ کے صفحات پر لکھے جاتے ہیں۔ اون کی
 زندگی دوسروں کے لیے چراغ ہدایت ہے کہ لوگ ان کی مثال پر چلتے اور ان کی طریقہ
 کار بند ہوتے ہیں۔ مستعد اور جری آدمی دنیا کے راہنما دنیا کے حکمران ہوتے ہیں۔ اور
 کمزور طبیعت والوں کا اون کے بعد کوئی نام و نشان بھی نہیں جاتا۔

اخلاقی جرأت
 کی عورتوں میں
 ضرورت

۳۔ استقلال

ترقی خواہ کسی ہی عمر اور اعلیٰ کیوں نہ ہو اور اس کے حصول کے لیے خواہ کتنی ہی
 سعی کی جائے ایک دفعہ ہی حاصل نہیں ہو جاتی بلکہ جس طرح کسان بیج بکھیرنے کا انتظار
 کرتا ہے اسی طرح آدمی کو کوشش کے نتیجہ کے لیے صبر و استقلال سے انتظار کرنا چاہیے۔

کامیابی کے
 لیے استقلال
 ضروری ہے

جو شخص کسی مینار پر چڑھنا چاہتا ہے وہ زمین کی ہر ایک سیڑی پر ایک ایک کر کے چڑھتا ہے
 یہی حال ترقی کا ہے کہ رفتہ رفتہ حاصل ہوتی ہے محنت کے بعد صبر سے انتظار کرنا اور
 اضطراب میں کام خراب نہ کرنا ترقی کا راز ہے۔

استقلال
 کے فائدے

دنیا میں کوئی بڑا کام کرنے اور نام و نمود حاصل کرنے یا کسی بڑی کامیابی حاصل
 کرنے کے لئے ضرور ہے کہ طبیعت میں استقلال کے ملکہ کو راسخ کیا جائے۔ صرف بڑے
 بڑے کاموں ہی پر منحصر نہیں یہ صفت چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی بہت مدد دیتی ہے اور
 انسان کے ہر فعل سے ظاہر ہوتی ہے مستقل مزاج آدمی بہت سے ناگوار اور مشکل امور
 پر فتح پالیتے ہیں اور ہر کام جس کا ارادہ کر لیں خواہ دیر ہی میں کیوں نہ ہو۔ کر کے چھوڑتے
 ہیں۔ ناامیدی ان کے پاس نہیں پھٹکتی اور وہ خوف و خطر کا نام نہیں جانتے۔ وہ جس کام
 پر کمر بستہ ہوتے ہیں اس میں پوری توجہ پوری کوشش سے کام لیتے ہیں اور جب تک
 پورا نہ کر لیں انہیں چین نہیں آتا۔ حصول مدعا کی دھن ان کو ایسی لگی ہوتی ہے کہ کوئی مشکل
 انہیں اپنے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتی۔ جو لوگ کسی کام کو مشکل سمجھ کر نہیں کرتے یا
 ادھورا چھوڑ دیتے ہیں اصل میں ان کو وہ کام کرنا مقصود ہی نہیں ہوتا۔ ان کے ارادے
 بہت متزلزل ہوتے ہیں اور سچے دل سے وہ کسی مقصد کو حاصل کرنا نہیں چاہتے لیکن
 لوگ متکون مزاج اور خام طبیعت کہلاتے ہیں مستقل مزاج آدمی بہت سوچ سمجھا کر ایک مدعا
 میں کمر کرتا ہے لیکن جب وہ اس کے حصول کی کوشش شروع کر دیتا ہے تو یہ حاصل کیے
 بغیر نہیں چھوڑتا۔ امید زندگی کی روح ہے لیکن استقلال و رازداری کو استحکام کو بغیر کوئی امید پوری نہیں
 مشکلات کے مقابلہ کرنے سے بہت سی مشکلیں آسان اور بہت عرصے حل ہو جاتی ہیں
 اور بہت سی باتیں جو پہلے محال بلکہ ناممکن معلوم ہوتی تھیں ممکن ہو جاتی ہیں لیکن جو لوگ ہر کام
 میں ہمت ڈالتے ڈرتے ہیں اور رازداری دقتوں کی برداشت کرنے سے دم چراتے ہیں ان کو
 ہر کام مشکل اور ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ کامیابی کا راز یہ ہے کہ اول تو جس کام کے لیے جو وقت
 مناسب اور مقرر ہے اس کو نہ ٹالا جائے اور جو کام شروع کیا جائے اس کی تدابیر کو اچھی طرح
 سوچ سمجھا کر اور اگر ضرورت ہو تو تھوڑے تھوڑے وقفوں کے ساتھ رازداری کا استعمال کرنا

کامیابی کا راز

ارادہ کو ایسا غیر مستقل نہیں چھوڑنا چاہئے کہ تنگ کی طرح پانی کی رو اور ہوا کے چھونکوں سے
 بہتا اور اڑتا پھرے بلکہ ایک مدعا غور و فکر کے بعد مضبوطی قائم کر کے اوس کے حاصل
 کرنے میں کامل سعی کرے نوجوان آدمی جب ایک مدعا اچھی طرح سے قائم کر لیں اور اس کے
 حاصل کرنے کے لیے صحیح راستہ پر چلیں تو ضرور حصول مراد میں کامیاب ہوتے ہیں جب
 انسان اوس عمر میں پہنچ جائے کہ صحیح و غلط میں تمیز کرنے لگے اوس وقت اوس کو اپنی
 زندگی کے لیے کوئی کام کوئی مدعا معین و قائم کرنا لازم ہے۔ اگر اس وقت انسان استقلال
 کی عادت نہ ڈالے گا۔ تو آئندہ اوسکی طبیعت میں الوالعزمی مستعدی و قوت نہ ہوگی اور اس
 تمام افعال غیر منظم پریشان نامکمل صادر ہوں گے۔ استقلال ایک کام کے پیچھے بڑ جانکی
 قوت کا نام ہے۔ اس کام کی اچھائی یا برائی قوت تمیز اور عقل پر منحصر ہے۔ اگر استقلال فعل
 ذہنیہ میں ہے تو مذموم ہے اور مساعی جمیلہ میں ہے تو محمود ہے۔

کسی کام کے کرنے یا کسی مقصد کے حاصل کرنے میں متواتر سعی کرنے میں ہی استقلال
 کام نہیں آتا۔ بلکہ استقلال کا دوسرا پہلو عزمیت نامہ ہے خصوصاً لالچ کے روکنے میں اور عہد
 پر قائم رہنے میں استقلال کی بہت ضرورت پڑتی ہے۔ انسان خواہشوں اور لالچ سے
 خالی نہیں ہے بہت سے موقع ایسے پیش ہوتے ہیں کہ اوس کو کسی ناجائز فعل کا ارتکاب
 کرنے یا کسی ناجائز منفعت کے حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے ایک طرف لالچ اوس کے دل کو
 گھیرنا چاہتا ہے اور دوسری طرف کائنات اوس کو روکتا ہے مستقل مزاج آدمی کائنات
 ساتھ دیتا ہے۔ وہ اپنے عہد اور ایمان کی ہدایت پر قائم رہتا ہے اور جو راستہ بازی میں
 ٹھہان لے اوس سے نہیں گزرتا۔ لالچ اور خیالات فاسد اوس پر قبضہ نہیں کر سکتے۔
 جس طرح تیر کو چونک نہیں لگتی اسی طرح اغراض دنیویہ اوس کے دل پر اثر نہیں ڈال سکتے
 اگر انسان ایک دفعہ ان لالچوں کو مردانہ وار روکے تو پھر اوس میں ہمیشہ طبیعت پر قابو رہنے کا
 ملکہ پیدا ہو جاتا ہے اور اگر ایک بار مغلوب ہو گیا تو پھر پہلے مشکل بڑ جاتا ہے۔ یہ عادت اقل
 عمر میں جلدی پڑتی ہے کیونکہ اس زمانے میں طبیعت ملکات روئیسے مغلوب نہیں ہوتی

خشکیں انسان کو
بچھڑاتی ہیں۔

انسان سہولت و تن آسانی۔ آرام و راحت سے نہیں بلکہ مشکل و وقت میں ٹپنے
اور مصیبتیں جھیلنے سے آدمی بنتا ہے۔ وقتیں انسان کے لیے بہٹی کا کام دیتی ہیں جو دشمن
جو ہر جگہ کا دیتی ہیں یا استاد ہیں کہ مار مار کر دانش و عقل سکھاتی ہیں انسان کا میاں بی سے
زیادہ ناکامی سے ہوشیار ہوتا اور تجربہ حاصل کرتا ہے دنیا کی بڑی بڑی ایجادوں اور مہتمم بالمشا
کاموں کے آغاز میں ہمیشہ پہلے ناکامی ہی کی جھلک بلا سہمی و کوشش کے دنیا میں نہ حاصل
کرتے ہیں وہ عزت حاصل نہیں کرتے۔ وقتیں چاہے کمزور آدمی کو ڈرامین لیکن عالی ہمت
اشخاص میں ہمت زیادہ کرتی ہیں اور وہ مصائب کے مقابلے میں مردانہ وار کھڑی رہتی ہیں
مشکلات کا مدرسہ صرف افراد انسانی ہی کے لیے اخلاق کا سبق آموز نہیں ہے
بلکہ اقوام کے لیے بھی ایسا ہی مفید اور بکار آمد ہے۔ کیونکہ جب وہ مشکلوں میں گرفتار ہو جاتی
ہیں تو ان سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں اور نئی نئی تدبیریں سوچتے اور ایجادیں کرتے ہیں
ان کی ہمت و جرات از سر نو عود کرتی ہے اور کہیں وہ سر ہاتھ پر رکھ کر جان پر کیل جاتے ہیں
اور ملک کو ظلم و ستم جو ر و تعدی بدامنی اور جبر سے رہائی دیتے ہیں۔ جب کوئی مشکل پیش آتی ہے
تو انسان یا تو پہلے کی نسبت زیادہ زودہ حال ہو جاتا ہے یا زیادہ خوش حال بن جاتا ہے اگر وہ
اوس مشکل سے دب گیا تو ہمیشہ کے لیے گھبراہٹ اور اگر اوس نے ہمت و جرات سے
کام لیا اور مشکل پر فتح پائی تو اوس کی طاقت۔ جرات۔ عزم۔ تجربہ۔ علم بہت بڑھ جاتے ہیں۔
جس طرح ایک شخص معرکہ کارزار میں رہ کر سپاہی بن جاتا ہے اور پہاڑ سے میدان جنگ سے
ڈر نہیں لگتا اسی طرح الو العزم انسان کو ایک مشکل پر عبور کر کے دوسری مشکلات آسان معلوم ہونی لگتی ہیں
اول اول طبیعت پر جبر کرنا اور اقتضا طبیعت کے خلاف کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔
لیکن جب عادت پڑ جاتی ہے تو وہی افعال جو پہلے مشکل معلوم ہوتے تھے سہل معلوم ہونی لگتے
ہیں۔ عادت سخت سے سخت کام کو اتنا آسان کر دیتی ہے کہ اوس کے کرنے میں ذرا سی وقت
اور تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔ پتھر پھوٹے سارے دن پہاڑ کاٹتے ہیں مگر ذرا نہیں تھکتے۔
پھر کارے بارش دھوپ اور سردی میں راتوں کو ڈاک کے خبیٹے لیکر سیلون پہاڑ کے جاتے ہیں
اور ذرا سی اور ہند بنگالہ ہندوستان۔ اعضاء جسمانی کے عادت کا نتیجہ ہے۔ اس طرح اگر

خشکیں تو ہون کی
ہمت بڑھاتی ہیں

عادت

ولی اور وہ کسی کی محنت کی عادت ڈالی جائے تو وہ یہی سبب بنی ہو جاتی ہے۔
 اون میں ثبات واستقلال کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ عادت کا اثر پہلے کچھ بھی نہیں معلوم ہوتا
 اور انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ اوس میں کوئی نئی کیفیت اچھی یا بری پیدا ہو گئی ہے لیکن جب
 ترک عادت کرے اوس وقت معلوم ہوتا ہے کہ انسان عادت کے شکنجہ میں کس قدر جکڑ
 ہوا ہے۔ محنت۔ دیانت۔ خود داری۔ خود اعتمادی۔ بلکہ تمام قوت عملی کا دار و مدار صرف
 مسائل کے جاننے پر نہیں بلکہ عادت پر ہے۔ جس شخص کو استقلال کی قوت حاصل ہے
 وہ نیک کام کر سکتا ہے بُری باتوں سے بچ سکتا ہے مصیبت کے وقت اوس کا چال و چلن اور بھی
 چمک جاتا ہے اور صرف اس عادت کے طفیل وہ ناکامی کے وقت پریشان نہیں ہوتا اور ثابت قدم رہتا

۵۔ عزیمتِ تامہ

ایک حکیم کا قول ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے اوس شخص سے بہتر
 جو ایک شہر پر قبضہ رکھے اپنے آپ پر قبضہ رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انسان کے مزاج میں ایسا
 ملوث نہ ہو کہ ذرا سی بات اوس کے ارادوں کو توڑ دے یا ذرا سا لالچ یا تھوڑا سا خوف یا کوئی
 فساد کی امید یا نقصان سے بچنے کی خواہش اوس کی کسی صحیح رائی کو جو کسی امر کی نسبت
 ایک دفعہ قرار پائی ہے بدل دے بلکہ طبیعت میں ایسا استقلال پیدا ہو جائے کہ ایک بار
 بعد میں ہٹان لے پہر کسی طرح اوس سے نہ ملے اور جو ارادہ کیا ہے اوس مقصد کو حاصل کر کے
 چھوڑے۔ اسی کا نام عزیمتِ تامہ ہے۔

ارادہ

مقصد

بعض لوگوں کے ارادے اور غم ایسے ضعیف ہوتے ہیں کہ وہ بہت جلد ایک حالت
 سے دوسری حالت پر بدل جاتے ہیں اور یہی حال ان کی رائی کا ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ہے اور
 کبھی کبھی وہ کسی امر یا کسی چیز یا بُرے کام کے اختیار یا ترک کرنے میں ذرا بھی
 متامل نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو دوسروں کا اثر یا اون کی رائی نہایت آسانی سے اپنی طرف
 بہر لیتی ہے یا اون کے خیال کو بدل دیتی ہے۔ وہ اگر کسی بُرے کام پر نہیں نکلتے تو کسی اچھی
 بات پر بھی قائم نہیں رہتے سچ یہ ہے کہ کسی چیز کی حقیقت اور کی طبیعت پر نقش نہیں ہوتی اور

چلنے والے۔ دوسروں کی رائے کے تابع۔ عاجز اور غافل ہوتے ہیں اور ان میں غنیمت تانا کا نام نہیں ہوتا یا یہ صفت بہت کم ہوتی ہے۔ اس واسطے یہ ضرور ہے کہ استقلال کی عادت ڈالی جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس صفت کو ترقی دی جائے اس کے بغیر آزادی حاصل ہوتی ہے نہ خصائل میں پائیداری اور استقامت۔ غنیمت تانہ کے بغیر انسان امر حق کو اس مرتبہ پر نہیں قائم رکھ سکتا جو اس کے شایان ہے نہ انسان کے اخلاق ایسے پختہ ہو سکتے ہیں کہ ان میں کبھی فرق نہ آئے۔

غنیمت تانہ کے لئے
علم و قوت تیز کی
ضرورت ہے

غنیمت تانہ چونکہ اس پختہ ارادہ کا نام ہے جو کسی کے بدلے نہیں بدل سکتا اس واسطے یہ عادت اگر بے سوچے سمجھے اختیار کی جائے اور صرف نیک و قابل اختیار امور میں اس کا استعمال نہ کیا جائے تو یہ صفت افعال قبیحہ کے صدور بلکہ مستحکم ہونے کا آلہ بن جاتی ہے اور نہایت مضرت پہنچاتی ہے۔ مثلاً اگر غنیمت تانہ ظالموں میں ہوگی تو ان کے جبر و تعدی کی انتہا نہ رہے گی۔ اگر لٹیروں میں ہوگی تو ان کی غارتگری اور بربادی کی حد نہ ہوگی اس واسطے کسی رائے یا کسی فعل کو اس قدر استحکام کے ساتھ اختیار کرنے سے پہلے اس کے ہر ایک پہلو پر غور نظر ڈالنی ضرور ہے اور یہ سوچ لینا چاہئے کہ یہ فعل جو ہم اختیار کرتے ہیں دراصل محمود ہے اور کائناتس یا نفس ناطقہ یا عقل کے اقتضا کے موافق ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ ہماری ذات اور ان تمام اشخاص کے لئے جن پر اس کا اثر پڑ سکتا ہے مفید اور اصول اخلاق کے لحاظ سے محمود ہوگا جو لوگ اپنے غم پر یا استقلال قائم رہنے کی عادت ڈالنا چاہتے ہیں ان کی نظر وسیع اور رائے صائب ہونی چاہئے اور پہلے بھلے برے کی تمیز حاصل کرنا اور افعال قبیحہ اور اعمال حسنہ میں شناخت اور امتیاز کرنے کی قوت پیدا کرنا لازم ہے اور اس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔

غنیمت تانہ
کے فوائد

فی الحقیقت طبیعت انسان میں دو اے متضاد موجود ہیں جن کا مبداء نفس قدسی اور نفس شہوانی ہیں۔ خواہشات شہوانی کے خراب اثرات کو روکنے اور جذبات پر قابو رکھنے کی ہر وقت ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر ان خواہشوں کو جلد نہ روکا جائیگا تو وہ طبیعت پر اس قدر حاوی ہو جائیں گی

چیز ہے کہ انسان کو انسان کامل بناتی ہے لایکون الحکیم حکیمًا حتی تغلب جمیع شہواتہ
 محتاط شخص کبھی خواہشات کے جھوکوں سے نہیں ڈگمگاتا بلکہ ہمیشہ تحمل و استقلال کو کام میں
 لاتا ہے اور اپنے ارادہ و افعال و اقوال پر قابو رکھتا ہے صرف احتیاط ہی تمام خوبیوں کی جڑ
 ہے اور احتیاط ہی ایسی چیز ہے کہ لالچ اور نازیبا افعال سے بچا سکتی ہے خواہ شہائے طبعی
 پر فتح پانی ملک پر فتح پائے سے زیادہ مشکل اور زیادہ قابل تحسین ہے اور جب تھوڑی سی
 مشق اور تھوڑے سے زمانہ میں طبیعت پر قابو حاصل ہو جاتا ہے تو خود داری - اعتدال
 استقلال - انکسار - پابندی قواعد - کفایت شعاری - پرہیزگاری اور اوراوصاف حمیدہ
 حاصل ہو جاتے ہیں بلکہ ان کی ایسی عادت پڑ جاتی ہے کہ ذرا گراں نہیں گزرتے - کیونکہ
 عادت قانون قدرت کی طرح اخلاق پر اثر ڈالتی ہے اور تمام اوضاع و اطوار کو نامعلوم طور پر
 شائستہ اور منہذب اور پسندیدہ کر دیتی ہے - ہمیں زندگی کو اُمید اور مسرت کی نظر سے دیکھنا چاہیے
 یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اول ہی سے بشارت نیک مزاجی خوش طبعی کی عادت ڈالیں
 یا انقباض فکر اور ترش روی کی - پس جب انسان کی طبیعت میں عادت کو بڑا دخل ہے اور کسی بھلی
 بُری عادت کا اختیار و ترک اقتدار بشری میں ہے تو جو لوگ طبیعت کے محکوم بن کر خصائل
 رذیلہ اختیار کر لیتے ہیں وہ معذوب نہیں سمجھے جاسکتے - عادت معراج کمال پر پہنچاتی اور عادت
 برباد کر کے چھوڑتی ہے اس لئے لازم ہے کہ انسان خود اپنے واسطے عمدہ قواعد مقرر کرے
 اور ان پر سختی سے کار بند ہو کر انسانیت کے فرائض ادا کرنے کی کوشش کرے - جن
 لوگوں نے دنیا میں اعلیٰ اعلیٰ ترقیان کی ہیں وہ اپنے انضباط پر ہمیشہ سختی سے کار بند ہیں
 اور جس قدر زیادہ پابندی کی ہے اسی قدر اخلاقی حالت میں ترقی ہوئی ہے - کیونکہ تحمل
 احتیاط اور خود داری شاہراہ زندگی کو صاف کر دیتے ہیں اگرچہ دنیا میں ترقی و کماوت اور
 عقل سے ہوتی ہے مگر انضباط اور پابندی کی عادت کو بھی بہت بڑا دخل ہے -

وہ شخص نہایت جو انداز ہے جس نے اپنے تئیں ایسی ایسی عادتوں کا پابند کر رکھا ہے
 جو نیکی کے راستہ سے کبھی بھٹکنے نہیں دیتیں اور جو ارادہ وہ ایک بار کر لیتا ہے اس سے

اسی کوئی شخص حکمت والا نہیں کہلایا جاسکتا جب تک کہ اپنی تمام خواہشوں پر قانون مالدے -

انسان صرف
 کوشش سے
 کامیاب ہوتا ہے

کوئی انعام کوئی لالچ کوئی خوف حتی کہ کوئی ضرورت بھی اوس کو باز نہیں کہہ سکتی
عزیمت تمامہ خود انسان کے اپنی طبیعت پر اختیار اور اقتدار حاصل کرنے سے حاصل
ہوتی ہے اور انسان صرف اپنی کوشش سے اس میدان میں قائم رہ سکتا ہے اگر دوسرے
لوگ اسے سہارا دیں بھی اور دنیا کی شرم یا سوسائٹی کے دباؤ سے وہ کچھ روز سنبھلا
بھی رہے تو جب وہ روک جاتی رہے گی تو فوراً گر جائے گا۔

خاندانی شرافت۔ مدرسہ کی تعلیم۔ ملک کا قانون اور لوگوں کا رتبہ بلند نہیں کر سکتا
جنہوں نے اپنے اختیار کی باگ خواہشات نفسانی کی باتھ میں پیدی ہی ایسی خوشیاں جو شہوانی
جذبات کے پورا کرنے سے ہوں انسانیت کو کہو دیتی ہیں اور تمام قوتوں میں کمزوری اور تزلزل پیدا کرتی
دنیا کے ہر کام کے حصول کے لیے خواہ وہ دنیوی ترقی اور یہودی کی غرض سے ہو
یا اخروی نجات اور سعادت دارین حاصل کرنے کے لیے ہو طلب صادق اور غم بالغرم اور استقلال
کو بہت بڑا دخل ہے کسی کام کے کرنا یا نہ کرنا ارادہ کر لیا جائے تو کامیابی کا نصف درجہ
حاصل ہو جاتا ہے تمام مشکلیں اور دقیقین جو تذبذب اور دودلی کی لت میں بہاؤ کی طرح سدراہ
ہوتی تھیں جو انہوں کے مستقل ارادوں کے سامنے ہوا ہو جاتی ہیں کسی کام میں بہت
نہارنا اور برابر پوری سعی اور کوشش کیے جاا کامیابی کا یقینی طریقہ ہے۔ عالیٰ حوصلہ اور
جو کسی کا عار اوٹھانا نہیں چاہتے اپنے طاقت و ہمت کے پروبال کو دیکھتے رہتے ہیں اور خواہ
کتنا ہی نازک وقت کیوں نہ ہو صرف اپنی قوت بازو پر بہروسہ کرتے ہیں اور جن میں بلند حوصلگی
اور ہمت و مستعدی نہیں ہوتی وہ بڑے بڑے ارادے کرتے ہیں لیکن ان کی باتیں ہی نہیں
ہوتی ہیں کہی کر کے کچھ نہیں دکھاتے اور جو کام شروع کرتے ہیں اوس میں پورا نہیں ڈالتے
منصوبے باندھتے ہیں لیکن مکمل کو ایک بھی نہیں پہنچتا بلکہ اکثر قصد تو شروع ہی نہیں ہوتے
اور یہ تمام نا کامیایں عدم استقلال اور فقدان عزیمت تمامہ سے ہوتی ہیں۔

عزیمت تمامہ
خوش بختی

اپنی طبیعت پر قابو رکھنا بہت بڑی کامیابی ہے اور جب یہ قوت راسخ ہو جاتی ہے
تو اس سے بہت سی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تیز داور شوق کہوڑے پر سوار ہونا اور
اوس کو قابو میں رکھنا کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے اور اگر کسی غریب لہو جانور پر سوار ہو کر بہرمن

تو ذرا بھی بشارت نہیں ہوتی یہی حال طبیعت کا ہے کہ اوس کے تمنوں کو روکنا اور اپنا ارادہ قائم رکھنا مسرت بخشنا ہے عزیمت حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں لیکن کوئی کام نہیں جو مشق و محنت سے پہلے نہ ہو جاتا ہو۔ انسان کو ازادی چاہی معلوم ہوتی ہے اور خود اپنے تئیں قید کرنا اور اپنی طبیعت پر جبر کرنا بہت برا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ازادی حقیقی ازادی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر انسان اپنی طبیعت کو اس طرح مطلق العنان چھوڑ دے تو اس کی غلطیاں سخت سخت مصائب میں پہنچا دیتی ہیں پہلے تو دل کا کہا کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس کا نتیجہ نکلتا ہے تو پھر حیرت بھی بہت بہگمتا پڑتا ہے جب تک انسان پاکیزگی سے زندگی بسر نہ کرے جب تک اپنا وقت مفید کاموں میں صرف نہ کرے اوس کو حقیقی خوشی کی امید نہ رہنی چاہیے۔ دل کو پاکیزہ اور عمدہ خیالات سے معمور کرنا اس طرح زندگی بسر کرنا کہ گزشتہ زمانہ کا خیال کر کے افسوس و حسرت نہ ہو بلکہ خوشی پیدا ہو اور آئندہ زمانہ کی نسبت عمدہ عمدہ امیدیں ہوں اور وہ امیدیں بھی خلاف قیاس نہیں بلکہ ممکن الحصول ہوں۔ فکر۔ انقباض۔ تشویش سے دل آزاد رہے۔ بڑی خواہشوں کو روکنا اور شہوانی قوتوں کو اعتدال سے نہ بڑھنے دینا اور طبیعت میں نیک کاموں کا میلان پیدا کرنا انسان کو کامیابی بخشتا ہے اور اس کامیابی حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے جس طرح کپڑا رنگ سے رنگین ہو جاتا ہے اسی طرح خیالات کا رنگ طبیعت پر چڑھا رہتا ہے جسے خیالات ہوں گے ویسا ہی ظہور ہو گا پانی کو صاف کر کے کا طریقہ یہ ہے کہ اوس میں مٹی اور کوڑا نہ کرنے پائے یہی حال دل کی صفائی کا ہے کہ اوس میں بڑے خیالات داخل ہونے ہی نہ پائیں اور عزم و استقلال اس پاکیزگی کو قائم رہے

۴۔ خود داری

خود داری کی تعریف یہ ہے کہ انسان ایسے افعال سے باز رہے جو اوس کے مرتبہ اور پوزیشن کو گہٹانے والے اور اوس کو دوسروں کی نظر میں ذلیل کرنے والے ہوں اپنی عزت قائم رکھنا اور اپنی ذات کو عالم میں موقر بنانا یا جو رتبہ کہ سوسائٹی میں حاصل ہے اسے قائم رکھنے کی کوشش کرنا خود داری ہی اور حقیقت میں مینی احتیاط اور استقلال ہی حاصل ہوتی ہے خود داری انسان کے واسطے ایک غلعت ہے جو اوس کا مرتبہ ظاہر کرتا ہے اور اوس

خود داری کی
تعریف

خود داری کے
اوصاف

مرتبہ کو قائم رکھتی ہے یہ طبیعت کی ایک شریف تحریک ہے جو ترقی کرنے کی محرک اور محرک
بکمال ہے خود دار آدمی کہی اپنے جسم کو گناہ سے اور دل کو خراب خیالات سے آلودہ
نہیں کرتا اور ہمیشہ صفائی صبر تحمل پرہیزگاری احتیاط عصمت اخلاق حسنہ اور اصول
مذہب کا پابند رہتا ہے وہ ہمیشہ اپنے مرتبہ کا لحاظ رکھتا ہے اور اسے خیال رہتا ہے
کہ کوئی کام اس سے ایسا سرزد نہ ہو جو اس کی عزت میں دہشتہ اور نام میں تہ لگائیوالات
وہ اپنے تئیں حقیر نہیں جانتا اور اپنے افعال و اقوال سے اپنے تئیں ذلیل نہیں کرتا۔ وہ
جوان کی طرح زندگی گزارنے پر قانع نہیں ہوتا بلکہ اس کا دل ہمیشہ اپنے حفظ مرتبت کا خیال رکھتا
کیونکہ اپنے تئیں ذلیل جانتا یا حقیر خیال کرنا نہ صرف اپنی نظر میں بلکہ اوروں کی نظر میں
بھی اصلی پایہ سے گرا دیتا ہے۔

خود داری یا افلاس دور نہیں ہوتا لیکن وہ دنائت اور ابتذال جو حاجتمندی اور تنہی
کا خاصہ ہے کم ہو جاتا ہے اور کسی غریب آدمی کا ثابت قدم رہنا اور لالچ کو روکنا یا افعال ذلیل
سے اجتناب کرنا اس کی عزت قائم رکھتا ہے۔ پس انسان کو لازم ہے کہ نہ صرف نفس میں سے
بڑائیوں کو دور کرے یا خراب جذبات کو روکے بلکہ خوبیوں کو ترقی دی اور اون کی پرورش کرے
خود داری اور خود پسندی میں یہ فرق ہے کہ خود داری تو اصلی اور سچی لیاقت اور مرتبہ
کا لحاظ کرنا اور اس کو ترقی دینا سکھاتی ہے اور خود پسندی ذاتی مرتبہ یا خوبی کو مبالغہ سے
جتلاتی ہے جو بربادی اور شرم کا باعث ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خود داری اور
خود پسندی میں امتیاز قائم رکھنا ذرا مشکل کام ہے مگر خود دار شخص کہی دوسروں کی بیکامالی
سے اپنا مقابلہ نہیں کرتا اور کم درجہ کے لوگوں کو حقارت سے نہیں دیکھتا بلکہ ذاتی جوہر و کم
خاک میں ملنے سے بچاتا اور اون کو ترقی دینے کی سعی کرتا ہے۔ وہ اپنے افعال و اقوال
کو ایسا ضبط کرتا ہے کہ اس سے خلاف شان کوئی حرکت صادر نہیں ہوتی۔

خود داری اور
خود پسندی میں
فرق

انکسار فی الواقع عمدہ صفت ہے اور ضرور ہے کہ ہم اپنے عجز اور بے کمالی کا اعتراف
کریں لیکن یہ اس لیے ہے کہ ہم پر خود غلط نہ ہو جائیں نہ یہ کہ اپنے مرتبہ سے کم اور ذلیل حالت پر
انکسار کریں اور خیالات کو نیست گردن اگر ایسا کریں گے تو ترقی کرنے کا طبعی محرک مستحکم ہوگا۔

خود داری تکبر اور مذلت کا درمیانی درجہ ہے اور اسی کا نام تواضع ہے۔ تکبر اپنے نفس میں ایسے اوصاف فرض کر لینے کو کہتے ہیں جو فی الواقع نہ ہوں اور مذلت اپنی واقعی اوصاف کو ذلیل کرنے اور ناقہ ردانی کا نام ہے اور یہ دونوں مذموم ہیں۔ تواضع یہ ہے کہ دوسرے شخص کی ایسی عزت کی جائے جس کا وہ مستحق ہے یہ معنی نہیں ہیں کہ اوس کے مقابلے میں اپنے تین ذلیل کیا جائے اگر ایک عالم اپنے سے کم رتبہ عالم کو اپنے بعد درجہ دے تو خود داری اور تواضع کے خلاف نہیں لیکن اگر اوسے جاہل سمجھے تو تواضع کے خلاف ہی یا اپنے سے بڑے عالم کو کچھ نہ جانے تو تکبر ہے۔ تکبر اور خود داری میں تمیز کتنا قوت تمیز اور عقل کا کام ہے اور اپنے مرتبہ پر قائم رہنا انسان کا۔

۷۔ خود اعتمادی

خواہ فرائض ہوں یا تمنا میں اگر اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلائے جائیں اور انسان اپنی قوت تکمیل کا بہرہ نہ کرے تو کبھی پوری نہیں ہو سکتیں ہمیشہ وہ لوگ ناکام رہے ہیں اور رہنے چاہئیں جو اپنے کام دوسروں کی امداد یا اوروں کے بہرہ سے پرہیز و رنج میں مشہور ہے کہ کسی مگر ہی اور کون ڈالے گہاس اگرچہ یہ فقرہ خود غرضی پر مبنی ہے مگر ان لوگوں کے واسطے جو زمانہ کی رفتار اور لوگوں کے عادات سے ناواقف ہیں اچھا سبق آموز ہے کہ اگر وہ اپنے کام ٹھیک اور مرضی کے مطابق پورے ہونے چاہتے ہیں اگر وہ دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں اگر زندگی کو بکار آمد اور مسرت بخش بنانے کی آرزو ہے۔ غرض اپنی آرزو اور فرائض کی تکمیل کی تمنا رکھتے ہیں تو اپنی محنت اپنی جانفشانی اپنی نگہبانی۔ اپنی پرداخت۔ اپنی لیاقت۔ اپنے وسائل۔ اپنی استعداد۔ غرض اپنی ذات پر بہرہ و سرکریں اور محنت محنت۔ استقلال اور پابندی اوقات سے کام لینا تو ضرور ان کو عمدہ عمدہ پھل ملین گے۔ ہماری غرض خواہ کسب کمال ہو یا فرائض منطقی ادا کرنے۔ یا تجارت و صنعت و حرفت میں ترقی۔ یا حصول دولت غرض کوئی کام پوری طاقت اور محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ فرما انسان کو عقل و دانش

اپنی ذات پر
بہرہ

ہمت مشکلیں
حل کرتی ہے

طور پر کام میں لانے کی عادت ہونی چاہیے من طلب شیا وجد
اگر ہر انجام امور میں درستی کی ضرورت ہے تو تمام سعی موجودہ مشکل کے دور کرنے
صرف کرنی چاہیے نہ یہ کہ مشکلوں کے حل کرنے سے جی چھوڑ دیں یا جلدی سے اپنے ارادہ
کو تبدیل کر دیں۔ دنیا میں بڑے بڑے کام۔ بڑی بڑی فتوحات بڑی بڑی دریافتیں
اعلیٰ اعلیٰ ایجادیں مشکلیں سے کرہوتی ہیں مگر ہر نئی مشکل ایک نئی معلومات اور مسرت کا
منبع ہوتی ہے۔ مشکلیں حصول مراد میں سد راہ نہیں بلکہ مدد ہوتی ہیں کیونکہ شوق کی آگ
بہرکتی ہے اور دماغ میں زیر کی اور حل مشکلات کی قابلیت پیدا ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ ان مشکلات نے محنت اور برداشت کی غیر معمولی قوت پیدا کر دی اور ذکاوت و ذہانت
کے دروازے کھول دئے لوگوں نے دولت اور ذاتی قوت کے اندازہ کرنے میں غلطی کی
ہے۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ دولت کو بکار آمد جانتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دنیا میں دولت
ایک حد تک بکار آمد ہے لیکن نہ اتنی جس قدر کہ خود اعتمادی اور ذاتی قابلیت۔ یہ لیے
جوہر میں کہ انسان کو دنیا میں عزت اور ناموری حاصل کرنا سکھاتے ہیں۔ دنیا میں جتنے ایسے
لائق و قابل آدمی گزرے ہیں جنکی پیش بہا تصانیف اور اعلیٰ خیالات سے ہم اپنے دل و
دماغ آراستہ کرتے ہیں یا جن کی پیش قیمت ایجاد اور نادار صنایع ان دنیا کی تہذیب و شائستگی
اور او سکی ترقی کی نشانیاں ہیں دولت مند آدمی نہ تھے بلکہ انہوں نے اپنی محنت و جانفشانی
اور اپنے ذاتی جوہر و ن سے یہ نام روشن کیا اور وہ کام کیے کہ آج ایک عالم ادن کے کمال
کا مدارج اور نمونہ ہے۔ دولت انسان کو تن آسانی آرام طلبی سکھاتی اور عیش کا بندہ بناتی
ہے اور وہ اتنا کمزور ہو جاتا ہے کہ کسی وقت بھی مشکل کے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں
رہتا اور اس کے دل کا وہ جوش جو انسان کو بلندی اور عروج کی طرف او بہا رہا ہے سرد
ہو جاتا ہے۔ دولت مند کی حالت میں بھی جو لوگ الو العز می کے کام کرتے ہیں ادن میں مبتلا
وہمت پیش بینی دور اندیشی کے جوہر موجود ہوئے ہیں۔

خود اعتمادی
انسان کو محتاط
کرتی ہے

خود داری اور خود اعتمادی ایسے اوصاف ہیں کہ انسان کو مقروض ہونے سے روکتے
ہے جس نے طلب کیا کسی شے کو اور ادب کر کے شے کے اندر سے نکلے

ہیں کیونکہ اس کا دل نہیں ماننا کہ کسی کا ممنون ہو اور اوروں کی دولت سے فائدہ اٹھانے
 بلکہ ہمت کا شہباز اپنے ہی پروبال کو دیکھتا رہتا ہے اس سے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ لالچ کو
 دل میں جگہ دے اور بغیر استحقاق کسی چیز پر اپنا قبضہ کرے یا کسی کی حق تلفی روار کرے۔ وہ
 سفارش سے نہیں بلکہ لیاقت سے اپنا کام نکالنا چاہتا ہے اس کی غیرت نہیں گوارا کرتی
 کہ اور تو اور اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں پر بھی بہرہ ور نہ کرے اور سچ یہ ہے کہ وہ بہرہ
 کے قابل ہوتے ہی نہیں کہیں امید نہ رکھنی چاہیے کہ کوئی دوسرا شخص خواہ کیسا ہی قربانی
 ہو کچھ کر گیا ہو لیکن کا قول ہے کہ خود داری و خود اعتمادی اپنے چشمہ سے پانی مینا انہ و ترغوا
 سی کہانا اور معاش کی واسطے خود محنت کرنا سبھاتی ہو **حَبْرُكَ عَلَى الْاَكْتِسَابِ خَيْرٌ مِنْ حَبْرِكَ اِلَى الْاَكْتِسَابِ**
 انسان کی عادتوں پر ہزاروں طرح کے اثر اور پرتو پڑتے ہیں مختلف مثالیں اور مسائل۔
 لوگوں کے حالات اور سوانح عمری۔ کچھ دیکھی اور سنی باتیں۔ علم ادب و کتب۔ احباب کے
 جلسہ پڑوسیوں کے چال و چلن۔ دنیا کے تمام کاروبار اور اشیاء مختلف منظر۔ خود ابا و اجداد کی
 طبیعت اور تعلیم کا ورثہ۔ باتیں عادات پر نا معلوم اثر ڈال کر ایک ہیئت پیدا کرتی ہیں لیکن
 اگرچہ یہ امور نہایت موثر اور قوی ہوتے ہیں مگر اس میں بھی شبہ نہیں ہے کہ انسان اپنے پہلے
 کاموں اور بہبودی کا خود ہی کارکن ہے اور اگرچہ اور لوگوں کی چیز خواہی کسی قدر کیوں نہ ہو مگر صرف
 اپنی مدد ہی کیے بن آتی ہے۔

بلند ہستی

اپنے ہاتھ پاؤں۔ اپنے وسائل۔ اپنا رویہ۔ اپنی تدبیر پر بہرہ ور نہ کرنا اور متوکل علی اللہ
 مشکلات کا مقابلہ کرنا ہی طاقت۔ ہمت اور زندگی ہے اور جہان ہمت ہی ہنود ہاں کیسی
 بے بسی اور بے یاری اور بے مددگاری اور ساری حرمان نصیبی اور مایوسی کے سامان
 جمع ہیں۔ عالی ہمت آدمی پانی کی رو کی طرح اپنا راستہ آپ تلاش کر لیتے ہیں اور نہ صرف
 خود منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں بلکہ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی پار لگا دیتے ہیں
 عالی ہمت لوگوں کا ہر ایک کام اپنی وقعت اپنی قوت۔ اپنی لیاقت اپنی لڑائی کی دلیل
 ہوتا ہے اور خواہ غلام لوگ ان کی دل عظمت عزت کرتے ہیں بلکہ خدا بھی ان کی عزت اور ان کی مدد کرتا ہے
 لے کتاب پر مبرک اس بات سے بھگوان ہرے کی اوروں کے پاس حاجت لے جائے۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق باشد بہت در ہمت تواعتبار تو
 جو مدد کہ دوسرے لوگوں سے ملے وہ بجای تقویت دینے کے دل کو کمزور کرتی ہے
 کیونکہ طبیعت دوسروں کا سہارا نہ ہونڈ ہتی اور غیروں کی معاونت کی ایسی عادی ہو جاتی
 ہے کہ خود کو کوئی کام نہیں کر سکتی خود اعتمادی کی قوت جب قوم کے بہت سے افراد میں ہو جائے
 تو قومی ترقی اور قومی بہبودی کا سبب ہوتی ہے اور جو قومین کہ دوسروں کی معاونت کی
 محتاج ہیں وہ ہمیشہ رعایا بن کر رہتی ہیں اور رعایا بھی نہایت کمزور نہایت زلیل اور تنہا
 بے وقعت۔ رفتہ رفتہ اون میں سے یہ قوت ہی سلب ہو جاتی ہے کہ وہ خود کو کوئی کام کر سکیں
 بلکہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں گورنمنٹ کی دستگیری اور اعانت کی محتاج رہتی ہیں یہاں تک کہ
 وہ خود اپنے بچوں کو تعلیم ہی نہیں دے سکتیں جو شخص اندام ہند کسی شخص یا کسی
 قوم کی مدد کرنے پر تیار ہوتے ہیں وہ دراصل اون کو کمزور کرتے ہیں۔ خواہ ایک شخص ہو یا ایک
 قوم صرف اپنے دل اور اپنی ذات کی قوت پر بہرہ دہی ہی ترقی کرتا اور پاپہ بلند کرتا ہے۔
 خود اعتمادی میں قوت فیصلہ اور مستعدی کی بہت ضرورت ہے جن لوگوں میں ان
 دونوں اوصاف کی کمی ہوتی ہے وہ اپنی راہی۔ اپنے کام۔ اپنی قابلیت اور اپنے ذرائع پر
 بہرہ دہ نہیں کر سکتے ایسے لوگ کسی مہتمم یا شان کام کا ارادہ ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی
 ہیں تو اون کو یقین نہیں ہوتا کہ ہم اس کو پورا کر سکیں گے۔ یہ اکثر بڑی تربیت کا اثر ہوتا ہے
 کہ عموماً والدین اولاد کے کل کاموں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتے ہیں اور بچوں کو کسی معاملہ
 میں عقل یا مانتہ پاؤں کو کام میں لایا کا موقع نہیں ملتا۔ اس طرح یہ صفات اون میں پیدا ہی
 نہیں ہوتے اور دوسروں کے سہارے کام کر نیکی عادت ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ جب وہ دنیا
 کے میدان میں کام کرنے کو چھوڑ دے جاتے ہیں تو ایسے پرندے کی طرح ہوتے ہیں جو دست
 قفس میں بند ہو اور اوس کے پروبال شل ہو گئے ہوں۔

دوسروں کی
 معاونت کا
 برا اثر

خود اعتمادی
 کی تعلیم

نکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ لوگ بہت جلدی نتائج نکلنے کی امید کرتے ہیں اور
 اگر اس قدر جلدی کامیابی نہ ہو تو شکستہ خاطر ہو جاتے ہیں یہ قوت استقلال کی کمی کا نتیجہ ہے

یہ جھوٹ جاتا ہے لیکن نہیں وہ کچھ رکاوخت ہی کہ اگرچہ دیر میں پہل لائی لیکن بہت میٹھے اور مزیدار پہل لانا
 انسان کو اپنی زندگی کا ایک مدعا قرار دینا چاہئے اور جہاں تک اس کے اختیار میں
 ہو اس کو اعلیٰ اور برتر قرار دے اور تمام جائز وسائل اس کے حاصل کرنے کے استعمال کرے
 اعلیٰ مرتبہ کے حصول کی کوشش ہی انسان کو بالضرور کسی قدر اعلیٰ بنائی بغیر نہیں چھوڑتی اور
 اگر وہ اقصیٰ الغایات ترقی پر نہ پہنچے تو بھی اس سعی میں ایک خاص درجہ تک پہنچ جاتا ہے
 اور شاید اوس سے بہتر رہتا ہے جنہوں نے کسی بلند مقصد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھی
 جو لوگ ترقی کی سعی نہیں کرتے وہ اس حالت پر قائم نہیں رہ سکتے جس پر وہ ہیں بلکہ اس سے
 گریز میں گئے ایک حالت پر قائم رہنے کے لئے بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا نہیں بلکہ
 ترقی کی کوشش کرنی چاہئے اگر ایک تہہ ہو امین ایسا لاجائے تو یا تو وہ بلندی کی طرف جاگے
 یا زمین کی طرف گر جائے ناممکن بات ہے کہ بغیر زمین پر گری وہ کہیں قائم رہ سکے۔ دنیا میں یہی
 حال افراد انسانی بلکہ اقوام کا ہے جو لوگ اپنی کسی حالت پر قانع ہیں یا جن کو کمالی اور
 افسردہ دلی یا ناامیدی یا کسی سبب سے زیادہ ترقی کا خیال نہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ اوس کی
 موجودہ حالت قائم رہے گی بلکہ روز بروز اس قدر انحطاط ہوتا جائیگا کہ ایک روز وہ خاک میں
 مل جائیں گے۔ موجودہ حالت کو سنبھالنے کے لئے بھی ہمت اور کوشش کی ضرورت
 ہے۔ گاڑی کو آگے ڈھکیلو وہ ضرور بڑھے گی اور اگر نہ بڑھے گی تو پیچھے توڑے گی۔ ہماری
 قوم میں ایسے کم ہمت اور مردہ دل لوگ موجود ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اب ہم کچھ کر رہے
 نہیں سکتے اور اگر کوئی قومی یا علمی خدمت کرنے کا ہوا جائے تو اس پر سنتے اور اس کی
 کوششوں کو فضول و بیکار بتاتے ہیں قوم میں ان لوگوں کا وجود درخت کے کیڑوں کی
 مانند ہے۔ جو درخت کو کھاتی اور پہلوں کو خراب کرتے ہیں۔ یہ خود تو کام کرنا اور شریک ہونا
 جانتے ہی نہیں بلکہ کام کرنے والوں کی ہمت کو بھی توڑنا چاہتے ہیں اور اگر ایسی جماعت
 کی کثرت سے کوئی مفید تجویز پیش آئے یا قوم کو کوئی نقصان پہنچے تو یہ لوگ اس کو اپنی
 دور اندیشی اور اصابت رانی پر محمول کرتے ہیں۔ یہ خیالات ایسے کم فہم لوگوں کے
 زیادہ ہوتے ہیں جن میں کسی کام کا قابلیت نہیں رہتی بلکہ ان کا ذہن غلط ہے۔

کہتی تھی
 ستر لکھا ہے

ہیں۔ یادہ خود غرض اور مردہ دل اشخاص جن کو قوم کی حالت کی خبر ہی نہیں۔ اور وہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ قوم کی ترقی یا تنزل کیا چیز ہے اور افراد انسانی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ اور چونکہ بعض اتفاقات سے خود اون کی حالت (اگرچہ پلچاظ سامان ظاہر ہو) دوسروں کی نسبت کسی قدر بہتر ہوتی ہے قوم کے درد کا احساس اُنہیں نہیں ہوتا۔ لیکن نتائج سے یہ لوگ محفوظ نہیں رہ سکتے۔ زمانہ کی چکی چھوٹے بڑے سب کو یکساں پیستی ہے اور جب قومی ترقی کے چشمے بند ہو جاتے ہیں تو سارے کے سارے تشنہ لب رہ جاتے ہیں۔ وہ ذلت و خواری کے قعر میں گر پڑتے ہیں اور نکبت و جہالت کی تاریکی ایسا گھیر لیتی ہے کہ پھر یہ لوگ اپنی حالت کو کبھی نہیں دیکھ اور سمجھ سکتے۔

۸۔ محنت

بس گل شگفته می شود این بلوغ را و لے کس بے جفا و خاریخ است از و گلے

انسان زمین پر رہتا ہے اور صانع قدرت نے انسان کے آرام و آسائش کی
کل چیزیں اسی زمین پر پیدا کی ہیں۔ مگر ایسی چیزیں بہت کم ہیں اور فی الحقیقت نہیں
ہیں کہ بغیر محنت کے یا ہاتھ پاؤں ہلائے بقدر کافی حاصل ہوتی ہوں یا قابل استعمال
ہوں۔ قدرت نے اپنے انعامات کی اجرت محنت مقرر کی ہے جو شخص جہد محنت کرے
اتنا ہی انعام پائے۔ بڑے بڑے آدمی جن کے نام آج شہرت کے آسمان کے ستارے
ہیں یوں ہی اس معراج کمال تک نہیں پہنچے بلکہ یہ کمال و لیاقت۔ عزت و شہرت
نہایت عجز و ذلت اور سعی سے حاصل ہوئی ہے ممکن ہے کہ کوئی شخص نہایت ذہین
اور تیز فہم ہو مگر کمال بغیر محنت حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ صرف زیر کی اور ذکاوت
سے بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور محنت تھوڑی ذکاوت و ذہانت سے
آخر میں بہت کچھ حاصل کر لیتی ہے ہر شریف نوجوان کے لئے تنہا اور سعی و محنت
و مشقت اور وقت کو مناسب طور پر کام میں لانا فرض ہے۔ اوائل عمر میں دل میں شوق
طبیعت میں ولولہ اور خالق میں ایمان ہو جائے تو انسان کی زندگی بھر کی کامیابی

محنت انعامات
قدرت کی اجرت
ہے

ہوتا ہے دنیا کے بکھیرے بھی کم ہوتے ہیں اُمیدیں اور جوش و خروش بہت
 کے بازوؤں میں پرواز کی قوت پیدا کرتے ہیں اور سبقت یا اعلیٰ درجہ کے لوگوں سے
 ہمسری کا شوق محنت پر مائل کرتا ہے اگر اس میلان کو فوراً کام میں لایا جائے اور
 سچے دل سے محنت کی جائے تو بام مراد تک پہنچنا کچھ بات نہیں ہے۔ دو خیرین
 دولت اور محنت سرانجام امور دنیا میں مدد دیتی ہیں مگر لوگ دونوں کی حقیقت سے
 پورے پورے واقف نہیں۔ دولت پر ضرورت اور حقیقت سے زیادہ اعتماد کرتے
 ہیں اور محنت پر کم۔

محنت کی ضرورت
 صرف غریبوں پر
 محدود نہیں ہے

محنت صرف غریب آدمی ہی کے لئے ضروری نہیں ہے بلکہ جو لوگ دولت
 دنیا سے متمتع ہیں وہ بھی اگر صحت لیاقت اور نام آوری کے مزے اٹھانے
 چاہتے ہیں یا دنیا میں نام و نمود پیدا کرنا چاہتے ہیں تو محنت کریں اور اپنا اُچھا
 فائدہ پہنچائیں۔ شریف طبیعت اور نیک طبیعت اشخاص خواہ کیسے ہی فارغ البال
 کیونکہ نہ ہوں اور نہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ صرف بیکاری یا لُذائذ دنیوی کا حظ
 اٹھانے ہی میں اپنا وقت صرف کریں اور دنیا کو اپنے وجود سے کوئی فائدہ
 نہ پہنچائیں۔ ہاں کمینہ طبیعت لوگ ایسے باتوں پر قانع ہوں تو ہوں۔ کیونکہ
 اگر ظاہری و باطنی قوا کام میں نہ لائے جائیں تو اون کی قوت زائل
 ہو جاتی ہے۔ اَلْفَرَاعِ مِنْ شَانِ الْاَمْوَآتِ وَالْاَسْتِخَالِ مِنْ
 شَانِ الْاَحْيَاءِ۔

کافی

کام خواہ کیسا ہی محنت کا اور کیسا ہی سخت کیونکہ نہ ہو سرت بخش اور
 ترقی کا مد ہوتا ہے۔ جسمانی محنت بدن کو صحیح اور تندرست رکھتی ہے اور دماغی
 محنت دل کو تسکین بخشی تشویش و فکر دور کرتی ہے۔ معزز اور غریب آدمی کے
 واسطے محنت خواہ کسی قسم کی کیونکہ نہ ہو عیب نہیں۔ بلکہ باعث عزت ہے
 کیونکہ اور اپنے روح اور اپنے دل کو دوسروں کا دستگیر اور امداد کا غلام

نہیں بنایا۔ اور آزادی اور خودداری کی عزت قائم رکھی۔ جو لوگ چھوٹے چھوٹے
 درجون سے ترقی کر کے مدارج علیہ پر پہنچتے ہیں اون کو شرمندہ نہ ہونا چاہئے بلکہ فخر
 کرنا چاہئے۔ کہ اون کی ذاتی قابلیت اور استعدادی نے اون کو اعلیٰ رتبہ پر پہنچایا
 خواہ دولت ہو یا علم یا کسی طرح کی قابلیت و لیاقت محنت ہی سے حاصل ہوتی ہے
 انسان کے واسطے کاہلی شرم کی بات ہے نہ محنت کیونکہ کاہلی دل کو اس طرح کھاتی
 ہے جیسے لوہے کو زنگ۔ کاہلی عصمت اور صحت اور مسرت سب کی دشمن ہے
 اور تمام سرسبز امیدوں کو اس طرح بہا کر لیجاتی ہے جیسے سیلان آب نو دمیدہ پودوں کو
 کاہلی ہی نہیں ہے کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہے۔ بلکہ تمام بے نتیجہ اور حقیر
 مشاغل جو محض وقت گزارنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اسی میں داخل
 ہیں۔ کاہلی دل کے واسطے زہر اور خراب جذبات کا منبع اور مردانگی و دلیری کی دشمن
 ہے اور جوانی کی طاقتوں کو نزاکت و کمزوری سے بدل دیتی ہے۔ کاہل اور تندرست
 آدمی لالچ اور گناہ سے بہت کم بچ سکتا ہے۔ پس مصروفیت شیطان کو دور بھگانے کا
 بھی ایک آلہ ہے۔

کاہلی امراض نفسانی میں وبار کے مانند ہے اور بجائے خود ایک دوزخ ہے
 اگر کسی گڑھے میں پانی رُک جائے تو اس میں کیڑے اور کیچڑے بہ کثرت پیدا ہو جاتے
 ہیں اسی طرح ایک کاہل آدمی کے دل میں خراب اور زہریلے خیالات بھرے رہتے
 ہیں اور اس کی روح ناپاک ہو جاتی ہے۔ مرد ہو یا عورت جب تک وہ کاہل ہے
 جب تک سوائے ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے پان کھانے حق پینے۔ سگار اڑانے کے
 وہ کچھ نہیں کرتے تو خواہ وہ کسی حالت کسی رتبہ۔ کسی حیثیت کے کیوں نہ ہوں اور
 خواہ نعمت ہلے دنیا میں سے ساری چیزیں اون کو کیوں نہ حاصل ہوں اور
 خواہ دوسروں کی نظروں میں وہ تمام زمانہ سے زیادہ خوش قسمت کیوں نہ معلوم
 ہوتے ہوں اور تمام اسباب راحت جو دنیا میں کسی خوش قسمت سے خوش قسمت کو
 مل سکتے ہیں اور انسان کا دل جن کی خواہش کر سکتا ہے اون کے پاس کیوں

نہ جمع ہوں لیکن جب تک وہ کاہل ہیں اون کو خوشی حاصل نہ ہوگی اون کے جسم ہانگے
دل کو کبھی چین نصیب نہ ہوگا بلکہ ہمیشہ طبیعت کسلمند۔ دل مضطرب۔ اعضا تھکے ہوئے
معلوم ہونگے۔ یہ لوگ ہر وقت ناسازی مزاج اور بیماری کی شکایت کیا کرتے ہیں۔ اور
دنیا سے خفا معلوم ہوتے ہیں۔

مصروفیت سے نہ صرف چستی اور بشاشت آتی ہے بلکہ غم غلط ہوتا ہے۔ اور
پریشانی اور بُرے خیالات طبیعت کو آلودہ نہیں کرتے۔ کام کے بعد آرام زیادہ محسوس
ہوتا ہے۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کے واسطے بھی مصروفیت لازم ہے۔
عورتیں بھی اگر کاہل ہیں تو خواہ کسی حالت میں ہوں آرام اور دنیا کی لذتیں کتنی ہی
مہتا کیوں نہ ہوں جب تک سُست اور کاہل پڑی یا بیٹھی رہیں گی کبھی خوش اور
بشاشت نہ ہوں گی۔

جو لوگ محنت سے بھاگتے ہیں اور مشکل کا مقابلہ کرنے سے بچتے ہیں مشکلین
اون ہی پر اور زیادہ پڑتی ہیں۔ فطرت کا قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ صرف مشکلوں سے
بچنے یا آرام طلبی کی خاطر محنت سے کنارہ اختیار کرتے ہیں اون کو تکالیف سے نجات
نہیں دیتی اور کمزوری روز بروز بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ جن بڑے بڑے امور کو
ترک کر کے صرف معمولی باتوں پر اکتفا کیا تھا اب وہ معمولی باتیں بڑی اور عظیم
معلوم ہونے لگتی ہیں اور اون کا پورا کرنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے دل و دماغ
کی قوتیں جو پہلے عظیم الشان اور مفید امور پر صرف ہوتیں اب خیالی مشکلات اور
بے اثر و بے سود امور پر صرف ہوتی ہیں اور دل کو پیچ و تاب میں ڈالتی ہیں۔ مفید
امور پر محنت کرنے سے تو اوس کے اچھے اچھے پھل ملتے ہیں۔ صحت۔ عقل۔ علم۔
دولت۔ عزت۔ شہرت۔ لیاقت کو ترقی ہوتی ہے اور انسان کمال کے قریب
پہنچتا ہے۔ طبیعت کو خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے اور کاہلی کی سزایہ ہے
کہ کچھ نصیب نہیں ہوتا اور تسکین کے بدلے انقباض بڑھتا جاتا ہے۔

دنیا میں کام کرنا مضر نہیں ہے بلکہ اس قدر محنت کرنی کہ قوا اور صحت

محنت سے
بچنا صحیح ہے
زیادہ کرتا ہے

افراد میں
محنت اور جدل
محنت و جدل

اوس کی برداشت نہ کر سکیں مضر ہے۔ اعتدال سے محنت خواہ کیسی ہی سخت کیسی ہی مشکل کیون نہ ہو مفید صحت ہے تمام محنتیں جن میں امید شامل ہے صحت بخش ہیں اور جن کاموں کی تکمیل پر کوئی امید پوری ہوتی ہو اونہیں محنت کرنے سے جس قدر کامیابی ہوتی جائے اتنی ہی خوشی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور تکمیل کی مسرت کا تو کیا پوچھنا ہے۔

محنت کے پھل

محنت ہی انسان کو کمال تک پہنچا سکتی ہے۔ محنت ہر طرح کے علم و فضل میں یدِ طولیٰ بخشتی ہے۔ محنت قومیت شرافت و بزرگی کا الغام دیتی ہے۔ محنت اون جوہروں کو جو قدرت نے طبیعت میں ودیعت رکھے ہیں بڑھاتی اور ظاہر کرتی ہے۔ محنت ہی ان جوہروں کی کمی کو پورا کرتی۔ مشکلوں کو سہل کرتی ہے۔ صرف محنت ہی سے طبعی جودت اور فہم کا اظہار اور مناسب استعمال ہو سکتا ہے۔

باقاعدہ محنت

خواہ دماغی محنت ہو یا جسمانی اعتدال سے متواتر کرنی چاہئے تاکہ کمال صحت اور خوشی نصیب ہو مان اگر محنت اس قدر بڑھ جائیگی کہ ہاتھ پاؤں اور دماغ تھکتے تھکتے کام کے نہ رہیں تو کیا کرایا بھی برباد ہوگا۔ طلباء جو یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اکثر باوجود اس قدر محنت کے کہ صحت کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں ناکام رہتے ہیں اوس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ محنت نہیں کرتے۔ عموماً شروع سال بیکاری اور تساہل میں گزارتے ہیں اور آخر میں ایک دم سے ہفتوں کا کام دنوں بلکہ گھنٹوں میں نکالنا چاہتے ہیں یہ محنت مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔ مستقل مزاج اور پابند قاعدہ اشخاص ابتدا کے پہلے روز اسی قدر محنت کرتے ہیں جس قدر کہ آخری دن جبکہ نمائش اور امتحان کے میدان میں قدم رکھنا ہے۔ اگر طلب صادق اور مزاج پر قابو حاصل ہے طبیعت میں شروع ہی سے پابندی قاعدہ اور محنت کی عادت ڈالی گئی ہے تو دنیا میں کسی قسم کی ترقی اور حصول کے واسطے تھکانیوالی محنت کی ایک دن بھی ضرورت نہیں پڑتی۔

بے صبری کلام
خراب کرتی ہے

بعض اوقات تلون بے صبری اور اضطراب بھی کام خراب کرتا اور سعی سے
باز رکھتا ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر سعی میں خفیف کامیابی بھی حاصل ہوتی جاتی
ہے تو ضرور ایک دن مطلب برآئیگا۔ کیونکہ ذرا ذرا ملکر کامل ہو جاتا ہے اور کمال
ذرا سی چیز نہیں۔ دانہ دانہ شود انبار۔ قطرہ قطرہ شود دریا۔ بے صبری اور جلدی
سے نہ تو عمدہ کام ہوتا ہے نہ وہ کبھی تکمیل تک پہنچتا ہے۔ مستقل باقاعدہ محنت
اگرچہ آہستہ ہو عجلت سے بہتر ہے۔ یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ عجلت سے وقت کم صرف
ہوگا کیونکہ کسی کام کو بآہستگی کامل اور بہتر کرنا جلدی کرنے سے اچھا ہے کسی کام
میں طبیعت کو الجھانا اور دق ہونا اور بے صبری سے اُسے پورا کرنے کا شوق کرنا
کام کو خراب۔ طبیعت کو پریشان کرتا ہے اور اس میں صحت بھی خراب ہوتی ہے
اور اگر شباشت دل جمعی اور اطمینان و سکون سے کام لیا جائے اور مناسب طور سے
فکر کو کام میں لایا جائے تو بہت مناسب ہے۔ اور قوائد کو ایسا ہی قوت دیتا ہے
جیسا کہ صاف ہوا۔

باری سعی میں ناکامی بھی واقع ہوتی ہے مگر ناکامی پر دل چھوڑنا نہیں چاہئے
علاج یہ ہے کہ دوبارہ زیادہ محنت زیادہ استقلال سے پھر سعی کر جتنی کہ فتح حاصل کرلو
دست از طلب ندارم تا کار من برآید یا تن رسد بہ جانان یا جان ز تن برآید
محنت اگر بے قاعدہ اور حد سے زیادہ کی جائے تو وبال اور بار ہے اور اگر
جرم کی پاداش میں کی جائے یا لیجائے تو سزا ہے۔ لیکن باقاعدہ اور معتدل محنت
عزت اور خوشی کا سبب ہوتی ہے۔ اگر دنیا میں کوئی شخص محنت نہ کرتا تو تنذیب
اور شائستگی کے سامان میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ انسان سے جو عظیم الشان کام سرانجام
پاتے ہیں وہ سب اوس کی محنت کا نتیجہ ہوتے ہیں علم ادب۔ فنون لطیفہ۔ سائنس۔
میں جو چیز زیادہ اعلیٰ زیادہ عمدہ زیادہ بکار آمد۔ زیادہ دلفریب ہے وہ محنت کا
نتیجہ ہے محنت کوشش کو بار آور کرتی اور مصیبت سے نجات دیتی اور نام روشن
کرتی ہے۔

باقاعدہ محنت
کے فائدے

محنت مدح و تحسین اور بقا و نام کا سبب ہوتی ہے

جب محنت کا ذکر کیا جائے تو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ محنتی آدمی سے ایک مزدور مراد ہے کہ وہ صرف اپنے ہاتھ پاؤں کو کام میں لاتا ہے بلکہ جو شخص اپنے دماغ کو کام میں لاتا ہے وہ سب سے بڑا کام کرتا ہے۔ جو شخص ایک عمرہ تصویر بناتا ہے یا کوئی دلچسپ کتاب تصنیف کرتا ہے وہ بھی محنت کرتا ہے اگرچہ اوس کی محنت بنی نوع انسان کے لئے ایسی ضروری نہیں ہے جیسی کہ کسان یا چرواہے کی محنت ہے لیکن وہ بھی سوسائٹی کے لئے ایک دلی تفریح یا روحانی غذا کا سامان مہیا کرتا ہے دولت مند آدمیوں کو خواہ ایسے کاموں میں محنت کرنے کی ضرورت نہ ہو جس میں کہ غریب اور محتاج لوگ محنت کیا کرتے ہیں لیکن اون کے واسطے محنت کے اور مشاغل ہیں دنیا میں ہزاروں ایکڑ زمین اور لاکھوں اشرافیان اور جواہرات مل سکتے ہیں لیکن علم اور عقل کسی کا ورثہ نہیں اور یہ اپنی ہی محنت سے حاصل ہوتا ہے امیر آدمی تنخواہ دار نوکروں سے اپنے معمولی کام لے سکتا ہے لیکن یہ کسی کا کام نہیں ہے کہ اوس کے بدلے پہونچے اور غور کرے بلکہ دماغی کام اوسے خود کرنا چاہئے۔ اور دماغ کی اصلاح کے لئے محنت کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ کیونکہ محنت کی عادت خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت ہے جو اطمینان آرام اور آسائش بخشتی ہے۔

جو کام کہ دیانت داری سے کیا جائے اور جس کا نتیجہ خلاف اخلاق حسنہ نہ ہو معزز اور شریف ہے خواہ یہ کام ہاتھ سے لیا جائے یا دماغ سے اگر دل صاف ہے تو کسی کام کے کرنے میں ہاتھ میلے اور خراب ہو جائیگا مضائقہ نہیں کیونکہ دلون کی ناپاکی ہاتھون کی نجاست سے زیادہ مضرت رسان ہوتی ہے۔

۹۔ وقت کی قدر

وقت را غنیمت دان آن قدر کہ بتوانی حاصل از حیات اینجا یکدم است۔ نادانی

روپیہ تو روپیہ اگر ذرا سی چیز بھی جاتی رہتی ہے تو کیسا طبیعت کو ملال ہوتا ہے

وقت کو کام میں لانے کے قابل ہے

مگر وقت کہ روپیہ اور دولت سے بڑھ کر قیمتی ہے اور تمام دنیوی اور اخروی بہبودیوں
 کا سرمایہ ہے رات دن بیکار صرف ہوتا ہے اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اس کے
 تلف ہونے پر پشیمان ہوتے ہوں یا اسے پورا پورا کام میں لاتے ہوں سچ یہ ہے
 کہ وہ وقت کی قدر و قیمت ہی کو نہیں جانتے۔ دنیا میں ہر ایک نقصان کی تلافی
 ہو سکتی ہے لیکن وقت کی تلافی ممکن نہیں اور جو لوگ وقت کو فضول گزار دیتے
 ہیں ایک نہ ایک دن ضرور خمیازہ بھگتتے ہیں۔ سب سے زیادہ غمگین اور حسرت آلود
 خیال ہی ہوا کرتا ہے کہ یہ کام ہو سکتا تھا مگر نہ کیا۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہر وقت
 کسی مفید اور بکار آمد طور پر صرف کیا جائے۔ وقت تو ایک نہ ایک طرح گزرتا ہے مگر
 مفید کام نہ کئے تو فضول مشاغل طبیعت میں دخل پیدا کر لیتے ہیں۔ ذرا سا کام بھی
 جو اپنی ذات یا دوسروں کو فائدہ یا خوشی پہنچائے۔ طبیعت کو فرحت و تسکین
 بخشتا اور دل میں بشاشت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ سنیکا کا قول ہے کہ ”ہم
 تنگی وقت کی شکایت تو بہت کرتے ہیں مگر صرف اس طرح کرتے ہیں گویا وہ ختم ہی
 نہ ہو گا یا اکثر ایسے کام کرتے ہیں کہ ہمیں کرنے ہی نہ چاہئے تھے یا کچھ بھی نہیں کرنے
 غرض کام کا کام نہیں“ اگر وقت کو کام میں لائیں اور مناسب امور مناسب
 اوقات پر کئے جائیں تو محنت کے پھل دن دو دن اور رات چو گئے ملتے ہیں
 جو شخص اپنے وقت کی قدر نہیں کرتا وہ اپنے ساتھ اون لوگوں کا وقت بھی
 برباد کرتا ہے جو کاروبار میں اس کے شریک ہوں اور کام کی بے قاعدگی سے
 جو نقصانات ہوتے ہیں اون کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ کاہلی کا میلان
 طبیعت پر جلدی قبضہ کر لیتا ہے اور اکثر بجائے اس کے کہ تفریح کام کے بعد
 اختیار کی جائے کام سے پہلے ڈھونڈھنے لگتے ہیں۔

کاروبار میں باقاعدہ ہونا اور عین وقت پر پورا کرنا ہی کامیابی کی ضروری
 شرط ہے۔ ہر ایک کام کے واسطے ایک وقت اور ہر ایک وقت کے لئے ایک کام
 ہے۔ اگر موجودہ کام کو ابھی روٹ نہ کر دے تو یہ وقت بیکار اور کٹھن ہو جائیگا

اور اسی طرح کاموں کا ایک انبار لگ جائیگا۔ اور چاروں طرف کثرت مشاغل کا
ایسا غلبہ ہوگا کہ دماغ پریشان ہونے لگیگا۔ اس لئے سب سے بہتر اصول یہ ہے
کہ جو کچھ آج ہو سکے وہ کل پرست رکھو کیونکہ اگر اس وقت کوئی وقت سرانجام کا
میں پیش آرہی ہے اور اس کام کو چھوڑ دینے کو دل چاہتا ہے تو آئندہ وہ وقت
خود بخود سہل نہ ہوگی۔ ہاں زیادہ پیچیدہ ہو جائیگی۔ ہوشمند لوگ موجودہ کام کو
موجودہ وقت میں مستعدی سے کرتے ہیں اور آئندہ وقت میں آئندہ کام
کے لئے تیار رہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کرتے کہ جلدی میں کاموں کو ادھورا اور
ناکمل چھوڑ دیں۔ اپنی طاقت اور وسائل کو خوب جانچ کر اطمینان اور سنجیدگی سے
تکمیل میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور شروع کرنے سے پہلے ہر ایک پہلو کو سوچ
سمجھ لیتے ہیں۔ مشکلین ان کا دل نہیں توڑتیں بلکہ اور مستعد کرتی ہیں کیونکہ
باقاعدہ اور بالترتیب کام کرنے کی لیاقت مشکلوں کو فتح کر لیتی ہے اور عمدہ
نائج پیدا کرتی ہے۔

کام کو آہستگی سے کرنا بہتر ہے۔ مگر نہ کاہلی کی آہستگی اچھی ہے نہ کام
خراب کرنے والی جلدی۔ ہاں سلیقہ اور چالاکی دونوں ہوں تو بہت عمدہ بات
ہے۔ اوّل کام میں کامل مہارت پیدا کرنی چاہئے۔ اور جب یہ حاصل ہو جا
تو جلدی کا ڈر نہیں بلکہ خود بخود کام ہاتھ سے جلدی نکلنے لگتا ہے۔ مہارت اور
سلیقہ کے معنی یہ ہیں کہ سرانجام امور عمدہ اور کامل اور جلدی بھی ہو

در مذہب طریقت خاچی نشان کفر است آرے طریق رندان خاموشی است وحشتی
جو لوگ وقت کی پوری پوری قدر کرتے ہیں وہ ہمیشہ مستعد رہتے اور
وقت کی نہایت پابندی کرتے ہیں۔ کیونکہ کاروبار میں خواہ کوئی پیش کیوں نہ ہو
ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہوتا ہے۔ اور ہر ساعت ایک خاص کام کرنا گویا اس
وقت کا فرض ادا کرنا ہے۔ اور اگر یہ عادت اختیار کر لی جائے تو مشکلین
سہل اور کام بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ ورنہ ایسے ایسے سجد گیار ہوتا ہیں

ہر وقت کیلئے
ایک کام ہے

کہ سلجھانا مشکل پڑتا ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ کسی فرض کا خیال ہو اور پابندی اوقات کا لحاظ نہ ہو۔ تضييع اوقات تو وہ بڑی بلا ہے کہ اس سے عمدہ عمدہ ارادے اور تدابیر بڑے بڑے مفید کام لوگوں کی جائداد و مال و دولت بلکہ جان قوموں کی عزت اور خوشیاں تک خاک میں مل جاتی ہیں اور صرف پابندی وقت نہ ہونے کے سبب ہمیشہ ناکامی اور حسرت اٹھانی پڑتی ہے۔

بے وقت
بے اعتبار

یہ ماننا کہ کوئی وقت فرصت اور فراغت کا بھی ہونا چاہئے کیونکہ انسان کو تفریح طبع کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی ایک خاص اور محدود وقت ہے اور وقت کو کام میں لانا ہی ایسا امر ہے کہ خاطر خواہ فرصت اور فراغت میسر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اگرنا مکمل کام ہر وقت موجود رہیں گے تو اطمینان کہاں بلکہ ہمیشہ جلدی گھبراہٹ اور مشکل ہی پڑی رہیگی۔ کسی کا قول ہے اور بالکل سچ ہے کہ با وقت با اعتبار اور بے وقت بے اعتبار ہے۔ جو شخص وقت کا پابند نہیں ہے کاروبار میں بھی ضرور بے قاعدہ اور سست ہوگا پھر بھلا ایسے شخص پر کون اعتبار کرے اور ضروری معاملات کیونکر اس پر چھوڑ دے جائیں۔ اس طرح ایسا شخص ایسا بے اعتبار ہو جاتا ہے کہ لوگ کام کو ملتوی کرنا پسند کریں مگر اس کے ہاتھوں کام کو خرابی میں ڈالنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ ایسے شخص کے ساتھ خود اون کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے جو اشخاص پابند وقت ہیں وہ نہ صرف یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اون کو اپنے وقت کا لحاظ ہے بلکہ دوسروں کو بھی اون کے وعدہ پر اعتماد ہوتا ہے اور وہ گویا اون کے اوقات کی بھی نگہداشت کرتا ہے۔

تضييع اوقات

تضييع اوقات دنیا میں سب سے بڑی فضول خرچی ہے۔ کیونکہ اس سے ایسی چیز ضائع ہوتی ہے جس کی پھر تلافی نہیں ہو سکتی۔ لوتھر کا قول ہے کہ انسان کا دل ایک چلتی ہوئی چکی کے مانند ہے کہ جب تک اس میں کوئی چیز پڑی رہے تو وہ اسے پیستی ہے اور اگر کچھ نہ ہو تو اپنے تئیں میس ڈالتی ہے

اگر انسان تضييع اوقات اور کاہلی اختیار کرے تو وہ خود اپنا شکار ہو جاتا ہے اور
اوس کا دل برباد ہو جاتا ہے۔

طالب علموں
کا وقت

طالب علم اور کاروباری آدمی کو کاہلی کی عادت سے سخت اجتناب کرنا
چاہئے بلکہ اگر فرصت کا وقت ملے تو اوس کو بجائے ظاہری آرائش کے باطنی
آرائش اور اصلاح میں صرف کرنا مناسب ہے سخت سے سخت محنت میں بھی
اگر باقاعدہ کام کیا جائے تو فرصت کا وقت ملتا رہتا ہے۔ اور اکثر معمولی کاروبار
میں تو بہت فرصت نکل سکتی ہے مگر اوس کو بھی بے سود نہ کھونا چاہئے۔ فرصت
کے وقت کو کام میں لانے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اوسے سیلف امپرووینٹ
میں صرف کریں۔ جو وقت کہ روزانہ فضول گپ شپ یا سستی میں بسر ہوتا ہے
اگر مطالعہ میں صرف کیا جائے تو تھوڑے دنوں میں کسی خاص سائنس کی عمدہ
لیاقت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور دراصل تعلیم وہی ہے جو بلا معلم حاصل ہوتی ہے
مدارس میں کورس کی تعلیم صرف ابتدائی ہوتی ہے اور اس سے زیادہ فائدہ نہیں
ہو پچاتی کہ سیلف ایجوکیشن کا مادہ پیدا کر دے مہذب اور وحشی آدمیوں
میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ وہ اپنے وقت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور روز
بروز اعلیٰ حالت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ ہزاروں برس سے جیسے تھے
ویسے ہی ہیں۔ عقلمند آدمی کے لئے۔ وقت دولت۔ عزت۔ ثروت۔ قوت
سرت سب کچھ ہے اور جو لوگ اوقات ضائع کرتے ہیں ضرور ایک نہ ایک دن
اپنے کئے پر پچھتاوے میں گے اور اوس وقت قدر معلوم ہوگی۔

کام کرنے کا سب سے عمدہ اصول یہ ہے کہ جو کام آج ہو سکے وہ کل پر
نہ چھوڑا جائے ورنہ جو دقتیں کہ آج پیش آرہی ہیں۔ توقف کرنے سے اور
نیا دہ ہونگی۔ مستعد آدمی آج کا کام آج انجام دیتے ہیں اور کل کے لئے کاموں
کے واسطے تیار ہو بیٹھتے ہیں۔ تاکہ حیات مستعار کی چند روزہ مدت میں وہ
اپنے کئے پر پچھتاوے میں نہ گریں۔

ساتی ہے اک تبسم گل فرصت بہار ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھرن

باب ہفتم نفس غضبی کی تہذیب

۱۔ حلم

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصَّرْعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ
نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ۔

حلم کہنے کو تو چھوٹا سا لفظ ہے لیکن جیسا کہنے میں آسان ہے ویسا ہی عمل کرنے میں مشکل ہے کیونکہ جس وقت حلم کی ضرورت درپیش ہوتی ہے اس وقت انسان کی عقل غصہ کے مارے قابو میں نہیں ہوتی اور جب عقل ہی درست نہ ہوگی تو انسان کسی امر کے نفع یا نقصان کو کیا سوچے گا اور جب آتش غضب سے دل و دماغ ہی ٹھکانے نہ ہوں تو حلم کی طرف راہ نمائی کون کرے؟ دنیا میں کوئی کام اتنا مشکل نہیں ہے جیسا کہ اپنے تئیں روکنا۔ بد لگام گھوڑے کو لیجانا۔ مست ہاتھی کو قابو میں کرنا۔ بلکہ ملک کے فتنہ و فساد کو فرو کرنا آسان ہے لیکن غصہ کی آگ کو فرو کرنا اور اشتعال طبع کے وقت غصہ پی جانا بہت زیادہ مشکل ہے لیکن حصول سعادت کا شوق اور ریاضت ایسی چیز ہے کہ وہ اس دیو کو بھی قابو میں کر لیتی ہے۔ اور جو شخص غصہ جیسی سرکش اور نافرمان بھوت کو قابو میں کرے وہ سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ شجاع ہے اور جس شخص کی عقل ایسے موقع پر بجا رہے وہ سب سے زیادہ عقیل ہے۔

انسان کو جو قوا، قدرت عطا ہوئے ہیں ان میں ایک قوت غضبی ہے اور جب انسان کو کسی نفع کے حاصل کرنے سے روکا جائے یا کوئی نقصان یا مسرت اس کو

قوت غضبی کی
خاصیت

پہونچتی ہو تو نفع مطلوبہ حاصل کرنے یا اوس مضرت و نقصان کو دور کرنے کے لئے یہ قوت جوش میں آتی ہے۔ اس کا جوش کوہ آتش فشان کا سا جوش ہوتا ہے کہ دہکتے انگارے نکلتے ہیں اور جہان جہان تک اون کا اثر پہونچتا ہے جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہیں۔ قوت غضبی کی خاصیت یہ ہے کہ نقصان پہونچنے سے پہلے اسباب نقصان یا مضرت کو دفع کرنا چاہتی ہے مثلاً اگر کوئی سانپ دکھائی دے تو اوس کے کاٹنے سے پہلے انسان اوس کو مار ڈالتا ہے۔ اور اگر کوئی نقصان یا مضرت پہونچ جائے تو انتقام لینے سے دل میں ٹھنڈک پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات انتقام لینے کی خواہش اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ انسان اس کے پیچھے اپنے دوسرے دینی و دنیوی نقصان کر بیٹھتا ہے۔

قوت غضبی
کی ضرورت

اگر قوت غضبی مفقود ہو جائے تو انسان اور اوس کی ترقی دنیا میں سے بہت کچھ مٹ جائے دوسرے حیوانات او سے کھا جائیں۔ طبیعت میں امنگ خواہش۔ اور جوش نہ رہے اور انسان ایسا ماتھ پر ماتھ رکھ کر بیٹھے کہ تمدن و تہذیب کے آثار مٹ جائیں اس لئے عقلمند آدمی غضب کو بالکل مٹانا نہیں چاہتے بلکہ اوس کو حد اعتدال پر رکھنا چاہتے ہیں اور اس فضیلت کا نام ”علم“ ہے

بے غیرتی

غضب جب حد اعتدال سے کم ہو تو انسان بے غیرت ہو جاتا ہے اوسکو تنگ و ناموس تک کا پاس نہیں رہتا۔ وہ اپنی حالت کو سنوارنا اور اپنے درجہ کو ترقی دینا نہیں چاہتا بلکہ دناؤ پر راضی و قانع ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو بے غیرت یا بے حمیت کہتے ہیں۔ اور یہ صفت دنیا میں بہت مذموم ہے اسکی انتہا یہ ہے کہ انسان کمینہ لوگوں سے ذلت اٹھاتا ہے اور ہمیشہ خوار اور رسوا رہتا ہے نہ اوس کو اپنے حسب و نسب کا خیال ہوتا ہے نہ اپنے گھر کی عورتوں کی بے غیرتی کی پرواہ ہوتی ہے۔ کوئی بُری بات او سے ناگوار نہیں معلوم ہوتی اور وہ دیکھتا اور سکوت کر جاتا ہے۔ یہ تمام علامتیں ضعف غضب کی ہیں اور علم میں داخل نہیں اگر یہ حالت ہو تو انسان کو اپنے نفس کا علاج کرنا چاہئے

اور غیرت و حمیت کو قوت دینی لازم ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ
”جس شخص کو غصہ کی بات پر غصہ نہ آوے وہ گدھا ہے اور جو منانے سے نہ مینے
وہ شیطان ہے۔“

اسی طرح غضب حد اعتدال سے زیادہ ہونا خرابی۔ رسوائی۔ بربادی۔ پشیمانی
کا باعث ہوتا ہے۔ اور انسان اکثر شدت غضب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ انسان
میں شدت غضب کی خاصیت کئی سبب سے ہوتی ہے :-

۱۔ انسان فطرتاً مغلوب الغضب اور زود رنج۔ سریع الانتقام ہو جیسے کہ بارو
کہ ذرا آگ دکھائی اور بھک سے اڑی۔

۲۔ ایسے لوگوں کی صحبت کا اثر جو نازک مزاجی پر فخر کرتے ہوں اور بات بات
پر غصہ کرنے کو شجاعت و جو المزدی جانتے ہوں۔ اس بری صحبت کے اثر سے
انسان کے دل میں یہ یقین راسخ ہو جاتا ہے کہ غصہ داخل شجاعت ہے اور وہ
اوس پر فخر کرتا ہے بے عقل اور کمزور طبیعت آدمی اس مرض میں زیادہ مبتلا
ہوتے ہیں مثلاً بچے بہ نسبت بڑے آدمیوں کے عورتیں بہ نسبت مردوں کے
جہلاً بہ نسبت فضلاء کے جلدی غصہ میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۳۔ اس کے علاوہ تکبر۔ عجب۔ مزاح۔ ضد۔ فریب۔ حرص۔ حصول
مال و جاہ وغیرہ بھی غضب کو ترقی دیتے ہیں۔

جس وقت انسان کو غصہ آتا ہے اوس وقت اوس کی عجب طرح کی حالت
بن جاتی ہے۔ رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔ افعال غیر منتظم اور
بے ترتیب صادر ہوتے ہیں زبان لڑکھڑا جاتی ہے۔ اور کچھ کا کچھ کہنے لگتا ہے۔
آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ اور منہ میں جھاگ آ جاتے ہیں۔ ایسے فحش کلام
کہتے لگتا ہے کہ اگر غصہ اترنے کے بعد خود دہرائے تو اسے شرم آئے بڑوں کا
ادب اور حجو ٹون کا لحاظ نہیں رہتا۔ مار پیٹ۔ قتل و غارت شروع کر دیتا ہے
اور کسی پر سر نہ چلے تو خود اسے کھڑے کھڑے لڑا کر مار دیتا ہے۔

شدت غضب
کے اسباب

حالت غضب

ماتا ہے اپنا منہ پٹتا ہے۔ نادان بچوں اور بے زبان جانوروں کو مارتا ہے
 حیوانات کو گالیاں دیتا ہے غرض خاصہ مجنون ہو جاتا ہے اور یہ ساری کیفیتیں
 اس سبب سے پیدا ہوتی ہیں کہ انسان کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں۔ اور وہ غصہ
 کی آگ میں جل رہا ہے۔

قوت غضبی کے
 لحاظ سے انسان
 کے طبائع میں
 اختلاف

قوت غضبی کے لحاظ سے انسان کے طبائع چار قسم کے واقع ہوئے ہیں۔
 ۱۔ بعض تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو دیر میں غصہ آتا ہے اور جلدی اُتر جاتا ہے۔
 ۲۔ بعضوں کو غصہ تو جلدی آتا ہے لیکن پانی کی لہر کی طرح ادھر ظاہر ہوا ادھر غائب
 ۳۔ لیکن بعض ایسے بد طبیعت ہوتے ہیں کہ جلدی غصہ ہوتے ہیں اور ان کا
 دل کسی طرح صاف ہی نہیں ہوتا۔

ان میں پہلے سب سے بہتر دوم متوسط اور سوم سب سے بُرے ہیں۔
 ۴۔ چوتھی قسم اور ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ دیر میں غصہ ہوتے ہیں لیکن ٹھنڈے
 بھی دیر میں ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل میں بہت عرصہ تک کینہ رہتا ہے۔

کرن حالتوں میں
 غصہ جائز یا
 ناجائز ہے۔

یہ انسان کی خلقت اور طبیعت میں داخل ہے کہ اسے بعض چیزیں مرغوب
 اور بعض ناپسند ہوں۔ مرغوب اشیاء سے انسان کو محبت ہوتی ہے اور اس کے
 چھین جانے یا حاصل نہ ہونے سے اس کو غصہ آتا ہے۔ انسان کو جن اشیاء کے
 ساتھ محبت ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ اوّل تو وہ جو سب کے لئے ضروری
 ہوں مثلاً غذا۔ لباس۔ مکان وغیرہ۔ دوم وہ جو کسی کے لئے بھی ضروری ہوں
 مثلاً انسان کی واقعی ضرورت سے زیادہ سامان۔ جاہ و جلال۔ خدم و حشم۔
 سوم وہ اشیاء جو بعض کے لئے ضروری اور بعض کے لئے غیر ضروری ہوں مثلاً
 کتاب عالم کے لئے ضروری اور جاہل آدمی کے نزدیک بیکار ہے۔ ایک پیشہ ور
 کے آلات دوسرے کے لئے بیکار اور غیر ضروری ہیں۔ ان اشیاء میں سے پہلی قسم
 کی چیزوں کے فقدان یا عدم تیسرے پر اگر انسان کی حق تلفی ہوئی ہو تو غصہ آنا بجا
 ہے۔ لیکن اگر حق تلفی نہیں ہوئے تو خواہ کتنا ہی محتاج ہو غصہ آنے کی کوئی وجہ

ہنہیں۔ دوسری قسم کی اشیاء کے فقدان پر اگر حرص دامگیر نہ ہو تو انسان کو غصہ نہ آئیگا۔ کیونکہ بیکار یا زائد از ضرورت چیز کا رہنا یا جانا دونوں برابر ہیں۔ لیکن تمدن اور معاشرت کے اصول کے مطابق جو اشیاء کہ انسان نے جائز وسائل سے حاصل کی ہیں اگرچہ یہ افراط ہوں اوس کی ملک ہیں۔ وہ مستحق ہے کہ اون سے تمتع حاصل کرے اور اون کو قبضہ میں رکھے۔ اسی طرح تیسری قسم کی اشیاء جس شخص کی جائز ملک ہیں اگر اوس کے پاس سے کوئی لینا یا غصب کرنا چاہے تو قوت غضبی کا ہیجان بجا ہے۔ لیکن اگر وہ اشیاء کسی ایسے شخص کی جائز ملک ہوں جو اون سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اوس شخص کو جو اون سے فائدہ اٹھانا جانتا ہے خفا ہونے اور چھین لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

جن حالتوں میں قوت غضبی کا ہیجان جائز ہے۔ اون میں بھی غضب کو عقل کا مطیع رکھنا چاہئے۔ اور غصہ میں اس قدر جوش نہ آئے کہ وہ حد سے بڑھ جائے اور اگر کبھی ایسا ہو کہ غصہ حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگے تو انسان میں اتنی طاقت ہو کہ اوس کو روک سکے اور اس میں انسان کو مشقت یا تکلیف نہ معلوم ہو۔ اس کیفیت کو ”حلم“ کہتے ہیں۔ یہ عادت ابتدا میں ریاضت اور مشق سے حاصل ہوتی ہے اور انسان کو اوّل اوّل غصہ پینے کے لئے خون کے سے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔ لیکن جب عادت پڑ جاتی ہے تو حلم کا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے۔ اور قوت غضبی مطیع اور فرمان بردار بن جاتی ہے۔

قوت غضبی کا جوش ایک تو ایسے موقعوں پر ہوتا ہے جن کا قوی یا ضعیف کوئی سبب ہو لیکن اس کی مثل ایک اور آگ بھی ہے جو بے سبب سُلگتی ہے اس کا نام ”حسد“ ہے۔ حسد یہ ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر جلے اور یہ چاہے کہ وہ نعمت اس کے پاس سے جاتی رہے خواہ اس سے حاسد کو کچھ بھی نفع نہ ہو۔ یہ آگ محسود کو نہیں بلکہ حاسد کو جلاتی ہے

کَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْخَطْبَ - حسد کے کبھی سبب میری - ۱ - دورے سے حد

۲۔ دوسرے کی عزت ناگوار ہونا۔ ۳۔ دوسرے کی حقارت۔ ۴۔ تعجب۔
 ۵۔ فقدان مقصد کا خوف۔ ۶۔ محبت جاہ و مرتبت۔ ۷۔ خباثت نفس۔
 حاسد اپنی بڑائی اس طرح نہیں چاہتا ہے کہ خود اس کی حالت ترقی کرے
 بلکہ اس طرح چاہتا ہے کہ محسود کی حالت گھٹ جائے اور اس سبب سے محسود
 سے عداوت رکھتا ہے۔ حاسد کے کینہ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے شخص کو
 کیون کوئی نعمت حاصل ہوئی۔ اس لئے وہ بے سبب محسود کی تخریب کے پیچھے
 پڑ جاتا ہے۔ اگر خود کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تو آفات ناگہانی اور تغیرات
 روزگار کا منتظر اور خواستگار رہتا ہے۔

تنگ دل اور تنگ ظرف اشخاص میں یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی
 کامیابی دیکھ کر جلتے ہیں اور اگر کسی شخص کو اپنے مفید اور بڑے ارادے میں
 ناکامی ہو تو اس سے اون کو ایک خوشی اور راحت کی سی کیفیت محسوس ہوتی
 ہے۔ اون کے دل میں حسد کی آگ ایسی مشتعل ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی
 اوالغزنی یا نیک ارادوں پر ہنستے اور کوششوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ یہ
 لوگ ایسا خیال کرتے ہیں گویا اگر کسی کو اپنے ارادہ میں کامیابی ہو تو خود ان کا
 نقصان ہوگا۔ اور کسی کی تعریف سن کر تو ان کے تنگ لگ جاتے ہیں خصوصاً
 جس صورت میں وہ ان کا حریف بھی ہو تو اشتعال طبع کا کیا پوچھنا ہے۔ شاید کسی
 شخص کے واقعی عیوب ان کی نظر میں قابل معافی ہوں مگر یہ گناہ کہ وہ ان سے
 ہر کام کرتا ہے قابل معافی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو نکتہ چینی کرنے میں بڑی
 خوشی حاصل ہوتی ہے خصوصاً بڑے آدمیوں کی عیب جوئی کرنا تو فخر سمجھتے ہیں
 اور بچائے اون کی اچھی مثالوں سے فائدہ اٹھانے کے اون کے ہنروں پر
 خاک ڈالنا چاہتے ہیں۔

جن اشخاص کے اغراض مشترک ہوں ان میں زیادہ حسد ہوتا ہے مثلاً
 دوسو کنون میں۔ حجاز ادبھاسو (۱۰۰) میں۔ ایک ہی شے کے سودا گروں میں جو

چهارم

قدرتی مصائب سے زیادہ لوگوں کی دلخراش مدارات یا توہین یا غلطی کا
سمارنا اور انتقام نہ لینا کام رکھتا ہے اور چونکہ اس میں طبیعت پر زیادہ جبر
کرنا پڑتا ہے لہذا زیادہ مستحسن اور بہادری کا فعل ہے۔ دنیا میں ایسا کونسا بشر
ہوگا جو غلطی نہ کرتا ہو یا کم و بیش کہیں نقص نہ رکھتا ہو۔

دوسروں سے انتقام لے جب خود بھی اوسى سزا کا مستوجب ہو یا ہو سکتا ہو
پس جو لوگ کینہ پرورى کرتے ہیں یا انتقام کے بہت خواہان ہیں وہ جس قدر
اپنے دشمن کو نقصان پہونچاتے ہیں اوسى قدر غضب کی آگ اون کو بھی جلاتی
ہے اور جو لوگ اپنى فراخ حوصلگى یا کشادہ دلى سے پروا نہيں کرتے اور عفو کر دیتے
ہیں وہ دشمنوں کو دوست بنا لیتے ہیں۔ اور اون کے محاسن اخلاق کا ایسا نقش
دشمنوں کے دل پر چماتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنى غلطى پر پختا رہتے ہیں۔

نست جادرسینہ بے صاف رنگ کینہ را گرد از آتش تہى سنگے کہ میناے شود
جو لوگ دوسروں کو معاف نہيں کرتے وہ اوس ہی پل کو توڑتے ہیں جس پر سے
اون کو خود بھی گزرنا ہے۔ کیونکہ عفو جرائم کی ضرورت سب ہی کو ہوتی ہے۔ انسان
اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور حقیقت شناس اور انصاف پسند آنکھ سے دیکھے
بات یہ ہے کہ انسان بعض اوقات ذرا سی بات پر بہت ہی برا فروختہ ہو جاتا ہے
اور شکایت کے دفتر کے دفتر دل میں بھر لیتا ہے۔ لیکن اگر ذرا انصاف سے اصلیت
پر نظر کی جائے یا اوس وقت شکایت کو ٹال کر دوسرے دن اوسى بات کو دیکھو تو
اپنا ہی دل بول اٹھتا ہے کہ یہ معاملہ خفیف اور قابل درگزر ہے۔ کبھی ایسا بھی
اتفاق ہوتا ہے کہ فی الحقیقت کوئی ناسزا امر کسی شخص سے سرزد ہوا۔ تو بجائے توہین
کرنے کے یہ کیا برا ہے کہ اوس کا ذکر بھی نہ کیا جائے۔ بدگو اور بد باطن اشخاص
اور لوگوں پر بہت نکتہ چینی کرتے ہیں اور مضحکہ اور اڑاتے ہیں بہت ساتھ دیتے
ہیں مگر یہ یاد رہے کہ کل اپنى بارى آنے والی ہے اور پھر من ضحاک ضحاک
بہتر طریقہ یہ ہے کہ غصہ اور طیش کے وقت ذرا تحمل سے کام لین اور انتقام
کو دوسرے وقت پر منحصر رکھیں لیس من عاد است الکبرام سرعۃ الانقیام
کیونکہ جب غصہ فرو ہو جاتا ہے تو اپنى غلط فہمی خود سوچنے لگتی ہے۔ اسی طرح
تقریر یا تقریر میں دل شکن الفاظ اور سخت کلامی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مبادا پھر

پھر پچھتا نا پڑے تو وہ الفاظ واپس نہیں آ سکتے۔ تلوار کے زخم بھر جانے میں پر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔ انسانیت یہ ہے کہ دشمنوں سے دوستانہ سلوک کیا جائے۔ غصیل اور کینہ پرور کو سنجیدگی سے۔ بخیل کو فیاضی سے جھوٹے کو صداقت سے تسخیر کرو۔ اور یہی حقیقی فتح ہے۔ مَنْ قَابَلَ السَّيِّئَةَ مِنْ عَدُوِّهِ بِالْحَسَنَةِ فَقَدْ اِنْتَقَمَ

صبر

مصیبت۔ تکلیف۔ توہین۔ ظلم۔ غرض ہر ناخوش گوار امر پر طبیعت پر قابو رکھنا اور اس رنج یا آزار کو بغیر اظہار شکایت۔ یا نارضا مندی بغیر عوض و انتقام برداشت کرنا صبر ہے۔ ہر شخص کو اپنی مدت حیات میں کچھ نہ کچھ مشکلین پیش آتی ہیں یا زمانہ تھوڑا بہت تلخ کامی کا فرا چکھتا ہے۔ نہیں بلکہ قدرت امتحان میں ڈالتی ہے۔ لیکن جو امر دمصاب میں صبر و استقلال سے کام لیتے ہیں۔ اور جب صبر و استقلال کا دامن مضبوط پکڑ لیا جاتا ہے تو وہ تکالیف کم اور آسان ہو جاتی ہیں۔

سختی دوران بھیس نرم روی میکشم سنگھارا انی آب ست میناے مرا ایسے موقعوں پر اگر بے صبری کی جائے اور زود رنجی اختیار کریں تو مصائب زیادہ خوفناک اور جان و مال معلوم ہونے لگتی ہے۔ صبر کرنا سخت محنت کرنے سے زیادہ مشکل ہے کیونکہ یہ جان پر ضبط کرنا ہے بلکہ جان کو برباد کرنا ہے جو وقت یا روپیہ یا محنت کے برباد کرنے سے زیادہ مشکل ہے۔

۲۔ انگسار

اکثر تڑپت یافتہ اور ناشائستہ اشخاص خود پسندی اور خود بینی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نظر میں اپنی خوبیاں بہت جچتی ہیں اور بعض اوقات تو وہ اپنے میں ایسے اوصاف تصور کر لیتے ہیں جن سے کو سون دور ہوں اور پھر خوبی یہ ہے کہ خواہ مخواہ سرافتخار بلند کرتے ہیں اور اور لوگوں پر اپنی بڑائی

نہ ہوتی

جاتے ہیں اکثر نوجوان آدمی جن کو زمانہ کی فضیلت سے آگئی نہیں ہوتی کچھ تھوڑی
 شد بد حاصل کر کے بہت غرور کرنے لگتے ہیں اور چلو بھر پانی میں گز بھرا چھل کر
 چلتے ہیں۔ مگر یہ غرور نہ صرف مورد طعن بناتا ہے بلکہ اکثر ترقی میں بھی سد راہ ہو جاتا
 ہے۔ کسی عقلمند آدمی کا قول ہے کہ اپنے تئیں سب سے بعد خیال کرو مگر خود بین
 شخص کی نظر اول اپنے ہی پر پڑتی ہے اور وہ بھی ایسے اوصاف پر جو درحقیقت
 اوس میں نہ ہوں۔ انکسار تمام خوبیوں کے حق میں وہ تاثیر رکھتا ہے جو پانی
 اشجار کے حق میں۔ انکسار نخوت کے خیال کو فوراً طبیعت میں سے نکال ڈالتا
 ہے۔ جن لوگوں کو خداوند عالم نے تمیز اور قابلیت دی ہے وہ کبھی سر غرور بلند
 نہیں کرتے۔ صداقت کے طالب ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتے ہیں یعنی جو اون کو
 حاصل کرنا ہے اوس کی فکر کرتے ہیں وہ مڑ کر نہیں دیکھتے کہ حاصل شدہ پر پھولیں۔
 علم کا سمندر بے پایان اور لا انتہا ہے کون اوس کی حد تک پہنچ سکتا ہے
 پھر اوس میں سے ایک قطرہ پیکر سمندر کو خالی کر دینے کا دعویٰ کرنا جہالت ہے۔
 سچ یہ ہے کہ جس قدر زیادہ علم حاصل ہو اوسی قدر اپنی لاعلمی اور ہچچہرائی معلوم ہوتی
 ہے۔ جو لوگ ایسے عہدوں کا یا ایسے کمالوں کا دعویٰ کرتے ہیں جن سے وہ بے نصیب
 ہیں۔ تو اون کی کس قدر ہنسی اڑتی ہوگی جب یہ قلعی کھل جائے کہ وہ صرف جھوٹ
 اور باتیں ہی باتیں تھیں۔ اس سے جہالت کا اعتراف بہت بہتر ہے کیونکہ اوروں
 کی نظروں میں حقارت نہیں ہوتی۔ اور ہمت اس کمی کے پورا کرنے پر نائل رہتی ہے
 جب کوئی شخص اپنی زیادہ تعریف کرتا ہے یا اپنا زیادہ ذکر کرتا ہے اور یہ جتنا
 ہے کہ اپنے خیال میں اوس نے اپنا رتبہ سب سے اعلیٰ سمجھ لکھا ہے تو ضرور اوس کا
 مضحکہ اڑتا ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اور لوگ تعریف بھی کریں یا کسی خوبی کی
 قدر افزائی فرمائیں تو شیخی کا اظہار نہ کیا جائے بلکہ اون کی تعریفوں پر انکسار کا
 اظہار کرنا چاہئے۔ عمدہ عمدہ خصلتیں انکسار ہی سے طبیعت میں پیدا ہوتی ہیں
 اور انکسار ہی رکھ کر وہ سے طبیعت میں قائم رہ سکتے ہیں۔ ورنہ غرور وہ آگ ہے کہ

عالم اپنی جہالت
 کو جانتا ہے

تمام حسن و خوبی پر پانی پھیر دیتا ہے۔ جن لوگوں کے پاس علم کا کھوڑا سا ذخیرہ ہے یا امتناع ہنر کم ہے وہ اکثر خود میں اور نمائش پسند ہوتے ہیں۔ لیکن علم و ہنر کے جوہری جن کے دل و دماغ فراست و دانش کے آبدار جواہرات سے آراستہ ہیں جانتے ہیں کہ علم کے بے پایاں سمندر میں حقیقت کے بے انتہا آبدار موتی ہیں جو ہاتھ نہیں لگے اور جو کچھ ہمارے پاس ہے یہ نسبتاً بہت کم ہے جو فخر و مباہات کے قابل تو کیا ذکر کرنے کے لائق بھی نہیں۔ اس طرح جون جون اون کا علم بڑھتا جاتا ہے وہ اس کی کمی کی حقیقت سے واقف ہوتے جاتے ہیں۔ اس لیے جب نوجوان طالب علم کتاب علم یا ہنر پر متوجہ ہوں تو اون کو اس طرف بھی نہایت توجہ کرنی چاہیے کہ اون کے دل میں غرور نہ پیدا ہو ورنہ وہ شاہراہ ترقی میں رجعت فتنہ فکری کریں گے۔

۳۔ اطاعت

سب سے زیادہ ضروری سبق جو طفولیت میں حاصل کرنا چاہئے ”اطاعت“ ہے اور اس کے یہ معنی ہیں کہ جب ہم سے زیادہ لائق اور قابل راے ہم کو راستہ بتائے تو ہم اپنی راے کو چھوڑ دیں۔ اور اس کی پیروی کریں۔ اطاعت کا یہ مادہ سوسائٹی میں متحدہ طور پر کام کرنے کی بنیاد ہے۔

اطاعت
کے معنی

عموماً جو قواعد مقرر کئے جاتے ہیں وہ عوام کی بھلائی اور ہیئودی کے لئے ہوتے ہیں اور اگرچہ کسی خاص شخص کی شرکت قواعد اور قانون بنانے میں نہ ہو الا مدنی حالت میں امن جب ہی رہیگا جب ہر شخص اپنے فرمان روا اپنے حاکم اپنے بڑے کا کہا ماننے آزادی صرف اس قدر جائز ہے جہاں تک کسی شخص کی ذاتیات سے تعلق ہے لیکن اگر تمدن میں آرام مطلوب ہے اور سوسائٹی میں سکون اور باقاعدگی درکار ہے تو کوئی شخص اون بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتا جو اس کو اتحاد اور وحدانیت کے رشتہ میں جکڑتی ہیں۔ اور جو شخص سوسائٹی میں زیادہ ممتاز ہے وہی زیادہ پابند اور مطیع ہے کیونکہ وفادارانہ اطاعت اس کے لئے نصف وظیفہ

توانین کی
اطاعت

بلکہ اوس کی محافظ بھی ہے حکومت کرنے کو دل تو سب کا چاہتا ہے مگر جو لوگ اطاعت کے خوگر نہیں ہوتے وہ عمدہ حاکم بھی نہیں بنتے۔ اور جو ٹھیک ٹھیک اطاعت کرنا جانتے ہیں وہ ٹھیک ٹھیک حکومت بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ غیر مطیع شخص یہ نہیں جانتا کہ حکومت کی حد کیا ہے۔

بزرگوں کی
اطاعت

اطاعت میں سب سے اوّل حق والدین اور قریبی رشتہ داروں کا ہے اور اسی سبب سے گھر اطاعت سکھانے کا پہلا مدرسہ ہے۔ والدین خواہ بلحاظ مرتبت اور خواہ بلحاظ عمر و تجربہ اولاد پر بزرگی رکھتے ہیں لہذا اولاد کو اون کی اطاعت لازم ہے اور والدین کا فرض ہے کہ صرف اون کو پرورش ہی نہ کریں بلکہ ملکہ اطاعت اولاد میں پیدا کریں۔ تاکہ وہ آئندہ سوسائٹی کے بکار آمد ممبر اور ملک و قوم کے لئے بہترین نعمت ہوں۔ اگر اولاد اپنی بزرگوں کا کمانہ مانے یا اون کی شکر گزار نہ ہو۔ اگر یہ نہ جانے کہ والدین کی اطاعت ہماری سعادت اور بہبودی کا باعث ہے تو اوس گھر میں خوشی اور امن و آسائش کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ نہ اون لوگوں سے آئندہ زندگی میں سوسائٹی کا عمدہ اور امن جو ممبر ہونے کی توقع ہو سکتی ہے جو شخص محبت اقرباء کے نرم رشتوں کا پابند نہ ہو اور اون کی موافقت نہ کرے تو حقوق تمدن کی سخت پابندیاں کب برداشت کر سکیگا۔ نہ وہ اچھا کارکن ہوگا نہ اچھا کارفرما۔ گھر کے بعد مدرسہ ادب اور اطاعت آموز ہوتا ہے۔ معلم وہ بزرگ ہیں کہ والدین نے اولاد کو اپنی تعلیم و تربیت سے نکال کر ان پر بھروسہ کیا ہے پس معلمون کا فرض اطاعت سکھانا اور شاگردوں کا کام اطاعت کرنا ہے۔ کیونکہ استاد جو کچھ کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف طلباء کی بہبودی اور بھلائی کے مقصد سے ہوتا ہے اور بغیر تربیت اور تنبیہ کے کوئی عمدہ عادت نہیں پیدا ہوتی۔ آج کل آزادی کا بہت چرچا ہے اور اس میں شک نہیں کہ انسان کے لئے آزادی بہت عمدہ چیز ہے لیکن جب ہی تک عمدہ ہے کہ آزادی کی حد تک رہے۔

اطاعت سوسائٹی
کے امن کے لئے

اختیار حاصل ہے کہ جو چاہے سو کرے۔ لیکن سوسائٹی میں رہ کر وہ اون قواعد اور بندشوں سے آزاد نہیں ہو سکتا جو تمام لوگوں کے امن و آسائش قائم رکھنے کے لئے مقرر و مسلم ہیں۔

باب ہشتم نفس شہوانی کی تہذیب

۱۔ عفت

نفس شہوانی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان میں ماکل و مشارب اور ناکح کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ اُن لذائذ کو ڈھونڈتا ہے جو ان اشیاء سے حاصل ہوں یہ قوت انسان میں بقاء ذات اور بقاء نوع کا سبب ہے قدرت جو خواہش انسان میں پیدا کرتی ہے اوس کے واسطے وافر سامان مہیا فرمادیتی ہے انسان کی اس خواہش کے پورا کرنے کے لئے بھی اوس نے بہت کثرت سے سامان اور لطیف اشیاء پیدا کی ہیں جن سے وہ حظ اٹھا سکتا ہے۔ خود انسان میں بھی یہ قوت ہے کہ قدرتی اشیاء میں تصرف کرتا ہے اور اُن کو اپنے طور پر ترکیب دیکر طرح طرح کے مزیدار کھانے پکاتا ہے۔ شربت بناتا ہے۔ آرائش و تزئین کے سامان مہیا کرتا ہے تاکہ لذت میں زیادہ افراط اور حظ میں زیادتی ہو۔

انسان میں
خواہش شہوانی
کی ضرورت

انسان کا قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کے پیچھے پڑتا ہے اوس میں افراط و تفریط کا خیال نہیں رکھتا اور جب اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے تو اوس فعل کی حکمت مفقود ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی وہ فائدے بھی جانے رہتے ہیں جو قدرتی قوت کو اعتدال سے کام میں لانے میں متصور تھے۔ وہ جب نفس شہوانی کے تقاضوں کو پورا کرنے بیٹھتا ہے تو درجہ اعتدال سے گزر کر شہوت پرست ہو جاتا ہے اور کسی جائز و ناجائز حظ کو حاصل کرنے میں باک نہیں کرتا۔ اس لئے یہ ضرورت پڑتی ہے کہ انسان کو روکا جائے اور

افراط و تفریط

اوس کو اعتدال پر قائم رکھا جائے۔ قوت شہوانی میں اعتدال رکھنے سے عفت حاصل
 ہوتی ہے۔ یعنی کھانے پینے اور نکاح کے معاملات میں اعتدال رہتا ہے۔ عفت کے
 یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان نعمانے جائزہ کا ایسا تارک ہو کہ گھاس پات کے سوائے کچھ
 نہ کھائے۔ عمر بھر نکاح نہ کرے۔ بھوکوں مر جائے۔ پیاسا ہو تو پانی نہ پیے۔ نیند آئے
 تو آرام نہ کرے۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہو تو وہ قانون حکمت سے ناواقف ہوگا
 اور احکام شریعت کے خلاف کرنے والا ہوگا ^۱ لَا سَرَّهٖ بَأْسٌ نِّسَۃً فِی الْاِسْلَامِ شَرِیْعَتِ
 میں کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو انسان کو جائز تمتعات سے روکتا ہو بلکہ افراط اور تفریط
 سے روکتا اور خلاف قاعدہ اور خلاف قانون استعمال کرنے سے منع کرتا ہے مثلاً
 شریعت میں یہ حکم نہیں ہے کہ کھانا نہ کھاؤ۔ پانی نہ پیو۔ نکاح نہ کرو۔ بلکہ یہ حکم ہے
 کہ ان تمام امور کو اعتدال سے بچاؤ۔ ^۲ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَحَرِّمُوْا
 طَیِّبٰتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ
 وَکُلُوْا مِمَّا ذَرَاۤءَ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ اَنْتُمْ بِہِ
 مُؤْمِنُوْنَ۔ مزے مزے کے کھانے کھاؤ مگر دوسروں کا مال نہ ٹکو۔ عمدہ عمدہ شربت
 یو مگر شراب سے پرہیز کرو تاکہ عقل و ہوش گم نہ ہو جائیں۔ نکاح کرو اور وہ بھی ایسی
 عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں مگر پرانی بی بیان مست تا کو۔ بغیر نکاح اور بطور شانی
 کسی عورت کو اپنے پاس مست رکھو اون کے حقوق کا بھی خیال رکھو تاکہ اون کی
 اتنی کثرت نہ ہو جائے کہ دوسری طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہ ملے۔ اور دنیا کے
 کاروبار سے جاتے رہو۔ ^۳ یَا اَیُّهَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا
 وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ جو شخص ان
 انعامات خداوندی کا لطف نہیں اٹھاتا وہ کفران نعمت کرتا ہے۔ کسی قوت کو اپنے میں

اعتدال

۱۔ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے ^۴ اے مسلمانو جو اچھی چیزیں خدا نے تمہارے لئے حلال کر دیں
 ان میں حرام مت کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو بیشک خدا حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو حلال
 چیزیں تم کو دیا وہ سے کھاؤ اور خدا سے ڈرتے رہو جسے تم مانتے ہو۔ ^۵ اے لوگو زمین میں جو چیزیں حلال

کھودینا فضیلت نہیں بلکہ اوس کو اعتدال پر رکھنا فضیلت ہے۔ اگر کسی شخص کی ران کے نیچے ایک چست و چالاک لیکن شریر گھوڑا ہو تو کیا وہ اوس کو اس طرح سدا بیگا کہ اوس کی چستی و چالاکی جاتی رہے اور وہ ایک گدھے کے مانند ہو جائے یا اس طرح تعلیم دیگا کہ اوس کی سرکشی جاتی رہے لیکن تیز روی چالاکی خوبصورتی میں فرق نہ آئے بلکہ یہ اوصاف اور بڑھ جائیں۔ اسی طرح نفس کی کسی قوت کو بالکل برباد کر دینا نامردی ہے لیکن اوس کو اعتدال پر رکھنا عین حکمت ہے اور نشاء و فطرت کے مطابق عمل کرنا ہے۔

لذا نذ دنیا
کی مذمت

شرع اور اخلاق کی کتابوں میں دنیا اور لذائذ دنیا کی مذمت جہاں کہیں بیان ہوئی ہے وہاں درجہ افراط سے مراد ہے جو ناجائز ہے۔ چونکہ انسان لذائذ دنیوی کے حاصل کرنے میں بہت ساعی اور کوشاں ہے اور ان خواہشات کو روکنا بہت مشکل ہے اس سبب سے اطباء و روحانی نے اس کی مذمت میں بہت مبالغہ کیا ہے تاکہ جب انسان اجتناب کی بہت کوشش کر لگا تب وہ اس قدر بچ سکے گا جو اعتدال کے قریب ہو۔

مائل و مشارب میں اعتدال کا خیال رکھنا پرہیزگاری کہلاتا ہے اور امور نکاح میں اعتدال اور قواعد شریعت کی پابندی کرنا عصمت کہلاتا ہے۔

۲۔ پرہیزگاری

مائل و مشارب میں اعتدال رکھنا بہت سہل ہے اور عموماً بہت کم ایسے لوگ ہونگے جو اون چیزوں کی طرف رغبت کرتے ہوں جو شرعاً حرام و ناجائز و طباً مضرت ہیں۔ باقی جو چیزیں شرعاً جائز ہیں اون کا استعمال سجد اعتدال کرنا خواہ کیسی ہی لذت کیون نہ ہوں حکمت کے منافی نہیں ہے۔

مائل و
مشارب

جن چیزوں کو شرع نے منع فرمایا ہے اون میں یہ حکمت ہے کہ وہ انسان کی کسی روحانی یا جسمانی صحت کو نقصان پہونچاتی ہیں مثلاً سور کا گوشت کہ شہوت اور بے حیائی زیادہ کرتا ہے یا شراب عقل و ہوش رفتہ رسد کرتا ہے اور صحت کو کھو دیتی ہے

منوعات

ممنوعات میں سے شراب ایک ایسی چیز ہے کہ اون گروہوں میں بھی جو مذہب اور شائستہ کہلاتے ہیں بہت رائج ہے۔ اور لوگ نہ تفریقاً بلکہ رسم و رواج کی پابندی کے سبب احباب کی جلسوں یا دعوتوں میں پیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔

انسان کی صحت اور اخلاق کا یہ دشمن پانی کی رو کی طرح چڑھا چلا آتا ہے اور اس کی بربادی کے ہاتھوں اچھے اچھے گھرانے اور اعلیٰ قابلیتوں کے شخص برباد ہوئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ہیز بیان کرتے ہیں کہ ”تمام قسم کے منشی شرابوں میں الکحل ہی ایسا جزو ہے جو نشہ پیدا کرتا ہے باقی تمام چیزیں یا خوشبو پیدا کرتی ہیں یا شراب کو خوش ذائقہ بناتی ہیں۔ الکحل کے استعمال سے پہلے پہل نشاط بخش اثر پیدا ہوتا ہے اور اگر شراب تھوڑی مقدار میں پی جائے تو فوراً معدہ کی رگوں میں دوڑ جاتی ہے اور اس کا اثر سارے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ دل کی حرکت تیز ہو جاتی ہے اور خون کی زائد مقدار دماغ اور اعضائے بدن میں پہنچتی ہے اور تمام جسم میں گرمی پیدا ہوتی ہے لیکن جب ایک دفعہ گرمی پیدا ہوگئی۔ تو پھر قائم نہیں رہتی بلکہ اس کے برعکس نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ خون شراب کے اثر سے جسم کی سطح کے قریب بہت سا آ جاتا ہے اور بخیر و انتشار کی وجہ سے اس کی گرمی جلدی ضائع ہو جاتی ہے۔ جب یہ عمل شروع ہوتا ہے تو پھر بدن میں سردی زیادہ محسوس ہوتی ہے اور بہت دیر بعد بدن اپنی حرارت اصلی کی حالت پر عود کرتا ہے۔ فی الحقیقت شراب آدمی کو سردی سے نہیں بچا سکتی جو لوگ باہر جانے سے پہلے ایک گلاس شراب اس لئے پیتے ہیں کہ سردی سے محفوظ رہیں وہ غلطی میں ہیں۔ بہت سی حالتوں میں سردی کو روکنے کے لئے الکحل بیکار ہی نہیں ثابت ہوئی بلکہ مضر بھی ہے میں ایسے بہت سے توانا اور قوی آدمیوں کو جانتا ہوں جو سردی کی صرف اس سبب سے برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ بہت شراب پینے کے عادی ہیں۔ الکحل کے پینے سے نشاط پیدا ہوتی ہے لیکن اس کے بعد بالضرور طبیعت میں لپستی اور مستی آ جاتی ہے“

اگر شراب کثرت سے پی جائے جیسا کہ شراب خوار کے جلسوں میں اکثر ہوا کرتا ہے، شراب کا اثر

تو دماغ اور شخاع پر اوس کا ایسا اثر ہوتا ہے کہ انسان کا قابو عضلات کی حرکت ارادی پر نہیں رہتا غیر منتظم اور ضعیف حرکتیں اوس سے صادر ہونے لگتی ہیں۔ سید بچلنا محال ہوتا ہے۔ چلتے میں پاؤں لڑکھڑاتے ہیں اور قدم قدم پر پاؤں ڈگمگاتے ہیں یہ دوسرا درجہ ہے۔ اس کے بعد ایک اور حالت شروع ہوتی ہے کہ دماغ اتنا مختل ہو جاتا ہے کہ سوچنا سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ بات کرنا مشکل ہوتا ہے۔ زبان سے ٹوٹے ٹوٹے فقرے نکلتے ہیں اور تمام حرکات ارادی پر قابو نہیں رہتا۔ اس کے بعد جو بھی حالت ہے جس میں دماغ بالکل معطل ہو جاتا ہے اور مے خوار ایسا بے حواس ہو کر پڑ جاتا ہے کہ اوسے تن بدن کے بھی ہوش نہیں رہتے۔

تیز شراب

کھانے کے بعد اگر تھوڑی سی کمزور شراب پی جائے تو وہ کھانا اچھی طرح ہضم کر دیتی ہے لیکن اگر کوئی تیز شراب کھانے کے بعد یا کھانے کے ساتھ پی جائے تو ہاضمہ کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ اگر خالی معدہ میں شراب پیئیں تو معدہ کی یافت کی رطوبت تحلیل ہو جاتی ہے۔ معدہ میں خلش پیدا ہوتی ہے اور معدہ کے بعض اجزاء میں ورم پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر مدت تک یہ ورم قائم رہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ غذا ہضم نہیں ہوتی اور الکحل کے استعمال سے بہت سے معدہ کے امراض پیدا ہوتے اور جو انون کو مبتلا کر لیتے ہیں۔

”الکحل کے استعمال سے اتنی طاقت نہیں رہتی کہ انسان کسی سخت محنت کا تحمل کر سکے“

”بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شراب دماغ کو چست و چالاک بنا دیتی ہے“
 قوا دماغی کو تقویت دیتی ہے لیکن یہ تقویت عارضی ہے اور یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا ہے کہ منشی اشیاء کا اثر قوائے دماغی کو قوت نہیں بخشتا۔

”شراب کے استعمال نے رفتہ رفتہ برے اثر کر کے بہت سے نوجوانوں کو جن میں بہت سے کام کرنے کی قابلیت تھی بیکار بنایا اور قبل از وقت مارا ہے اور بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی نے بہت سی شراب پی لی تو پھر کبھی

ہوش میں نہ آیا اور اس حالت میں مر گیا،

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر ایک بار شراب پی جائے تو پھر نہیں چھٹی
اور اور زیادہ پینے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ تھوڑے دن بعد ایک زمانہ ایسا آتا
ہے کہ پھر پینے سے نیت ہی نہیں بھرتی اور اگر کوئی شخص نہ پئے تو دل پر سخت جبر
کرنا پڑتا ہے۔ مقدار کو بڑھانے کی خواہش اس سبب سے پیدا ہوتی ہے کہ دل
یہ چاہتا ہے کہ جو کیفیت پہلے آئی تھی پھر حاصل ہو یہ خواہش خلافت فطرت ہے
کسی غذا کو خواہ کتنی ہی عمدہ کیون نہ ہو یہ دل نہیں چاہتا کہ کھائے جائیں لیکن
الکحل کا خاصہ ہی نرالا ہے کہ جون جون پیو اور پینے کی خواہش بڑھتی جاتی ہے
اور پھر یہ خواہش بھی اس درجہ کی ہوتی ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو لیکن ہاتھ سے پیالہ
نہ چھوئے۔ اس لئے شراب کے پہلے ہی پیالہ سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

الکحل میں یہ بڑی خرابی ہے کہ اس کا اثر اولاد میں بھی آتا ہے اور اولاد میں
ایک بیماری جس کو "الکحلزم" کہتے ہیں پیدا ہوتی ہے۔ مان باپ کو چاہئے کہ ذرا
سوچ سمجھ کر شراب پیا کریں۔

شراب کا ایک بہت بڑا اثر یہ بھی ہے کہ جسم کی تحلیل کم ہو جاتی ہے اور فضلات
اوس قدر نہیں نکلتے جتنے کہ نکلنے چاہئیں۔ کاربانک ایسڈ گیس شش سے کم نکلتا ہے
فلقتاً حیوان کا جسم ہر وقت بدلتا رہتا ہے یعنی بعض اجزاء تحلیل ہوتے رہتے ہیں
اور اوس کی جگہ اوس مادہ سے جو غذا سے حاصل ہوتا ہے دوسرے اجزاء بنتے رہتے
ہیں۔ اگر یہ عمل رُک جائے اور بدل مایتحلل نہ ہو تو طبیعت اپنا کام اچھی طرح نہیں
کر سکتی۔ الکحل کا خاصہ ہے کہ خون میں اکیسجن کی مقدار کو کم کرتی ہے اور کاربانک
ایسڈ زیادہ پیدا کرتی ہے اس سبب سے جو غذا کھائی جائے وہ اچھی طرح جزو بدن
نہیں ہو سکتی۔ الکحل میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو بدن کی ترکیب و ترمیم
میں کام آئے نہ الکحل دماغ۔ نخاع۔ عضلات اور خون کی ساخت میں داخل ہو سکتی
ہے بلکہ الٹی اون کی ترکیب میں خلل انداز ہوتی ہے۔

شراب کی خواہش

الکحلزم

شراب بدن کی
تحلیل و ترکیب
میں خلل ہے

شراب کا اثر
اخلاق پر

”ہر سال ہزاروں آدمی شراب کی وجہ سے مرے ہیں اور شراب خواروں سے سیکڑوں
اس قسم کے حادثے ہوتے ہیں کہ کوئی کنوئیں میں ڈوب مرا۔ کوئی پہاڑ سے گرا۔
کوئی دریا میں ڈوب گیا“

شراب کے متوالے جب بہت سی پی جاتے ہیں تو رات رات بھر باہر پڑے رہتے
ہیں سردی میں اگر جاتے ہیں اور مملک امراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں کبھی الکحل کا
غیر طبعی جوش یا نشہ کی شدت اُن کو خود کشی کا ملزم بناتی ہے اور بعض نشہ بازوں
کی ساری زندگی پاگل خانہ میں بسر ہوتی ہے۔

بازار میں جو عام طور پر دیسی عرق ملتا ہے یہ اور بھی بدتر ہوتا ہے یہ نہایت بد ذائقہ
اور نشہ دار عرق ہے۔ اور اس میں الکحل کے سوا اور زہریلے مادے بھی ملے ہوئے ہوتے ہیں
شراب کی کثرت سے بہت سے امراض پیدا ہوتے ہیں منجملہ اُن کے امراض فیل
بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ بد ہضمی۔ دل کی بیماریاں۔ دق۔ سل۔ ذات الریح
اعصابی بیماریاں۔ صرع۔ سکے۔ بے خوابی۔ ہڈیاں۔ جنون۔ گردہ اور جگر کے
امراض۔ وغیرہ۔

امراض جو شراب
سے پیدا ہوتے
ہیں

بعض حکماء کا خیال ہے کہ شراب کی کثرت سے قوت متخیلہ پریشان ہو جاتی ہے
جسم نحیف اور قوا باطنی کمزور ہو جاتے ہیں۔ غم و استقلال ساتھ چھوڑ دیتے ہیں
اور قوت فیصلہ بالکل گم ہو جاتی ہے اور انسان کا ذرا بھی بس نہیں رہتا کہ وہ اپنے
قواء شہوانی کو روک سکے۔ اور اک و فہم میں کمی آ جاتی ہے اور ساری دماغی قوتیں
ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ خود داری کا خاتمہ ہو جاتا ہے خود اعتمادی کا نام بھی یاد
نہیں آتا اور دل کا ہلی سستی۔ بلکہ خواری کے دریا میں ڈوب جاتا ہے۔ اور انسان
سے ایسے شرمناک افعال صادر ہوتے ہیں جن سے پرہیز گاری کے زمانہ میں وہ خود
نفرت کرتا اور بھاگتا تھا۔ اسی سبب سے جس قدر شراب خواری کی کثرت بڑھتی جاتی
ہے جرائم کی تعداد بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب شراب اپنا اثر کرنا شروع کرتی
ہے تو سب سے پہلے بے شرمی کا سامنا ہوتا ہے۔ چھوٹوں کا لحاظ ٹھون کا ادب

شراب عودہ
اوصاف
کھو دیتی ہے

ہم سرون کی حیا جاتی رہتی ہے۔ انسان زیادہ باتیں کرنی شروع کرتا ہے اور
 اس کو اس میں اپنے تمام راز ظاہر کر دیتا ہے دیانت اور عزت کے خلاف اس سے
 افعال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اور بعض اوقات ظلم و ستم بھی کر بیٹھتا ہے اس
 سبب سے شرع نے شراب خواری سے منع فرمایا ہے **فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَ
 مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا**۔ بعض لوگوں کا خیال ہے
 کہ اگر تھوڑی سی شراب پی جائے تو کام خوب ہوتا ہے اور طبیعت چست و چالاک
 رہتی ہے لیکن یہ خیال غلط ہے ڈاکٹر چرڈسن کی رائے ہے کہ ”دماغی کام کرنیوالوں
 کے لئے شراب سے زیادہ کوئی مضر شے نہیں ہے اور جن لوگوں کو جسمانی کام زیادہ
 کرنا پڑتا ہے وہ بغیر شراب پے زیادہ مستعدی سے کام کر سکتی ہیں اور کم تھکتے ہیں“
 شراب کے علاوہ اور بہت سی اشیاء ہیں جو نشہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں
 اور کم و بیش سب ہی مضر صحت ہیں مثلاً افیون خواب آور زہر ہے۔ ہندوستان
 میں افیون کھانے کی عادت بہت پھیلی ہوئی ہے افیون اعصاب پر بہت شدت
 سے اثر کرتی ہے۔ تھوڑی سی کھائی جائے تو درد کو افاقہ ہوتا ہے زیادہ کھانے
 سے نیند آتی ہے۔ اگر تھوڑی سی افیون کھائیں تو اوّل اوّل دماغی قوتیں حرکت
 میں آتی ہیں لیکن پھر اس کے برعکس عمل شروع ہو جاتا ہے اور بدنی اور ذہنی
 قوا میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ افیون کھانے کی خوفناک عادت کے جاری
 رکھنے سے عمر بھر کے لئے دماغی اور بدنی قوت تباہ اور برباد ہو جاتی ہے اور جسم کے
 کل اعضاء کے کام میں خلل پڑ جاتا ہے۔ قوت باضمہ کم ہو جاتی ہے بھوک گھٹ جاتی
 ہے غذا مزہ نہیں دیتی۔ جسم کے عضلات گھٹنے لگتے ہیں جلد میں خشکی پیدا ہو جاتی
 ہے اور جلد سکڑ جاتی ہے اور مصیبت زدہ انسان قبل از وقت بڑھا ہو جاتا ہے۔
 گانجہ اور بھنگ بھی انسان کو بدست کر دیتے ہیں اور ان سے بھی صحت کو
 نقصان پہنچتا ہے۔ اور خلاف اخلاق افعال سرزد ہوتے ہیں۔

افیون

گانجہ اور بھنگ

تنباکو کے اجزا کی تاثیر یہ ہے کہ وہ غنودگی۔ درد سر۔ دل اور پٹھون میں لرزہ زبان پر گرمی۔ حلق اور منہ میں خشکی پیدا کرتا ہے۔ اس کا ایک جز نکوٹین ہے جو اس قدر قوی زہر ہے کہ دو سگار میں جس قدر اُس کی مقدار ہوتی ہے اگر ایک دفعہ ہی خون میں مل جائے تو انسان ہلاک ہو جائے۔ چنانچہ جب پہلے ہی پل تنباکو پیا یا کھایا جائے تو یہ تاثیریں اپنا رنگ دکھاتی ہیں اور مثلی اور تے پیدا ہوتی ہے۔ تنباکو سے خون کی گردش خصوصاً دماغی خون کی گردش غیر منتظم ہو جاتی ہے اور پہلے دوران سر اور اُس کے بعد درد سر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن جب انسان اس زہر کا عادی ہو گیا تو پھر اُس کو ایسی علامات معلوم نہیں ہوتیں اور وہ بے تکلف سگار پر سگار اور چلم پر چلم اڑائے جاتا ہے۔ یا چٹکیاں بھر بھر کر پان میں زردہ ڈالتا ہے اور کھا جاتا ہے۔ لیکن نکوٹین جیسا قوی زہر بغیر اپنا اثر کئے نہیں رہتا اور ایک عرصہ کے بعد تنباکو کا بہت عادی بے خوابی۔ اختلاج قلب اور ایسی ہی ایسی بلاؤں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اوائل عمر میں تنباکو کے استعمال کی عادت ڈالنا۔ دل و جسم کے نمو کو روکتا ہے اور نو عمر لڑکے اگر اس کی عادت ڈالیں تو بدمضمی۔ اختلاج قلب۔ اعصابی انتظام میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے تنباکو پینے کی عادت کو کبھی شروع ہی نہیں کرنا چاہئے۔ جو طالب علم تنباکو پیتے ہیں وہ اپنی جسمانی دماغی اور ذہنی قوتوں کو کمزور کر لیتے ہیں اور تنباکو نہ پینے والوں کی نسبت گھائے میں رہتے ہیں۔ جب ایک بار تنباکو پینے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر یہ لت چھٹائے نہیں چھڑکتی۔

لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اوامر و نواہی کی پابندی نہ کرنے اور عیش اُڑانے میں اس زندگی کی خوشیاں حاصل ہوتی ہیں لیکن اون کا یہ خیال غلط ہے پرہیزگاری میں جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں وہ نا پرہیزگاری میں نہیں ہو سکتیں اگر نا پرہیزگاری ان کی حقیقت میں ہے تو پرہیزگاری ان کی حقیقت میں ہے۔

استعمال مضرت ہوتا تو وہ ”ناپریزگاری“ نہ کہلاتی۔ پریزگاری سے جو مسرت اور لذت حاصل ہوتی ہے ناپریزگاری آدمی اُس سے آشنا نہیں ہوتا۔ وہ قیام پذیر لذت کو ایک فانی اور سریع التغیر لذت کے پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔ اور خسرا الدنیا والاخرہ بجاتا ہے۔

۳۔ عصمت

خواہش نکاح
کی ضرورت

مقالہ دوم کے باب نکاح میں عصمت کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ قدرت نے نکاح کی خواہش انسان کو اس واسطے عطا فرمائی ہے کہ انسان کے دونوں گروہوں یعنی مرد و عورت میں موافقت و اتحاد رہے اور ان کے ذریعہ سے بنی نوع انسان قائم رہے انسان کے علاوہ دیگر حیوانات میں بھی یہ خواہش ہے لیکن وہ اکثر اس سے سوائے قیام نسل کے دوسرا فائدہ نہیں اٹھاتے۔ انسان اپنے ساتھی سے ہر طرح کی مدد و معاونت حاصل کرتا ہے۔ جو اس کے آرام و آسائش اور خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ اور تمدن و معاشرت کی راحتیں اس وقت تک کامل نہیں ہوتیں جب تک مرد و عورت دونوں ان کے مہیا اور فراہم کرنے میں کوشش نہ کریں۔ اور اپنی کوششوں میں سے ایک دوسرے کو حصہ نہ دیں۔ لیکن جہاں انسان میں بہت سے نقص ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ وہ لذائذ کے حاصل کرنے میں بہت غلطی کرتا ہے وہ یہ جانتا ہے کہ لذت طریقہ استعمال سے زیادہ اسراف حاصل ہوتی ہے اس سبب سے وہ عورتوں کی کثرت کی خواہش کرتا ہے۔ اور ایک بیوی پر قانع نہیں ہوتا۔ بعض اوقات بدبختی سے کئی بیویاں بھی اسے محدود نہیں رکھ سکتیں۔ اور وہ حظ نفس کی خاطر جہاں بس چلتا ہے۔ جاتا ہے۔ جس انسان کی یہ حالت ہو وہ حیوانات سے بدتر ہے کیونکہ حیوان اپنے جوڑے کے سوا دوسری طرف بہت کم میل کرتے ہیں اور اس سبب سے ان میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہوتی جہاں وہ اپنے گھر کے باہر نکلتا ہے۔

انسان کی
غلطی

ایسے صدمات و واقعات موجود ہیں کہ ایک عورت کی خاطر سخت سے سخت جنگ و جدال ہوئے ہوں۔ ملک کے ملک تباہ ہو گئے ہوں۔ راج پاٹ لٹ گئے ہوں۔ اور قوموں کی بہبودی اور عزت پر پانی پھر گیا ہو۔ ہزاروں نکلے خون پانی کی طرح بہ گئی ہوں۔ اور کروڑوں روپیہ آتش بازی کی طرح سامان جنگ میں پھینک گیا ہو۔ اور ان سب کا نتیجہ پشیمانی۔ حسرت۔ ناامیدی اور ندامت ہو۔ اور بے شک جو شخص جائز تمتعات کو چھوڑ کر ناجائز کی طرف میل کرے وہ کبھی راحت و خوشی آرام و مسرت نہیں پاسکتا۔

حرص

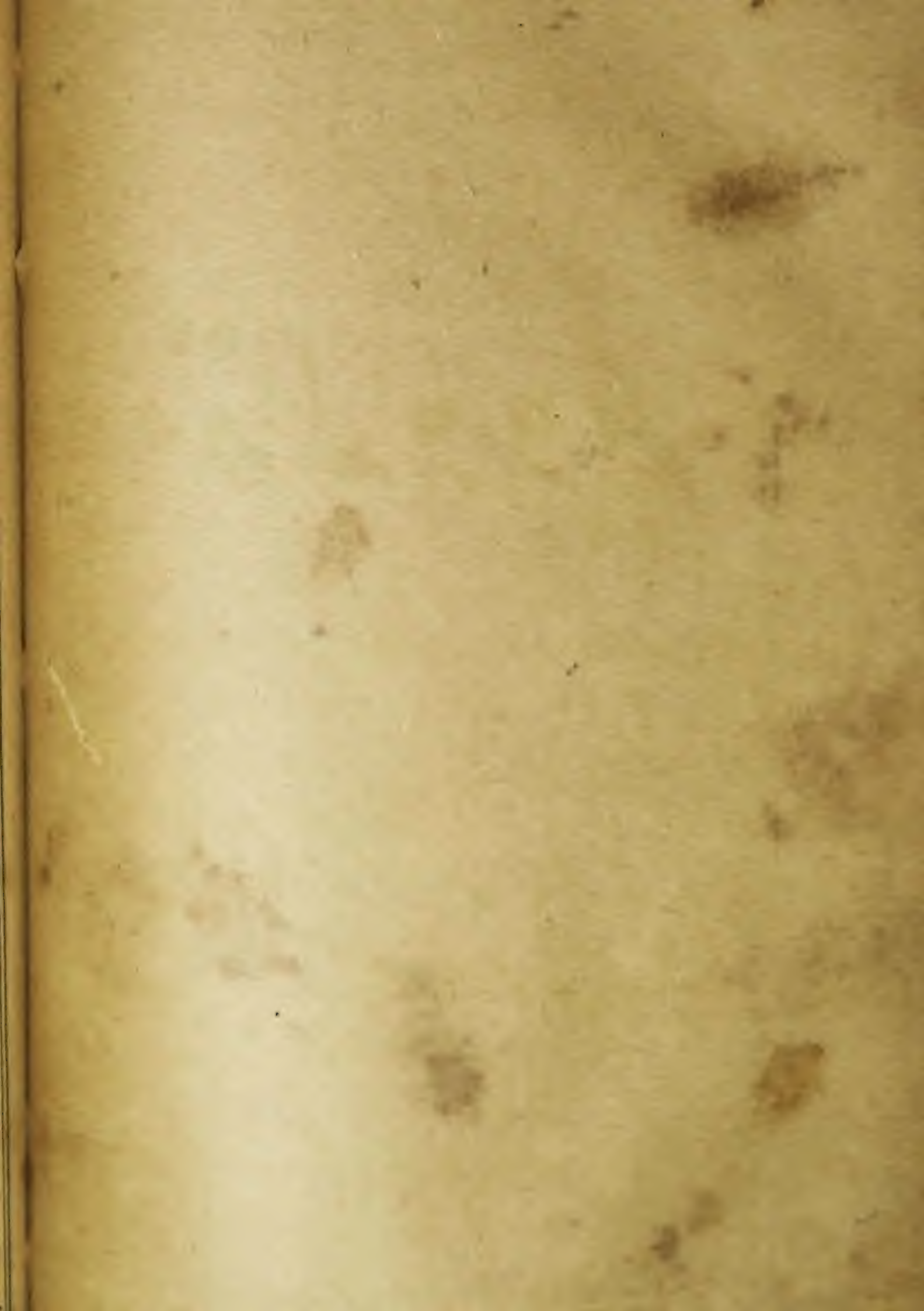
انسان اپنے ناکردنی افعال کے چھپانے کے لئے بہت سے عذرات گھڑ لیتا ہے اور جب وہ عصمت کی حدود سے باہر نکلتا ہے تو بھی ایسے ہی نامعقول عذرات بیان کرتا ہے لیکن فی الحقیقت سوائے حرص کے اور کوئی سبب نہیں ہوتا۔ کمزور طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اصلی اور پائیدار لذت سے زیادہ عارضی شدید لذت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے جو غذا میں کہ بدن کی پرورش کرتی ہیں اگر پھسکی ہوں تو انسان سے نہیں کھائی جاتیں لیکن اچار اور چٹنی کے نام سے اوس کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔ اگرچہ ان میں پرورش بدن کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح بازاری عورتوں کی نمائش۔ تزئین اور شوخی اویکو زیادہ گرویدہ کرتی ہے بہ نسبت ایک مہذب اور سنجیدہ بیوی کے۔ اور جب ایک بار وہ حرص کے میدان میں پہنچ جاتا ہے تو اوس کی عقل گم ہو جاتی ہے اور اسے یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ تمام خوبصورت عورتوں سے تمتع حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنی صحت کا اپنے روپیہ کا اپنی عزت کا اپنی خوشی کا خون کرتا ہے۔ جو حفظان بازاری عورتوں سے حاصل ہوتا ہے وہ بہت عارضی ہوتا ہے۔ کیونکہ اصل حظ محبت میں ہے اور ظاہر ہے کہ ان عورتوں کو محبت نہیں ہوتی اور وہ اپنی محبت روپیہ کے بدلے اس طرح فروخت کرتی ہیں

چکھا۔ یا تمام روپیہ برباد کر کے آخر کار مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ اور تمام دنیا نے
 اون کو حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا۔ اور اسی سبب سے شرع نے اسکی
 سخت ممانعت فرمائی اور شدید عذاب اس کے لئے خدائے تعالیٰ نے مقرر کیا ہے
 وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا جو لوگ
 پاک دامنی اختیار کرتے ہیں وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں تمام حظ اور لذتیں
 پاتے ہیں کیونکہ اون کو وہ مسرت نصیب ہوتی ہے جو حقیقی بہرہ و کمال کے اظہار محبت
 سے پیدا ہوتی ہے۔ طبیعت میں وفاداری اور ثابت قدمی کا خیال خوشی پیدا کرتا ہے
 اور وہ بے حیائی کی مذلت سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ افعال شنیعہ کے ارتکاب
 سے بچانے کے لئے انسان کو حیا عطا ہوئی ہے اور اگر انسان اس قوت کو ترقی دے
 تو ہمیشہ پاک و امن رہ سکتا ہے۔

حیا وہ قوت ہے جو خواہشات نفسانی کے روکنے کے لئے اس واسطے استعمال
 کی جاتی ہے کہ دوسروں کی نظروں میں تذلیل نہ ہو۔ حیائیک بختی اور پاک دامنی
 کی محافظ ہے حیا ایک روحانی قوت ہے جو ناجائز اور بے شرمی کے افعال سے
 بچانا چاہتی ہے۔ اس کا احساس اس قدر تیز اور جلدی ہوتا ہے کہ کسی مضرت رسا
 میلان یا عمل قبیح کے ارتکاب کا خیال آتے ہی یہ قوت حرکت میں آتی ہے اور
 تمام ایسے موقعوں کی شرکت سے جن میں اپنی آلودگی کا ذرا سا احتمال بھی ہو
 بچاتی ہے۔ حیا کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان برے کاموں کو علانیہ کرتا ہو اس
 سبب سے شرمائے کہ لوگ دیکھیں گے تو برا کہیں گے بلکہ اس کا اعلیٰ درجہ وہ ہے کہ
 اگر کسی کی اطلاع یا دیکھنے کا خوف نہ بھی ہو تو بھی بُرائی کو بالطبع مکروہ سمجھے اور خیال کرے کہ
 خداوند تعالیٰ جو حاضر و غائب یکساں دیکھتا ہے ہمیں دیکھ رہا ہے بلکہ خود اپنی نظر میں
 اپنے برے کام ایسے بد نما معلوم ہوں کہ اگر کسی اور سے نہیں تو خود اپنے سے حیا آئے
 لے زنا کے پاس مت جاؤ بے شک وہ بے حیائی اور ناراضی کا کام ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

مقاله دوم

تدوین



مقالہ دوم

تدبیر منزل

باب اوّل

امور نافعہ

۱۔ گھر کی عام حالت

تدبیر منزل حکمت کا ایک حصہ ہے اس میں اون تدابیر اور اصول سے بحث ہے جو ایک گھر کے رہنے والوں کے باہمی تعلقات اور روابط محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہیں۔ تاکہ اون لوگوں میں محبت و انس قائم رہے۔ اور وہ آرام بخشی ملاپ اور سنجوگ سے بسر کریں اور باہمی حقوق کا خیال رکھیں۔ کتاب حجۃ الالباعہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک بحث تدبیر نافعہ کے بیان میں لکھی ہے جس میں منزل اور تمدن کے اصول پر بحث فرمائی ہے ان کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے ”انسان اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جو تدابیر اختیار کرتا ہے وہ دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک تدابیر ادنیٰ اور دوسرے تدابیر اعلیٰ۔ تدابیر ادنیٰ تو وہ ہیں جو ادنیٰ طبقہ کے لوگ مثلاً بیابان۔ پہاڑ اور چھوٹے چھوٹے دیہات میں رہنے والے اشخاص اختیار کرتے اور عمل میں لاتے ہیں۔ تدابیر اعلیٰ وہ قوانین ہیں جو بڑے شہروں کے رہنے والے اشخاص جن کے تجربہ اور تعلقات بہت وسیع اور جن کے اخلاق کامل اور عقلیں صحیح ہوتی ہیں وضع کرتے ہیں ان تمام تدابیر کا نام جو

تدابیر ادنیٰ و
تدابیر اعلیٰ

تدبیر انسان کے دل میں وقتاً فوقتاً بطور الہام کے خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہر روز ایسی نئی نئی ایجاد ہوتی رہتی ہیں جو پہلے موجود نہ تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ ایجاد بہت عام ہو جاتی ہیں اور ہر شخص ان کو استعمال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ضروریات زندگی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ تدبیر نافعہ مبدع فیاض سے صرف انسان ہی کو الہام نہیں کی جاتی بلکہ حیوانات کو بھی الہام کی جاتی ہیں۔ مثلاً شہد کی مکھی کو پھولوں سے رس چوس کر شہد بنانا۔ پرندوں اور دوسرے جانوروں کو اپنا گھر بنانا۔ بچوں کی پرورش کرنا۔ شکاریوں سے بچانا۔ سب قدرت نے بطور الہام سکھایا ہے جس طرح حیوانات کی تمام نوع کی ضروریات یکساں ہیں اسی طرح انسان کی ضروریات نوعی یکساں ہیں اور قدرت نے تمام نوع انسان کے دل میں حوارج کے رفع کرنے کی تدبیریں الہام فرمائی ہیں۔ لیکن نوع انسان میں ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اوس کے افراد عقل و تدبیر میں باہم مساوی نہیں۔ کوئی زیادہ عقلمند ہے کوئی کم۔ اون کے میلان بھی مختلف ہیں ایک کی عقل ایک کام میں زیادہ لڑتی ہے اور دوسرے کی فکر دوسرے کام میں خوب کام کرتی ہے۔ انسان قدرتی اشیاء میں تصرف و تغیر بھی کرتا ہے یعنی اون کی صورتوں کو بدل کر اپنی حاجت و ضرورت کے مطابق بنالیتا ہے۔ ان ہی وجوہ سے انسان کی تدبیریں یہ امور اور اضافہ ہو گئے ہیں۔

۱۔ حیوانات کی آمادگی کسی طبعی خواہش یا خارجی احساس کے سبب سے ہوتی ہے مثلاً بھوک پیاس وغیرہ کے باعث لیکن انسان عقلی منفعت کی وجہ سے آمادہ ہوتا ہے مثلاً وہ چاہتا ہے کہ معاشرت اور تمدن کا عمدہ انتظام کرے۔ اپنی تہذیب نفس کرے۔ اپنی عزت و وقعت یا محبت لوگوں کے دلوں میں قائم کرے۔

۲۔ حیوانات صرف اسی قدر کوشش کرتے ہیں کہ حاجت رفع ہو جائے مثلاً

حیوان اور انسان کی آمادگی میں فرق

منفعہ حاجت کے علاوہ انسان

تفوق کا خواہاں ہوتا ہے۔ اور اس سبب سے وہ بیوی بھی کرتا ہے تو حسین۔ کھانے پکاتا ہے تو مصالحو دار۔ مکان بناتا ہے تو عالیشان۔ لباس پہنتا ہے تو فاخرہ۔ چلتا ہے تو سواری میں اور وہ بھی جلوس کے ساتھ۔ غرض اصلی ضروریات سے زیادہ آرائش و نمائش کا سامان مہیا کرتا ہے۔

چونکہ انسان کی عقلوں کے درجے مختلف ہیں اس سبب سے بعض تو انہیں سے ایسے عقلمند اور دقیقہ شناس ہوتے ہیں۔ کہ وہ خود عمدہ اور مفید تدابیر کا استنباط کرتے ہیں۔ اور بعض خود کوئی تدبیر نہیں نکال سکتے لیکن جب وہ حکماء کی باتوں کو سنتے اور حکیمانہ کاموں کو دیکھتے ہیں تو ان کو آسانی سے سمجھ لیتے ہیں اور اپنی کار بند ہوتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خود ان لوگوں کو بھی بالطبع یہ ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے رفع کی ترکیب نہیں سوچھتی۔ اس سبب سے اس کی اُلجھن اور تلاش رہتی ہے۔ اور جب ترکیب معلوم ہو جاتی ہے تو ان کی عقل اسے تسلیم کر لیتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص کچا اناج کھاتا ہو اور یہ چاہتا ہو کہ کوئی تدبیر اس کی اصلاح کی ملے کہ یہ خوب ہضم ہونے لگے۔ اب وہ کسی ایسے شخص سے ملے جو پکا کر کھانا اور مصالحہ ڈال کر مزیدار بنانا جانتا ہو تو یہ شخص فوراً اس حکیم کی تدبیر اختیار کر لے گا کیونکہ یہ تدبیر اس کے علم اجمالی کے موافق ہونگی۔ یہ ”تدابیر نافعہ“ جو انسان حوائج کے رفع کے لئے عمل میں لاتا ہے۔ بیشمار ہیں اور روز بروز نئی ایجاد ہوتی جاتی ہیں مثلاً

۱۔ لغت کا ایجاد کرنا کہ انسان اپنا مافی الضمیر بیان کر سکے اور دوسروں کا مطلب سمجھ سکے۔ یا حروف کا اختراع جس کے وسیلہ سے دور بیٹھے لوگ دوسروں کے مطالب سے آگہی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی ڈاک۔ ٹیلیفون۔ ٹیلیگراف وغیرہ ہیں۔

۲۔ گرمی اور سردی سے بچنے اور ذخیرہ جمع کرنے کے لئے مکانات بنانا۔

۳۔ اکتساب معاش کے لئے زراعت کرنا۔ درخت لونا۔ کنوئیر۔ کھودنا۔

۴۔ بہائم کے پوست۔ درختوں کی چھال۔ روئی۔ ریشم۔ وغیرہ اشیاء سے لباس بنانا اور اس کے لئے کلین اور آلات ایجاد کرنا۔

۵۔ عورت کو بذریعہ نکاح اپنا معین بنانا جس میں دوسرے مزاحمت نہ کر سکیں تاکہ وہ خانگی ضرورتوں میں کام دے۔ اور اولاد کی پرورش اور تربیت میں مدد کرے۔

۶۔ سواری اور شکار کے لئے جانوروں کا مطیع کرنا اور سدھانا۔

۷۔ باہم مصنوعات کا تبادلہ کرنا۔ یا روپیہ کے ذریعہ سے خرید و فروخت کرنا۔

۸۔ جس شخص کی رائے درست۔ عزت و قوت زیادہ ہو اس کو حاکم یا بادشاہ بنانا۔ ایسے قوانین جاری کرنا جس سے باہمی تنازعات کا فیصلہ ہو سکے ظالموں کو ظلم سے روکا جائے۔ حفاظت ملک کے لئے آلات حرب بنانا۔ فوج قائم کرنا وغیرہ

ان تدابیر نافعہ میں بعض تدبیر منزل سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض تمدن سے

تدبیر منزل گھر کے ان تعلقات کی درستی کا نام ہے جن پر انسان کی راحت منحصر ہے اگر کسی شخص کا چال و چلن یا اس کے عام اخلاق معلوم کرنے ہوں تو اس کا بڑا و

قریبی رشتہ داروں کے ساتھ دیکھو کہ وہ اپنے روزمرہ کے فرائض اُن کے ساتھ کس طرح ادا کرتا ہے۔ وسیع دنیا کے تعلقات کی نگہداشت اور بڑی سوسائٹی میں

داخل ہونے کی قابلیت تمام انبائے جنس سے مناسب طور پر سلوک کرنے کا ملکہ خانگی حقوق اور خانگی فرائض کی سجاوڑی سے حاصل ہوتا ہے۔ گھر سب سے

پہلا مدرسہ ہے جہاں تہذیب اخلاق کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ اور تمام شریف جذبات بدن کے ساتھ نشوونما پاتے ہیں۔ تمام خوبیاں اور قابل قدر عادتیں جو مودی کمال ہیں اور جن کا اثر بیرونی دنیا پر پڑتا ہے۔ گھر میں پیدا ہوتی ہیں اور اگر یہاں اپنی فرائض ادا کئے جائیں تو طبیعت میں محبت بنی نوع اور ادائے فرائض اور انصاف اور غور و پرداخت اور ایثار کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ کنفیو سیس کہا کرتا تھا کہ اگر خانگی فرائض اچھی طرح ادا کئے جائیں تو کہیں جا کر قربانی چڑھانے کی ضرورت

گھر کا اثر

تو خوردون میں اطاعت۔ بھائی بہنوں میں موانست۔ رشتہ داروں میں ہیرانی
 تواضع اور ایثار۔ میان بیوی میں اُلفت۔ پاس عصمت۔ اور سب میں باہم
 صداقت حسن سلوک و ہمدردی۔ تاکہ ہر شخص کو دنیا کی تکالیف اور بنجوں سے
 ایک تسکین دہ اور دل بہلانے والی جگہ مل سکے جہاں ایسے یقین ہو کہ میرے
 سچے غم غلط کرنے والے اور رنج و راحت میں شریک ہونے والے موجود ہیں۔
 جس گھر میں محبت نہیں خواہ وہ محل ہو یا قلعہ لیکن جسم بے روح ہے اور گھر کے
 نام کا مستحق نہیں۔ کیونکہ گھر قلعہ کی طرح بیرونی دشمنوں اور حملہ آوروں کی تعدی
 سے پناہ نہیں دیتا۔ بلکہ وہ دنیا کے افکار اور دنیا کی تشویش سے ایک باامن
 اور تسکین دہ مقام ہے۔ سٹیلے صاحب فرماتے ہیں کہ اچھا گھر جنت کے مانند
 ہے یعنی جہاں میان بیوی بھائی اور بہن بچے اور ماں باپ طرح طرح سے ایک
 دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور پھر مدد بھی ایسی کہ اور کوئی کر نہیں سکتا۔ کیونکہ
 اور کسی کو نہ تو ایسی خدمت کے موقع مل سکتے ہیں نہ کسی کو عادات ہی سے
 ایسی واقفیت ہوتی ہے اور نہ کوئی اہل منزل کی طرح خون اور گوشت و پوست
 میں خلقی طور پر شریک ہوتا ہے نہ باہمی عزت و آبرو۔ بہبودی۔ شہرت۔ اقبال مندی۔
 ناموری۔ بھلائی کا دلی خواستگار ہوتا ہے۔ صرف اہل منزل ہی ہیں کہ ایک
 کی خوشی ناموری۔ بہبودی۔ شہرت اقبال مندی کو سب اپنا فخر اور اپنی بھلائی
 خیال کرتے ہیں۔ ایک کی مصیبت سے سب کا دل دکھتا ہے بلکہ خود مصیبت
 میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ ایک کے خراب اعمال اور نالائقیان سب کو ذلیل و
 خوار کرتی ہیں۔ اور ان کی پاکی طبیعت شرافت اور قوت خود سب کا پایہ بلند
 کرتی ہے۔ اور پھر باہمی ادائے فرائض فردوس تو کیا چیز ہے خدا تک پہنچاتے
 ہیں۔ اچھے گھر میں اچھے اور بُرے گھر میں بُرے اخلاق انسان کی طبیعت میں
 نامعلوم طور پر جاگزیں ہوتی ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم کا نمبر گھر کی تعلیم کے بعد ہے اور

آگے چلکر وہ جیسے ہونگے یا ہوتے ہیں اوس کا انحصار بیشتر اسی ابتدائی تربیت پر ہوتا ہے۔ جو انہوں نے گھر یا مدرسہ میں حاصل کی ہے اگر ان کو گھر میں یا مدرسہ میں تربیت و تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا اور اسہی طرح بے تربیت اور ناشائستہ وہ اہل دنیا میں داخل ہو گئے ہیں تو خود اُن پر اور اس سوسائٹی پر جس کے وہ ممبر ہیں افسوس ہے۔ سب سے بہتر گھر وہ ہے جہاں کا انتظام۔ جہاں کی تعلیم۔ جہاں کی تربیت۔ جہاں کی تادیب سب اچھے اصول پر مبنی ہو۔ اخلاقی تربیت قانون قدرت کی طرح اثر کرتی ہے اور جو لوگ اس سے متاثر ہوتے ہیں ان کو اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔

رئیس منزل

دنیا میں ہر ایک نظام کے لئے ایک رئیس ضرور ہوتا ہے جو تمام مصالح و نظم کا ذمہ دار ہو اسی طرح ہر گھر میں ایک شخص رئیس منزل ہے جو گھر کے مصالح و انتظام کا مرجع و ذمہ دار ہوتا ہے اوس کو تمام گھر والوں کی خصلت اور طبیعت سے اچھی طرح واقف ہونا لازم ہے تاکہ اگر انتظام میں کوئی خلل پڑے تو اُسے دور کر سکے۔ صاحب خانہ کی ذمہ داریاں بہت وسیع اور اہم ہیں لیکن افسوس ہے کہ اکثر لوگ اپنی خانگی ذمہ داریوں سے واقف نہیں یا اُن کو ضروری نہیں سمجھتے صاحب خانہ کو لازم ہے۔ کہ وہ اپنے گھر کے چھوٹے بڑے سب کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو اور اپنے مزاج سے اُن کو آگاہ کرے اہل منزل کے نظام حال اور معاش کے امور کا خیال رکھے اور ان کو سمجھانے بچھانے۔ ڈرانے دھمکانے صلاح و مشورہ تادیب و توبیخ نرمی و درشتی سے سیدھے رستہ پر لگائے رکھے تاکہ امور معاشرت کی پیچیدگیاں رفع ہوں اور حصول معاش اور وصول کمال کے اسباب ہر وقت مہیا اور میسر رہیں۔

گھر ایک چھوٹی سی دنیا ہے اور اس میں بڑے بڑے فرائض کی انجام دہی ہوتی ہے۔ مبارک ہے وہ گھر جس میں محبت صداقت مہربانی اور پرہیزگاری کے

نظام خاہیں

محبت و اعتماد

کی ضرورت ہے

باعث ہوتی ہیں۔ ایک باہمی محبت ہے جس پر کل نظام کا دار و مدار ہے۔ دوسرے ایک دوسرے پر اعتماد کرنا ہے۔ اگر گھر والے ایک دوسرے پر اعتماد نہ کریں گے۔ باہم صداقت نہ برتیں گے تو ہمیشہ ان کو دو قوتوں کا سامنا رہیگا۔ ذرا ذرا سے امور میں شبہات پیدا ہوں گے جن کا نتیجہ سوائے بے لطفی اور بے اطمینانی کے کچھ نہیں ہوتا تیسرے تحمل ہے اگر یہ نہ ہو گا تو بات بات میں جھگڑے قضیہ پیدا ہوں گے اور شکر بخیاں پھیلین گی۔ گھر کی خوبی تو یہ ہے کہ گھر کے باہر جو تکالیف اور خلاف طبع امور برداشت کرنے پڑتے ہیں ان سے یہاں امن و راحت ملے نہ کہ گھر کے قضیہ ٹٹنے ہر وقت ناک میں دم رکھیں۔ گھر کے کل لوگوں میں باہم محبت اور موانست ہونے سے سب ایک دوسرے کے معین و شریک حال رہتے ہیں۔ اور ہر ایک کے وہ تعلقات جو دوسرے گھر والوں کے ساتھ ہیں قائم رہتے۔ اور وہ سب محبت کی مستحکم زنجیروں سے جکڑے رہتے ہیں۔

۲۔ محبت

وہ کشش اور وہ جذبہ جو افراد انسان کو ایک دوسرے کی طرف راغب کرتا ہے ”محبت“ کہلاتا ہے۔ کوئی شخص خواہ تہذیب کے کسی درجہ پر کیوں نہ ہو محبت کے اثر سے خالی نہیں ایک جنگلی اور وحشی انسان کے دل میں بھی اپنی بیوی اپنی اولاد اور اپنے مکان کی خواہ وہ ایک غار ہی کیوں نہ ہو ایسی محبت ہے جیسی کہ ایک مہذب۔ شائستہ اور لائق شخص کے دل میں۔ محبت ایک فطرتی قوت ہے مختلف اشخاص کو باہم انس کے رشتہ میں باندھ دیتی ہے۔ اس قوت کا اثر ہر زمانہ میں یکساں رہا ہے اور جب تک دنیا قائم ہے اس ہی طرح قائم رہے گا۔ کیونکہ محبت کو انتظام عالم اور حسن معاشرت و تمدن میں قانون اور عدالت سے زیادہ دخل ہے۔ قانون کی بندش عارضی اور مجبوری کی ہوتی ہے۔ اور انسان اس بندش سے گھبراتا اور اس کے توڑنے کے لئے موقع ڈھونڈھتا ہے۔ لیکن محبت کا رشتہ حقیقتاً اور اس کے توڑنے کے لئے موقع ڈھونڈھتا ہے۔ لیکن

محبت کی ضرورت

اور کھونا پسند نہیں کرتا۔ نظام شمسی کا انحصار کشش پر ہے اور تمام سیاروں کی سلامتی کا مدار کشش ثقل کی بقا پر ہے اس ہی طرح تمام انسانوں کی سلامتی امن اور رفاه کا انتظام محبت پر منحصر ہے اگر ایک دن محبت دنیا سے مفقود ہو جائے تو بد نظمی۔ بربادی۔ خونریزی۔ ویرانی پھیل جائے۔ مان باپ اولاد کو مار ڈالیں اور پرورش کے بارے سے سبکدوش ہو جائیں اولاد والدین کی خدمت گزاری چھوڑ دے اور آزاد ہو جائے۔ خاوند بیویوں کو اور بیویاں خاوندوں کو چھوڑ دیں اور علیحدہ ہو جائیں۔ آقا پرانی نوکروں کا حق خدمت بھول جائیں اور روزینہ بند کر دیں۔ نوکر پرانی آقاؤں کا حق نمک بھلا دیں اور اگر ذرا تنخواہ میں دیر لگے تو ان کو تکلیف اور مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ لوگوں کو وطن سے اُنس اور قوم سے محبت نہ رہے وہ اس کی سرسبزی اور بہبودی کی ذرا بھی پرواہ نہ کریں۔ نہ کوئی قوم اور ملک کی حمایت کرے۔ نہ مذہب اور ملت کی پاس داری۔ غرض رابطہ محبت اُٹھتے ہی دنیا میں ہل چل مچ جائے اور نظام امور میں ایسا فرق آجائے جیسے کشش ثقل یا کشش اتصال کے گم ہو جانے سے اجرام سماوی اور اجرام سفلی کا انتظام اور ترکیب خراب ہونی متصور ہے۔

حیوانات میں
محبت

انسان کے علاوہ حیوانات میں بھی فطرت نے یہ مادہ عطا فرمایا ہے ایک چھوٹے سے چھوٹا پرندہ اور بڑے سے بڑا درندہ جانور اپنے جوڑے اور اپنے بچے سے محبت کرتا ہے۔ کبوتر کو اپنے آشیانہ سے اتنی محبت ہوتی ہے۔ کہ وہ کوسوں کی مسافت طے کر کے اپنے گھر میں آتا اور خوش ہوتا ہے۔ پرند جانور دانہ پانی کی تلاش میں دن کو کوسوں نکل جاتے ہیں لیکن شام کو اپنے ہی آشیانہ میں آکر بسیرا لیتے ہیں۔ گھوڑا گتتا۔ بلی اور سارے پلاؤ جانور اپنے پالنے والے سے محبت کرتے ہیں۔ اسے دیکھ کر خوش ہوتے اور اس کے پاؤں پر لوٹتے ہیں یہ ساری حرکتیں محبت کراتی ہے جس کا اثر دلون پر اتنا قبضہ کر لیتا ہے کہ حکومت نہیں کر سکتی۔ بیشک محبت

محبت کا اثر

محبت طبعی

محبت کے
مدارج

سارے مزے اور ساری خوشیاں بغیر محبت کے پہنچ نہیں بلکہ یہ بھی اس وقت زیادہ
پر لطف ہو جاتی ہیں جب اون لوگوں کے ساتھ ہوں جن سے انسان کو محبت ہوتی ہے
محبت انسان کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور سب سے پہلے جو جذبہ اس سے ظاہر ہوتا ہے
وہ محبت ہے۔ شیر خوار بچہ جس میں خود غرضی یا اپنی ذاتی محبت کا نام بھی نہیں ہوتا۔
مان یا اپنے پالنے والے کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اور اس سے ملکر اس کو جو
راحت نصیب ہوتی ہے وہ دنیا کی کسی نعمت سے نہیں ملتی بلکہ وہ کسی اور نعمت کو
جانتا ہی نہیں۔ اس محبت کو ”محبت طبعی“ کہتے ہیں محبت کا یہ جذبہ جو اس وقت
پیدا ہوتا ہے کبھی نہیں جاتا۔ طفولیت میں مان باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے
جوانی میں بیوی سے۔ بڑھاپے میں اولاد سے اور عمر کے ہر ایک حصہ میں بھائی بہن
دوست آشنا اور رشتہ داروں سے۔ ملک و قوم کی محبت سمجھ بچتہ ہونے کے بعد
پیدا ہوتی ہے اور بلند نظر۔ صاف باطن۔ نیک سرشت لوگوں پر اس کا زیادہ اثر ہوتا
ہے۔ مان باپ کو اولاد سے جو محبت ہوتی ہے یہ بھی طبعی ہوتی ہے اور اس سے
زیادہ ہوتی ہے جتنی کہ اولاد کو مان باپ سے ہو۔ باپ اپنے فرزند کو اپنا ایک حصہ
یا اپنی نقل تصور کرتا ہے اور اس ہی سبب سے یہ چاہتا ہے کہ اس میں وہ کمال
پیدا ہو جو مجھ میں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور اگر کسی باپ سے یہ بیان کیا جائے
کہ آپ کا بیٹا آپ سے زیادہ لائق ہے تو اس کو گران نہیں گزرتا بلکہ خوش ہوتا
ہے۔ بھائیوں میں جو محبت ہوتی ہے وہ مان باپ یا اولاد کی محبت سے کم ہوتی
ہے کیونکہ بھائی مرتبہ اور سبب وجود میں شرکت رکھتے ہیں اور یہ شرکت کسی قدر باعث
منازعت ہو جاتی ہے۔ ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ بھائی اچھا یا دوست
جواب دیا کہ بھائی اگر دوست نہ ہو تو کس کام کا ہے! پھر بھی بھائیوں میں قدرتا
محبت ہوتی ہے کہ دوستوں کی محبت کی یہ مثال دی جاتی ہے کہ گویا وہ
بھائی بھائی ہیں۔ اس کے علاوہ استاد شاگرد۔ ہمسایہ۔ آقا نوکر۔ یا دشاہ و

محبت ارادی

ہے۔ یہ ”محبت ارادی“ کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ محبت کسی طبعی جوش یا غیر اختیاری حالت کے سبب پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ کسی غرض یا غایت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اغراض جو افراد انسانی کو محبت کے رشتہ میں جکڑتی ہیں تین قسم کی ہوتی ہیں۔ لذت۔ نفع۔ خیر۔ یہ اغراض جس قدر زیادہ قوی ہوں گے اس ہی قدر زیادہ محبت ہوگی۔ اور ان اقسام کے اختلاف کے لحاظ سے محبت کا قیام بھی مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً لذت سہل الحصول اور سریع الزوال شے ہے اس سبب سے جس محبت کی غرض لذت ہو وہ جلدی پیدا ہوتی اور جلدی ہی جاتی رہتی ہے اور نفع چونکہ دیر میں حاصل ہوتا ہے اور جلدی جاتا رہتا ہے اس سبب سے جو محبت نفع پر مبنی ہو دیر میں پیدا ہوتی اور جلدی متغیر ہو جاتی ہے۔ لیکن خیر کا یہ حال نہیں اہل خیر میں ایک روحانی موانست ہوتی ہے اور اس سبب سے وہ جلدی دوست ہو جاتے ہیں اور چونکہ ان میں محبت بلا کسی خاص غرض کے ہوتی ہے اس میں کبھی زوال اور تغیر نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں میں موانست طلب لذت یا نفع کے سبب سے شروع ہوتی ہے اور پھر مرتبہ بمرتبہ خیر کی طرف رجوع کرتی ہے اور ایسی مستحکم ہو جاتی ہے کہ عمر بھر نہیں جاتی۔

اسباب محبت

محبت خوشی
بخشتی ہے

محبت خوشی کا سرچشمہ ہے کیونکہ محبت اخلاق کے صرف روشن پہلو کو دکھتی ہے اور ہمیشہ اس کا رخ خوشی کی طرف رہتا ہے۔ محبت خوشی کے خیالات کو ترقی بخشتی ہے گویا جن دلوں میں محبت ہے وہ ہمیشہ مسرت بخش آب و ہوا میں رہتے ہیں یہاں تک کہ محبت کی تکلیف بھی خوش گوار ہوتی ہے اور اس کے آنسو بھی شیریں ہوتے ہیں۔ خوشی کا یہ حصہ جو ہر انسان کو بلحاظ انسان ہونے کے معمولاً حاصل ہوتا ہے زیادہ تر ان لوگوں کی تعداد پر منحصر ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں یا جن سے وہ محبت کرتا ہے اگر دوسرے لوگوں کے ساتھ محبت کا میل جول نہ ہو تو دنیا کی بڑی بڑی کامیابیاں بھی اگرچہ دیانت داری سے حاصل کی گئی ہوں مسرت و انبساط میں زیادتی نہیں کرتیں اور اس قسم کی محبت انسان کو زیادہ تر

عاشقی رنج است و مردان را بسینه راحت است
سلسله بند است و شیران را به گردن زیور است

(اقربا)

۱۔ محبت والدین

بچوں کا فرض ہے کہ اپنے والدین سے محبت رکھیں اور ان کا ادب کریں

ہو ہماری ہی بھلائی اور ہماری ہی بہبودی کے لئے ہے اور دلسوزی اور محبت ہی
 اُن کو اس فعل پر مجبور کر رہی ہے۔ لہذا اُن کے حکم سے انحراف کرنا اپنے پانوں
 میں آپ کلھاڑی مارنا ہے ”بزرگوں کی زجر و توبیخ عقل کو تیز کرتی ہے اور اگر بچے
 اپنی مرضی پر چھوڑ دئے جائیں تو ان میں کم عقلی کی وجہ سے بُری عادتیں راسخ
 ہو جائیں گی اور وہ ننگ خاندان ہوں گے۔ ناسپاس اولاد جو والدین یا بزرگوں
 کی اطاعت نہیں کرتی (اور بزرگ بھی ایسے جنہوں نے بیکسی اور بے بسی کے
 زمانہ میں آپ طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھا کر پالا اور بفرط مہربانی و شفقت ہمیشہ اپنے
 سے زیادہ اولاد کو آرام دیا) وہ نافرمانی والدین کی شامت سے تمام دنیا کی نظریں
 حقیر و ذلیل رہے گی کیونکہ والدین کی محبت نہ صرف بدلائل عقلی واجب ہے بلکہ
 نچرل ہے اور ان سے محبت نہ کرنا قانون قدرت کے خلاف کرنا ہے۔ مان باپ سے
 محبت اور ان کی اطاعت ہی نہیں بلکہ اُن کا ادب کرنا بھی شرط انسانیت ہے۔
 اگر کسی شخص نے ہم پر کوئی احسان کیا ہو تو اس کے ساتھ اس کی ضرورت کے وقت
 احسان نہ کرنا ناشکر گزاری اور ناسپاسی ہے۔ جس قدر زیادہ کسی کے احسان ہوں
 اس کی ناشکری اتنی ہی زیادہ نا انصافی ہے والدین اولاد پر جس قدر احسان کرتے
 ہیں اس سے زیادہ کون کرے گا۔ مان باپ کے طفیل وہ پیدا ہوئے ان کی شفقت
 و محنت سے پرورش پائی انہی کی بدولت تعلیم و تربیت پائی اور عقل و تہذیب
 ہوئی۔ بچہ شکم مادر میں اس کے خون سے پرورش پاتا ہے۔ پیدا ہو کر اس کا دودھ
 پیتا ہے۔ مان ہزاروں طرح کی تکلیفیں بچے کی نگہداشت میں اُٹھاتی ہے۔ اور ایسے
 زمانہ میں اس کی خبر گیری کرتی ہے جب کہ وہ اپنے منہ سے دودھ بھی نہیں مانگ سکتا
 تھا۔ اس کو بچہ کے آرام و آسائش کا اتنا خیال ہوتا ہے کہ رات دن وہ اس ہی کے
 کام میں غلطان و پیمان رہتی ہے اور اپنی تکان کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتی۔
 جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں والدین اپنی عمر بھر کی کمائی ان کی تعلیم و تربیت میں
 خرچ کر دیتے ہیں۔ باپ نے جو سرمایہ مدتوں میں ہڈیاں سل سل کر جمع کیا تھا

مان باپ
 کے احسانات

وہ بیدریغ اولاد کی تعلیم میں خرچ کر دیتا ہے اور اگر اولاد کوئی کمال حاصل کرے
 تو اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ کہ میری محنت نیک لگی۔ اور باپ کی
 تمام خوشی اس میں ہے کہ وہ اپنے بچہ کو سعادت مند دیکھے۔ پس جب ہم
 غیروں کے ذرا ذرا سے احسان کا گن مانتے ہیں تو مان باپ کے اتنے احسانات
 کا شکریہ ہم سے کس طرح ادا ہو سکتا ہے اولاد کی ناسپاسی اور ناسعادتمندی
 سے مان باپ کو غصہ نہیں آتا بلکہ رنج ہوتا ہے اور ان کا اظہار ناراضی و
 غصہ کرنا صرف اولاد کی ہی خواہی کے واسطے ہے نہ کہ اظہار حکومت کے لئے
 بھلا جن لوگوں کو اتنی محبت ہو کہ اولاد کی ذرا سی بیماری سے بچپن ہو جائیں
 ان کی ذرا سی تکلیف اُنھیں ناگوار گزرے کہیں دشمنی کر سکتے ہیں۔ اور شخص
 کہ اپنے مان باپ کے ساتھ اچھے سلوک نہیں کرتا وہ کسی کے ساتھ بھلائی نہ کریگا
 اور جو ایسے گھر میں جہاں سب اوس پر جان چھڑکنے والے ہوں اتفاق و آرام
 سے نہیں رہ سکتا وہ دنیا میں کہیں آرام سے نہ رہ سکیگا۔ اور کسی شخص کو اس
 آرام اور محبت کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ والدین کے بڑھاپے اور احتیاج کے
 زمانہ میں ان کی خدمت کرنی احسان نہیں ہے بلکہ فرض ہے کیونکہ اُنہوں نے
 ان دنوں میں خدمت کی ہے جبکہ اولاد نہایت ہی کمزور حالت میں تھی اور اُس کو
 جو توانائی اور قوت حاصل ہوئی انہی کی بدولت نصیب ہوئی ہے۔ اولاد مان باپ
 کی خاطر خواہ کیسی ہی تکلیف اُٹھائے مگر اس تکلیف کے برابر نہیں ہو سکتی جو والدین
 کو تربیت اور پرورش اولاد میں اُٹھانی پڑتی ہے پس اولاد کی خدمات نہ احسان
 ہیں نہ قابل شکریہ بلکہ اداے فرض ہیں۔ مان باپ کے قریب ہی قریب استادوں
 کا درجہ ہے اس سے دوسرے درجہ پر دیگر سرپرستوں بزرگوں اور رشتہ داروں
 کا حق ہے اور یہ سب ادب اطاعت اور محبت کے مستحق ہیں۔ جو لوگ اپنے
 رشتہ دار بزرگوں کا بلکہ بزرگ ہمعصرون کا ادب اور لحاظ کرتے ہیں اور ان کے پاک

مان باپ کی
 خدمت فرض
 ہے۔

ادب باہمی رشتہ داروں خاندان اور گھر کے ممبروں - شہر کے باشندوں قوم کے
لوگوں میں برابر خوشی کا باعث اور ترقی کا مد ہے۔
۲۔ برادرانہ محبت

بھائی بہنوں کے حقوق محبت اور مہربانی پر مبنی ہیں۔ بڑوں کو چھوٹوں
کی مدد کرنی ان کو راہ راست بتانی اور خطروں سے بچانا۔ اور چھوٹوں کو اطاعت
کرنی اور شکریہ ادا کرنا چاہئے اور سب پر فرض ہے کہ ایک دوسرے کی خوشی کے
زیادہ کرنے کی سعی کریں کیونکہ انہوں نے ایک ہی والدین کی محبت کا حظ اٹھایا
ہے اور ایک ہی طریقہ زندگی میں پلے ہیں۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ گھر میں
جن جن فضائل کی بنیاد طبیعت میں پڑتی ہے وہ ایسی مستحکم ہوتی ہے کہ زندگی
بھر قائم رہتی ہے اب جس طرح چھوٹے بھائی بہنوں سے سلوک کیا جاتا ہے
اس ہی طرح لیکن زیادہ وسعت سے دنیا کے معاملات میں اوروں کے ساتھ
ہوگا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ لوگ آبائی ترکہ اور مالی تقسیم کے کارن
طبعی تعلق محبت اور مسرت اتفاق کو چھوڑ دیتے ہیں اور قدرت کے ورثہ کو
ترک کر کے روپیہ کے لالچ سے برادرانہ الفت قطع کر دیتے ہیں جن کی یہ حالت
ہو کہ برادرانہ تعلقات نہ نبھاسکیں اُن سے کیا امید کی جاسکتی ہے کہ قوم
اور ملک کے لئے وہ وفادار ثابت قدم اور محب ثابت ہوں گے۔ کیونکہ اُن کے
دل میں سرے سے محبت کا مادہ ہی نہیں ہے اور جب ایسا قومی تعلق ان کو
ایسے محدود حلقہ میں درجہ اعتدال پر نہ رکھ سکا تو جب تعلقات کا دائرہ وسیع
ہوگا تو رشتہ الفت کا باقی رہنا ناممکن ہے۔

برادرانہ محبت
توقی محبت کی
اصل ہے

تقسیم وراثت کے جھگڑے اکثر بھائیوں کو کشیدہ کر دیا کرتے ہیں۔ اگر بھائی
اپنے حقوق کا خیال رکھیں اور عدالت سے انحراف نہ کریں تو کوئی رنجش کی بات
پیدا نہیں ہو سکتی لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک وارث جس قدر لینا چاہتا یا لینا
چاہتا ہے۔

وراثت کے
جھگڑے

یہ شکایت ہوتی ہے کہ بھائی اپنے مال اور جائیداد میں اُن کو حصہ نہیں دیتا۔ دنیا
 میں کون ہے جو اپنے مال میں سے دوسرے کو حصہ دیتا ہو تو یہ شکایت باقی
 تمام زمانہ سے بھی ہونی چاہئے کہ اپنے مال میں ہمیں کیوں نہیں نصیب کرنے دیتے
 دوسری طرف اس بھائی کا یہ حال ہے کہ نوکر سے ذرا سا کام نکلے تو انعام و اکرام
 سے نہال کر دین۔ غیروں میں سے کوئی سیدھے مسہ بات کرے تو شکریہ میں نہ آئے
 بھیجیں لیکن اگر بھائی اپنی جان بھی نثار کر دے تو ذرا قدر نہیں۔ گویا بھائی اس
 قابل نہیں کہ اس کو غیروں کی طرح بھی دوست بنایا جائے۔ اگر دیکھا جائے تو
 ایک مان سے پیدا ہونا۔ ایک گھر میں رہنا۔ ساتھ پرورش اور تربیت پانا ایسی
 باتیں ہیں کہ بہت کچھ محبت و موافقت پیدا کرنے والی ہیں۔ لیکن غلط فہمی اس
 تاخیر کو مٹا دیتی ہے اور اون میں باہم غیروں سے بھی بدتر جھگڑے اور قضیہ ہونے
 لگتے ہیں۔ بھائیوں کو تو اس طرح مل جل کر رہنا چاہئے کہ ایک دوسرے کی معاونت
 کریں اور ترقی میں مدد ہوں نہ کہ دوسرے بھائی کی ترقی کو روکیں یا اسکے کاموں
 میں رخنہ ڈالیں۔ خداوند تعالیٰ نے دو ہاتھ دو پانوں دے دیے ہیں تاکہ ایک ہاتھ
 دوسرے کو کام میں مدد دے۔ ایک پانوں دوسرے کو چلنے میں سہارا دے۔
 ان سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہاتھ کوئی کام کرنا چاہے تو دوسرا مزاحمت
 کرے اور ایک پاؤں دوسرے پانوں کو چلنے میں اڑنکا لگائے۔ یہی حال بھائیوں
 کا ہے کہ ہر حال میں ایک دوسرے کے ہاتھ پانوں کی طرح معاون و مددگار ہوں
 یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جو چیز فائدے اور آرام کے لئے
 بنائی ہے وہ مضرت اور نقصان پہنچانے والی بن جائے۔ ہاتھ پانوں آنکھیں
 کان اگرچہ دو دو ہیں لیکن ان کے کام پھر محدود ہیں ہاتھ ایک ہی وقت میں دو
 چیزوں تک جو دور دور رکھی ہوں نہیں پہنچ سکتا۔ پانوں ایک وقت میں
 ایک قدم سے زیادہ فاصلہ نہیں طے کر سکتے۔ آنکھیں پیٹھ کے پیچھے کی چیزوں کو
 نہیں دیکھ سکتیں۔ لہذا جب وہ بھائیوں میں محبت و اتحاد ہو تو کہ ان فاصلوں کو

برادرانہ معاونت

باہمی معاونت سے نہیں روک سکتا۔

باب سوم

تاہل

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا
إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً

سولہ سترہ برس کی عمر سے دل میں وہ شعلہ بھڑکنا شروع ہوتا ہے جس کو
جوش جوانی یا ولولہ کہتے ہیں۔ یہ آگ اگر مناسب وقت پر نہ بجھائی جائے تو ۲۷۔
۲۸ برس کی عمر تک عموماً نہایت زور سے بھڑکتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ اخلاق کے لحاظ
سے نہایت نازک اور خطرناک زمانہ ہے۔ کہ اس جوشیلے سمندر میں سے پاک دامن
گزرنے کے لئے نہایت احتیاط۔ نہایت خود داری اور اعلیٰ درجہ کی پیش بینی غمیت
اور پابندی مذہب اور مکارم اخلاق کی ضرورت ہے۔ جوانی کے خوش نما پھولوں
میں شہوانی کانٹے اس طرح چھپے ہوئے اور کثرت سے ہوتے ہیں کہ احتیاط کا
دامن ذرا سی چوک میں پارہ پارہ کر دیتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں پارسائی
اور پاکیزہ خیالات کی دھجیان اڑ جاتی ہیں۔ یہی زمانہ ہے کہ بہت سے روشن خیال
لوگوں کا پوشیدہ پہلو تاریک اور دھندلا نظر آتا ہے یہی زمانہ اس کو گناہ اور
بے اعتدالی سے تاریک بنا دیتا ہے۔ اگرچہ دوسرا پہلو روز روشن سے زیادہ منور
مجلی کیون نہ ہو۔ اسی زمانہ کی بے اعتدالیان آخر عمر میں حسرت و افسوس سے
خون رولاتی ہیں اور کوششیں ہمیشہ متاسف اور رنجور ہی نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض
اوقات ناامیدی ایسی دل پر چھا جاتی ہے کہ انسان اپنی جان سے بیزار ہو جاتا ہے
نوجوانو جب عشق کے سمندر میں تلاطم برپا ہو تو تردد امنی سے بچنا ایسا نہ ہو کہ جوانی
تو چار دن کی چاندنی کی طرح ڈھل جائے۔ اور پھر بقیہ عمر دست افسوس ملتے گزرے

منہج کی
خواہش

ان احتیاط اور غم سے کام لو۔ پیش بینی کی لالین لیکر عقل سلیم کی پیروی کرو۔
 یاد رکھو کہ اخلاق کے جتنے سبق پڑھائے گئے ہیں وہ اسی دن کے لئے ہیں۔
 دنیا میں کوئی مشکل نہیں جس کی تدبیر نہ ہو کوئی مرض نہیں جس کا علاج نہ ہو ان
 کوئی شخص اور علاج سے ناواقف ہو یا پرہیز نہ کرے تو وہ جانے اس عمر میں ایک
 فطرتی جوش یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ آنکھیں کسی اچھی صورت کو دیکھتے ہی محو نظارہ
 ہو جاتی ہیں۔ اور بانگپن یا سنگار کے ایک ایک ادا پر توجہ سے نکتہ چینی کرتی
 ہیں۔ شوق اور ولولے سینہ میں بھڑکتے ہیں۔ اور غیر معمولی تکلیف دہ خواہشیں
 دل و دماغ پر ایسا اثر ڈالتی ہیں کہ بعض اوقات استقلال کے قدم جادہ مستقیم
 سے بھی بھٹکا دیتی ہیں۔ اور اسی سبب سے یہ زمانہ جس قدر خوش نما ہے اتنا ہی
 خوفناک۔ عورتیں بھی اس فطرتی قانون سے خالی نہیں مگر قدرت نے ان کی
 سرشت میں شرم و حیا رکھی ہے۔ کہ وہ جب اُس وادی میں پہنچتی ہیں تو خود بخود
 اپنے سایہ سے بھڑکنے لگتی ہیں۔ آنکھوں میں حیا پیدا ہو جاتی ہے۔ دل میں شرم
 حجاب آتا ہے اور اسی لحاظ سے قدرت نے ان کو شرف دیا ہے کہ مردوں کو پرہیزگار
 اور باحیا رہنے کے لئے پابندی اور غریبیت تائید کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر لڑکیوں
 کو بدقسمتی دھکا دے تو پردہ حیا کو اٹھانا اور جہلی شرم کو مشکل سے توڑنا پڑتا ہے
 قدرت کا کوئی فعل فائدہ اور حکمت سے خالی نہیں حیوانات میں اس مادہ سے
 بھی بہت سے ضروری کام لئے جاتے ہیں اور اصل پوچھو تو بقائے نسل کا سبب
 یہی ہے۔ لیکن کوئی کام کیون نہ ہو فی نفسہ نہ اچھا ہے نہ بُرا۔ صرف اس کا طریقہ
 استعمال خواہ مدارج استکمال پر پہنچا کر اشرف و اعلیٰ بنائے اور خواہ صراط مستقیم
 سے پھیر کر حنیض نکبت میں گرائے شریعت نے اسی سبب سے قوتوں سے عمل
 پھل حاصل کرنے اور ان کو مفید طور پر کام میں لانے کے طریقے سکھائے ہیں
 اور طبیعت پر بیجا جبر کرنا نہیں بلکہ اس کے الغامات کا پورا پورا احظا اوتھانا اور
 سچی مسرت اور تسکین حاصل کرنا سکھانا ہے۔ اور اس کے لئے فرما دیا کہ

فَأَنْتُمْ مَطَابِقٌ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ لِيَكُنْ كَلَّاحٌ كِي شَرْطُ ضَرُورِي هِيَ - اور
 اس لئے قرار دی ہے کہ اس کے بغیر نہ حفظ ناموس ممکن تھا نہ سوشل لائف
 میں امن - ورنہ نسل انسان خانگی خوشیوں اور خانہ داری کے بیشمار آرام اور
 برکتوں سے بالکل محروم ہو جاتی فِعْلُ الْحِكْمَةِ لَا يَخْلُو عَنْ الْحِكْمَةِ -
 خداوند تعالیٰ نے عورت کو مرد کا مددگار بنایا ہے اور ان دونوں کو اُلْفَت
 کے رشتہ میں جکڑا تا کہ ازدواج کے ذریعہ سے ایک دوسرے کی کمی کو پورا کریں اور
 پھر دونوں کی خوشیاں بڑھتی جائیں - مرد کا کر لانا ہے تو عورت اس کو سلیقہ اور
 ہنرمندی سے اٹھاتی اور محنت اور کفایت شعاری میں مدد دیتی ہے - چاہتی ہو
 سچی دوست ہے اور عصمت خوشی وفاداری آرام و تسکین کا سرچشمہ ہے تنہائی
 میں رفیق ہے مصیبت میں ساتھی - مشکون میں مددگار - بیماری میں آرام دہ -
 فارغ البالی میں زینت تجاویز میں مشیر اور دنیا کے مکروہات میں تسکین کا منبع جو
 غریب مصیبت زدہ کسان یا مزدور کے لئے بھی ایسی ہی دل خوشکن اور آرام دہ
 ہے جیسے کہ امیر کبیر اور مہول آدمی کے لئے - جب دو دل محبت کے رشتوں میں
 پھنس جاتے ہیں تو ہمدردی - معاونت اور دنیاوی خوشیوں کے دریچہ دلون پر
 کھل جاتے ہیں - اور اب کچھ اور ہی انبساط حاصل ہونے لگتا ہے - جس سے
 اس وقت تک واقفیت نہ تھی - اس میں شک نہیں کہ نئے امتحان اور نئے نئے
 افکار بھی پیدا ہو جاتے ہیں مگر ساتھ ہی عمدہ عمدہ پھل بھی ملتے ہیں جن سے ان افکار
 کی تلافی ہوتی رہتی ہے - مانا کہ متاہلانہ زندگی کے افکار وسعت تعلقات کے سبب
 زیادہ ہوتے ہیں - لیکن تجربہ کی تکالیف اس سے بڑھی ہوئی ہیں - پاکدامنی اور
 حفظانِ صحت کے علاوہ بھی دیکھا جائے تو مجرّد شخص ایک خانہ بدوش ہے جسے
 کسی جگہ وہ اصلی آرام اور دلچسپی نہیں جو متاہل شخص کو اپنے گھر میں ہوتی ہے -
 کون ہے جو اس کے پیٹھ پیچھے اس کی دلچسپی کا شوق سے انتظار کرے - اور اسکی

تامل کے
 آرام

واپسی سے قبل اس کے آرام اور آسائش کے سامان کماحقہ خوبی اور نہایت
 کفایت شعاری سے مہیا کر کے رکھے۔ اگر نوکر چاکر بہن بھی تو وہ آقا کی غیر حاضری
 اس کی موجودگی سے زیادہ غنیمت جانتے ہیں۔ اور پھر دل میں وہ محبت اور
 محبت میں وہ دلسوزی وہ ہمدردی وہ سلیقہ کمان! کیا نوکر بیماری میں تیمارداری
 میں یا مصیبت میں رفاقت اور خدمت ایسی دلسوزی سے باوجود تنخواہ و معاوضہ
 زر کر سکتے ہیں۔ جیسے بیوی یا اولاد۔ علاوہ ازین اگر اولاد کی خواہش ہے تو بیوی
 کرنی ضرور ہے یہ ضرور ہے کہ شادی سے قبل آمدنی اس قدر کافی ہو کہ بیوی اور
 اولاد کو تنگی معاش نہ ہو۔ لیکن اگر کوئی مستقل آمدنی یا مزدوری غیبانہ حیثیت سے
 زندگی بسر کرنے کے قابل ہے تو یہ حالت بھی شادی کی مانع نہیں۔ لوگ شادی کے
 متعلق خیالی ضرورتوں اور غیر ضروری اخراجات کو مد نظر رکھ کر اپنی مقدرت سے زیادہ
 بوجھ اٹھانے سے گھبراتے ہیں یا کسی ایسی جگہ شادی کرنی چاہتے ہیں جو ان کی
 حیثیت سے زیادہ ہو اور اس لئے ضرور ہوتا ہے کہ وہ اپنی ظاہری حالت ایسی بنائیں
 جو ان کی دسترس سے باہر ہے اس صورت میں شادی بجائے راحت کے کلفت کا
 سبب ہوگی اور ہوتی ہے اور جن لوگوں نے اس قسم کی غلطی سے تکلیف و نقصان
 اٹھایا ہے۔ وہ بجائے اپنی غلطی تسلیم کرنے کے فقط شادی کو اس نقصان کا
 سبب بتاتے ہیں۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے کہ مرد کو لایق و فائق بیوی اور عورت کو
 عمدہ شوہر ملے جس کے ساتھ وہ امن اور اطمینان سے زندگی بسر کرے اور قسمت کے
 بھلے بُرے میں دونوں شریک ہوں۔ لیکن یہ ساری خوشیاں اور ساری برکتیں اس ہی
 وقت حاصل ہوتی ہیں کہ شادی مناسب وقت پر اور مناسب طریقہ پر کی جائے اور شوہر
 زوجہ ہم مذاق اور ہم خیال ہوں۔

شاید سمندر سے موتی نکالنا آسان ہے لیکن اچھی بیوی ڈھونڈنا مشکل اس سے
 نسبت کی تلاش

ذرائع مفقود ہیں اچھی بیویان کبھی ایسے لوگوں کے پتہ بندھتی ہیں جو ان کے لایق نہیں
 اس ہی طرح کبھی اچھے مردوں کو ایسی بیویان ملتی ہیں جن کی وجہ سے عمر بھر مصیبت
 میں رہتے ہیں۔ جو ان کے خیالات عادات اور حالات کے بالکل خلاف ہوتی ہیں۔
 اس کا بُرا نتیجہ سب سے پہلے تو یہ ہوتا ہے کہ میان بیوی میں اُلفت نہیں ہوتی۔
 اور ایک دوسرے کی صحبت ناگوار خیال کرتے ہیں۔ بیوی تو مرد کو آرام پہنچانے
 اور گھر کا انتظام کرنے سے غفلت کرتی اور بد خلقی اور کج ادائیگی کرتی رہتی ہے۔
 اور مرد تنگ ہو کر اپنے لطف صحبت کے واسطے اور جلیس ڈھونڈھتا ہے۔ اور
 اس طرح وہ تامل جیتے جی کا دوزخ اور عمر بھر کی قید سے بدتر معلوم ہوتا ہے۔ میان
 بیوی کی نا اتفاقی کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے۔ وہ والدین کی بُری مثال دیکھ کر
 اس حالت کو داخل معاشرت یا ضروری اور معمولی چیز خیال کر کے اس سے اجتناب
 نہیں کرتی۔ بلکہ اس ہی راستہ کو اختیار کرتی ہیں۔ یہ خرابی اس وجہ سے پیدا ہوتی
 ہے کہ رسم و رواج کی پابندی نے اُن دو شخصوں کے اختیارات جو ہمیشہ قسمت کی
 ایک سی حالت گزارنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں سلب کر لئے ہیں۔ اس سے پہلی
 خرابی تو یہ واقع ہوتی ہے کہ شادیاں قبل از وقت کی جاتی ہیں۔ کہ زوجین اپنے حقوق
 اور فائدہ داری کے فرائض سے آگاہ نہیں ہوتے یا اس قدر عرصہ کے بعد کی جاتی ہیں
 کہ ضبط خواہشات پر قادر نہیں رہتے۔ بڑی عمر میں شادی سے ایک یہ خرابی بھی
 واقع ہوتی ہے کہ ان کے خیالات اور عادات چونکہ سخت اور راسخ ہو جاتے ہیں۔
 اس واسطے ایک دوسرے کی طبیعت کی موافقت نہیں کر سکتی نہ دوسرے کے
 مذاق اور پسندیدگی کو قابل لحاظ خیال کرتے ہیں۔ ہندوستانی سوسائٹیوں میں
 بچوں کا بیاہ کرنا اور ان کا سہرہ دیکھنا بڑی محبت اور خوشی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن
 افسوس ہے کہ اکثر صورتوں میں بچائے محبت کے دشمنی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ دونوں
 غیر سخت حالت میں ہوتے ہیں۔ اور کسی کے عادات اطوار چال چلن اخلاق کا پورا پورا
 حال نہیں دیکھتا۔ اگر شادی سے پہلے ان کا واسطہ نہ ہو تو ان کے عادات اطوار

شادی قبل
 از وقت

ہو تو اس پاکباز لڑکی کے دل سے پوچھے جس نے آنکھ کھول کر اپنے تئیں ایسے بد کردار
 سے وابستہ دیکھا اسی طرح لڑکی کے اوضاع اور اطوار پسندیدہ نہیں تو اس بد نصیب
 لڑکے کی ساری خوشیاں اور سارے آرام خاک میں مل گئے۔ اولاد کی طفولیت
 میں شادی کرنی اس کو بڑی خوشی سے محروم کرنا اور اس کی حق تلفی کرنی ہے۔
 کیونکہ ہر ایک چیز اس ہی زمانہ میں دل خوش کن اور پربہار معلوم ہوتی ہے جس
 زمانہ کے وہ شایان ہو۔ بچے جس قدر مٹھائی کھلونے لیکر خوش ہوتے ہیں جائداد
 سے نہیں ہوتے۔ لیکن بڑے ہو کر وہی کھلونے ان کو حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں
 اور ان کی وسیع نظر اس سے کسی قدر زیادہ بیش قیمت چیز پر پھیرتی ہے۔ غرض
 عمر کے ساتھ ساتھ مختلف جذبات طبیعت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ جذبات
 اس وقت پورے ہوں تو خوشی بخشتے ہیں نہ اس سے پہلے نہ اس کے بعد۔
 والدین طفولیت میں اولاد کی شادی کرتے ہیں اس لئے کہ اس تقریب سے
 ان کا دل خوش ہو گا مگر ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ خوشی اولاد کا حصہ ہے نہ کہ والدین
 کا۔ بڑے ہو کر جب دلون میں شوق اور جذبات پیدا ہوں گے تو یہ موقع ان کو
 کیونکر ملیگا۔ کیونکہ قدرت کا یہ خاصہ ہے کہ جو بے تمنا ملے اس کی خوشی نہیں
 ہوتی۔ بلکہ خوشی کے واسطے ضرور ہے کہ پہلے آرزو ہو اور پھر حصول۔ چند اور خرابیاں
 بھی قبل از بلوغ شادی میں واقع ہوتی ہیں۔ مثلاً یہی کہ بچے چونکہ زیادہ نازک
 ہوتے ہیں ان میں اموات بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ لہذا کم عمر بچوں کی تعداد زیادہ
 ہوتی ہے۔ تکمیل نمو و سن رشد سے قبل شادی کرنے سے اولاد بھی کمزور اور بیمار پیدا
 ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ کیونکہ خام حالت میں پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسری شکل
 یہ پڑتی ہے کہ ماں باپ چونکہ خود کم سن ہوتے ہیں ان کو پرورش اور نگہداشت کا
 سلیقہ نہیں ہوتا اور یہ خرابی کیا کم ہے کہ بچپن کی شادی حصول اور اکتساب کمال
 سے محروم رکھتی ہے کیونکہ کچھ تو دلی توجہ منقسم ہو جاتی ہے اور کچھ تعلیم میں پورا وقت
 صرف نہیں کما جاتا۔ اور کچھ خیال اور اطفال کا فکر درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے

اکتساب معاش کے پھندوں میں پھنسا دیتا ہے۔ لڑکے علوم و فنون کی ماہیت سے
 بے بہرہ رہ جاتے ہیں تو لڑکیوں کو خانہ داری کا سلیقہ نہیں آتا۔ غرض جب تک
 دونوں بچتے نہ ہو جائیں شادی رحمت نہیں زحمت ہوتی ہے۔ شادی کرنے سے
 پہلے لڑکا لڑکی دونوں میں اتنی قابلیت ہونی چاہئے کہ وہ جانیں کہ اب ہم زندگی
 کے کس حصہ میں قدم رکھتے ہیں اور وہ کیا ہے اور اس کے فرائض کیا کیا ہیں اور
 کون کون سے تعلقات پیدا ہوں گے جن سے اس وقت تک سروکار نہ تھا۔ کیونکہ
 شادی کوئی بچوں کا کھیل نہیں۔ یہ تو وہ تعلق ہے جو جان کے ساتھ جاتا ہے اور پھر
 تعلق بھی ایسا کہ دونوں ملکر ایک ہی خیال کئے جاتے ہیں۔ اس سبب سے اگر شادی
 حسب دلخواہ نہ ہو تو عذاب بھی عمر بھر کا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ مان باپ اولاد
 کا شریک قسمت اپنی پسند کے موافق انتخاب کرتے ہیں نہ اولاد کی پسند کے لحاظ سے
 سوشل لائف میں خرابی کی جڑ یہ ہے کہ میان بیوی کے خیالات میں فرق ہو۔ اسلئے
 ضرور ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی لیاقت خیالات۔ مزاج۔ عادت۔ حالات سے
 پوری پوری واقفیت رکھتے ہوں۔ تاکہ ان میں کوئی اختلاف واقع نہ ہو جو شکر رنجی
 اور فقدان محبت پیدا کرے۔ میان بیوی کے لئے آرام کی لازمی شرط ہے محبت۔
 اور محبت کے لئے پسندیدگی ضروری ہے۔ ہر ایک شخص کا میلان طبع جدا ہے حتیٰ کہ
 زمانہ کے اثر سے مان باپ اور اولاد کے مذاق میں بھی فرق ہوتا ہے یہ کیونکر ممکن ہے
 کہ جو اوصاف والدین نے پسند کئے ہیں اولاد بھی ان کی ویسی ہی قدر کرے اور شاید
 یہ کہنا بیجا نہیں ہے کہ جاہل اور اصول شادی سے ناواقف والدین جن کی تعداد
 زیادہ ہے ایسی ایسی باتوں کا لحاظ کرتے ہیں جو کم مفید اور کم قابل لحاظ ہیں اور ان
 امور کا خیال بھی نہیں آتا جو حقیقی خوشی اور آرام بخشنے والے ہیں اور اس ہی کا نتیجہ
 کہ گاہ گاہ میان بیوی میں سلوک اور سنجوگ نہیں ہوتا۔ اس خراب طریقہ کا مفصل
 حال بیان کرنے یا اس پر نکتہ چینی کرنے کے بجائے شاید یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ

شادی سے قبل
 حقوق زوجیت
 کا علم ضرور ہے

انتخاب میں مان
 باپ کی رائے کے
 ساتھ اولاد کی
 رائے بھی شریک
 ہونی چاہئے

ان امور پر لحاظ کر کے اوصاف حمیدہ کی جانچ پرتال کر لی جائے کہ خواہ شادی کرینو
 خود تلاش کریں خواہ ان کے بزرگ الدنیا متاع و خیر متاع الدنیا
 المرأة الصالحة اوپر کے بیان سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ بزرگوں کو اس کام
 میں دخل نہ دیا جائے اور ان کو دودھ کی مکھی کی طرح علیحدہ کر دیں۔ کیونکہ یہ طریقہ بھی
 خرابی سے خالی نہیں ہے۔ اور سب سے بڑی خرابی تو یہی واقع ہوگی کہ چونکہ پردہ
 کی رسم اور رواج زیادہ ہے شریف اور قابل لڑکے اچھی لڑکیوں سے تو واقفیت
 ہونگے نہیں اور میدان طبع ان کے ساتھ وابستہ کر دے گا جن کو جوش طبع نے جوانی
 کی اُنگوں میں پسند کر کے ان کی خرابیوں سے دانستہ اغماض کیا ہو۔ لیکن جب وہ
 جوش ٹھنڈا پڑ جائیگا اور وہ عیب سو جھنے لگیں گے تو پشیمانی اور خانہ ویرانی کے سوا
 کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہاں بزرگ اپنی صلاح اور انتخاب میں شادی کرنے والے کی رائے
 اور پسندیدگی دریافت کر لیا کریں اور ان کو اپنے انتخاب کی پوری پوری کیفیت سے
 آگاہ کر دیں۔ اگر ان کا وہاں میدان نہ ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔ لیکن
 مشکل تو یہ واقع ہوتی ہے کہ لڑکیاں حد طفولیت سے ذرا زیادہ قدم رکھتے ہی
 عورتوں سے بھی پردہ میں رکھی جاتی ہیں۔ خصوصاً ان عورتوں سے تو پورے پردہ
 کے فرائض ادا کئے جاتے ہیں جن کے خاندان میں آئندہ اُن کو ایک ممبر بن کر رہنا
 ہو کر کیا جارہا ہو۔ یا اُن لڑکوں سے چھپا دی جاتی ہیں (اگرچہ پہلے سامنے ہوتی تھیں
 جن کی قسمت کا شریک جن کے مال و دولت گھر بار دل و جان مصیبت و راحت کا
 ساتھی راز دار و مشیر رفیق ہوتا ہے اور دنیا کی گاڑی گھسیٹنے کے لئے قدم بچلتا ہے
 بھلا اس صورت میں مزاجوں کی واقفیت اور اوصاف سے آگہی کیونکر حاصل ہو
 اور جب یہ نہیں تو پسندیدگی اور محبت ایک اتفاقی فعل ہے ہو یا نہ ہو جس کا نتیجہ
 یہ ہے کہ صرف رسم و رواج کے سبب باقی زندگی کا آرام صرف اتفاق پر رہ گیا۔ اور
 غیر اختیاری ہو گیا۔ اس لئے ضرور ہے کہ انتخاب لائق اور دانالوگوں کے سپرد کیا جائے

اور عورتوں سے پردہ کی رسم اٹھا کر پوری تفتیش کی اجازت دی جائے۔ اگر
 ناواقفیت کی حالت میں شادی ہوئی تو بزرگوں کو یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ ہماری
 لڑکی اچھی جگہ گئی بلکہ اس بچاری کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہاں وہ کم قدری سے
 دیکھی جاتی ہے۔ اس پر نام رکھی جاتے ہیں۔ خاوند کی بے التفاتی سے جیتے جی دوزخ
 میں ہے۔ جو شاید دوسری جگہ اگرچہ ظاہری حالت ایسی نہ ہوتی لیکن پورے احترام
 خوشی اور عزت سے رہتی اور محبت کے وہ پھل حاصل کرتی جو قلبی تسکین اور
 متاہل زندگی کی برکتیں ہیں۔

مشاطہ

ہماری سوسائٹی میں تلاش بہت ہی ناکارہ ہاتھوں میں سپرد کی گئی ہے
 جو نہ صرف قانون شادی سے بے خبر اور جاہل مطلق ہیں۔ بلکہ خود غرضی سے مکاری
 اور دھوکہ فریب جھوٹ کی پتلا ہیں یہ مشاطیئین اپنا کمال اس میں دکھاتی ہیں
 کہ کسی لعل کو پتھر سے ٹکرائیں۔ ان کی بڑی کوشش یہی رہتی ہے کہ چاہے مردہ
 بہشت میں جائے یا دوزخ میں ان کو حلو امانڈ حاصل جائے کہ انہوں نے اونچے
 گھر نسبت کرادی اِنَ کَیْدَ کُنَّ عَظِیْمَہ۔ تلاش کا یہ طریقہ جس قدر مضر ہے ظاہر
 ہے۔ ایک دانشمند آدمی کو ہمیشہ کا ساتھی وہ ہی اچھا معلوم ہوتا ہے اور وہ ہی
 مناسب بھی ہے۔ جو اوس کی طبیعت اور مذاق اور عادات کے موافق ہو جو اصول
 مذہب اور اعمال حسنہ کا پابند ہو جس کا دل قوی اور جسم صحیح اور تندرست ہو اور جسکی
 صورت اور جس کے مزاج نے دل میں گھر کر رکھا ہو۔ اور جس نے نیک پاک اور بے عیب
 زندگی بسر کی ہو۔ تاکہ اس کے ساتھ صرف چند روز ہی گلچہرے نہ اڑیں بلکہ تمام عمر
 چین اور آرام سے کٹے۔

عادات و اخلاق

۱۔ غرض سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ دونوں کی عادات اور
 خیالات میں تمباؤ نہ ہو اور یہ باہمی سلوک اور سنجوگ اور افراط محبت کی بنیاد
 محبت وہ چیز ہے کہ دنیا کی مشکلیں سہل تکلیفیں راحت انقباض بشارت

کرتے ہیں جس شادی میں محبت نہیں وہ شادی نہیں وہ کبھی آئندہ زندگی کے تفکرات کی برداشت نہ کر سکیں گے۔ ایک اولاد ہی ہے کہ نعمت عظمیٰ اور عطیہ ربانی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو بیوی سے محبت نہیں ہوتی۔ اُن کو اولاد سے بھی التفات کم ہوتا ہے یا کثیرالازدواجی کی صورت میں چاہتی بیوی کی اولاد بھی زیادہ لاڈلی ہوتی ہے۔ عادات کا اختلاف وہ بُری بلا ہے کہ چاہے کتنی خوبیاں کیوں نہ ہوں ملاپ ہونا محال ہے وہ خوبیاں خوبیاں ہی نہیں معلوم ہوتیں۔ یا اُن کا اثر کمزور اور تھوڑے عرصہ کے لئے ہوتا ہے۔

۲۔ عمر۔ عموماً ایسا ہوتا ہے اور ہونا چاہئے بھی کہ بیوی میان سے عمر میں کچھ چھوٹی ہو۔

۳۔ صحت۔ یہ سب سے بڑی اور ضروری شرط ہے کیونکہ بغیر صحت اور توانائی کے نہ انتظام خانہ داری درست رہ سکتا ہے نہ اولاد صحیح و سالم پیدا ہوتی ہے روز بروز کی تکلیفیں ستاتی ہیں اور افلاس کی حالت میں تو خدا کی پناہ۔ جان وبال ہو جاتی ہے۔ وہ عورتیں جو اپنے تئیں گوڑے بھٹے اور زیور سے آراستہ و پیراستہ کرتی ہیں اون کو سمجھ لینا چاہئے کہ اصل حسن صحت میں ہے۔ جب ہاتھ پاؤں لاغر اور نحیف ہوں گے چہرہ پشمرده اور زرد رنگ ہوگا تو زیور اُسے کیا سنوار سکتا ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف جب ہر ایک عضو میں مناسب موزونیت اور قوت و صحت ہوتی ہے۔ تو خواہ مخواہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ اس ہی طرح لڑکوں کی صحت کا خیال بھی ضروری ہے صحت نہ صرف معاش میں ان کی مدد کرتی ہے بلکہ وہ اون نظروں میں بھی بھلے معلوم ہوتے ہیں جن کی چشم مست نے ان کے دل میں گھر کر رکھا ہو۔

۴۔ خاندان اور نجابت۔ نجابت خاندانی کو دولت سے بڑھ کر خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ہمیشہ اپنے برابر کا خاندان ڈھونڈنا چاہئے کیونکہ اگر وہ ناقص

معتز خاندان میں شادی ہوگی تو وہ نظر حقارت سے دیکھیں گے۔ شرافت خاندان کی اگرچہ اعتباری بات ہے۔ لیکن یہ ایسا اعتبار ہے۔ کہ تمام دنیا کی قومیں اس پر فخر کرتی ہیں اور اکثر صورتوں میں ان اوصاف کا اثر جو ایک خاندان میں خصوصیت سے زیادہ ہوتے ہیں اولاد پر پڑتا ہے۔ اور آبا و اجداد کے اخلاق کا اثر اولاد کو ملتا ہے۔ شرافت خاندانی شرافت ذاتی سے زیادہ رتبہ پر نہیں ہے لیکن اس بات کا ثبوت ہے کہ اس سلسلہ میں اکثر افراد کسی نہ کسی جہت سے دوسروں سے امتیاز رکھتی ہیں۔ شرافت خاندانی تمدن اور سوسائٹی میں انسان کا رتبہ ظاہر کرتی ہے۔ اور اس رتبہ سے گرنا۔ اس کے لئے اپنی وقعت کا کم کرنا ہے۔

عصمت

۵۔ عصمت۔ آپ آئینہ لباس تن آئینہ بود۔ جامہ بز جانیست تن خوبان اور وہ بیش بہا جوہر ہے کہ بغیر اس کے چاہے ساری خوبیاں اور دنیا بھر کا جہیز کیون نہ ہو لیکن شادی کے قابل نہیں۔ کامل عصمت یہ ہے کہ اگر بدلی خالی اور بد شرمی کا لفظ بھی کان میں پڑے تو لب پر مسکراہٹ تک نہ آئے۔ اس کو خیال سے سننا تو درکنار رہا۔ بد اطوار عورت سے تو واقفیت پیدا کرنی بھی بُری ہے کجا کہ شادی کرنا۔ کوہٹ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میں کسی چنچل چھوکری کو دیکھتا ہوں تو اس سے گپ شپ لڑانے کو تو میرا بہت جی چاہتا ہے مگر اُسے بیوی بنانیکا خیال بھی میرے پاس نہیں پھٹکتا۔ عصمت تمام بد قسمتی اور مصیبتوں کا عوض ہے یہ ایک ایسی چیز ہے کہ ہو تو کامل یا نہ ہو تو بالکل نہیں۔ بے عصمت عورت کبھی اعتبار کے قابل نہیں۔ جب اُس نے ایک سے ناجائز بے تکلفی اختیار کر لی پھر تو اوروں سے اختلاط کرنے میں کیا باگ ہوگا۔ اگر کسی شخص کو خدا سزا دے کہ وہ اس کی بیوی کے اطوار خراب ہیں تو نہایت تحمل اور استقلال سے کام لینا چاہیے اور جب تک جرم پایہ ثبوت کو نہ پہنچ جائے۔ کسی رنجش۔ غصہ یا افسوس کا اظہار مناسب نہیں۔ البتہ ثابت ہونے پر اس سے بالکل علیحدگی اور کنارہ کشی اولیٰ ہے۔

عذر اور کوئی سبب اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے کافی دلیل نہیں ہو سکتا۔
 اور اگر کوئی شخص اتنا بے حیا ہو تو انسان نہیں حیوان ہے۔ ہندوؤں کی پاکدامن بیویاں
 میان کے ساتھ سستی ہونا گوارا کرتی تھیں۔ لیکن زندہ رہ کر دوسرے مرد کی صورت
 دیکھنا گوارا نہ تھا۔ ہندو ہو یا مسلمان پاکدامنی پر دھتہ لگانے اور مان باپ بھائی
 بہن عزیز واقارب کے نام کو بٹ لگانے سے مر جانا ہزار درجہ بہتر ہے۔ اولاد کو
 مان باپ کی اطاعت اور عزت کرنی فرض ہے۔ لیکن ایسی مان کی اولاد جس نے
 خاندان بھر کا نام ڈبو دیا ہو جس نے خود اولاد کی عزت کو مٹایا ہو کیا خاک اسکی
 فرمان برداری اور عزت کر سکتی ہے۔

۶۔ پرہیزگاری۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ ہمارے ملک میں شریف خاندان کے
 لوگ اس صفت سے اکثر متصف ہیں۔ بعض مرد تو شاید چوری چھپے کہیں دو ایک
 جرّہ شراب کے پی جاتے ہوں لیکن بی بیان خواہ چھوڑ ہوں۔ بد سلیقہ ہوں۔ بزربا
 ہوں۔ لیکن بادہ خوار نہیں۔ مان جو لوگ ولایتی بیویاں کر کے لاتے ہیں یا جو
 بازار میں عام عورتوں سے نکاح کے تعلقات پیدا کرتے ہیں شاید ان کو یہ چیز بھی
 ضروریات زندگی کی طرح مہیا کرنی پڑتی ہو۔ لیکن اگر کسی اور سبب سے نہیں تو صرف
 اس ہی سبب سے اس فرقہ سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کہ ان میں پرہیزگاری نہیں
 ہوتی۔ عورتوں ہی پر کیا منحصر ہے۔ بادہ خوار مرد بھی ہمیشہ خوار رہتے ہیں۔ اور
 اس قابل نہیں ہوتے کہ کوئی نیک بخت عورت ان کے پتے بندھنا پسند کرے۔
 اگر مشکل کام آپڑے اور اس کے لئے کسی آدمی کی تلاش ہو تو کون ایسے مرد یا عورت کا
 انتخاب کریگا۔ جو شراب میں مغمور ہو۔ جسے دو قدم چلنا محال ہو۔ جس کے ہاتھ پاؤں
 زبان قابو میں نہ ہوں اور کون یقین کریگا کہ ایسا کام ایسے مرد یا عورت کے ہاتھوں
 اچھی طرح پورا ہوگا؟ دنیا کی گاڑی کا چلانا آسان کام نہیں۔ اس میں قدم قدم پر
 دقتوں کا سامنا ہے۔ پھر کیوں کر ایسا شخص اس کے لئے انتخاب کیا جاسکتا ہے۔
 جو عالم بدستی میں اپنے ہوش و حواس سے کام نہ لے سکتا ہو! فرض کرو کہ ایک

چھوڑنا چاہتا ہو جو بچوں کو اچھی طرح تعلیم دے۔ لڑکوں کو نیک راہ چلائے۔ لڑکیوں کو سلیقہ۔ شعور اور اچھی اچھی باتیں سکھائے تاکہ بچے عزت اور آبرو حاصل کریں اور جو مال و متاع وہ چھوڑتا ہے ایسے انتظام سے صرف کرے کہ پس ماندوں کو تکلیف نہ ہو اور جائداد کی نگرانی اور انتظام ایسا اچھا رہے کہ وہ برباد نہ ہونے پائے تو کیا وہ شخص شراب خوار اور ناپربہیز کا شخص کو بچوں کی اتالیقی اور گھر کے انتظام کے لئے انتخاب کریگا؟ ہرگز نہیں! لیکن اگر یہ شخص خاوند یا بیوی ہو جس کے ہاتھ میں قدرتا سارا سرانجام چھوڑنا ہے تو اس شخص کی تکلیف کا کیا اندازہ ہوگا۔ جب ہم ایک ناپربہیز کا رٹو کر بھی رکھنا پسند نہیں کرتے۔ تو اپنے گھر بار کا شریک کس طرح بنا سکتے ہیں۔ ناپربہیز کا شخص صرف اور وہی کو تکلیف نہیں دیتا۔ بلکہ اپنے تئیں بھی مضرت پہنچاتا ہے۔ کیونکہ اس کی یہ خراب عادت اس کو دنیا میں کسی کام کا نہیں رکھتی اور اس کا گھر آخر کار برباد ہو جاتا ہے۔ پربہیز گاری تمام خوبیوں کی جڑ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان بھلی باتیں سیکھ ہی نہیں سکتا نہ کوئی بھلا کام کر سکتا ہے۔ دوسروں پر اس کی صحبت وہ بُرا اثر کرتی ہے جو زہریلی ہو ا صحت پر۔

۷۔ محنت کشی۔ محنت سے یہ مراد نہیں کہ کوئی شخص اکتساب معاش کی غرض سے کچھ کام کرے۔ بلکہ اون لوگوں میں بھی جن کے پاس ضرورت سے زیادہ دولت ہو کچھ نہ کچھ محنت کی عادت ہونی چاہئے۔ نوابوں اور امراء کی بیٹیاں بھی محنتی یا کاہل ہو سکتی ہیں۔ زندگی کی کوئی حالت ایسی نہیں ہے جس میں ایک بیوی کی محنت گھر کی بہبودی اور زوجین کی مسرت کا باعث نہ ہو۔ کیونکہ اگر ہم صاف ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں اور کسی کام پر توجہ نہیں کرتیں تو نوکروں لونڈیوں سے اُمید نہ رکھنی چاہئے کہ وہ کچھ کام ٹھیک طور پر کریں گی۔ بلکہ وہ اور کاہل و عیانی عورتوں کے لئے محنت کرنی اور گھر کا کاروبار خود انجام دینے کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے مردوں کو تحصیل علم اور اکتساب معاش کا اور یہ عادت عورتوں کے دل کو

محنت کی
عادت

خوش اور صحت کو بھی درست رکھتی ہے جو عورتیں گھر کے کاموں کو ہاتھ تک نہیں لگاتیں۔ ان کو قلت اشتہا۔ درد سر۔ اعضا شکنی۔ دل کی گھبراہٹ۔ بستی اور اس قسم کی شکایتیں اکثر ستایا کرتی ہیں۔ اور جب اوقات گزاری کے لئے مشغہ کی ضرورت ہوتی ہے تو یا تو ماؤں سے ادھر ادھر کی مخرب اخلاق کہانیاں سنتی ہیں یا کھڑکی یا دیوار پر سے ہمسایہ سے باتیں کرتی ہیں۔ نوکروں سے کوئی کام جب تک اس کی نگرانی نہ ہو پورا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ ہمیشہ یہی کوشش کرتے رہیں گے کہ ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں اور لوٹ لوٹ کر کھائیں۔ کوئی کام کیا بھی تو خراب ناکارہ اُلٹا۔ نفع کی جگہ نقصان۔ غرض ہر وقت مشکون کا سامنا ہوگا۔ اور صرف اس وجہ سے کہ گھروالی کاہل اور سست ہے۔

کوئی کام کرنا صرف صحت جسمانی کے لئے ہی ضرور نہیں ہے بلکہ دل کے واسطے بھی اکسیر ہے۔ بیکار عورت ہمیشہ بد مزاج۔ لڑا کو۔ چڑچڑی اور فضول خرچ ہوتی ہے۔ اس کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کے لحاظ سے وہ اگر مردہ نہیں ہے تو خوابیدہ ضرور ہے۔ اور وہ عورت جو اپنے گھر کا کام خود کرے اور خود ہر ایک چھوٹے بڑے کام کی نگرانی رکھے وہ سارے گھروالوں کے لئے باعث خوشی اور باعث آرام ہے۔ اور جو بچے اس کے زیر تربیت ہوں وہ بھی عمدہ سبق حاصل کر سکیں گے۔ گھروالی میں خود کام کرنے اور دوسروں سے کام لینے کی لیاقت ہونی چاہئے۔ گھر کا آمد و خرچ برابر رکھنا۔ ہر ایک چیز قاعدہ اور قرینہ سے ضرورت کے مطابق صرف کرنی۔ گھر کی چیزوں کو بالترتیب صاف و آراستہ رکھنا۔ اور نوکروں پر دانشمندانہ حکومت کرنا۔ اور ان سے کام لینا عورت کا فرض ہے۔ اور ایسے انتظام خانہ داری کے لئے عورت میں خود کام کرنے دوسروں سے کام لینے کی لیاقت۔ سلیقہ۔ تربیت اور نگہداشت کی قوت۔ پیش بینی۔ دور اندیشی۔ سمجھ۔ تمیز ہونی چاہئے۔

۸۔ کفایت شعاری۔ کفایت شعاری کے معنی یہ ہیں کہ فضول خرچی نہ ہو۔ کفایت شعاری اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ طبیعت میں کچل ہو۔ اور تن کو کھڑا اور سٹ کو روک دینے کو

بھی دل نہ چاہئے۔ بلکہ کفایت شعاری یہ ہے کہ غیر ضروری اخراجات سے احتراز کیا جائے۔
 کفایت شعاری خواہ امیری ہو یا غریبی دونوں حالتوں میں اچھی ہی ہے۔ بہت سے
 امیر آدمی جن کے ہاں دولت کے کھتے بھرے پڑے تھے فضول خرچی کے طفیل
 روٹیوں سے محتاج ہو گئے۔ اور اگر میان بیوی دونوں فضول خرچ ہوں تو بہت مشکل
 اوسط درجہ اور غریب آدمیوں کے لئے تو کفایت شعاری گویا فرض عین ہے۔ اور
 غضب ہے اگر ان کی بیویاں امیر زادوں کی حرص کریں۔ اور ساری کمائی گوڑے
 اور پٹھ میں رائیگان کر دیں۔ مرد کو یہ پہچانتا بھی آسان نہیں کہ جس لڑکی کو اس کی
 طبیعت نے ہمیشہ کا ساتھی پسند کیا ہے وہ کفایت شعار ہے یا فضول خرچ لیکن
 پھر بھی اگر نظر غور و تعمق سے طبیعت کے میدان کا اندازہ کیا جائے تو ضرور کچھ نہ کچھ
 پہچل سکیگا۔ اول تو لباس کی طرف غور کرو کہ آیا لباس رتبہ سے زیادہ پریشان و
 شوکت رہتا ہے یا موافق۔ دکھاوے کی اشیاء زیادہ استعمال کی جاتی ہیں یا مفید
 بکار آمد اور جو میدان اس وقت معلوم ہو وہ عمر بھر رہیگا۔ اگر کسی لڑکی کی ایسی
 عادت معلوم ہو کہ عمدہ کھانے عمدہ پہننے زیورات میں فضول روپیہ خرچ کرتے اور
 غیر مفید کاموں میں دولت برباد کرنے کی عادی ہے تو جان لو کہ جس دن اسکے
 ہاتھ میں میان کی دولت آئی چار دن میں برباد کر دیگی۔ اس موقع پر یہ خیال ہے
 کہ طبیعت کے میدان کو اس کی آمدنی کے وسائل کے ساتھ موازنہ کرنا چاہئے۔
 کیونکہ جو چیز ایک شخص کے واسطے فضول خرچی ہے دوسرے کے لئے نہیں۔

صفائی

۵۔ صفائی۔ بعض پلید طبیعتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ورنہ کس کا جی چاہے
 کہ میلی کچالی عورت یا مرد سے محبت پیدا کرے خصوصاً وہ شخص جس کی اپنی طبیعت
 میں نفاست ہو ایسے جلیس کے ساتھ کیونکر گزارہ کر سکتا ہے۔ آنکھیں تو یہ دھوئیں
 کہ بیوی کی صورت دلفریب ہو اور دلفریبی اور غلاظت یک جا بہم نہیں ہو سکتی۔
 پھر تنگو کیا خاک ہو۔ بعض مرد اپنے پیشوں کے سبب سے ہر وقت صاف نہیں رہتے
 بلکہ گھٹیا کپڑے پہنتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔

ہر ایک چیز کے بیش بہا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہاں بدن اور لباس صاف اور اچلا
 رہنا لازم ہے۔ شادی بیاہ کے موقع یا کسی تقریب کی ضرورت سے نہادھو کر اچلا
 ہو جانا اور نفاست میں قدم رکھنا اور بات ہے۔ اس سے مرد کا دل نہیں خوش ہوتا
 بلکہ دن رات ہر وقت صفائی اور پاکیزگی ہونی چاہئے۔ صفائی ظاہری تہذیب
 اور شائستگی کی نشانی ہے۔ اگر کوئی شخص میلی اور خراب حالت سے کسی جلسہ
 میں جائے تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ اور کوئی پاس بٹھانے کا بھی روادار
 نہیں ہوتا۔ ایک شخص پر منحصر نہیں اقوام کی تمیز کا اندازہ بھی ان کی افراد کی صفائی
 اور نفاست سے اس ہی طرح کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ علم اور سائنس کی ترقی سے انکی
 ترقی یافتہ ہونے کا اندازہ کرتے ہیں۔ اور جس قدر کوئی قوم زیادہ مہذب ہوگی
 اس ہی قدر اس میں صفائی اور پاکیزگی کا لحاظ زیادہ ہوگا۔ دوم صفائی اور
 پاکیزگی صحت اور تندرستی قائم رکھتی ہے اور بہت سی بیماریاں جو بدن یا دل کو بریا
 کرنے والی ہیں پیدا نہیں ہونے دیتی۔ صفائی ظاہر سے طبیعت میں پاکیزہ خیال
 پیدا ہوتے ہیں اور طبیعت شائستہ امور کی طرف راغب رہتی ہے۔ اور اپنے
 آس پاس کی تمام چیزوں کو صاف اور باقاعدہ مرتب دیکھ کر طبیعت کو جو اشیاء
 اور حظ حاصل ہوتا ہے وہ تخیل پر بہت بڑا اثر ڈالتا ہے۔ لباس کے متعلق
 میروں کی عادات کا پچانا تو مشکل ہے۔ کیونکہ وہ بے ضرورت صرف نمائش
 کے لئے بھی تبدیل لباس کیا کرتے ہیں۔ ہاں اوسط درجہ اور غریبوں کی شناخت
 ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی لڑکی اپنے کپڑے ناصاف اور بے مرست رکھے تو کیونکر اُمید
 کی جاسکتی ہے کہ وہ خاوند کے کپڑے صاف اور درست رکھنے کی تکلیف گوارا
 کرے گی۔ اس کا مضائقہ نہیں کہ کپڑے سوئے اور کم قیمت ہوں مگر باسلیقہ سے ہونے
 وقت کے موافق اور صاف ہوں۔ تو جانا چاہئے کہ صفائی اور خوش سلیقگی کا مادہ
 ہے۔ اور اگر خاص اس امر میں بدسلیقگی ظاہر ہو تو اور امور میں بھی سلیقہ کی
 امید نہ رکھیں۔

نہیں کرتے۔ لیکن دل میں یہ امور ایسے نامعلوم طور پر محسوس ہوتے ہیں۔ کہ یہ خبر ہی نہیں ہوتی کہ کس وجہ سے نفرت پیدا ہوئی۔ اور جو جو تکلیفیں اُن وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ بعض کو تو اندیش ان کو بھی دیگر اسباب پر محمول کر دیتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھو تو یہ معلوم ہو جائیگا۔ کہ عورت کی بدسلوکی انتظام خانہ داری کی خرابی اور چیزوں کے خراب اور برباد ہونے کا سبب ہوتی ہے اور اس سے مردوں کے دل میں انقباض اور حقارت اور کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ ان میں اس کے جاننے کی لیاقت نہ ہو حسن اکثر محبت اور دل بستگی کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن حسن بڑھاپے میں نہیں قائم رہ سکتا۔ ہاں طبیعت کی صفائی اور اس کی خوبیاں ہمیشہ رہتی ہیں۔ حسن سے اگر محبت پیدا ہوتی ہے تو صفائی سے محبت قائم رہتی ہے انسان تو انسان کوئی پتھر بھی صاف کیا ہوا اور تراشا ہوا ہو تو نظر کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور عمارت کی محراب میں لگایا جاتا ہے۔ ورنہ وہی پتھر ہے کہ ٹھوکرین کھاتا پھرتا ہے۔

انتظام خانہ داری
کی لیاقت

۱۰۔ انتظام خانہ داری کی لیاقت۔ اس لیاقت کے بغیر کوئی عورت چاہے کسی نواب ہی کی بیوی ہو غریب ہے۔ سب فائین یہ دستور ہے کہ لوگ اپنی لڑکیوں کو سینا پر ونا کھانا پکانا۔ اور گھر کے کام دھندے سکھاتے ہیں اور اس میں شک نہیں اس سے ان کے خاندان میں آرام اور عزت کو ترقی ہوتی تھی۔ گھر کے بہت سے کام ایسے ہیں کہ مائیں اور مغلانیان ان کو نہیں کر سکتیں اور ان میں مردوں کو مداخلت کرنا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اور جو لڑکی خود کوئی کام کرنا نہیں جانتی۔ وہ بڑی ہو کر کسی سے کیونکر کام لیگی۔ جو شخص کچھ کام کرنا نہ جانتا ہو یا جس نے کوئی کام نہ کیا ہو وہ اوروں سے وہ کام نہیں لے سکتا۔ آرام اور خوشی کا انحصار زیادہ تر ان لوگوں کے اطوار پر منحصر ہے۔ جو خدمت کرتے ہیں اور ان کے اطوار اور اوضاع پر گھر کی بیگم کا پر تو پڑتا ہے۔ جن کے ماتحت

میں انتظام خانہ داری کی واقفیت کی اس قدر ضرورت ہے کہ سب سے پہلے کسی لڑکی کے اوصاف میں اس ہی صفت کو دیکھنا چاہئے۔

انتظام خانہ داری کی قابلیت تمام گھر کے آرام و آسائش کے لئے ضروری ہے گھر کے ادنیٰ ادنیٰ کام بہت بڑے آرام اور آسائش کا باعث ہوتے ہیں اور گھر والی کی توجہ کے بغیر دست ہنہین ہوتے۔ جس طرح مردوں کو ملازمت تجارت مزدوری یا کسی پیشہ کی خبر گیری رکھنی اور اس کے کاموں کو با حسن وجہ انجام دینا ضروری ہے۔ اسی طرح عورتوں کو سینا پرونا۔ کھانا پکانا۔ بچوں کی نگہداشت اور پرداخت اور گھر کی ہر ایک چیز کی خبر گیری اور اس کو سلیقہ سے برتنا فرض ہے۔ اگر بیوی میں یہ قابلیت ہنہین تو گھر میں جس قدر زیادہ دولت ہوگی اتنی ہی زیادہ ابتری ہوگی اور جس قدر زیادہ نوکر اور مامائیں ہوں گی اُسی قدر زیادہ کاموں میں بد انتظامی اور دیر ہوگی۔ جس قدر زیادہ انائیں اور مانیان ہوں گی اُسی قدر بچے زیادہ بے تربیت کثیف۔ بد اخلاق ہوں گے۔ غرض جس قدر زیادہ سامان مہیا ہوں گے۔ اس ہی قدر زیادہ ہر ایک چیز بے ترتیب اور ناقابل استعمال ملیگی۔ اور ضرورت کے وقت تکلیف رہیگی۔ بلکہ انتظام خانہ داری کی عمدگی اس پر منحصر ہے کہ خود بیوی کو اس کا خیال رہے۔

کوئی کام جو بالکل نوکروں کے اختیار میں چھوڑ دیا جائے عمدہ اور وقت پر ہنہین ہوتا۔ بیوی کی لیاقت اور تمکنت کی یہ نشانی ہنہین ہے کہ سارے دن بیٹھی بان کھایا کرین اور دو چار خوشامدی عورتیں بیٹھی جھوٹی سچی باتیں بنائیں۔ بلکہ عورت کا فرض یہ ہے کہ اس کا بہت سا وقت گھر کے کام کاج میں صرف ہو۔ گھر کے باہر کے کام مرد کے ذمہ ہیں۔ اور گھر کے اندر کے عورت کا حصہ ہیں جو عورتیں کھانا پکانا کام بالکل ماماؤں پر چھوڑ دیتی ہیں۔ مغلانیان اور درزی جنکے کپڑے سیتے ہیں۔ انائیں جن کے بچے پالتی ہیں۔ وہ خانہ داری کے لحاظ سے بیکار ہیں۔ ایسی عورتیں بیکار خدمتگاروں کو اس لئے اکٹھا کر لیتی ہیں۔ کہ انکے

انتظام خانہ داری
آرام پہونچاتا ہو

خاوند کی کھائی کو بیدردانہ اٹھائیں۔ اور گھر کی رونق اور آسائش کو خاک میں ملائیں۔ اور جس قدر ایسے خدمتگاروں کا گروہ بڑھتا جاتا ہے۔ اسی قدر ہر ایک کام کی ضرورت اور تکلیف بڑھتی جاتی ہے۔ سلیقہ مند بیوی اپنے گھر کو ایسا صاف پاکیزہ اور دلکش اور آرام دہ بنا سکتی ہے کہ جب اس کا خاوند تمام دن کی تکلیف اور محنت اور کاروبار کے مشاغل سے فرصت پا کر گھر میں آئے۔ تو اس کو یہاں مسرت و راحت ملے اور وہ اپنے گھر کو نہایت صاف اور نہایت باقاعدہ اور منظم دیکھ کر خوش ہو اور اسے معلوم ہو کہ دنیا میں ایک جگہ ہے جہاں کشمکش مشاغل سے اسے پناہ مل سکتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو خاوند کی حالت قابل افسوس ہے خواہ وہ امیر کبیر ہی کیون نہ ہو۔ وہ ہمیشہ بے گھر ہے اگرچہ محلوں میں رہتا ہو۔

۱۱۔ اخلاق حمیدہ۔ شادی سے قبل کسی کے اخلاق کی جانچ پڑتال کرنی

اخلاق حمیدہ

بڑی مشکل ہے۔ اور اگر کسی طرح جاننا ممکن ہو تو زود درج عورت سے پرہیز لازم کر بعضوں کے مزاج تو اس طرح کے خراب ہوتے ہیں کہ چاہے کوئی بات نہ ہو مگر بیگم صاحب کا منہ پھولا ہی رہتا ہے۔ اور آپ ہی آپ خاموش بیٹھی طیش کھایا کرتی ہیں۔ خوئے بد کا ہش جان۔ بعضوں میں یہ عادت ہوتی ہے۔ کہ بات بات پر گلہ بات بات پر شکایت اور پھر شکایت اور گلہ بھی بے وجہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں ضبط اور عقل نہیں۔ نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہونا ہے۔ کہ مرد اپنے لطف صحبت کے لئے کوئی اور حلایس ڈھونڈے اور گھر میں گھسنا اسے ناگوار معلوم ہو۔ جن لوگوں کو قسمت سے خوش اخلاق ہیویان مل جاتی ہیں۔ جو میان کے گھر آنے پر اظہار مسرت کرتی ہیں اوس کے پریشان خیالات کو اپنی دلکش اداؤں سے دور کر دیتی ہیں وہ مرد اپنا بہت سا فرصت کا وقت اپنے گھر میں صرف کرتے ہیں۔ دنیا میں تریا ہٹ مشہور ہے اور یہ دل کی بیماریوں میں سے ایک بیماری ہے۔

۱۲۔ حسن صورت۔ کسی شخص کے شکل و شمائل کی وہ خوبی جس میں

حسن

دوسروں کی طبیعت پر دلفریب اثر ڈالنے کی قوت ہو حسن صورت ہے۔ عورت
 میں حسن ایسا ہی ضرور ہے۔ جیسا کہ چراغ میں نور یا گل میں رنگ و بو۔ جس طرح
 آفتاب کی روشنی تمام دنیا کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور رکھتی ہے۔ اسی طرح
 حسین بی بی اپنے خاوند کے دل کو دنیا بھر کے خراب لالچوں کی تاریکی سے
 بجائے رکھتی ہے۔ یہ مسئلہ ہے کہ دنیا میں ایک سے ایک بہتر ہے۔ لیکن اگر شادی
 سے قبل کسی کی صورت اچھی طرح دل میں گھر کر چکی ہے۔ اور محبت نے پورا اثر
 کر لیا ہے۔ آنکھیں جس کی صورت دیکھنے سے اور دل تعریف کرنے سے سیر نہیں ہوتا
 تو اس کے لئے وہی سب سے اعلیٰ ہے۔ خداوند تعالیٰ نے پسندیدگی کے میدان
 مختلف بنائے ہیں۔ اور اس سبب سے دل کسی میں جو ادال پسند کر لیتا ہے۔ اُسے
 سب سے زیادہ عمدہ اور نفیس خیال کرتا ہے۔ لیکن اگر پہلے سے پسندیدگی نہیں
 ہے تو آئندہ حسن صورت پسند آنا ایک اتفاقی بات ہے ہو یا نہ ہو۔ اسی سبب
 سے حکماء کی یہ رائے ہے کہ شادی سے پہلے دیکھ لینا ضرور ہے۔ امام غزالی رحمۃ
 اللہ علیہ کتاب کیمیائے سعادت کے اصل دوم باب دوم میں لکھتے ہیں۔
 ”اولیٰ آن بود کہ زن را پیش از عقد ببیند تا بہ پسندد۔ و آنگاہ عقد کند کہ بلفت
 امیدوار تر بود“ شاہ ولی اللہ صاحب کتاب حجتہ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خُطِبَ أَحَدُكُمْ الْمَرْأَةَ
 فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ
 إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ وَقَالَ فَإِنَّهُ
 أَحْسَى أَنْ يَوْمَ دَمٍ بَيْنَكُمَا وَقَالَ
 هَلْ مَرَّ أَيْتُهَا فَإِنْ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ
 شَيْئًا - أَمْ قَوْلُ السَّبَبِ فِي اسْتِحْبَابِ
 النَّظَرِ إِلَى الْمَخْطُومَةِ أَنْ تَكُونَتْ

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 ہے کہ جب کوئی تم میں سے کسی عورت سے
 نکاح کا پیام دے تو پس اگر وہ شخص اوس
 چیز کو جو اوس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی
 باعث ہو دیکھ سکے تو دیکھ لے۔ اور فرمایا
 کہ یہ بات تم دونوں میں اُلفت قائم رہنے کے لئے
 انسب ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا
 تو نے اُسکو دیکھ کر اس پر انصار کی آنکھیں نہیں کھولیں

التَّزَوُّجُ عَلَى سَرَّوَيْتٍ وَإِنْ يَكُونُ
أَبْعَدَ مِنَ النَّدَمِ الَّذِي يَكُونُ
إِنْ اِقْتِحَمَ فِي النِّكَاحِ وَلَمْ يُوَافِقْهُ
فَلَمْ يَزِدْهُ وَاسْهَلْ لِلشَّلَا فِي
إِنْ سَرَدَ أَنْ يَكُونَ تَزَوُّجُهَا
عَلَى شَوْقٍ وَنِشَاطٍ أَنْ وَافَقَهُ
وَالرَّجُلُ الْحَكِيمُ لَا يَلْمُ مُوَلِّجًا
حَتَّى يَتَبَيَّنَ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ قَبْلَ
وُلُوجِهِ

کہ دیکھ لینے کے بعد جو نکاح واقع ہوگا ہوشمندی
کے ساتھ ہوگا اور وہ ندامت جو بلا دیکھے بھالے
نکاح کر لینے اور طبیعت کے موافق نہ ہونے اور
پھر اُسکے رد نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے ایسے وقت میں
پیش نہیں آتی۔ اور دیکھنے کے بعد اُسکو رد کرنا آسان
ہوتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں نکاح شوق اور نشاط
کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ وہ اُسکی طبیعت کے موافق
ہوتا ہے۔ اور عقلمند آدمی جب تک کسی چیز کی بھلائی بڑی
پہلے معلوم نہ کر لے اوسکا اقدام نہیں کرتا۔

آئندہ اس وقت کے میلان یا منافرت کا اثر ہمیشہ رنگ دکھاتا ہے۔ اگر
خدا نخواستہ اس وقت منافرت زیادہ ہو تو پھر دیگر خوبیوں سے آگہی کا موقع نہیں
ملتا۔ یا وہ خوبیاں خوبیاں ہی نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن جب کسی کی دلفریب
صورت اور ادائیں تسخیر کر لیتی ہیں۔ تو اخلاق اور بد سلیقگی کے نقص بھی کم
دل آزار ہو جاتے ہیں۔

حسین بی بی اپنے غریب خاوند کی تسکین اور تسخیر کے لئے اُس امیر زادی
کے زیادہ بہتر ہے۔ جس نے عمدہ عمدہ زیورات اور جواہرات سے اپنے تئیں آراستہ
کیا ہو۔ اور بد شکل عورت کو چونکہ اپنے تئیں اچھا بنانے کے لئے زیادہ عمدہ زیورات
اور لباس فاخرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس سبب سے وہ حسین عورت کی نسبت
زیادہ فضول خرچ بھی ہوتی ہے۔ لیکن ”یک صورت زیبا بہ از ہر خلعت دیبا“
اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمام صفات حمیدہ عطا فرمائے تو کیا بڑی بات
ہے ورنہ مذکورہ بالا اوصاف میں سے جس قدر زیادہ حصہ کسی کو ملا ہے اُس ہی قدر
وہ قابل قدر ہے۔ اور تلاش میں اتنا ہی خیال رکھنا مناسب ہے کہ یہ اوصاف
کس درجہ تک پائے جاتے ہیں۔ ورنہ ان میں سے بعض خضائل و فضائل سے برتر اصول

ہر صورتی فضول
خرچی پیدا کرتی
ہے۔

اتفاق و اتحاد

اخلاق اور تدابیر منزل اور سیاست مدن کی واقفیت ایک عمدہ شوہر بننے کے
 اوصاف پیدا کرتی ہے۔ اور جب تک خود مرد قابل نہ ہوں وہ نیک اور لایق
 بیوی کی کما حقہ کبھی قدر نہیں کر سکتے۔ ایک مثل ہے۔ کہ ”چاہ آسان بنا مشکل
 ہے۔“ شاید کسی خاص حد تک یہ سچ ہو لیکن شادی کے بعد مرد و عورت دونوں کو
 سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ہم ایک ایسی گاڑی میں جوتے گئے ہیں جس کی منزل لب گور
 ختم ہوتی ہے اور دنیا کی راحت اور آرام اور متاہل زندگی کی ساری برکتیں ہماری
 باہمی سنجوگ باہمی ملاپ ہمدردی اور باہمی محبت پر منحصر ہیں۔ جب تک مرد و عورت
 دونوں محبت کی رستی میں جکڑے ہوئے نہ ہوں اور ان میں کامل اتفاق اور اتحاد
 نہ ہو۔ متاہل نہ زندگی کی اہم ذمہ داریوں کو اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکتے۔
 جس میان کے دل میں بیوی کی اور جس بیوی کے دل میں میان کی محبت نہ ہو
 وہ میان بیوی نہیں ہیں۔ جو شخص اپنی بیوی کے ہوتے کہیں اور اپنے دل کا پہلا
 ڈھونڈے وہ اپنی سچی راحت اور حقیقی آرام ہی کا خون نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خاندان
 میں بے التفاتی۔ نا اتفاقی۔ اور تمام قسم کی بُرائیوں کا بیج بوتا ہے۔ وہ اپنی اولاد
 اور اپنے چھوٹے رشتہ داروں کے لئے ایک بُری مثال قائم کرتا ہے۔ وہ اپنی
 بیوی کی دل آزاری کا ہی مجرم نہیں ہے۔ بلکہ اس نے فارغ البالی اور عیش
 کے زمانہ میں بیجا گلچہرے اڑا کر وہ تمام حقوق کھود لئے ہیں جن کی رو سے عورت
 پریشانی یا بیماری یا کسی اور قسم کی مصیبت کے دنوں میں وہ اپنی ہمیشہ کی ساتھی
 کی دلجوئی اور مدد اور ہمدردی بلکہ شرکت مصیبت کا مستحق تھا۔ دنیا میں ناجائز
 تعلقات یا آوارگی کے روکنے کے لئے اس سے بہتر تجویز نہیں کہ مرد خود اپنی
 خواہشات کو روک لیں اس گناہ کے پھیلانے کی عورتیں اتنی مجرم نہیں ہیں جتنے
 خود مرد ہیں۔ عصمت مردوں کا بھی ایسا ہی عمدہ جوہر ہے جیسا عورتوں کے لئے
 جو لوگ اس جوہر کو کھو کر حظ اور مسرت ڈھونڈتے ہیں وہ اندھے ہیں کہ اپنی
 آنکھیں کھو کر در در بھٹک بانگتہ ہیں۔ ”بار و خزانہ میں۔“

مردوں میں
 عصمت و
 پاکدامنی کی
 ضرورت

ممکن ہے کہ جو ظاہری اور عارضی محبت اُنہوں نے تھوڑی دیر کے لئے بہت سا
 معاوضہ دیکر خریدی ہے کوئی عمدہ پھل دیگی ہے۔ اقدام معاصی اور حصول لذات
 شہوانی دین و دنیا دونوں میں ندامت اور پشیمانی و بربادی کا باعث ہے۔ اگر
 انسان طبیعت کو خلاف شرع امور سے نہیں روکتا اگر اسے اپنے اوپر اتنا قابو
 حاصل نہیں۔ کہ منہیات سے اجتناب اور اوامر کی پابندی کرے۔ اگر اس کے
 قوائے شہوانی قوائے عقلیہ کے مطیع نہیں تو وہ مرتبہ انسانی سے گر کر مراتب
 بہیمیہ کو پہنچ گیا ہے۔ وہ ایسا ایسے زندان میں گرفتار ہے جہاں مکرو فریب کی زنجیریں
 جھوٹی محبت کے جال بکراؤ سے جکڑے ہوئے ہیں جہاں پر فسوں عشوہ و ناز اور
 ناپاک تزمین نے دھوکہ کی مٹی بن کر زہریلے اثرون کو چھپا رکھا ہے۔ بدکردار شخص
 کی بیوی جب اپنے حقوق کو پورا ہوتے نہیں دیکھتی تو وہ بھی خاوند کے حقوق کا
 لحاظ نہیں رکھتی اور اس کے دل سے اس کی عزت۔ وفاداری۔ رعب۔ ادا کے
 فرائض کا خیال جاتا رہتا ہے۔ خاندانی عزت۔ شرافت و نجابت۔ پاس تنگ
 نام کے لئے مردوں کی پاکدامنی بھی ضروری اور لازمی شرط ہے۔ اور یہ مردوں
 کی سخت غلطی ہے۔ کہ اُنہوں نے اپنے فرقہ کے کیفر کردار سے ایسا اغماض
 کیا ہے۔ گویا ان کی نعر شنیں اگر ان کا جوہر نہیں تو ایسی معمولی بات تو ضرور
 بین جن سے خاندان کے ناموس پر کوئی بڑھ نہیں لگتا۔ لیکن فی الحقیقت یہ
 مردوں کی ہٹ دھرمی ہے اور عورتیں اس ہٹ دھرمی سے واقف ہیں۔

اگر مرد خود بے مروتی اور غفلت شعاری اختیار کرتے ہیں۔ اگر ان کے
 اوضاع و اطوار میں بے قاعدگی ہے۔ اگر خود ان کو اپنا گھرا چھا نہیں معلوم ہوتا
 اور اس میں ان کو کوئی دلچسپی نہیں۔ تو تصور دار وہ خود ہیں اور ان کو
 سارے بُرے نتائج بھگتنے چاہئیں۔ لیکن خوش قسمتی سے دنیا میں ایسی پاک
 نفس عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی بد اطواری کے سبب کیسا ہی انگاروں
 پر کیوں نہ لوٹیں۔ لیکن آبرو ویرجان دیدیتی ہیں۔ ان کی بہت مردانہ گونہ ہمارے

آفرین ہے ! اور اس میں شک نہیں کہ اگر مرد قوانین شریعت کی پابندی کریں اور عورتوں کے حقوق نگاہ رکھیں تو عورتوں کی بد اطواری کی مثالیں بالکل مٹ جائیں صرف نان نفقہ کی کفالت سے بیوی کے پورے حقوق ادا نہیں ہوتے۔ اور انسان بیوی کی پوری خدمات کا مستحق نہیں بن جاتا۔ اس وقت تک متاہلانہ زندگی کی خوشیاں اور راحتیں پوری پوری نصیب نہیں ہوتیں جب تک میان بیوی نے ایک دوسرے کے دل میں گھر نہ کر لیا ہو۔

شادی کے بعد خواہ بیوی کیسی ہی ملے اس کو ستانا اور آزار دینا کمینگی باہمی سلوک بلکہ وحشیانہ حرکت ہے۔ بلکہ شروع ہی سے باہمی رویہ ایسا ہونا چاہئے کہ خوش اخلاقی۔ خندہ پیشانی محبت اور اخلاق کی ادائیں۔ روز بروز زیادہ گرویدہ کرتی جائیں یہاں تک کہ ایک عرصہ کے بعد جب شادی کو کافی مدت گزر جائے تو یہ محبت اور اخلاص طبیعت میں راسخ ہو جائے۔ ابتدا میں چونکہ اجنبیت زیادہ ہوتی ہے لہذا اول ہی سے پوری سرگرمی اور اطاعت و اخلاص کی توقع کرنا بیجا ہے ان اس مطلب کے حصول کے لئے اگرچہ بہ تکلف ہو لیکن نہ اقوال سے بلکہ افعال اور باہمی رویہ سے ہر وقت ہر ضرورت کو اچھی طرح پورا کر کے اور آرام آسائش محبت خاطر داری کا لحاظ کر کے اس طرح پیش آنا چاہئے کہ یہ ثابت ہو جائے کہ دنیا میں بیوی کو خاوند سے اور خاوند کو بیوی سے زیادہ کوئی چیز عزیز اور قابل ترجیح نہیں ہے۔ اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی عزت اور حرمت ہے۔ حتیٰ کہ یہ اعتقاد طبیعتوں میں راسخ ہو جائے اور دل محبت کی بندشوں میں جکڑ جائے عادت طبیعت ثانی ہے۔ اصول صداقت کا شروع ہی سے لحاظ کیا جائے تو پھر اس میں ہی ایسا لطف آنے لگتا ہے۔ کہ خود دل میں اس راہ چلنے کی تحریک پیدا ہو جاتی ہے۔ عورتوں کے دل زیادہ نازک ہوتے ہیں ان کی طبیعت پر ذرا سے رنج اور ذرا سی خوشی کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور خاوند کی ذرا سی بے التفاتی یا بے اعتنائی کا اثر ان کی طبیعت پر زیادہ آزار دہ ہوتا ہے۔ عورت اپنی آزادی

اپنے آرام بلکہ دنیا کے ہر ایک نیک و بد حالت کو ترک کر کے اپنی ساری امیدیں اپنی ساری خوشیاں اور زندگی بھر کا رنج و راحت خاوند کی عنایت اور محبت پر چھوڑ دیتی ہے۔ اس کی مصیبتوں میں ثابت قدمی سے ساتھ دیتی ہے۔ مصائب میں خدمتگاری کرتی ہے۔ کون ایسا شخص ہوگا کہ ایسے رفیق کی دل جوئی نہ کرے۔ اور اس کے حق میں ذرا سا بیجا آزار بھی روارکھے۔ اس ہی طرح سے بیوی کا فرض ہے کہ شوہر کی اطاعت اور رضا جوئی کرے۔ مرد عورت کا محکوم نہیں ہے اور کوئی عورت امید نہیں کر سکتی کہ کوئی مرد بے وجہ عورت کے حکم کو جو وہ بے سوچے سمجھے صرف ناز برداری کے زغم میں کہہ دے اٹھا سکیگا۔ بلکہ عورتوں کا فرض ہے کہ خاوند کی فرمان کی بجا آوری کرے۔ کسی عورت کا یہ شیخی بگھارنا کہ میرا خاوند مجھ سے ڈرتا ہے یا میری بیجا باتیں سنتا ہے اور مجھ سے دبتا ہے فخر نہیں ذلت ہے۔ اگر عورت کی زبان سے کوئی ناشائستہ یا نامناسب لفظ نکلے۔ یا عورت مرد کے ایسے کاموں میں جو عورت کی قابلیت سے زیادہ یا اس سے غیر متعلق ہوں خواہ مخواہ دخل دے تو مرد کو حق ہے کہ اسے روکے۔ جو مرد اپنی بیویوں سے اس طرح دبتے ہیں اور ان کے ایسے محکوم ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کی فضیحت کیا کریں اور یہ سنا کریں یا وہ حاکمانہ یا خاوندانہ برتاؤ کریں اور یہ اٹھائیں یا بیوی کی کسی غلطی یا بیوقوفی پر اس کو تنبیہ نہ کر سکیں تو وہ ناز برداری نہیں کرتے بلکہ غلامی کرتے ہیں۔ جن کی نہ سوسائٹی میں عزت ہے نہ عزیز واقربا میں وقعت نہ خدمتگار اور ہمسایوں میں حرمت اور صرف میان ہی کی آبرو ہی نہیں جاتی بلکہ دانشمند ایسی بیویوں کو بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

ہر گھر کا ایک سردار ہوتا ہے اور جس شخص کے سر پر ساری ذمہ داریوں کا بوجھ ہے وہی گھر کا سردار ہو سکتا ہے۔ اور چھوٹے بڑے سب کو اس ہی کی بات ماننی چاہئے اگر مرد اس استحقاق کو چھوڑ دین تو اوّل ذلت اور پھر بربادی کا سامنا ہے۔

باب چہام

اولاد

۱۔ پرورش اولاد

بچے باغ زندگانی کے پھل پھول ہیں کہ شجر حیات والدین کی زینت اور
خانہ دان کے دل بہلانے اور خوشی بخشنے کا ذریعہ ہیں۔ ان کے پیارے پیارے
حرکات۔ بھولی بھولی باتیں۔ دلفریب صورت۔ مان باپ کی خوشی کا چشمہ اور
غم غلط کرنے کا آلہ ہے۔ اُمید جو انسان کی دلی تسکین اور اطمینان کا ذریعہ ہے
نوناں اولاد کو دیکھ کر قومی ہو جاتی ہے۔ اور دل میں ڈھارس بندھتی ہے۔ کہ
قصائے پیری موجود ہے۔

بچوں کا مشتاق ہونا یا ان سے محبت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انسان کے
دل میں عاجز مخلوق کے ساتھ رحم اور ہمدردی کرنے کا مادہ ہے۔ جو شخص اپنی
اولاد سے محبت نہیں کرتا اس سے یہ امید فضول ہے کہ وہ بنی نوع انسان میں
سے کسی اور سے محبت و معاونت کا برتاؤ کریگا۔ پرورش اولاد مشکل اور سخت کام
ہے۔ لیکن اس کی محبت اس مشکل کو سہل اور سختی کو راحت سے بدل دیتی ہے
حکمت بالغہ الہی نے حیوانات میں بھی یہ قوت اس سبب سے رکھی ہے۔ کہ
ان کی مختلف نسلوں کو سہل اور خوشگوار کر دے۔ حیوانات چونکہ مدنی بالطبع نہیں ہیں
پرورش کا زمانہ ختم ہوتے ہی ان کی محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن انسان
چونکہ مدنی بالطبع ہے۔ اس کے تعلقات عمر بھر قائم رہتے ہیں۔ اس لئے اس کی
محبت میں زیادہ استحکام ہے۔ اسی محبت کے سبب سے والدین پرورش اور
تربیت میں وہ تدابیر اختیار کرتے ہیں جو ان کے ذہن اور ان کی

عادتیں سنوریں۔ اور ہمیشہ ان کی خوشی میں ترقی ہوتی رہے۔ بچوں کی ایسی نگہداشت کرنا جس سے شروع ہی سے وہ شائستہ تندرست اور بشاشت رہیں۔ آسان کام نہیں ہے۔ بچوں کی مزاج کی پرداخت بہت توجہ سے کرنی چاہئے اور ان کے دل میں ایسی قابلیت پیدا کی جائے کہ وہ مان باپ کے منشاء کو سمجھ سکیں اور ان کے اشاروں پر چلیں۔

اولاد کی پرورش

اولاد کی پرورش صرف اس خیال سے نہیں کی جاتی کہ اولاد بڑی ہو کر ان کی خدمت کرے گی۔ بلکہ وہ اس تکلیف و نگہداشت کا عوض ہے جو ان کے مان نے خود ان کی پرورش و تربیت میں اٹھانی تھی۔ بچے اللہ کے معصوم اور لاچار بند ہیں اور اس لئے یہ قاعدہ مقرر فرمایا ہے کہ بے کسوں کی پرورش صاحبان قوت و قدرت کی نذر سے ہوا کرے پس عاجز بچوں کو حتی المقدور اچھی حالت میں رکھنا اور ان کی بہبودی کے لئے سعی کرنا مان باپ کا فرض منصبی ہے۔ بچوں کی جسمانی صحت اور آئندہ اوصاف کی بنیاد بہت کچھ پرورش ہی کے زمانہ میں رکھی جاتی ہے اور مان باپ کی لیاقت اور تجربہ کے استعمال کا وقت اولاد کی پرورش اور تربیت کے وقت سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے پرورش کی تکالیف کو کم کرنے کے لئے یا پون کہو کہ اپنے فرائض کی سجاوڑی میں کوتاہی کرنے کے لئے۔ بچوں کی ابتدائی پرورش اور تربیت بھی انانوں کے سپرد کر دی جاتی ہے اور سچے سب سے پہلے ایک کثیف عورت کے سپرد و دودھ پلانے کے لئے کیا جاتا ہے بچہ کی غذا اللہ تعالیٰ نے مان کی چھاتی میں پیدا کی ہے اور یہی غذا اس کے مزاج کے موافق اور اس کے حق میں مفید قرار دی ہے۔ لیکن اپنے سینہ سے جدا کر کے دوسرے کی گود میں بچہ کو دینا اکثر تن آسانی یا اظہار امارت کی غرض سے ہوتا ہے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں یا تو محبت مادری کی کمی ہے یا بسبب جہالت پرورش کے اصول سے واقف نہیں انما خود بچہ دار ہے اوس کے دل میں خود مامتا کی آگ لگی ہوئی ہے۔ مرنے

بچوں کو انانوں کے سپرد کرنا مفید ہے۔

کاٹ کر اس کے رزق میں شریک کر لیا ہے۔ لیکن اس سے کب ہو سکے گا کہ اپنے بچے سے زیادہ دوسرے بچے کو دودھ پلائے۔ یا اپنی اولاد سے زیادہ دوسرے بچے کی نگہداشت کرے۔ جب مان بچہ پالنے سے دل چڑائے تو انا کو پرانی اولاد کی ایسی کیا لگی ہے کہ پوری پوری نگہداشت رکھے۔ غرض چونکہ اناؤں۔ ماماؤں۔ مانیوں کو بچوں سے اپنی اولاد کی سی محبت نہیں ہوتی وہ مان باپ کے سامنے تو دکھاؤ کو بچے کے صدقہ واری جاتی ہیں۔ لیکن غیبت میں اس کی نگہداشت کی ویسی پروا نہیں کرتیں۔ اور نہیں کر سکتیں۔ جن اناؤں یا ماماؤں کو اولاد سے محبت ہو بھی جاتی ہے۔ تو پرورش کے زمانہ کے اختتام میں اتنی مدت تک ساتھ رہنے سے ہوتی ہے۔ برخلاف مان کے کہ اس کو محبت پیدا ہوتے ہی ویسی ہوتی ہے جیسی آخرین۔ پس نازک وقت میں کہ پرورش اور نگہداشت کی زیادہ ضرورت ہے۔ مان کی سی دلسوزی اور محبت نہ ہونے کی وجہ سے بچہ نقصان میں رہتا ہی۔ ایک مان کا دودھ ایک بچے کی پوری غذا ہے۔ انا کو دیکر دوسرے بچے کے ساتھ شریک کرنا دونوں کی حق تلفی اور بے انصافی ہے۔

انہیں کافی نگہداشت نہیں کرتیں

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انا کچھ عرصہ کے بعد چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اور اب ادھر تو مان کا دودھ خشک ہو جاتا ہے۔ ادھر بچہ اُس انا سے مانوس ہو جاتا ہے۔ کچھ بھوک کے مارے اور کچھ پالنے والی کے غم میں بچہ کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

نا سمجھ بچے جب انا اور اس کے بچوں کی صحبت میں رہیں گے تو ظاہر ہے کہ سوا آوارگی کے اور کیا سیکھیں گے اور اس وقت آوارگی کا بیج ان کی طبیعت میں بویا جائیگا تو بڑے ہو کر اس کے نکالنے اور اخلاق حسنہ پیدا کرنے کے لئے کتنی دقت اٹھانی پڑے گی۔ زمانہ میں شرافت اور نجابت کی پرستش اس اعتقاد پر مبنی ہے کہ شریفوں کی اولاد میں عمدہ خون اور شریف سوسائٹی کے سبب قدرتا عمدہ اوصاف ہوتے ہیں۔ پس بچہ کو رذیل اور کم ذات عورت کا دودھ پلانا اس میں طبعاً اخلاق ذمہ کا سد اکنا۔ ایک بچہ کا قتل ہے کہ اسے بچہ کو غلام کے ساتھ

بعض اوقات انا بچے کی خرابی صحت یا کمزوری کا باعث ہو جاتی ہے۔

انہوں کی صحبت مخرب اخلاق ہو

پرورش کراؤ تو ایک غلام کے بدلے تمہارے پاس دو غلام ہو جائیں گے۔“

اس سے بھی زیادہ بدتر ہے غیر قوموں کے ہاتھ میں بچوں کی پرورش اور

تربیت کا سپرد کرنا۔ ہمارے ملک میں امراء کے ہاں یہ قاعدہ ہوتا چلا ہے کہ عیسائی

یا پورپن عورتیں نرس مقرر کی جاتی ہیں۔ اور بچہ کم و بیش بالکل ان کے ہاتھوں

میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یورپین نرس اس خیال سے کہ وہ تعلیم یافتہ اور بچہ کی

پرورش کے قاعدہ سے واقف ہوتی ہے۔ شاید دیسی غریب جاہل انا کی نسبت

بہتر ہو۔ بلکہ شاید بچہ کی صحت اور خدمت کا ان جاہل ماؤں سے بھی بہتر انتظام

کرے جن کی ناقابلیت کے سبب بچہ اُن غیر قوم اور غیر مذہب عورتوں کے سپرد

کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی بیش قرار تنخواہ کی بہت تعلیم یافتہ عورت مقرر کی گئی ہے

تو وہ یہ بھی کر لگی کہ بچہ کو شروع ہی سے انگریزی باتیں کرنا اور انگریزی معاشرت

پابند ہونا سکھا دیگی۔ یہ باتیں خواہ اچھی ہوں یا بُری یا خواہ کسی قدر اعلیٰ درجہ پر

کیون نہ حاصل ہوں۔ بچہ کو ایسی عورتوں کے سپرد کرنے سے وہ بہت بڑا جوہر

جاتا رہیگا جو اس کے لئے انسانیت کی شان ہوتا۔ اور جو نہ صرف اس کے لئے

بلکہ اس کی تمام قوم کے لئے فائدہ کی چیز ہے۔ یعنی ”قومیت و اخوت“ انسان

کی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جو کچھ آنکھ سے دیکھتا ہے اس کا اثر اس کے دل پر

ان باتوں سے زیادہ ہوتا ہے جو وہ کانوں سے سنے اور بچوں کے دل میں وہ

باتیں جو وہ دیکھیں نقش ہو جاتی ہیں۔ اور ان کو جو کچھ علم حاصل ہوتا ہے وہ بیشتر

آنکھوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اور ان کو تو کیا دوسروں کو بھی نہیں

معلوم ہوتا کہ چپکے ہی چپکے ان کی طبیعت کیا رنگ اختیار کر رہی ہے۔ اس وقت

ان کو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھیں اور سنیں اور سیکھیں غرض جو

نقش ان کے دل میں جمے ویسا اثر پیدا کرے۔ جیسا آگے چلکر ان کو بنانا ہے

غیر قوموں کے ہاتھ میں پرورش پانے والے بچے چاہے آسمان کے تارے ہو یا

زمین کے پتھر۔ ان کے دل میں جو نقش ہو جائے گا وہ ان کی زندگی کا

غیر قوموں کی
عورتوں کے ہاتھ
میں بچہ کی پرورش
سپرد کرنا کا اثر

وجود سے سوسائٹی کو ذرہ سا بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا جو لوگ غیر قوم کی عورت کے ہاتھ میں اپنا بچہ دیتے ہیں۔ وہ گویا اپنی قوم سے ایک شخص کو کم کرتے ہیں۔

مدارس کی تعلیم خواہ کچھ بھی ہو جو اثر کہ اس ابتدائی زمانہ کی گھر کی مثالیں دیکھ کر بچہ کی طبیعت پر پڑا ہے۔ وہ آئندہ جو ان مرد یا عورت ہو کر ان کی طبیعت سے نکلنے والا نہیں۔ گھر سوسائٹی کا آئینہ ہے۔ اور جب وہ اپنے ایک سرپرست کو ایک خاص مذہب۔ خاص زبان۔ خاص خیالات۔ خاص طرز معاشرت۔ کا دیکھیں گے۔ تو ان باتوں سے ان کو اجنبیت اور مغایرت نہ رہیگی۔ اور جب کہ سرپرست بھی وہ ہو۔ جس کی گود میں وہ کھیل کھیل کر بڑے ہوئے ہوں۔ اور جس سے ان کو مان سے زیادہ محبت ہو تو اس کی ہر ایک ادا سے مغایرت تو کجا موانست ہوگی۔ یہ سچ ہے کہ بڑے ہو کر بھی انسان دوسری قوموں سے ملتا جلتا اور ان کے اوضاع و اطوار سے واقفیت پیدا کرتا ہے۔ لیکن اہل دانش جانتے ہیں کہ خیالات کے راسخ اور خصائل کے پختہ ہونے کے بعد جو ایسی واقفیت حاصل ہوتی ہے تو بعض خام طبیعتوں کا تو کہنا نہیں ورنہ اس کا اثر ایسا قوی نہیں ہوتا کہ ان کو پرانا نہ سمجھے۔ لیکن یہ بچے جنہوں نے آنکھ کھول کر یہ باتیں دیکھیں اس سے بالکل متاثر ہو جاتے ہیں۔ طفولیت کے زمانہ میں پرورش و تربیت کے طریقہ سے خواہ اچھی ہو یا بُری مفید ہو یا غیر مفید۔ عادات۔ خصائل۔ خیالات۔ رائے۔ مسائل اور اصول جو تمدن اور معاشرت کی بنیاد ہیں۔ قائم ہوتی ہیں۔ پروفیسر بلیسکی بیان کرتے ہیں کہ اپنی قوم سے محبت کرنے کی اصل یہ ہے کہ اپنے ہاں کی ذرا ذرا سی عمدہ بات سے محبت ہو اور یہ محبت بچپن ہی میں پیدا ہو سکتی ہے۔ بڑے ہو کر محبت کا یہ دائرہ بھی وسیع ہو جاتا ہے اور قومیت کی بنیاد قائم ہوتی ہے لیکن جن لوگوں کے دل میں زمانہ طفولیت میں نیشیلٹی کی اصل قائم نہ کی گئی ہو۔ ان سے بڑے ہو کر اس کی امید رکھنی طلب محال ہے۔ ہاں علالت یا دودھ کی قلت یا

بچے کو اپنے پاس رکھنا اور اس کو بازار کا دودھ وغیرہ طبی طریق پر دینا۔ زیادہ مفید اور زیادہ سہل ہے نسبت اس کے کہ اسے انا کو دیکر مان کی چھاتی سے علیحدہ کیا جائے۔

انا کی محبت

جب بچے ذرا ہوش سنبھالنے لگتے ہیں تو وہ اپنے تئیں اناؤں کے پاس دیکھتے ہیں۔ اور اپنی ساری حاجتیں اور ضرورتیں ان سے وابستہ اور ان ہی سے پوری ہوتی ہوئی پاتے ہیں۔ تو وہ قدرتاً مان سے زیادہ انا سے محبت کرتے ہیں بڑے ہو کر انہیں سکھانا پڑتا ہے کہ مان سے محبت کرنی فرض ہے تو چاہے سمجھ آجانے کے سبب وہ مان کا زیادہ ادب کرنے لگیں۔ لیکن مان کی محبت کا وہ طبعی جوش جو بچپن میں پیدا ہونا چاہئے تھا اب نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا۔

پرورش کے اصول

بعض بچے تندرست اور توانا ہوتے ہیں۔ اور مان باپ کو پرورش کرنے میں زیادہ دقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ بعض ایسے کمزور اور لاغر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ حکیم کے زیر علاج رہتے ہیں۔ لیکن اس میں بچوں کا قصور نہیں ہے۔ بلکہ یا تو ان کے حفظ صحت کا لحاظ نہ رکھنا اس کا باعث ہوتا ہے۔ یا وہ خلقتاً نہایت کمزور اور بیمار پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ اکثر خود مان باپ کی صحت کی خرابی ہوتی ہے۔

بڑے ہون یا بچے سب کے لئے تازی اور صاف ہوا کی ضرورت ہے۔ دنیا میں طرح طرح کے زہر ہیں۔ لیکن شاید کسی اور زہر سے اتنی جانیں تلف نہیں ہوتیں جتنی زہریلی ہوا سے۔ اس لئے اوس مکان کو جہاں بچے رہیں تمام آلائش سے پاک اور صاف رکھنا چاہئے۔ صبح و شام بچوں کو باغون اور کھلے میدانوں میں ہوا خوری کو لیجانا بھی ان کے لئے مفید صحت ہوتا ہے۔

ہوا سے دوسرے درجہ پر صاف پانی کی حاجت ہے۔ جہاں تک ممکن ہو بچوں کو فلٹر میں مقطر کر کے۔ پانی دیا جائے۔ اور جہاں خراب کثیف پانی ملے۔ تو

تیسرے درجہ پر کھانے کا انتظام ہے۔ لوگ بچوں کو بہلانے کی خاطر کوئی نہ کوئی کھانے کی چیز دیدیتے ہیں۔ بے وقت اور مضر صحت چیزیں کھانے سے ان کے معدے خراب ہو جاتے ہیں۔ اور تندرستی میں فرق پڑ جاتا ہے۔ انائین تو اپنی جان چھٹانے کو اور کچھ نہیں تو سوکھی روٹی کے ٹکڑے ہر وقت ان کو دے کر بہلاتی ہیں۔ اس طرح بچوں کی نیت خراب ہو جاتی ہے کہ ہر وقت وہ کھانے کو مانگے جاتے ہیں۔ بچوں کے کھانے کے اوقات مقرر کرنے لازم ہیں۔ اور ان کی عمر اور مزاج کے لحاظ سے طاقت بخش اور عمدہ غذا دینی چاہئے۔ بدن کو جن جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دودھ اور سب کو پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح انڈا بھی جسم کی پرورش کرنے میں مفید ہے۔ گوشت طاقت بخشتا ہے۔ پکے پھل بہت مفید ہوتے ہیں۔ لیکن کچے اور گلے سڑے نہایت مضر صحت ہیں

چاء اور کافی صغیر سن بچوں کو مفید نہیں ان کو دودھ اور کھیر کھلانی چاہئے بچوں کو روز نہلانا اور ان کے کپڑے بدلتے رہنا مفید صحت ہے۔ جاڑے کے موسم میں گرم کپڑے پہنانا اور ہوا سے بچانا اور گرمی میں دھوپ میں ننگے پانوں ننگے سر پھرنے سے منع کرنا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ بچوں کے لئے گوٹہ کناری کے قیمتی کپڑے یا سونے چاندی کے زیور بنانے میں روپیہ ضائع کیا جائے بہتر ہے کہ ان کے لئے بہت سے سادہ جوڑے تیار کر لئے جائیں۔ اور روزانہ کے کپڑے بدل دئے جائیں صاف لباس جو ان کی صحت کو برقرار رکھے۔ ان کی واسطے قیمتی لباس سے بہتر ہے۔ صبح کے وقت گرمی میں ٹھنڈے اور جاڑے میں سموکے ہوئے پانی سے نہلانا اور بدن کو ملکر صاف کرنا لازم ہے۔ تھکن۔ بخار۔ اور کھانے کے بعد ٹھنڈے پانی سے نہلانا نقصان دیتا ہے۔

چھوٹے بچوں کے لئے کھیلنا کو دنا۔ اوچھلنا۔ چلنا پھرنا چیخنا ہنسنا ہی ورزش ہے۔ اور ان کو کبھی منع نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ ایسے کھیلوں میں جس میں بھاگنے

اس طرح کھیل کو دین جو ورزش ہوگی اوس سے ہاتھ پاؤں میں چستی اور توانائی آئے گی۔ منو خوب اور جلد ہوگا۔ اور بچے نہایت لبشاش اور تندرست رہیں گے صبح و شام کھلے میدانوں میں بچوں کو کھیل میں مشغول رکھنا اور پڑھنے سے فارغ ہونے یا مدرسہ سے آنے کے بعد سامان تفریح مہیا کرنے ان کے لئے ضرور ہیں۔

بڑے آدمیوں کی نسبت بچوں کو نیند زیادہ آتی ہے اور ان کو زیادہ سونے کی ضرورت بھی ہے اس لئے ان کو سویرے سے سلا دینا چاہئے اور کبھی کبھی نیند میں نہ جگایا جائے۔

۲۔ تربیت اولاد

جب بچے چار یا پنج برس کے ہوتے ہیں تو ان کی تعلیم و تربیت کا فکر کیا جاتا ہے۔ لیکن اصل میں بچوں کی تعلیم و تربیت اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب کہ ان کو ذرا ہوش آئے اور وہ اشیاء کو پہچاننے لگیں۔ اس وقت کی تربیت بہت زیادہ ماؤں کے حسن لیاقت اور قابلیت اور تعلیم یافتہ اور روشن خیال ہونے پر منحصر ہے۔

تربیت میں
عورتوں کا
حصہ۔

تعلیم نسوان خواہ کسی وقت بکار آمد ہو یا نہ ہو لیکن اس وقت ضرور عورت کی اعلیٰ لیاقت بچہ کی عمدہ تربیت کا سبب ہوتی ہے۔ بچوں کی تربیت کی بنیاد اس ہی عمر سے رکھی جاتی ہے مگر اس طرح کہ بچوں کو بات بات کا سبق پڑایا جائے یا ان کو اتنی سی عمر میں روکا ٹوکا جائے یا ان پر سختی اور مار پیٹ کی جائے بلکہ ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہئے کہ خود بخود نیک عادات اور عمدہ خصائل ان میں راسخ ہوتے جائیں۔ بچوں میں کسی بات پر غور و فکر کرنے کا مادہ نہیں ہوتا لیکن جب ان کو اشیاء کا پہچاننا آئے لگتا ہے تو اس وقت سے جو کچھ وہ دیکھتے ہیں اوس کی نقل اوتارنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ ماں باپ جو بات بچہ میں بکارنا چاہتے ہیں۔ خود اس میں لگ جائیں۔ روزمرہ کے

مثال کا اثر
اخلاق پر

معمولی کام اور بود و باش کی عمدہ مثالیں۔ اگرچہ معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن یہ کچھ کم ضروری نہیں ہیں۔ کیونکہ جب یہ باتیں بچہ میں جڑ پکڑتی جاتی ہیں تو اس کی طبیعت کو درست یا خراب کرتی ہیں۔ مہربانی۔ سلوک۔ راستبازی۔ پابندی وقت۔ خود داری کی جو مثالیں بچے مان باپ میں یا اور گھر والوں میں دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں اور یہ عادتیں عمر بھر قائم رہتی ہیں۔

جن گھروں میں محبت کے چراغ روشن ہیں۔ جہاں ادائے فرائض کا خیال رکھا جاتا ہے جہاں کی روزانہ زندگی دیانت اور پرہیزگاری سے بسر ہوتی ہے۔ جہاں گھر کا سردار عقل اور مروت سے کام لیتا ہے۔ ایسے گھروں میں اُمید کی جاسکتی ہے کہ بچے اپنے بزرگوں کی مثال پر چلیں گے اور اپنا رویہ درست رکھیں گے اور اپنے گھر۔ اپنی قوم۔ اپنے ملک۔ بلکہ کل ابنائے جنس کے لئے راحت اور عزت کا باعث ہوں گے۔ لیکن جن گھروں میں خود غرضی۔ جہالت۔ بد مزاجی۔ بد سلیقگی کا دور ہے اس گھر کے بچے بھی وہی عادات اختیار کریں گے۔ اور ان کے ناشائستہ حرکات دوسروں کے لئے بھی تکلیف اور ذلت کا باعث ہوں گے۔

پیدائش کے لحاظ سے سب انسان آپس میں برابر ہیں۔ لیکن دوسرے اعتبارات سے ان میں باہم فرق اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً جو لوگ عمر میں۔ اخلاق میں۔ دولت میں۔ علم میں اور اعتبارات دنیاوی کے لحاظ سے شرافت نسب میں دوسروں پر تفوق رکھتے ہیں وہ زیادہ قابل ادب زیادہ معزز اور با وقعت خیال کے ہوتے ہیں۔ لیکن اس تمام تفریق اور امتیاز کے باوجود بھی ان کو باہمی کر ایک حیثیت سے برابری اور ہمہ سری کا رتبہ حاصل ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے فعل کا پورا محتاج اور آزاد ہے۔ عقل انسانی جو فطرت نے انسان کو عطا کی ہے اس کی راہنما ہے اور فطرتاً انسان مجبور نہیں ہے کہ سوائے نفس ناطقہ کے کسی دوسرے کے علم کی اطاعت کرے یا کسی انسان کی ناجائز جبر و تعدی کی فرمان بری کرے۔

بچوں کو اطاعت کرنی فرض ہے

ہر مذہب و سوسائٹی میں اس کے حقوق اس کی حیثیت کے موافق محفوظ ہیں۔ اور

ان حقوق سے متمتع ہونا انسان کے لئے جائز اور روا ہے۔ حدود آزادی قائم رکھنے
 کے لئے نیچر کا اقتضا یہ ہے کہ امیر اپنے مال میں اور غریب اپنی کھال میں مست
 رہیں۔ لیکن بچوں کو پیدا ہوتے ہی ہمسری کا یہ استحقاق نہیں حاصل ہو جاتا۔
 جب وہ پیدا ہوتے ہیں تو والدین کو ان کے اوپر فرمان دہی کا ایک حق حاصل
 ہوتا ہے۔ بلکہ والدین کا یہ فرض ہوتا ہے کہ ان کی ہر ایک بات پر نظر رکھیں۔ اور
 ان کو ہر امر میں ہدایت کریں۔ جب بچے اتنے بڑے ہو جائیں کہ اپنے نفع و نقصان
 کو خود سمجھنے لگیں اور ان کی عقل اس قدر پختہ ہو جائے کہ نیک و بد میں امتیاز
 کر سکے اس وقت رفتہ رفتہ والدین کو نگرانی کم کرنی چاہئے۔ بچے نا سمجھ۔ بے بس
 ضعیف۔ پیدا ہوتے ہیں اور فطرتاً والدین کا یہ فرض ہے کہ بچوں کی حفاظت اور
 پرورش کریں اور ان کو تعلیم اور تربیت کریں تاکہ وہ سوسائٹی میں اپنے حقوق کے
 پہچاننے اور حقوق کے استعمال میں سلامت روی اختیار کرنے کے قابل ہوں
 فائز العقل اشخاص کو آزادی اور ہمسری کا حق حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ان میں
 اس قدر عقل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے حقوق میں امتیاز کریں۔ اور ان کو استعمال
 کر سکیں۔ اسی طرح جو لوگ عمداً یا سہواً عقل کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں
 اور دوسروں کے حقوق پر دست اندازی کرتے ہیں وہ بھی قانوناً ہمیشہ کے لئے
 یا عرصہ معین کے لئے آزادی سے محروم کر دئے جاتے ہیں۔ بچے چونکہ عقل و
 شعور رکھتے ہی نہیں۔ اس لئے ان کو بھی آزادی کے حقوق اس وقت تک
 نہیں دئے جاتے جب تک کہ وہ اپنی عقل سے کام لینے کے قابل نہ ہوں۔ اور
 اس زمانہ میں وہ والدین کی زیر نگرانی رہتے ہیں۔ والدین کی تعلیم و تربیت ان کو
 اس قابل بناتی ہے۔ کہ وہ سوسائٹی میں عزت۔ وقعت۔ آبرو۔ نام و نمود حاصل
 کر سکیں۔ اور پورے آزاد بن کر رہیں۔

بچوں کو آزادی
 کا سبق

آزادی سے یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ انسان کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہو
 اور ایک وحش یا جانور کا طرح وہ کھلے بندوں بھرے۔ باقوالے غضبی کی مطاعت

میں جو چاہے کرے۔ بلکہ بیان آزادی کے یہ معنی ہیں کہ انسان اس قابل ہو کہ قانوناً جو حقوق اس کو سوسائٹی میں حاصل ہیں ان سے متمتع ہو سکے اور ان کا پورا پورا حفظ اٹھانے میں کوئی چیز اس کی مداخلت یا مزاحمت نہ کرنے پائے۔ قانون مروجہ اگرچہ بظاہر روک اور بندش معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے حدود کا تعین کرتا ہے۔

والدین کا چونکہ یہ فرض ہے کہ زمانہ طفولیت میں بچے کی پرورش کریں ان کا یہ بھی فرض ہے کہ اس کو آزادی کے حقیقی معنی سمجھائیں اور بلحاظ تمدن جو مرتبہ اس کو حاصل ہے۔ اس سے پورا آگاہ کریں۔ اسی طرح والدین کا یہ بھی فرض ہے کہ جب تک بچہ نا سمجھ ہے اس کے افعال پر نگاہ رکھیں اور اس کو اپنے احکامات پر اس طرح چلنا سکھائیں کہ آگے چل کر وہ تمدن کے قانون کی پیروی کرنا سیکھے۔ اور جب بڑا ہو کر اس میں خود مختاری اور آزادی کی خواہش پیدا ہو تو اس میں ساتھ ہی یہ قابلیت بھی ہو کہ وہ اپنے کام اور اپنے افعال و اقوال کو عقل صواب اندیش کی رہنمائی سے حد اعتدال پر رکھے۔ لیکن جب تک قوائے عقلی اس قدر پختہ نہ ہو جائیں کہ اپنے اور پرانے کے حقوق میں امتیاز حاصل کر سکے اور اپنے حقوق کو ٹھیک طور پر کام میں لاسکے اس کو اس وقت تک ایسے شخص کی ہدایت ضروری ہے جو ان باتوں کو نا سمجھ بچے سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہو اور بچے کو والدین کی مرضی اور ان کی صلاح پر چلنا فرض ہے۔ والدین کا پہلا اور ضروری فرض یہ ہے کہ اولاد کی صحت کی نگرانی رکھیں اور اس کو ایسی تعلیم دیں کہ وہ بڑے ہو کر اپنے قوائے ظاہری اور باطنی سے پورے طور پر کام لے سکے نہ یہ کہ دیکھنے کو تو خاصہ بھلا چنگا ہو لیکن جہالت کے سبب دنیا میں ذلیل و خوار رہے یا علم میں کمال پیدا کرے لیکن صحت کو کھو بیٹھے اور اس قابل نہ رہے کہ جو اس نے پڑھا ہے اس کو کام میں لاسکے۔

اطاعت کا سبق

ایسے ڈھب سے پڑھانا لکھانا چاہئے کہ ان کی طاقت نہ گھٹے اور نمونہ میں فرق نہ آئے
ورنہ ساری تربیت بیکار اور لا حاصل ہے۔

طفولیت کے زمانہ پر آئندہ زندگی کے بننے کا انحصار ہے۔ یہی زمانہ جسم کے نمو
اور اعضا کی پرورش کا ہے۔ اگر اس زمانہ میں صحت خراب ہو گئی۔ تو آئندہ جو عمارت
اس بنیاد پر اٹھیں گی ہمیشہ متزلزل اور کمزور رہیں گی۔

زندگی اکثر اس سبب سے خراب ہو جاتی ہے اور عموماً زندگی کی خوشیوں بلکہ
کامیابیوں پر اس سبب سے پانی پھر جاتا ہے کہ بچے کے میلان طبع کا خیال نہیں
کیا جاتا۔ اور خداوند تعالیٰ نے جو جوہر اس کی طبیعت میں قدرتاً پیدا کئے ہیں ان کی
تکمیل اور تہذیب کا کچھ بھی اہتمام نہیں ہوتا بلکہ اس کو ایسے علوم و فنون کے اکتساب
پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جس کا اس کو مذاق نہیں ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے
میں جو محنت اور مشقت اسے اٹھانی پڑتی ہے وہ اس کے اعضا کو تحلیل اور
روح کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس بے جامعیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کسی خاص فن
میں کمال حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کو خاص خاص مضامین سے دلچسپی ہوتی ہے
اور بعض مضامین سے منافرت۔ تو جن مضامین سے منافرت ہو مارپیٹ کر وہی سکھانے
مفید اور بکار آمد نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ بچہ کی طبیعت کو خاص مناسب کس فن
سے ہے اور پھر اُسی کے سکھانے کی کوشش کرنی لازم ہے تاکہ محنت اور وقت
کم صرف ہو اور بہت کچھ آئے۔

بچوں کو تعلیم دینا آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم و تربیت بہت مشکل فن ہے
بچہ کی عادات اور اطوار کا درست کرنا۔ اس کے دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کرنا
اور ساتھ ہی اس کے قوائے جسمانی کے نشوونما کی احتیاط کرنا بہت قابل آدمیوں کا
کام ہے اور اس کے لئے اتنی محبت اور شفقت کی ضرورت ہے۔ جتنی کہ ماں باپ کو
ہوتی ہے۔ مدارس میں بیٹھ کر جماعت کو پڑھانا اور سب کو ایک لکڑی مانگنا۔ طاقت

تعلیم میں میلان
طبع کا لحاظ
رکھا جائے

تربیت مشکل
کام ہے

پڑھانا نسل انسان کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ معلم اور اتالیق کا پہلا فرض یہ نگرانی رکھنا ہے کہ بچہ کی تمام جسمانی طاقتیں اور ذہن اور اخلاق ساتھ ساتھ ترقی کریں۔ بلکہ بچوں کی تعلیم اس طریقہ سے ہونی چاہئے کہ خود داری یعنی اپنے اوضاع و اطوار کو قابو میں رکھنے کی عادتیں۔ خود بخود ان میں پیدا ہوتی جائیں۔ بچوں کو یہ تو بہت سکھایا جاتا ہے کہ لکھتے وقت اس طرح ہاتھ قابو میں رکھو۔ پڑھتے وقت آواز اور لہجہ اس طرح نکالو۔ مضامین نویسی میں الفاظ اس طرح استعمال کرو لیکن کوئی بھی نہیں بتاتا۔ کہ اپنے دلی جذبات پر اس طرح قابو رکھو۔ لالچ۔ غصہ۔ حقارت کو کیونکر دباؤ۔ طبیعت پر کس طرح قدرت حاصل کرو۔ محبت۔ وفاداری۔ اخلاص۔ ہمدردی کا اظہار کیونکر کرنا چاہئے۔ اور فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے کس طرح آمادہ ہونا لازم ہے۔ صحت جسمانی قائم رکھنے کے کیا اصول ہیں اور دنیا میں صحت جسمانی قائم رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر طوطے کی طرح الفاظ کے معنی یاد کر آدے یا کوئی عبارت حفظ کرادی۔ یا اعداد کے بعض خواص سکھا دئے تو یہ تعلیم پوری مفید اور دنیا میں انسان کامل بنانے میں مدد نہیں ہو سکتی۔ جب تک تربیت اسکے ساتھ ساتھ نہ ہو۔

خود داری
کی تعلیم

اتالیق (خواہ مان باپ ہوں یا کوئی غیر استاد) کو خیال رکھنا چاہئے کہ بچہ سے اس ہی قدر کام لیا جائے کہ جس قدر وہ لبہولت کر سکتا ہے نہ کہ اس قدر کہ اس کی طاقت سے باہر ہو۔ سبقت اتنا نہ دو کہ صحت کو نقصان پہنچے۔ زیادہ مطالعہ جسم کو کمزور اور لاغر کرتا اور ضعف معده پیدا کرتا ہے جس سے طرح طرح کے جسمانی عوارض پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر جسمانی ورزش اور تفریح بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے تو مطالعہ سے زیادہ ترقی کا ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔ محنت اعضا جسمانی کو تحلیل کرتی۔ غذا اور راحت ان کو بڑھاتی اور قوت دیتی ہے۔ اگر ہر عضو سے بقدر مناسب کام لیا جائے تو وہ طاقتور رہتا ہے اور ہر وقت کام دینے کے لئے مستعد رہتا ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ کام لانا بہتر ہے۔

کام بمقدار
طاقت لینا
چاہئے

کم زور ہو جاتا ہے۔ یہی حال دماغ کا ہے کہ اگر اس سے اوس کی طاقت سے زیادہ کام لیا جائے تو کم زوری لاحق ہوتی ہے۔ طبیعت مکدر اور منقبض ہو جاتی ہے۔ افراد انسانی میں کام کر سکنے کی طاقت کم و بیش ہوتی ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ جتنا کام ایک شخص کر سکتا ہے دوسرا شخص بھی اتنے وقت میں اسی قدر کر سکے لہذا پہلے تجربہ سے معلوم کرنا چاہئے کہ لڑکا تعلیم کا کس قدر بار اٹھا سکتا ہے۔ نوجوان آدمی جن کی صحت بہت اچھی ہو۔ بدن میں خوب طاقت ہو اور روز جہانی ورزش کرتے ہوں اور خوب کھاتے پیتے بھی ہوں۔ کھلے میدان اور تازہ ہوا میں رہتے ہوں بحساب اوسط جاڑے کے دنوں میں دن گھنٹے کام کر سکتے ہیں اور گرمی میں دن سے کم۔ کالجوں میں شوقین سے شوقین طالب علم آٹھ نو گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر سکتے۔ مائی اسکول کی تعلیم کا زمانہ عموماً لڑکوں کے نشوونما اور بالیدگی کا زمانہ ہوتا ہے۔ ان دنوں میں بچہ یا چھ گھنٹے سے زیادہ کام کرنا نقصان دہ ہے۔ بارہ برس سے کم عمر بچوں کے لئے چار گھنٹے کافی ہیں۔ سات برس سے کم عمر بچے تین گھنٹے سے زیادہ نہ پڑھائے جائیں۔

تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ جو عمدہ اوصاف مان باپ یا معلم پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں اس کے حاصل کرنے کی قابلیت ہے۔ بلکہ جب کبھی کسی عمدہ صفت کا بچہ سے ظہور ہو تو اس کی تحسین و آفرین کی جائے اور ایسا اظہار کیا جائے کہ گویا بچہ بالطبع اس خلق کی طرف مائل اور اس سے پورا واقف ہے۔ جو کمال انسان میں موجود نہ ہو اس کے حاصل کرنے کی طرف انسان اتنا جلدی اور ایسے شوق سے مائل نہیں ہوتا جیسا موجودہ کمالات کی حفاظت کرنی۔ یا ان کو اور ترقی دینے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگ ہماری نسبت یہ عمدہ رائے رکھتے ہیں تو ان کا دل خوش ہوتا ہے اور وہ اس رائے کے مطابق اپنے تئیں ظاہر کرنا

تعلیم و تربیت
کا طریقہ

جاہل یا کندہ ناتراش بتانے کا نتیجہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ
 ان کو غیرت آئے اور وہ اس سے باز رہیں وہ خود اپنے تئیں ناقابل اور نالایق
 سمجھنے لگتے ہیں اور یہ خیال دل کو مست اور ہمت کو پست کر دیتا ہے۔ اور انسان
 کی ترقی کی رفتار رک جاتی ہے۔ شوق اور تحریک مٹ جاتی ہے۔ بچوں پر اس کا
 بہت بُرا اثر ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ جو کمال یا جو صفت پیدا
 کرنی مقصود ہے پہلے اس کا یقین دلایا جائے کہ متعلم میں اس کے حاصل کرنے کی
 پوری قابلیت اور استعداد موجود ہے اور پھر اس کے حصول کا شوق اور تحریک
 پیدا کی جائے۔ پہلے سے پہلے یہ سمجھ لینا کہ یہ بچہ بیوقوف۔ کند ذہن۔ شریر۔ بے شوق
 ہے اس کو ویسا بنا دینا ہے۔ اگر بچے سے کوئی غلطی یا خطا ہو بھی جائے تو بھی اُس کو
 ایسا ملزم نہ بنانا چاہئے جیسا کہ بڑے آدمیوں کو۔ بچوں میں بھلے بُرے کی تمیز نہیں
 ہوتی وہ کسی نتیجہ کی پیش بینی نہیں کر سکتے ان کا غم بھی مستقل نہیں ہوتا۔ ان کی
 قوتیں بھی کمزور ہوتی ہیں۔ پس ان کو ملزم ٹھہرانا غلطی ہے بلکہ ان کی خطا کو بہت
 خفیف بنا کر ظاہر کرنا چاہئے۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ حرکت اس کی عادت اور
 طبیعت کے خلاف کم عمری یا نا سمجھی کی وجہ سے اتفاقاً ظاہر ہوئی ہے۔ اور اگر چشم پوشی
 کے قابل ہو تو بالکل ذکر ہی نہ کیا جائے۔ تربیت کا بڑا اگر یہ ہے کہ بُری باتوں پر
 ملامت نہ کریں بلکہ اچھی باتوں کی ترغیب اور تحریریں دیں۔ انسان کا قاعدہ ہے
 کہ وہ بھی اپنی نسبت سوچتا اور غور کرتا رہتا ہے۔ اپنی قابلیت اور استعداد کی
 نسبت رائے قائم کرتا یا کرنا چاہتا ہے۔ اور جب اوروں سے سنتے سنتے اس کو
 یہ یقین ہو جائے کہ کسی خاص فن یا کسی خاص صفت کے حصول کی اس میں
 قابلیت نہیں ہے۔ تو وہ پھر کبھی اُسے حاصل نہیں کر سکتا۔ اور بیوقوف معلم زجر
 و توبیخ کرتے کرتے یہ کیفیت اکثر بچوں کی طبیعت میں پیدا کر دیتے ہیں۔ کسی
 طالب علم سے جو "اقلیدس" پڑھنا چاہتا ہو اگر یہ کہا جائے کہ اس کا دماغ اسکی
 لیاقت۔ اسکی سمجھ اس کا قاطع نہیں ہے کہ وہ اقلیدس سمجھ سکے تو وہ کبھی حاصل

نہیں کر سکیگا۔ اس کے برخلاف اگر اس کو جرات و ہمت دلائی جائے کہ ذرا غور و
 فکر یا توجہ سے وہ اس کے مسائل سمجھ سکتا ہے۔ اور کسی قدر محنت سے اس کی
 شکلیں یاد کر سکتا ہے تو وہ خواہ مخواہ اس کی طرف مائل ہوگا۔ لہذا معلم کا یہ کام
 ہے کہ وہ بچہ کو یہ سمجھائے کہ وہ اس علم کو حاصل کر سکتا ہے جو اس کو پڑھایا جا رہا
 ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بچہ میں بے تاش رہنے اور ہر کام کو خوش دلی سے
 کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ جو کام انقباض اور بیداری سے کیا جائیگا۔ اس میں
 کبھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو سکتی۔ بے تاش روح کو قوت بخشتی ہے۔ اور
 چونکہ اُمید شامل ہوتی ہے مشکلیں سہل معلوم ہوتی ہیں اور ہر ایک مشکل کام کرنے پر
 انسان آمادہ ہو جاتا ہے بلکہ اور لوگوں کو بھی کام کے لئے اکساتا اور اُبھارتا ہے
 جس کام میں بے تاش اور اُمید نہ ہو اور پہلے ہی سے نا اُمید ہی نے دل توڑ رکھا
 ہو اس کے لئے انسان پوری طرح کوشش نہیں کرتا۔ اور چونکہ دل کی اُمید
 مرجاتی ہے طاقت بھی جواب دیدیتی ہے۔ جو معلم بچوں کے سامنے کسی مضمون کو
 مشکل اور دقت طلب بیان کرتے ہیں اور ان کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ وہ اپنی نالائقی
 کے سبب اس کے حاصل کرنے کی قابل ہی نہیں وہ ان کے دل سے اس کی
 رغبت اور اس کے حاصل کرنے کی ہمت کھود دیتے ہیں اور عمداً بچوں کو نا کارہ کرنا
 چاہتے ہیں۔ بچوں کو کسی کمال کے حاصل کرنے پر آمادہ کرنے کی یہ صورت نہیں کہ
 حصول کمال کو مشکل بیان کیا جائے بلکہ سہل اور قابل سہول بیان کرنا اور شوق
 دلانا چاہئے۔

بہت سے بچے خود اتنے بے شوق نہیں ہوتے جتنے غلط طرز تعلیم اور استاد
 کی سختی اور زجر و توہین کے اثر سے بد شوق ہو جاتے ہیں۔ جس قدر بچہ زیادہ چھوٹا
 ہے اسی قدر معلم میں طریقہ تعلیم کی زیادہ استعداد کی ضرورت ہے۔ بچوں کی بات کا
 یقین کرنا۔ انہوں نے جو کچھ عمدہ کام کیا ہو اس کی تعریف کر کے دل بڑھانا۔ انکی
 شوق کو ترقی دینا ہے اول بچوں کو سہل کام جو ان کی استعداد کے موافق ہوں

طرز تعلیم

دے جائیں۔ تاکہ ان کو کام کرنے کی عادت پڑے اور طبیعت میں یہ اعتقاد پیدا ہو جائے کہ ہم بھی کوئی کام کر سکتے ہیں۔ ایسے کاموں میں کامیابی کی جو عادت پڑیگی وہ آئندہ بڑے کاموں میں کامیابی حاصل کرنے کی ترغیب دے گی۔ اور ان کو اپنی قوت کا صحیح اندازہ معلوم ہوگا۔ تعلیم و تربیت کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ بچہ مان باپ استاد معلم یا اپنے بزرگوں سے محبت کرے۔ اس کو ان کا خوف بھی ہو لیکن یہ خوف ادب کی وجہ سے ہو نہ کہ دہشت کے سبب سے۔

بچوں کو
سزا دینا

اگر بچہ کی اطاعت صرف دہشت کے سبب سے ہے تو بڑا ہو کر یا تو وہ بزدل ہوگا یا سرکش اور نافرمان ہوگا۔ جہاں تک ممکن ہو بچوں کو سزا نہ دیجائے تاکہ ان کے دل میں خوف نہ بیٹھے بلکہ اس کے بدلے مان باپ کو ناخوش کرنے کی پشیمانی اور تاسف ہونا چاہئے۔ بُرا کام کر کے پشیمان ہونا ایک نہ ایک دن راہِ راست پر آنے کی علامت ہے لیکن سزا کبھی بُرائی سے باز نہیں رکھ سکتی۔ یا اگر سزا نا واجب یا زیادہ سخت دی جائے تو وہ اخلاق کو اور خراب کرتی ہے جب سزا برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر اخلاق ذمہ ناک قابل اصلاح ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے بہت سے قصور کم سنی اور نا فہمی کے سبب سے ہوتے ہیں۔ جو بڑے ہو کر وہ خود بخود چھوڑ دیتے ہیں ایسی باتوں سے ہمیشہ چشم پوشی اور بے اعتنائی لازم ہے۔ مان باپ جب اپنے بچوں کو اچھے اچھے اخلاق سے آراستہ دیکھتے ہیں تو ان کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔ ہر قسم کا کمال جو بچہ میں پیدا ہو مان باپ کی خوشی بلکہ فخر کا باعث ہوتا ہے اگر ایسے اوصاف کا اظہار دیر میں ہو تو مان باپ کو عجلت نہیں کرنی چاہئے۔ اور نہیں یقین رکھنا لازم ہے کہ عمدہ مادہ سے عمدہ چیزیں بنتی ہیں۔ تربیت و تعلیم میں کوشش کئے جائیں جلدی سے یا دیر میں بچہ کے اخلاق و عادات سنور ہی جائیں گے۔

تربیت کا
طریقہ

بچوں میں ابتدا ہی سے اچھی اچھی عادتیں ڈالنی چاہئیں۔ اگر بری تربیت

بجائے کوئی عمدہ عادت ڈالنا بہت مشکل ہے۔ بچہ کو شروع ہی سے سکھاؤ کہ وہ اپنا
 رویہ کس طرح کا رکھے۔ بعض لوگ بچوں کے بری عادات اور خصائل کو یہ کہہ کر
 ٹال دیتے ہیں کہ جب بڑے ہوں گے اور سمجھ آ جائے گی تو خود چھوڑ دیں گے۔ یا بچپن
 میں ان سے ناشائستہ حرکات کراتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ طفولیت میں اس کا
 کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن یہ باتیں بڑی بڑی خرابیوں کا تخم بنجاتی ہیں۔ طفولیت زندگی
 کے سفر کی ابتدا ہے۔ جو شخص ابتدائے سفر میں غلط راہ پر چلے گیا وہ آخر میں صحیح
 مقام مقصود کو پہنچے گا؟ جو ان عمر بڑھتی جاتی ہے عادتیں طبیعت بنتی جاتی
 ہیں اور پھر ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ کسی
 سادہ تختی پر لکھنا آسان ہے لیکن اس کے سابقہ نقش بالکل صاف کر کے پھر ایسا
 لکھنا کہ بدنامی نہ رہے بہت مشکل ہے۔ اسی طرح کوئی عادت اختیار کرنی مشکل بات
 نہیں لیکن کسی عادت کا چھوڑنا بہت زیادہ مشکل ہے۔ اخلاق کی تعلیم کے دو
 طریقے ہیں ایک الفاظ سے اور دوسرا افعال سے اور ان میں دوسرا طریقہ زیادہ
 موثر ہے۔ اگرچہ عمدہ نصیحت کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن عمدہ مثال کا اثر اس سے کہیں
 زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان کا قاعدہ ہے کہ سنکر اتنا نہیں سیکھتا جتنا
 دیکھ کر سیکھتا ہے خصوصاً بچے جس قدر علم حاصل کرتے ہیں وہ قوت باصرہ ہی کے
 ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں اس کی نقل اتارنا چاہتے ہیں
 برساتی تیریاں اور کیڑے جیسے پتے کھاتے ہیں ویسے ہی رنگ اختیار کرتے ہیں۔ انسان
 بھی جس سوسائٹی میں رہتا ہے اس ہی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور سب سے پہلا
 اثر اپنے گھر کی طرز معاشرت کا پڑتا ہے۔ مدارس کی تعلیم گھر کے اثر کو نہیں مٹا سکتی
 اور لڑکے اور لڑکیاں جب مرد اور عورت کے درجہ پر پہنچتے ہیں تو ان کے اخلاق
 کی عمارت گھر کی ابتدائی تربیت و تعلیم کی بنیاد پر قائم ہوتی ہے۔ گھر کی اس تعلیم و
 تربیت کا اثر صرف خانگی حالت تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ سوسائٹی اور قوم پر بھی

اخلاقی تعلیم
 کے طریقے

گونا گونی

اس طرح دور دور اثر ڈالتی ہیں جیسے کہ آفتاب کی شعاعیں دور دور روشنی پہنچاتی ہیں
 گھر کا اثر قومی حالت کی اصل ہے۔ یہاں انسان ہمدردی۔ محبت۔ اخوت۔ رحم۔
 انصاف۔ غرض تمام صفات جو سوسائٹی پر اثر ڈالتی ہیں سیکھتا ہے۔ گھر کا اثر صرف
 ماں باپ ہی کی مثال پر منحصر نہیں ہے۔ بچوں میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ ہر شخص
 کے مدارج اور اس کی اخلاقی حالت میں تمیز کر سکیں۔ بلکہ ان کے اوپر گھر کے ہر شخص
 کی حالت کا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے صاحب خانہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے ملازم عورتوں
 اور مردوں کے عادات و اخلاق اور چال چلن پر بھی نظر رکھے۔ اور گھر میں ایسے نوکر جمع
 نہ کرے۔ جو بد وضع ہوں خصوصاً انائیں اور مانیان اور وہ نوکر جن کی سپردگی میں
 بچے ہر وقت رہتے ہیں۔ بلکہ جہاں تک مل سکیں شائستہ آدمی تلاش کر کے رکھنے
 چاہئیں۔ یہ بدیہی بات ہے کہ غلیظ طبیعت نوکر بچوں کو صاف نہیں رکھ سکتے۔
 اور اس سبب سے بچوں میں صفائی کی عادت پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب
 نوکروں کو گالیاں بکتے سنتے ہیں تو خود بھی وہی الفاظ دہراتے ہیں۔ نوکروں کے
 بچوں کے ساتھ کھیلتے ہیں اور بازاری الفاظ استعمال کرتے اور ویسی ہی حرکتیں
 کرتے ہیں۔ اس ہی طرح نوکروں کی بد کرداری کی مثالیں ان کے سامنے ہوتی ہیں
 اور دیکھتے دیکھتے وہ ان کو قبیلہ یا باعث نفرت نہیں معلوم ہوتیں۔ عمدہ تربیت کی
 فہمی یہ ہے کہ بچہ (عورت ہو یا مرد) بُرائی سے نا آشنا ہو اور اگر وہ کسی بُرے فعل
 یا قول کو دیکھے یا سنے تو اُسے تعجب اور نفرت پیدا ہو۔ لیکن وہ جن باتوں سے
 بچنے سے آشنا ہے ان سے تعجب اور نفرت کیونکر کر سکتا ہے۔ اسی طرح بد افعال نوکروں
 کی وجہ سے افعال قبیلہ سے کراہت قائم و باقی نہیں رہتی۔ اور جب کراہت نہیں
 تو کتاب کی طرف میلان ذرا اشارہ میں پیدا ہوگا۔ جو بچے ایسی سوسائٹی میں رہتے
 ہیں جہاں گھر کے نوکر جن کی گودیوں میں وہ پلے ہیں افعال قبیلہ کے مرتکب
 ہوتے ہوں اور بچوں کو ایسی وقت میں ان کے حالات سے آگاہی ہو جبکہ ان کی
 قوت عقل و تمیز کامل نہیں ہے تو وہ کسی بد افعال کو نہ کر سکتے۔

نوکروں کا
 اثر

اور جب کسی فعل سے کراہت اٹھ جائے تو پھر پیداوار قائم ہو سکتی۔ کراہت کا
اٹھ جانا اُس بڑی روک کا اٹھ جانا ہے جو افعال ذمہ سے بچاتی ہے اور ایسے
گھر میں یہ صفت کبھی پیدا ہی نہیں ہوتی۔

معلم کا اثر

خود معلم اور تالیق کا اثر بھی بچوں پر اس ہی طرح پڑتا ہے۔ بچے معلم کو
اپنے سے برگزیدہ سمجھتے ہیں۔ ان کے دل میں اس کی وقعت اور عزت ہوتی
ہے اور اس کی مثال پر چلنا عمدہ بات خیال کرتے ہیں اور اس کا رنگ اختیار
کرتے جاتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ معلم علانیہ شراب پیتا ہے (اگرچہ یورپین
ہی ہو) اور اوامر اور نواہی شرع کا پابند نہیں تو کیونکر وہ شراب کو گناہ خیال کر سکتے
ہیں اور جن لوگوں نے ایسی سوسائٹی میں نشوونما پایا ہو جہاں ہر روز میز پر
شراب آتی ہو (اگرچہ صرف دو ایک ہی کے سامنے رکھی جاتی ہو) وہ لوگ اکثر
اس بلا میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے اثر سے دوسرے نوجوان اس ہی
طرح خراب ہوتے ہیں۔ اور یہ متعدی مرض پھیلتا جاتا ہے۔

گھر کا اثر

قدرتی تربیت یہ ہے کہ گھر کی زندگی تمدن کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور اخلاق
چال چلن پر پہلے گھر کی زندگی کا اثر پڑتا اور گھر کے سانچے میں انسان ڈھلتا ہے اور
پھر یہی انسان تمدن کے بازار میں پیش ہوتا ہے۔ پہلے گھر کا ایک ممبر ہوتا ہے۔
اور پھر تمدن کا۔ اس طرح گھر کو یا تہذیب کا ایک مدرسہ ہے جہاں تہذیب کی
ابتدائی بلکہ انتہائی تعلیم دی جاتی ہے۔ جس قوم کے بچے گھروں میں عمدہ تعلیم
تربیت حاصل کرتے ہیں وہ بڑے ہو کر قوم کے اچھے ممبر ہوتے ہیں اور جن کی
ابتدائی تربیت خراب ہوتی ہے وہ اپنی قوم کا برا نمونہ ہوتے ہیں۔

بچپن کی عادت
کا اثر

عادات و خصائل کی وہ خصوصیت جو انسان میں عمر بھر رہتی ہے بچپن ہی
میں قائم ہو جاتی ہے اور گھر کی تربیت یا بے تربیتی کا اثر جو اس وقت طبیعت میں
جاگزمین ہو جاتا ہے وہ نقش کا لچر ہے کہ پھر نہیں مٹ سکتا۔ پوت کے پانوں پلنے
پر عمدہ نظائر تربیت کے ہیں۔

خواہ اچھی ہوں یا بُری عمر بھر جھلک دکھائی ہوں۔ بچہ دنیا کے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور جب وہ آنکھ کھولتا ہے۔ تو نئی نئی اور عجیب عجیب چیزیں اس کو معلوم ہوتی ہیں وہ ہر ایک چیز کو استعجاب اور غور سے دیکھتا ہے۔ جب ذرا بڑا ہوتا ہے تو وہ اشیاء کو پہچاننے اور اوران میں مقابلہ کرنے اور جانچنے لگتا ہے۔ جب اس قدر تمیز پیدا ہو جاتی ہے تو ان میں رائے لگاتا اور ان کی حقیقت کو سوچنا شروع کرتا ہے اور جو علم اس کو اس طرح حاصل ہوتا ہے (خواہ غلط ہو یا صحیح) اس سے اسکی طبیعت اثر پذیر ہو جاتی ہے اگر وہ اس وقت کسی عقلمندان باپ کی نگرانی میں ہے تو جو ترقی اس طرح کرتا ہے وہ حیرت انگیز ہوتی ہے اور شروع ہی سے اس کو صحیح واقعات اور صحیح نتائج اور عمدہ اصول معلوم ہوتے جاتے ہیں طفولیت کے زمانہ میں بچوں کا دل ہر بات کا نقش آسانی سے قبول کر لیتا ہے اور ان کی طبیعت ہر ایک اثر بہت دیر تک قائم رہتا ہے۔ اگر اس وقت عقل و دانش کی شعاعیں اُن کے دل پر پڑیں تو وہ ہمیشہ روشن اور منور رہتی ہیں۔ جس طرح فوٹو کے شیشہ پر عکس جم جاتا ہے اور اس سے اسی طرح کی تصویریں اُترتی ہیں اس ہی طرح بچوں کا دل ان باتوں کو بہت جلد قبول کر لیتا ہے۔ جو اس کے گرد و پیش ہوں اور بلا اختیار ویسے ہی افعال اُن سے صادر ہونے لگتے ہیں اور جون جون بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے وہی مثالیں جو اس کے پیش نظر تھیں اور جن کی وہ نقل اُتارتا تھا اس کی عادت اور خصلت ہو جاتی ہیں اور پھر چھپائے نہیں چھپتیں۔

جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو نہیں معلوم ہوتا کہ مذہب کیا ہے مذہب کی کنہ حقیقت کو سمجھنے اور مختلف مذاہب کا مقابلہ کرنے کی تمیز ہوتی ہے۔ مان باپ کا یا جس سوسائٹی میں کہ وہ رہتا ہے اس کا مذہب بلا تحقیق اختیار کر لیتا ہے اور یہ اثر اس کی طبیعت پر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ عمر بھر وہ اس مذہب پر قائم رہتا ہے بڑے ہو کر وہ مذہب کی حقیقت اور اصول کی تلاش کرتا ہے۔ لیکن اپنے مذہب کو نہیں چھوڑتا اور اگر کبھی تبدیل مذہب کرے تو اس کو سخت تکلیف

میں جاگرمین ہو جائیں پس جو لوگ اولاد کو عمدہ خصائل سے آراستہ دیکھنا چاہتے
ہیں ان کو لازم ہے کہ بچوں کو اپنی عمدہ مثال دکھائیں اور ان کو عمدہ سوسائٹی
میں رکھیں۔

باب پنجم

مال و دولت

دولت کی
ضرورت

انسان کی ضرورتیں کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ صرف اوس کے کئے پوری
نہیں ہوتیں۔ بلکہ اوروں کی استعانت کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ بخار صندوق
نہیں بنا سکتا جب تک کہ لوہار اُسے اوزار نہ دے۔ لوہار کام نہیں کر سکتا جب تک
کہ کسی نے کان میں سے لوہا نکال کر نہ دیا ہو۔ غرض دنیا میں ایک شخص کے اغراض
دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ اگر ایک کام بند کر دے تو سب کے معاملات اور
آسائش میں ابتری واقع ہو جائے۔ اور یہ صانع قدرت کی مہربانی ہے کہ کسی کو
کسی کی خدمت سے مستغنی نہیں بنایا۔ مگر کوئی شخص کسی کی خدمت نہیں کرتا۔
جب تک کہ خود اُسے بھی کوئی فائدہ نہ ہو۔ وہ اگر خدمت کے عوض میں خدمت
نہیں لیتا تو روپیہ لیتا ہے اور اس سے وہ اپنی مایحتاج پوری کرتا ہے۔ اس ہی
سبب سے روپیہ اگرچہ فی نفسہ انسان کی کسی حاجت کو پورا نہیں کرتا لیکن دنیا کی
کل حاجتیں اور اشیاء ضروری روپیہ سے پوری و مہیا ہوتی ہیں۔ بیمار ہیں تو دوا
کھنڈانی۔ تھکے ہیں تو سامان خورد و نوش۔ سفر میں ہیں تو سواری اور سامان سفر
طالب علم ہیں تو کتب و فیس۔ غرض کوئی کام خواہ اپنی ذات کے لئے ہو یا کسی
اور کی بھلائی کے واسطے روپیہ بن نہیں چلتا۔ حتیٰ کہ اولاد جو ایک نعمت الہی ہے
اور دل و جان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے افلاس میں اُس کا پرورش کیسی بار

معلوم ہونے لگتی ہے۔ نورجہان کو جسے اپنے حسن و لیاقت اور اقبال مندی کے
 طفیل عالمگیر شہرت اور ہندوستان کی بادشاہت حاصل کرنی تھی۔ مفلس مان باپ
 نے ہندوستان آتے ہوئے راستہ میں چھوڑ دیا مگر دولت مند امیر قافلہ نے پرانے
 تخت جگر کو اٹھالیا اور پرورش کیا۔ کیسے کیسے عمدہ ارادے کیسی کیسی بیش بہا
 تدبیریں اولوالعزم خیال۔ دلی آرزوئیں اور تمنائیں۔ چاہتے و لو لے طبعی شوق۔
 دلچسپ مشاغل صرف اس سبب سے پورے نہیں ہوتے کہ روپیہ نہیں۔ اُن طلبہ
 کی حالت کس قدر قابل افسوس ہے جو باوجود ذکاوت فہم و کیاست کے اس سبب
 سے مدارج علیہ پر نہ پہنچ سکے کہ ان کے پاس روپیہ نہ تھا۔ اور ضرورتیں مجبور کرنی تھیں
 کہ وقت اکتساب معاش میں صرف کریں۔ ان کی وہ بیش بہا قابلیتیں جن کو اگر زمانہ
 فرصت اور اطمینان دیتا تو جو اہر آبدار سے زیادہ دنیا میں مفید اور فرین ثابت ہوتیں۔
 دل کے قید خانہ میں بند رہتی ہیں اور معاش کا فکر کبھی ان کے اظہار کا موقع نہیں دیتا
 مفلسی اخلاق کو بھی خراب کرتی ہے۔ احتیاج وہ بُری بلا ہے کہ لالچ اور
 بدنیتی آہی جاتی ہے اور دولت مند شخص جس کو زیادہ احتیاج نہیں ہوتی لالچ کو
 آسانی سے روک سکتا ہے۔ مفلس آدمی کا خیال چونکہ ہر وقت معاش کے افکار
 میں رہتا ہے وہ دماغی کام نہیں کر سکتا۔ نہ کسی سائنس کی طرف توجہ کر سکتا ہے
 بلکہ فراغت سے عبادت بھی نہیں کر سکتا۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم
 دوست و آشنا عزیز و اقارب تک مفلسی میں کنارہ کر جاتے ہیں اور اکثر دولت مند
 رشتہ دار تو غریب رشتہ داروں سے اس سبب سے ملنے میں بھی اجتناب کرتے
 ہیں کہ سوسائٹی میں ان کی عزت کم نہ ہو جائے کسی کم کا قول ہے کہ جب افلاس
 دروازہ پر آتا ہے تو محبت دریچہ سے بھاگ جاتی ہے۔ اس لئے پرہیزگار آدمی کو
 لازم ہے کہ افلاس سے بچے اور قرض سے دور رہے۔ افلاس دلی مسرت اور
 انبساط کے حوالہ دینا چاہیے۔

نہیں کر سکتا۔ جس شخص کو خود اور ون کی امداد کی ضرورت ہو وہ اور ون کی مدد کیا کر لگا پس خرچ کرنے سے پہلے آمدنی کے کافی وسائل پیدا کرنے چاہئیں۔ اور سب سے پہلے انسان کو لازم ہے کہ معاش سے اطمینان اور فراغت حاصل کرے اور حتی الامکان اکتساب مال میں جائز کوشش کرے تاکہ آزادی قائم رہے حاجتیں رفع ہوں اور مصیبت۔ بڑھاپے۔ اور ضرورت کے وقت تکلیف نہ ہو۔

دولت اطمینان بخشی ہے

جب روپیہ پاس ہوتا ہے تو طبیعت میں دلیری ہوتی ہے کیونکہ یہ خوف نہیں ہوتا کہ کسی کی ناراضگی وظیفہ میں خلل انداز ہوگی۔ اور اس اطمینان کا تو کیا پوچھنا ہے جو کثرت دولت سے میسر ہوتا ہے مفلس آدمی کو ہر ضرورت کے وقت پس و پیش کرنا اور تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ در ان حالیکہ دولت مند آدمی ایسی ایسی ضرورتوں کو خاطر میں بھی نہیں لاتے۔ کوئی آدمی مفلس بھی ہو اور آزاد بھی تو جانو کرامت ہے۔ دولت خواہ کسی قدر حاصل اور کتنی ہی کیون نہ جمع ہو جائے اگر جائز وسائل سے ہے تو جس قدر زیادہ ہے اس ہی قدر بہتر ہے البتہ لالچ یا ناجائز وسائل سے اکتساب کرنا برا ہے۔ انسان کا ضروری فرض ہے کہ اکتساب معاش کے فراغ وسائل بہم پہنچائے۔ اور جائز منافع اٹھائے تاکہ دنیا اور عقبی کی بہبود کا باعث ہو اگر غریبوں کی مدد کرنا رشتہ داروں یتیموں ہمسایوں وغیرہ کی معاونت کرنے کا خدا کے ہن اجر ہے تو مال اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر مال کی سیر عجائبات کا نظارہ خوشگوار ہے تو مال سے یہ مسرت نصیب ہو سکتی ہے یہ بھی نہیں تو دونوں وقت کھانا کھانے کیڑا پہننے کی ضرورت ہے اور یہ بغیر پتہ پیسہ عزت سے نہیں ملتا۔ اس لئے کوئی شخص اکتساب مال سے مستغنی نہیں ہو سکتا اور اس کو ضرور کچھ نہ کچھ تدبیر حصول دولت کی کرنی چاہئے۔ جو اشخاص ہاتھ ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور اس کو قناعت یا تو کھل کتے ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہاتھ پانوں نہ ہلائیں اور لوگ اپنی محنت میں سے ہمیں حصہ دین

دولت کے قاعدے

توکل

نام ہے۔ ایسے ہی قناعت یہ ہے کہ ہماری محنت اور وسائل سے جس قدر ہم کو مل سکے اس پر اکتفا کریں۔ اور ناجائز وسائل سے اور دن کا مال نہ تکلیف۔ نہ یہ کہ جو ہماری محنت اور سعی کے صلہ میں ہم کو ملے اسے بھی چھوڑ دیں۔ اور آمدنی کے جائز وسائل سے متمتع نہ ہوں یا صحت اور فرصت کے لحاظ سے محنت اور وقت اکتساب کمال میں صرف نہ کریں۔ یہ نہ قناعت ہے نہ پرہیزگاری کہ باوجود قدرت اور جواز کے کوئی شخص اکتساب معاش میں غفلت کرے اور اپنے تئیں یا اپنے عزیز و اقارب کو تکلیف میں ڈالے یا اور دن کی خیرات پر گزارہ کرے اگر وہ زیادہ دولت سے مستغنی ہے اور اس کے مایحتاج سے زیادہ اس کے پاس موجود ہے۔ تو بھی اکتساب سے باز نہیں رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس صورت میں جب ذاتی ضرورتیں نہیں ستاتیں تو رفاه عام اور خیر خواہی خلافت کے کام کر سکتا ہے۔ اپنا کئے جنس اور اپنی قوم کو فائدہ پہونچا سکتا ہے جس سے عند اللہ اور عند الناس مشکور ہوگا۔ نیز بقائے نام کا سبب بھی ہے۔

فارغ البالی کے زمانہ میں آئندہ کے واسطے فراہم کرنا پیش بینی اور صفت محمود ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ خرچ آمدنی سے زیادہ نہ ہو۔ بلکہ کچھ نہ کچھ ہمیشہ پس انداز ہوتا ہے۔ اگر روزمرہ کا حساب قلمبند کیا جائے تو خواہ مخواہ یہ نظر پڑتی ہے۔ کہ پورے کس کس طرح صرف ہوتا ہے۔ اور ان میں ضروری اور غیر ضروری مدات کیا ہیں۔ اور جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ آمدنی کیا ہے اور خرچ کیا انسان ضرور فضول خرچی میں پڑ جاتا ہے۔ آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ بچانا اگرچہ قلیل مقدار ہی کیون نہ ہو ضرور چاہئے کیونکہ اس سے طبیعت کو خوشی پیدا ہوتی ہے۔ اور اطمینان نصیب رہتا ہے اور اگر آمدنی سے زیادہ ایک پائی بھی خرچ ہو تو جان لو کہ رفتہ رفتہ بربادی آتی ہے کیونکہ اس صورت میں ضرور قرض لینا پڑیگا اور قرض بربادی کی جڑ ہے۔ اگر آمدنی کم ہے تو خرچ کو بھی کم کر دینا ضرور ہے۔ ظاہری شان و شوکت کی حاجت نہیں۔

گوارا اگر قرض نہ لینا چاہئے۔ جو شخص قرض لیتا ہے وہ ہمیشہ رنجیدہ رہتا ہے۔ روکھی
 روٹی بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قرض سے دسترخوان آراستہ کیا جائے۔ اور یہی
 حقیقت میں قناعت ہے۔ کفایت شعاری ذریعہ مسرت بھی ہے لہذا نہ صرف یہ
 ضرور ہے کہ اکتساب معاش کے وسیع وسائل اختیار کریں اور ان کو پوری پوری طرح
 پر کام میں لائیں بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ جو کچھ حاصل ہو اس کا کچھ حصہ بطور اندوختہ
 رکھیں۔ کیونکہ اگر جس قدر کمایا تھا سب کا سب خرچ بھی کر دیا تو محنت اور کامیابی کا
 انجام ایک سا ہوا۔ عقلمندی یہ ہے کہ مجبوری اور بیکاری کے زمانہ کا خیال رکھا جائے
 اور اچانک ضرورتوں کے واسطے پیش بینی سے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیں۔
 کفایت شعاری بہت سے ناجائز تعیش سے بچاتی ہے اور پرہیزگار رکھتی ہے
 ساتھ ہی بہت سی مباح خوشیاں بھی بخشتی ہے۔ یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر زیادہ
 رقم پس انداز نہیں ہو سکتی تو تھوڑی رقم کو کیا بچائیں دانہ دانہ شود انبار تھوڑا تھوڑا
 جمع ہو کر معتد بہ رقم ہو جاتی ہے۔ جو کسی خاص ضرورت کے وقت کچھ نہ کچھ کام آئیگی
 کفایت شعاری کے لئے کسی زیادہ لیاقت کی ضرورت نہیں صرف تھوڑا سا طبیعت
 پر قابو ہونا چاہئے کہ انسان غیر ضروری اخراجات صرف دل بہلانے یا تھوڑی
 کی واہ وا کی خاطر نہ کر بیٹھے اور جب کفایت شعاری کی عادت پڑ جاتی ہے اور
 کچھ روپیہ جمع ہو جاتا ہے تو اس کے فوائد خود بخود نظر آنے لگتی ہیں۔ حادثات زمانہ
 اور واقعات غیر اختیاری کے وقت مصیبت کی گھڑیوں میں۔ سخت ضرورتوں
 کے مقابلہ میں اپنا پیسہ بے منت کام آتا ہے۔ نہ کہ اوروں کی سخاوت اور فیاضی
 اول تو کوئی اس قسم کی مدد کرتا نہیں اور اگر کسی نے کی بھی تو غیر ملکی اور ہزل
 منت۔ اگر کوشش بیکار ہی جائے اور کچھ بھی پس انداز نہ ہو سکے تو بھی سعی
 منفعت سے خالی نہیں اور کچھ نہ ہو گا تو طبیعت میں احتیاط اور انضباط ہی پیدا
 ہو جائیگا۔ فضول خرچی کی عادت ہی چھٹ جائیگی۔ یہودہ مشاغل ہی سے
 بچ جائیگا۔ یہودہ منارتیں نہ رہیں گے۔ ہمارے ہاں ملک و جاہ میں

اور طبیعت کو سکون نصیب ہو جائیگا۔ روپیہ پاس ہوتا ہے تو طبیعت میں عجب استغنی
 اور بے فکری کی کیفیت ہوتی ہے اور بڑا پے میں یا معذوری کے وقت عزت بنی سہتی
 ہے اور طبیعت کو یہ بھی اطمینان ہوتا ہے کہ اولاد ہمارے اندوختہ سے متمتع ہوگی
 دنیا میں جس قدر تہذیب پھیلی یہ کفایت شعاری اور اندوختہ کی بدولت ہے۔ کیونکہ
 کفایت شعاری سے اس المال حاصل ہوا اور اس المال سے اشیاء پیدا کرنے
 کی قوت ہوئی۔ کفایت شعاری کی عادت بعض لوگوں میں قدرتی ہوتی ہے۔
 لیکن اکثر کو اکتسابی طور پر حاصل کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے ضرور ہے کہ انسان کو
 آئندہ کی آسائش اور آرام کے لئے موجودہ وقت کی تھوڑی سی غیر ضروری خواہش
 کو روکنا پڑے۔ یہی حال قوموں کا ہے کہ جو قومیں اپنی تمام پیداوار خرچ کر ڈالتی ہیں
 اور کچھ نہیں بچاتیں ان کے پاس بالکل اس المال نہیں ہوتا۔ اور وہ ذرا اور اسی چیز
 کے لئے دوسروں کی دست نگر ہوتی ہیں۔ ان میں افلاس اور مصیبت پھیلی ہوتی
 ہوتی ہے۔ اور بے مائیگی کی وجہ سے وہ تجارت بھی نہیں کر سکتیں نہ ان کے پاس
 ہمارے ہوتے ہیں۔ نہ ریل نہ کشتیاں بلکہ جو قومیں کفایت شعاری ہیں وہ آج دنیا کی
 تہذیب کا چشمہ اور دولت کا مخزن بنی ہوئی ہیں کسی ملک میں دو وجہ سے افلاس
 پھیلتا ہے اول روپیہ کی احتیاج۔ دوم روپیہ کا بیجا اصراف اور بڑی وجہ بے ضرورت
 اصراف ہے۔ روپیہ پیدا کرنا تو مشکل ہے لیکن اس کو سلیقہ سے خرچ کرنا اور کبھی
 زیادہ مشکل ہے۔ جو شخص اپنی قوت بازو سے اس قدر پیدا کر لیتا ہے کہ اس کی احتیاج
 کو کافی ہو اور کچھ پس انداز ہو جائے تو یہ اندوختہ خواہ کسی ہی قدر تھوڑا کیون نہ ہو
 اس سے اس کی اور کل گھر کی معاشرت کی بہبودی پر بڑا اثر پڑتا ہے اور یہی اندوختہ
 اس کی آزادی کو قائم رکھتا ہے۔ جس شخص کو خدا نے معمولی عقل بھی دی ہے
 وہ سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ ملے روزگار و صرف کر دینا عاقبت اندیشی کے بالکل خلاف
 ہے۔ جس شخص کو معقول تنخواہ ملتی ہو یا جس کی آمدنی معقول ہو وہ مرتے وقت
 کچھ نہ چھوڑے اور اس کا بہو اس کی محتاج اور لے سہارے رہ جائے۔ بااثر کے سر پر

اس کو احتیاط سے خرچ کیا جائے اور یہ خبر رکھی جائے کہ نوکرون یا اور لوگوں یا خود اپنی غفلت سے خواہ مخواہ ہر چیز ٹوٹ کر خراب نہ ہو۔ اور گھر کی چیزیں اس طرح فضول برہا نہ ہوتی رہیں۔ کہ ہر وقت اون کے خریدنے اور بنوانے کی ضرورت رہے۔ بلکہ ہر شے سلیقہ سے استعمال ہو۔ اور یہ کام گھر کے نوکر یا داروغہ کے ذمہ نہ ہو۔ بلکہ خود صاحب خانہ کو مدد ہو یا عورت نگرانی کرنی چاہئے۔ جو لوگ غلط اصول پر اپنا کام چلاتے ہیں۔ وہ ناکام رہتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ دوسرے کی مدد پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ اکثر ناکام یا ہوتے ہیں۔ یا جو لوگ اپنا مال و اسباب ہمیشہ خراب و برباد کرتے رہتے ہیں ناکام رہتے ہیں۔ اسی طرح بخیل اور فضول خرچ دونوں ناکام رہتے ہیں۔

جائز و سائل سے دولت پیدا کرنے کی سعی اگرچہ عمدہ بات ہے لیکن ایک دم سے دولت مند بننے کی خواہش نہ کرنی چاہئے۔ ورنہ دیانت داری کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دولت دیانت داری سے نہیں ہاتھ لگتی مگر پرہیزگاری سے کبھی افلاس بھی نہیں آتا۔ غریب وہ شخص نہیں ہے جس کی آمدنی کم ہو بلکہ وہ شخص جس کے مایحتاج زیادہ ہوں۔ انسان کو تو اکثر خیالی ضرورتیں ہوتی ہیں ورنہ مایحتاج تو اس قدر کم ہیں کہ ان کی نسبت زیادہ تجسس کی ضرورت نہیں۔ عیش و عشرت کے مصارف کا نہ کوئی ٹھکانا ہے نہ حد۔ خواہ انسان قارون کا خزانہ خرچ کر دے۔ سب سے زیادہ خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسان اپنی حالت سے بڑھکر ظاہری سامان رکھنا چاہتا ہے۔ تاکہ لوگ اُسے امیر جانیں۔ اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ غریبی کے اظہار سے شرم آتی ہے۔ مگر یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ غریبی کو شرم کی بات سمجھا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنی روٹی قوت بازو سے کماتا اور آرام سے کھاتا ہے تو وہ کیوں شرمائے گا جو لوگ ناجائز وسیلہ سے کمائیں اور بُرے معروف میں اٹھائیں ان کو شرم لازم ہے۔ سچ یہ ہے کہ لوگوں کے بُرے استعمال نے دولت کو خراب اور بدنام کیا ہے مگر دولت پر منحصر نہیں ہر ایک قوت کا یہی حال ہے کہ انسان خواہ اچھی طرح صرف کرے اور فائدہ اٹھائے یا بُری طرح صرف کرے اور فائدہ نہ

خیالی ضرورتیں

تموار سے خواہ اپنے جان و مال کی حفاظت کرے یا دوستوں کا سرکاٹے۔ پس ہر
 طریقہ استعمال ہے نہ خود دولت۔ اس ہی طریقہ استعمال کا سوسائٹی پر بہت
 بڑا اثر پڑتا ہے۔ چونکہ رواج کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس لئے ہر شخص اپنے سے اعلیٰ
 کی حرص کرتا ہے۔ اور یہ جانتا ہے کہ اس درجہ کی حیثیت سے عزت اور وقار ہوتا
 اور یہ نہیں سمجھتا کہ اون کی عزت و وقار صرف اپنی نظروں میں ہے۔ ورنہ وہ بھی
 اسی خبط میں گرفتار ہیں۔ اور اپنے سے اعلیٰ کی حرص کے پیچھے برباد ہو رہے ہیں۔
 ہر شخص کو اپنی اصلی حالت کے موافق رہنا اور وہی ظاہر کرنا چاہئے۔ جب سرمایہ نہو
 یا خالی ہوتا جاتا ہو تو ظاہری اسباب عیش کیا خوشی دینگے۔ اور ولی اطمینان کا
 کیا حال ہوگا۔ اور کچھ دنوں گچھے اڑائے بھی تو پھر کیا بلکہ اس طرح تو باقی
 زندگی زیادہ ذلت میں کٹتی ہے۔ بعض ایسے نوجوان ہیں جن کو میراث میں
 روپیہ ملا۔ مگر بجائے اس کے کہ وہ اسے احتیاط سے صرف کرتے اور اس کو مفید
 طور پر کام میں لاتے۔ ناچ رنگ میں اڑا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرضدار
 ہوتے اور ذلت اٹھاتے ہیں۔

قناعت

قناعت یہ ہے کہ جس وقت جو حالت میسر ہو اس پر اکتفا کیا جائے۔ اور
 جو حاصل نہیں ہو سکتا اس کے واسطے اضطراب نہ ہو۔ اگر طبیعت میں یہ جوہر
 نہ ہو تو دولت کا حظ حاصل نہیں ہوتا۔ پس دولت کا حظ اٹھانے اور اس
 وسیلہ سے خوشی حاصل کرنے کے لئے قناعت کی تعریف سے واقف ہونا اور
 دولت اور مسرت کے تعلقات کو جانچنا ضرور ہے۔ کیونکہ اگرچہ دولت اطمینان
 اور آرام دلجمعی اور خوشی بخشی ہے مگر اسی وقت کہ اس کے ساتھ قناعت ہو
 ورنہ اس کے برخلاف نتیجہ نکلنے کا اندیشہ ہے۔ خوشی دولت کے مناسب استعمال
 سے ہوتی ہے نہ کہ دولت سے۔ اور جو لوگ دولت صرف دولت کی خاطر جمع کرتے
 اور ضرورت کے وقت بھی اسے کام میں نہیں لاتے یا جن کے دل میں حرص

بھول گئے۔ یا اکتساب میں ناجائز وسائل استعمال کرنے لگے۔ وہ صراطِ مستقیم سے
 بھٹکے ہوئے ہیں۔ اور ان ہی صاحبوں نے دولت کے نام کو بٹہ لگا دیا ہے۔ ایک
 طرف تو کفایت شعاری کو بخل کی حد تک پہنچا دیا۔ اور یہ صفت مذموم ہے۔
 دوسری طرف اکتساب میں قناعت کی بجائے حرص کو کام میں لانے لگے۔
 اگر کفایت شعاری اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بخل ہے۔ بخل آدمی کو
 اس خیال سے بھی رنج ہوتا ہے کہ ورثہ میرے اندوختہ کو صرف کرینگے۔ کفایت
 شعاری حسبِ مقدور آرام کرنے اور صرف کرنے کو منع نہیں کرتی۔ بلکہ ضروری
 اخراجات میں مدد ہوتی ہے اور بخیل باوجودِ قدرت کے مصیبت جھیلتا ہے اور
 اس کا جی نہیں چاہتا کہ اشد سے اشد ضرورت میں بھی اس کا ایک پیسہ صرف ہو
 بخیل آدمی طلبِ مال میں حرص بھی ہوتا ہے اس کا بس نہیں چلتا کہ دنیا بھر کی
 دولت اس ہی کے پاس آجائے۔ اور یہ بخیل لوگ اکثر جذبِ منفعت میں اپنے
 استحقاق یا وسائلِ جائز کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ اس عادت سے اور جو خرابیاں
 پیدا ہوتی ہیں سو ہوتی ہیں۔ حرص کو ایک سزا تو یہی ملتی ہے کہ اس کا مطلب پورا
 نہیں ہوتا۔ اگرچہ زکثیر کیون نہ ملے۔ کیونکہ حرص کی آگ اور بھڑکتی ہے اور خواہش
 اور لالچ طبیعت کو ویسا ہی مضطرب رکھتا ہے۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس
 اس قدر جمع ہو جائے۔ کہ مجھے استغنی حاصل ہو اور اُسے بہت کچھ ملتا بھی
 ہے۔ مگر استغنی اور اطمینان نہیں ملتا۔ اور جب تک یہ نصیب نہیں وہ فائدہ
 جو حصولِ دولت سے مطلوب ہے مفقود ہے۔ اوس کے لئے بھی یہ افکار ایسے
 دل آزار ہیں جیسے کہ غریب آدمی کے لئے ہیں۔ یہ لوگ دولت کے مالک نہیں۔
 دولت کے غلام ہیں۔ اور دولت ان کے حق میں آزار جانے لگیونکہ صرف عقلمند آدمی
 ہی کو دولت فائدہ پہنچا سکتی ہے جو ہمیشہ دولت کی خواہش میں رہیں گو وہ
 دولت مند ہوں مگر غریب ہیں۔ غریب آدمیوں کو تھوڑی یا بہت چیزوں کی ضرورت

بخل

کہ دولت سے راحت پہونچاتی ہے۔ قناعت اگرچہ حتی الوسع سعی کرنے اور دولت دنیا سے متمتع ہونے کو منع نہیں کرتی۔ مگر موجودہ حالت پر اکتفا کرنا اور اسے اس طرح کام میں لانا سکھاتی ہے۔ کہ اطمینان اور تسکین خاطر ہاتھ سے نہ جائے۔ قناعت رضا جوئی الہی کا سبق دیتی ہے۔ قناعت اگرچہ روپیہ پیدا نہیں کرتی۔ مگر خیالی ضرورتوں کو دور کر کے احتیاج کا دائرہ چھوٹا کر دیتی ہے اور یہ نتیجہ منفعت میں کم نہیں بلکہ بڑھ کر ہے۔

ملک آزادی و کج قناعت گنجیست کہ بشیر میسر نہ شود سلطان را
قناعت ہمیشہ خیالات کو پاکیزہ دل کو مطمئن طبیعت کو لبشاش رکھتی ہے۔ اگر انسان نظر غور و تعمق سے دیکھے تو اسے معلوم ہوگا کہ اصلی ضرورتیں کس قدر قلیل ہیں۔ اور ان کے واسطے کس قدر کم دولت درکار ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ تو ابناے جنس میں تفوق اور بزرگی حاصل کرنے کے واسطے ہے۔

ایک دن سقراط بیٹھا اپنے دوستوں سے باتیں کر رہا تھا۔ (اس کی باتیں بھی پسند و نصائح کی کتاب ہوتی تھیں کہ باتوں باتوں میں حکمت کے ایسے ایسے اصول سکھا جاتا تھا کہ سننے والے کے دل میں نقش کا لچر ہو جاتے تھے)۔ ایک شخص انشیون جو یہ چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح سقراط کو جھپائے اس موقع پر ادھر آ نکلا۔ پہلے تو چپکا بیٹھا سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا کہ ”سقراط میں تو یہ جانتا تھا کہ فلسفی اور لوگوں کے نسبت دنیا میں زیادہ خوش رہتے ہونگے لیکن میری رائے میں تو تمہاری عقل نے تم کو اور مصیبت میں ڈال رکھا ہے تم تو اس طرح رہتے ہو کہ کوئی ذلیل سا ذلیل خدمتگار بھی نہ رہتا ہوگا۔ مونا جھوٹا کھانا کھا لیا۔ بڑے بھلے کپڑے پہن لئے۔ گرمی جاڑے برسات ایک ہی کپڑا پہنے پھرے ننگے پانوں چل نکلے۔ بھلا یہ بھی کوئی حالت ہے۔ تم کیوں نہیں روپیہ پیدا کرتے۔ اور امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے۔ صحت اور تعلیم میں بہت بڑا اثر ہے اگر ان لوگوں نے تمہارے پاس آکر اور تمہاری باتیں سکر ہی سکتا تو تمہارے حسیہ مصدقہ نہ رہتا۔“ گرا۔ سقراط نے کہا ”انشیون

سقراط کا قول

نہ یہ خیال کرتے ہو کہ جس غریبانہ حالت میں رہتا ہوں اگر خدا نخواستہ تمہاری یہ حالت
 ہو تو تم تو مر ہی جاؤ لیکن میں حیران ہوں کہ تم کو میری طرز معاشرت میں ایسی کوئی
 مشکل اور عجیب بات نظر آتی ہے؟ تم مجھے یہ الزام لگاتے ہو کہ میں روپیہ نہیں
 کھاتا۔ لیکن تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو لوگ روپیہ کھاتے ہیں۔ ان کو کیا کام کرنے
 پڑتے ہیں اور کن کن لوگوں سے معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ میں کسی سے کچھ لیتا نہیں تو کسی
 کی خدمت بھی تو نہیں کرتا۔ اور میرا ہر کس و نا کس سے معاملہ بھی تو نہیں پڑتا۔
 تم میرے کھانے پینے کو اس سبب سے برا بتاتے ہو کہ وہ تمہارے نزدیک مزید
 نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک شخص جو کچھ کھاپی رہا ہے وہ ہی
 اسے خوشگوار معلوم ہو تو پھر اسے کسی چیز کی حاجت نہیں رہتی۔ آپ نے میرے
 لباس کی نسبت بھی غلط رائے قائم کی آپ کو معلوم ہے کہ لباس کی ضرورت
 کیا ہے۔ اور مختلف موسموں میں تبدیل لباس کیوں کیا کرتے ہیں؟ اس لئے کہ
 موسم کی گرمی اور سردی سے محفوظ رہیں۔ لیکن سچ کہنا آپ نے کبھی یہ بھی دیکھا
 ہے کہ میں سردی کے مارے کبھی گھر سے نہ نکلا ہوں۔ یا گرمی میں میں نے ٹھنڈے
 سایہ میں آرام لیا ہے۔ جو تیان اس لئے پہنتے ہیں کہ چلنے میں سہولت ہو۔ میں
 بے شک ننگے پائون پھرتا ہوں لیکن جہاں کہیں مجھ جانا ہوتا ہے بے تکلف چلا جاتا ہوں
 آپ جانتے ہیں کہ بعض لوگ خلقتاً نازک اور کمزور ہونے میں۔ لیکن ورزش
 اور مشقت کی عادت سے وہ ان لوگوں سے زیادہ جفاکش ہو جاتے ہیں جو خلقتاً موٹے
 نازکے اور مضبوط تھے۔ لیکن انہوں نے جفاکشی کی عادت نہیں ڈالی اور نازک
 اور بوسے ہو گئے۔ میں نے عمر بھر محنت اور مشقت سے کام لیا ہے اور دشواریوں کا
 تحمل کیا ہے۔ اس لئے میں آپ سے زیادہ مضبوط ہوں۔ میں ان لذائذ کا خواہان
 نہیں جن کی لذت دم کے دم رہتی ہے بلکہ میں ابدی خوشیوں کا خواستگار ہوں
 جو لوگ زیادہ تمول حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ عموماً خوش نہیں رہتے کیونکہ معاملات
 میں بے حیدر گمان اکثر پڑتا رہتا ہے۔ اور ان کے ہر کام میں شک و انقیاض رہتا

ہے۔ اس لئے میں روحانی اطمینان اور آرام حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی ایسا
 موقعہ آپڑے کہ ہمیں اپنی قوم اور اپنے ملک کی خاطر لڑنا پڑے۔ تو اس دن کون
 زیادہ کام دیگا۔ میری طرح کا آدمی کہ وقت پر اسے جو کچھ میسر آگیا اسے غنیمت معلوم
 ہوایا آپ کی طرح کا ناز پروردہ کہ جب تک دنیا بھر کی نعمتیں مہیا نہ ہوں حلق سے
 نوالہ ہی نہیں اُترتا۔ اگر محاصرہ آپڑے تو کون زیادہ ٹھیرے گا میں یا آپ؟
 انیلیفون تم یہ خیال کرتے ہو کہ عمدہ عمدہ کھانے کھانا اور فاخرہ لباس پہنتا
 اور امیرانہ طرز سے رہنا خوشی بخشتا ہے۔ لیکن میری رائے یہ ہے کہ کسی چیز کی حاجت
 نہ ہونا بادشاہت ہے۔ اور یہی وہ کمال ہے جو خداوند تعالیٰ کی شان بے نیازی سے ملتا جلتا ہے۔
 بلند نظر اشخاص جو صحیح اصول پر چلتے ہیں وہ دکھاوے کی باتوں سے
 بہت پرہیز کرتے ہیں اور نہایت دیانت داری سے اپنی آمدنی ہی میں اپنا گزارہ
 کرتے ہیں۔ روپیہ کو سلیقہ اور قرینہ سے خرچ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں
 عقل عملی کس قدر ہے۔ یہ مانا کہ روپیہ ایسی چیز نہیں ہے۔ کہ انسان اس کی محبت
 میں گرفتار رہے۔ اور اس کو زندگی کا مدعا قرار دے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ منزلی
 اور تمدنی آرام روپیہ پر منحصر ہیں۔ دو باتیں ہیں۔ ایک دوسروں کی معاونت پر
 گزارہ کرنا۔ دوسرے اپنا جس کی معاونت کرنا۔ ان میں سے دوسری حالت
 زیادہ معزز یا قابل قدر اور زیادہ مستحسن ہے۔ اور یہ اوس شخص کو حاصل ہو سکتا
 ہے جو معاش کے افکار سے فارغ ہو۔ اور دوسروں کی حاجت روائی کر سکتا ہو۔
 جو شخص خود دوسروں کی معاونت کا محتاج ہے۔ یا جو احتیاج کی بندشوں میں
 گرفتار ہے۔ وہ اگرچہ کسی کا غلام نہ ہو لیکن اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اسے
 دوسروں کے سامنے جھکنا۔ ان کی نرم گرم باتیں سہنا ان کے سخت شرائط کو منظور
 کرنا پڑتا ہے۔

آنکس شیران را کند رو باہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج
 اور اگر کسی کو کچھ چاہیے تو اس کو کچھ دینا پڑے گا۔

درویش "کا مصداق بنتا ہے۔

باب ششم

مکان

مکان کی صورت اور حیثیت تدبیر منزل میں داخل نہیں۔ بلکہ منزل سے مراد ہر ایسا مقام ہے جہاں کوئی شخص اپنے بیوی بچوں مان باپ وغیرہ کے ساتھ رہے اور معاشرت کے کام انجام دے خواہ یہ مقام پہاڑوں کے غار ہوں یا خیمہ و خرگاہ۔ یا گھانس کے جھونپڑے یا ایوان و محل۔ لیکن چونکہ مکان کی حیثیت اور مقام کا اثر انسان کی صحت پر پڑتا ہے۔ لہذا تعمیر مکان میں اصول حفظان صحت کا خیال رکھنا ضرور ہے۔ اور چاہے مکان کی ظاہری آرائش اور دیوار کے نقش و نگار اور عمارت کی خوبصورتی میں فرق آجائے لیکن اُن خوبوں میں فرق نہ پڑنے پائے۔ جو کمینوں کے آرام و راحت میں بکار آمد اور مفید ہیں۔ مکان بناتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے ایک یہ کہ مکان کا موقع عمدہ ہو۔ دوسرے اسکی گرد و نواح صحت بخش ہو۔ مکان بلند قطعات زمین پر بنوانا زیادہ مناسب ہے کیونکہ نشیب کی زمین میں پانی جمع رہتا ہے اور زمین تر رہتی ہے۔ جو لوگ سیلے ہوئے مکانوں میں رہتے ہیں ان کو تزلہ اور بخار اکثر ستاتا رہتا ہے۔ بارش کے بعد جب آفتاب نکلتا ہے اور زمین خشک ہونے لگتی ہے۔ تو سڑے ہوئے نباتی اور حیوانی مادہ میں سے زہریلے بخارات پیدا ہوتے ہیں جن سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں خصوصاً ملیریا بخار ان ہی خراب بخارات کے اثر سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے جس قدر زیادہ بلند جگہ مکان مل سکے بہتر ہے ندی و دریا جھیل تالاب کے کناروں سے تقریباً دو سو گز پرے مکانات تعمیر کرنے چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ مکان کرسی دار ہو اور سطح زمین سے کم از کم تین فیٹ بلند ہو۔ اور اگر ممکن ہو تو رہنے کے کمروں کی زمین چونہ سے پختہ کرانی جائے۔ کمرے بھی ایسے وسیع اور ہوادار ہوں کہ یہ وقت تا وقت نہ آئے۔

منزل کی تعریف

مکان کی وضع

در پہ بنائے جائیں۔ عمارت کے دروازے سورج کے رخ ہوں تاکہ اندر دھوپ اور روشنی
 آ سکے۔ ”جس مکان میں روشنی نہیں جاتی اُس مکان میں ڈاکٹر ضرور جاتا ہے۔“ سورج
 کی روشنی صحت بخشتی ہے۔ مکان کی ہوا کو صاف کرتی ہے۔ اور طبیعت کو بشارت
 اور چالاک رکھتی ہے۔ جس مکان میں چمنی (دودکش) نہ ہو وہاں کوئلہ اور آگ نہیں
 سلگوانی چاہئے کیونکہ کوئلہ میں سے جو گیس پیدا ہوتی ہے وہ مضر صحت ہے اگر
 دھواں چمنی میں سے نکل سکے تو مضائقہ نہیں۔ مکان میں چھوٹا سا باغچہ یا دو چار
 درخت ہونے بہتر ہیں لیکن مکان کے گرد بہت سے درخت یا جھاڑیاں ہونی مضر صحت
 ہیں۔ ان میں سے جو پتہ گرتے اور سڑتے ہیں وہ ہوا کو خراب اور مضر صحت کرتے ہیں
 مکان کو چولنے سے لیوانا یا سفیدی کرانی بہت عمدہ بات ہے۔ اگر چولنے سے
 نہ ہو سکے تو مٹی سے لیوانا بھی اچھا ہے لیکن ہر روز اس طرح لیپنا کہ سیل رہے
 یا گوبر سے لیپنا بیماری کا گھر بنانا ہے۔ اس ہی طرح سارے گھر میں جھاڑو ہر روز مٹی
 چاہئے لیکن سوائے پاخانہ کے اور حصہ زمین کو ہر روز دھونا اور تر رکھنا ٹھیک نہیں
 سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مکان کو غلاظت سے پاک رکھا جائے موریوں کا ایسا
 انتظام کیا جائے کہ تمام خراب پانی اور فضلات بہکدور چلے جائیں۔ اس ہی طرح
 پاخانہ پختہ بنائے جائیں۔ اور ان کو دھلواتے رہیں۔ ہر بار رفع حاجت کے بعد
 خشک مٹی یا راکھ ڈالتے رہنے سے ہوا خراب نہیں ہونے پاتی۔ کیونکہ خشک مٹی
 میں بعض ایسے اجزاء ہیں جو غلیظ اور زہریلے اجزاء کو جذب کر لیتے ہیں۔ گھر کا کوڑا
 اور گلی مٹی اشیاء دور پھکوانی چاہئے۔ میلا اسباب اور کثیف کپڑے بھی صحت کو
 نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مکان میں صفائی رکھنے میں کسی قدر
 روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ لیکن مکان ناصاف رکھنے میں اس سے زیادہ صرف کرنا پڑتا
 ہے۔ اور علاج میں روپیہ صرف ہونے کے علاوہ بے آرامی اور بیماری کی تکلیف بھی
 اٹھانی پڑتی ہے۔

مقاله سوم

سیاست مدن

مقالہ سوم

سیاست مدن

باب اول

گورنمنٹ

۱۔ تمدن کی حاجت اور ابتدا

سیاست مدن حکمت کے اُس حصہ کا نام ہے جو ایک شہر یا ملک کے رہنے والوں یا ایک قوم کے باہمی تعلقات کے حفظان کے وہ اصول بیان کرے جس سے تمام افراد ترقی اور بیبودی کی طرف مائل ہوں اور ان میں طریقہ عدالت جاری اور قائم رہے۔ انسان کی ضروریات اس قسم کی واقع ہوئی ہیں کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا۔ اور جس دن سے انسان اس دنیا میں پیدا ہوا کبھی تنہا نہیں رہا۔ سب سے پہلے اُسے ایک ایسے جلیس کی ضرورت واقع ہوئی جو نہ صرف دل لگی کا سبب ہو بلکہ معاشرت کے کاموں میں اُس کا ہاتھ بٹائے دل گھرائے تو اس سے باتیں کرے۔ بیمار ہو تو تیمارداری اور خبر گیری کرے۔ غرض ہر حال میں اُس کا معاون اور مددگار رہو۔ اس طبعی خواہش نے انسان کو تنہائی سے نکال کر تمدن کی طرف مائل کیا۔ اور وہ دوسرے انبائے جنس کے ساتھ ملکر رہنے پر مجبور ہوا۔

خدا جو ضرورت پہنچے لگاتا ہے اُس کی سہولت اور دلچسپی کے ایسے سامان پیدا کرتا ہے کہ وہ کام بہت ہی سہل اور نہایت ہی مزیدار ہو جاتا ہے مگر مَیْسَرًا لِمَا خَلَقَ لَهُ اس کے مبدء فیاض سے اس کو نطق اور عقل عطا ہوئی کہ تمدن کی راحتیں زیادہ پہنچائیں اور باہم مل جل کر رہنے اور بات چیت کرنے سے اُن میں موافقت اور اتحاد پیدا ہو

انسان کو تمدن کی ضرورت

اس کام کے لئے سب سے پہلا رفیق مرد کو عورت اور عورت کو مرد ملا۔ اور پھر اولاد نے اس
 سوسائٹی کو بڑھایا رفتہ رفتہ اس میں خدمتگار بھی داخل ہوئے اور یہ الگ گروہ بن گیا۔
 لیکن انسان کی ضرورت نے اس پر بس نہ کی۔ اس کی ضرورتیں مختلف واقع ہوئیں تھیں
 اور وہ ان کو تنہا پورا نہ کر سکتا تھا۔ اسے ایسے بہت سے آدمیوں کے مجمع کی ضرورت
 ہوئی جو مختلف طرز سے اس کی معاونت کر سکیں اور چونکہ اور لوگوں کو بھی اس قسم کی
 ضرورتیں تھیں اور وہ بھی اس شخص کی خدمت کے ایسے ہی محتاج تھے جیسا یہ ان کی
 خدمت کا حاجت مند تھا۔ اس لئے سب کو باہم ملکر رہنا اچھا معلوم ہونے لگا اور ایک دوسرے
 کا اجتماع غنیمت سمجھنے لگے اسی سبب سے انسان کا یہ عالم ہے کہ اگر حالت مسافرت میں
 دوسرا مسافر گاڑی یا ریل یا جہاز میں شریک ہو تو خواہ پہلے کی جان پہچان بھی نہ ہو
 لیکن مل بیٹھتے ہیں اور کچھ نہیں تو باتیں ہی کر کے وقت کاٹتے ہیں۔ انتظام دنیا ایسے تہہ
 کے ہاتھ میں ہے کہ وہ جس طرح کی ضرورت پیدا کرتا ہے اس کے دفع کرنے کے اسباب بھی
 پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ انسان کی ضروریات مختلف واقع ہوئیں تو لوگوں کے طبائع اور
 میلان بھی مختلف واقع ہوئے اور ہر شخص ایک نئی صنعت کی طرف متوجہ ہوا۔ کوئی سنہار
 ہے۔ کوئی نجار۔ کوئی سنگتراش۔ کوئی معمار۔ کوئی مصور۔ کوئی باغبان۔ کوئی کسان
 کوئی درزی۔ کوئی منشی وغیرہ چونکہ دن بھر سب کو باہم کام پڑتے رہتے ہیں اس لئے
 ضرور ہوا کہ سب ملکر رہیں اور اپنے اپنے کام کریں اور جس وقت کسی ایک کو دوسرے
 شخص کی معاونت کی ضرورت ہو تو فوراً اس سے مل سکیں۔ ایسی ایسی ضرورتوں کے
 سبب سے ملکر رہنے کا نام تمدن ہے اور لوگوں کی جماعت کا نام سوسائٹی یا گروہ
 ہے اور جہاں یہ سب ملکر اس غرض سے رہیں کہ باہم معاونت و استمداد سے زندگی
 بسر کریں اس مقام کا نام مدینہ یا شہر یا قریہ۔ یا قصبہ۔ یا گاؤں ہے۔

سوسائٹی کی اس حالت میں سب انسان برابر ہیں۔ وہ آزاد ہیں کہ جو چاہیں
 پیشہ اختیار کریں۔ انہیں اختیار حاصل ہے کہ جو کچھ وہ اپنی قوت بازو سے پیدا کریں
 اسے جس قیمت پر چاہیں فروخت کریں۔ انہیں حق ہے کہ اپنے مال و متاع سے جس قدر

تمدن میں انسان
 کی آزادی

آرام و آسائش چاہیں حاصل کریں۔ وہ اگرچہ دوسروں کی خدمت کرتے ہیں لیکن اُس سے
 بھی اُس کے عوض کوئی کام لیتے ہیں۔ ایک پیشہ ور دوسرے پیشہ ور کو کوئی چیز دیتا ہی
 تو اس سے بھی اس کے عوض میں روپیہ یا کوئی چیز لے لیتا ہے۔ ایک شخص دوسرے کا
 خادم ہے لیکن وہ وہی کام کرتا ہے جس کے لئے وہ نوکر رکھا گیا ہے۔ اور ہمینہ کے ہمینہ
 اس کے عوض میں تنخواہ لے لیتا ہے وہ مجبور نہیں ہے کہ اپنے مفوضہ کام سے زیادہ
 کوئی کام بلا معاوضہ کرے۔ اسے اختیار ہے کہ جب چاہے نوکری چھوڑ دے بغرض
 ہر ادنیٰ و اعلیٰ شخص سوسائٹی کی اس حالت میں پورا آزاد اور خود مختار رہتا ہے۔ فطرت
 نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور انسان کو اپنی آزادی کی قدر بھی بہت ہے۔ لیکن
 جہاں انسان کی فطرت میں ہزاروں خوبیاں ہیں وہاں یہ عیب بھی ہے کہ اسکی طبیعت
 میں عدالت نہیں۔ وہ دوسروں کا مال غصب کرنا۔ اون کو بے وجہ دہانا۔ اون سے
 ناجائز فائدہ حاصل کرنا غرض کسی نہ کسی طرح دوسروں پر جبر کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے یہ
 ضرورت واقع ہوئی کہ ایسی تدبیر کی جائے کہ اپناے جنس اس شر سے محفوظ رہیں
 تاکہ ہر شخص کے حقوق اس کی جان اور اس کا مال محفوظ رہ سکے۔ اور قدرت نے
 مساوات کا جو درجہ لوگوں میں قائم کیا ہے وہ ہمیشہ قائم رہے کوئی چیز اون کی آزادی
 میں خلل انداز اور مارج نہ ہو۔ جو شخص آزادی کے قانون کی خلاف ورزی کرے اسکو
 سزا دی جائے۔ جو لوگ دوسروں کو ضرر اور نقصان پہونچانے کے اور قانون عدالت توڑنے
 کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اگر اون کا ضرر نہایت شدید ہو تو سوسائٹی کو اون کے
 شر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو اس سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ تمدن کی
 ابتدائی حالت میں تمام سوسائٹی کو یہ اختیار تھا کہ سوسائٹی کے کسی ممبر سے کوئی جرم
 سرزد ہو تو سب ملکر اس کے واسطے سزا مقرر کرتے تھے۔ جرائم کی نوعیت اور مجرموں کی
 حیثیت مختلف ہے۔ اس سبب سے ہر جرم کے لئے ایک جدا سزا مقرر کرنی پڑتی تھی۔
 رفتہ رفتہ یہ فیصلے جو ہر قسم کے مجرموں کے واسطے کئے جاتے تھے قانون بن گئے اور آئندہ
 انفصال مقدمات اس سلسلے میں آئے کہ ہر جرم کے لئے ایک سزا مقرر کی جائے۔

انسان کی طبیعت
 کا نقص

جو لوگوں میں قاعدہ عدالت قائم رکھیں اور جو شخص اس قاعدہ سے کسی طرح کا انحراف
 کرے اس کو سزا دین سیاست کہلاتا ہے۔ اس سوسائٹی کے ہر ممبر کو ہر مقدمہ کی
 میں شریک ہونے اور آزادی سے رائے دینے کا حق برابر حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح
 سوسائٹی کی صورت جمہوری سلطنت کی سی ہو جاتی ہے اور ان کو قانون بنانے اور قانون
 کے خلاف کرنے والوں کو سزا دینے کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ہر چھوٹے چھوٹے
 مقدمہ میں سب لوگوں کا اکٹھا ہونا اور رائے زنی کرنا خالی از وقت نہ تھا دوسرے لوگوں
 کے کاروبار میں ہرج پڑتا تھا اس واسطے بعض لوگوں کو انفضال مقدمات کے اختیارات
 اس شرط سے دئے گئے کہ قاضی اپنی رائے سے نہیں بلکہ ان قوانین کی رو سے انفضال
 کرے جو سب لوگوں کے اتفاق رائے سے بنائے گئے ہیں۔ اس طرح اگرچہ قانون کے
 بنانے کا اختیار تمام سوسائٹی کو حاصل رہا لیکن قانون پر چلانے کی قوت ایک شخص کے
 ہاتھ میں آگئی۔ اور اس کا نام قاضی یا منصف رکھا گیا۔ اس سوسائٹی کو ایک اور شدید
 ضرورت یہ واقع ہوئی کہ اپنے گروہ میں مفسد اور خطا کار لوگ تو تھے ہی جن کے واسطے
 قانون اور قاضی مقرر کئے گئے تھے لیکن ایک گروہ اور پیدا ہوا اور اُس نے یہ چاہا کہ اس
 گروہ کا مال و متاع چھین کر ان کو اپنا غلام بنالے۔ اس بیرونی حملہ کا دفع کرنا تمام
 سوسائٹی پر فرض تھا کیونکہ اگر وہ غارتگر لوگ فتحیاب ہو جاتے تو ان سب کی گردنیں بند
 جاتیں۔ اس لئے انہوں نے متفق ہو کر اس کا مقابلہ کیا اور مار بھگایا یا مصلحت وقت
 دیکھ کر ان سے صلح کر لی۔ یہ صلح اور جنگ کا اختیار ہے۔ لیکن جنگ میں لوگوں کا نقصان
 بہت ہوا۔ اول تو دشمن کی قوت کا پہلے سے اندازہ نہ تھا دوسرے جنگ میں بہت سی
 جانیں تلف ہوئیں اور ان دنوں میں سارے کاروبار بند ہو گئے۔ ضروریات کے حاصل
 کرنے میں بڑی دقت واقع ہوئی۔ اس لئے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ نوجوان اور میں چلے
 بہادرون کی ایک فوج تیار کی جائے اور وہ سب لوگوں کے جان و مال کے بچانے کی
 خدمت انجام دین۔ صلح اور جنگ کرنے کا اختیار اور اس فوج کی عنان حکومت بھی
 ایک شخص کے سپرد کی گئی۔ تاکہ کوئی وقت آپڑے تو وہ ان سے کام لے اور دوسرے

قاضی

جان بچائے۔ جب فصل خصوصیات اور عنان حکومت، فوج ایک ہی شخص کے ہاتھ میں گئی تو اس کے اقتدارات بہت وسیع ہو گئے اور اس کا نام حاکم یا بادشاہ یا خلیفہ رکھا گیا۔ اس کا یہ فرض قرار پایا کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے اور ان میں قانونی عدالت قائم رکھے۔ اور اگر وہ اُس سے انحراف کریں تو سزا دے یا کوئی اُن پر حملہ کرے تو اس کو دفع کرے۔ چونکہ ایسی مشکل خدمات اُس کے سپرد ہوئیں اس کو معاوضہ بھی سب سے زیادہ ملنا ضرور ہوا۔ اتنے بڑے بڑے کاموں میں اور وہ بھی دوسروں کی خاطر مصروف رہ کر وہ اپنے واسطے اکتساب معاش یا ضروریات زندگی مہیا نہیں کر سکتا تھا اور ضرور تھا کہ جو لوگ اس سے ایسی خدمات لیتے ہیں وہی اس کو معاوضہ میں خراج دین۔ یہ خراج کچھ عدالت اور کچھ فوج کے اخراجات میں صرف ہوتا تھا اور حسب ضرورت بادشاہ کے صرف میں آتا تھا۔ لوگ اس شخص کی جو اُن کے جان و مال کا محافظ ہو قدر اور عزت کرتے تھے۔ اور اُسے اپنا سردار یا پیشوایا بادشاہ مانتے تھے۔ اور چونکہ اس کا ہر ایک قول عوام کی بہبودی اور آسائش کے واسطے ہوتا تھا سب اس کا کہا مانتے تھے اور اس کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔ لیکن اگر وہ غلط حکم دے یا اگر اس کا کوئی فعل قانون عدالت کے خلاف ہو تو ادنیٰ ادنیٰ آدمی فوراً ٹوک دیتے تھے اور بادشاہ کی ایک نہ چلتی تھی۔ اس طرح تمدن نے ترقی کرتے کرتے سلطنت قائم کی۔ لیکن یہ سلطنت جمہوری سلطنت تھی کہ بادشاہ کا انتخاب خود رعایا کرتی تھی۔ اور صرف جنگ کے موقع پر فوج کے کل انتظامات اس کے ہاتھ میں ہوتے تھے باقی امن کے دنوں میں اس کی حیثیت تمام رؤساء شہر کے برابر ہوتی تھی۔ اور باقی سلطنت کا نظم و نسق رعایا یا کونسل کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ لیکن پھر بھی بادشاہ کے اختیارات و اقتدارات بعض امور میں دوسروں سے زیادہ ہوتے تھے۔ اور رعایا کو اس کا حکم ماننا اور ادب کرنا فرض تھا۔ جب سلطنت قائم ہوئی تو ایک شخص کو یا اختیار نہیں دیا کہ کسی دوسرے شخص کو جس نے اس کا مال چُرایا سے خود سزا دے بلکہ اس کو حاکم وقت سے شکایت کر کے عدالت میں لے جائے۔

خراج

سلطنت

لڑنا نہیں چاہتا اس سے نہ لڑے بلکہ یا تو سارے کام چھوڑ کر اس سے لڑنا اور اس کو دفعہ کرنا پڑتا ہے یا روپیہ دینا پڑتا ہے کہ دوسرے اس کے بدلے لڑیں۔ یہ سب کچھ ہے لیکن انسان نے اس اطاعت اور مجبوری کو اپنے حق میں مفید اور باعث راحت خیال کر کے اپنی مرضی اور خوشی سے اختیار کیا ہے۔ خود مختاری اور مطلق العنانی کی حالت میں ہر انسان کے اختیارات بے شک بہت وسیع تھے۔ لیکن وہ اس آزادی کا پورا پورا حفظ نہیں حاصل کر سکتا تھا اور اس طرح آزادانہ رہنے میں اس قدر خطرات تھے کہ وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ اگر بادشاہی کا دعویٰ تھا تو اور سب لوگ بھی اسی طرح خود مختار بادشاہ تھے۔ اور جہاں ہر شخص خود سر بادشاہ ہو وہاں کی بد امنی کا کیا پوچھنا ہے۔ اس لئے ضرور تھا کہ کسی کو وہ اختیارات دئے جائیں جو دوسروں کو حاصل نہ ہوں اور وہ سب کے امن و آسائش کا برابر لحاظ رکھے اور یہی بادشاہ ہی خود سیر کی حالت میں تین دقتیں بڑی سخت تھیں جن کا تدارک سوائے اس کے ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کسی قسم کی سلطنت قائم کی جائے

خود سیری کی حالت
کی دقتیں

اول۔ کوئی ایسا قاعدہ اور قانون نہ تھا جو سب کے نزدیک برابر مسلم اور سب کو معلوم ہو جو جائز و ناجائز کا معیار ہو اور لوگوں کے قضیہ اس قانون سے فیصلہ کئے جائیں بلکہ ایک ہی قضیہ کا تصفیہ ایک وقت کسی طرح کیا گیا اور دوسرے وقت لوگوں کی طرفداری یا خاص اقتدارات اور اثر سے اس میں کمی و بیشی ہو گئی۔ علاوہ ازیں انسان بالطبع اپنی بات کی پیروی اور ہٹ کرتا ہے۔ اس لئے جو کام وہ ایک بار کر بیٹھا سمجھا اس کو جس طرح ممکن ہو صحیح ثابت کرنا اور اس کے خلاف ہر کارروائی سے بچنا چاہتا تھا اور چونکہ کوئی مسلمہ قانون نہ تھا اکثر لوگوں کی ہٹ دھرمی چل جاتی تھی۔

دوم۔ کوئی شخص مسلمہ منصف اور جج نہ تھا۔ جس کو یہ اختیار حاصل ہو کہ مجوزہ قانون کی رو سے انفصال کرے۔ لوگ خود ہی واضح قوانین اور منصف تھے۔ اور چونکہ قلمنا انسان کو اپنے معاملات میں بہت خود غرضی اور ضد ہوتی ہے وہ اپنے لئے اچھے کاموں کا بہت زیادہ معاوضہ اور برائی کی بہت کم سزا مقرر کرتے تھے۔ دوسروں کے

موقعوں پر انتقام لینے کو تیار ہو جاتے لیکن معاوضہ کے وقت اغماض کرتے یا جیسی سرگرمی اپنے مقدمہ کے وقت ظاہر ہوتی تھی دوسرے کے مقدمات کے وقت ظاہر نہ ہوتی تھی۔

سوم۔ اگر کسی مقدمہ کے فیصلہ پر عمل درآمد کرنا مقصود ہو تو کسی شخص میں ایسی طاقت نہ تھی کہ جزا اور سزا کا عمل کر سکے۔ اور کوئی سہارا دینے والا نہ ہوتا تھا۔ جو لوگ قانون عدالت کے خلاف ورزی کرتے تھے اگر زیادہ زور آور ہوئے تو وہ سزا دینے والوں کو خود اُلٹی سزا دیتے تھے اور اس طرح اکثر کشت و خون تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ اس سبب سے جہاں تک جلدی ممکن ہو لوگوں نے نہ صرف گروہ قائم کئے بلکہ ان گروہوں میں سیاست یا سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ تاکہ یہ وقت کہ سب لوگوں کو سزا دینے کا اختیار ہے باقی نہ رہے۔ اور چونکہ اس اختیار میں ہر شخص باوجود مختار ہونیکے تکلیف میں تھا اُن اختیارات سے دست بردار ہونا ناگوار نہ ہوا بلکہ بہت اچھا معلوم ہوا۔

۲۔ جمہوری سلطنت

انسان جب تمدن میں داخل ہوتا ہے تو اگرچہ وہ ہمسری اور آزادی اور وہ اقتدارات جو اس کو پہلے حاصل تھے چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن وہ یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ صرف اسی طرح اس کی آزادی قائم رہ سکتی ہے اور اس کا جان و مال محفوظ رہ سکتا ہے اور جو آرام و آسائش اس کو تمدن اور سلطنت میں رہنے سے حاصل ہے خود مختاری میں اس کا عشرہ عشر بھی نہیں مل سکتا۔ لیکن سلطنت کے اقتدارات اس سے زیادہ بڑھنے نہیں پاتے جو تمام لوگوں کی آسائش اور حفاظت کے لئے ضروری ہوں اور جس شخص کے ہاتھ میں ان اقتدارات کی عنان ہوتی ہے اس کا فرض ہوتا ہے کہ ایسے مجوزہ قوانین کی رو سے حکومت کرے جو سب کو پہلے سے معلوم کرادئے گئے ہوں۔ اور ایسے بے تعصب اور دیانت دار جج مقرر کرے جو ان مجوزہ قوانین کے مطابق انحصار مقدمات کریں۔ بادشاہ کا یہ کچھ فرض ہے کہ تمام لوگوں کی

قوم کو بیرونی حملہ آوروں سے بچائے اور اس کام میں اوس کا مطلب کوئی خود غرضی نہ ہو بلکہ رعایا کا امن حفاظت اور ہیبودی مقصود ہو۔

سلطنت کے کام

اس جمہوری سلطنت کو جو امن عامہ قائم رکھنے کے لئے قائم کی جاتی ہے تین قسم کے اختیارات ہوتے ہیں ایک تو قانون بنانا۔ دوسرے اس قانون کے بموجب حکمرانی کرنا اور لوگوں میں نصفت و عدالت قائم رکھنا۔ تیسرے باہر کے حملہ آوروں کے حملہ سے اپنی جمعیت کو بچانا اور ان سے جنگ اور صلح کے عہد و پیمان کرنا۔

وضع قانون

سوسائٹی میں انتظام و عدالت قائم رکھنے کے لئے سب سے مقدم کام قانون بنانا ہے۔ قانون کے متعلق رائے دینے کا حق ہر شخص کو جو اس سوسائٹی کا ممبر ہو حاصل ہے۔ لیکن ہر شخص میں اتنی قابلیت اور ہر شخص کو اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ وہ ہر امر میں شورہ دے سکے۔ اور خواہ کیسا ہی سہل کام کیوں نہ ہو جب تمام رعایا سے اُس میں استفسار کیا جائے تو اس کا پورا کرنا بھی نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ اس لئے رعایا اپنے گروہ میں سے ایسے سربر آوردہ ممبر جو اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی کل سوسائٹی کے بھی خواہ ہوں اور عقل و دانش علم و لیاقت میں دوسروں سے ممتاز و متمیز ہوں انتخاب کر لیتی ہے اور تمام اشخاص اس بات پر رضا مند ہو جاتے ہیں کہ یہ ہمارے انتخاب کئے ہوئے ممبر جو قانون بنائیں اس کو ہم سب تسلیم کریں گے۔ یہ مجلس و اضع قوانین یا لیجسلیٹو کونسل ہے۔ قانون بنانے کا حق خواہ ایک جماعت (کونسل) کو حاصل ہو یا ایک شخص (بادشاہ) کو بہت بڑا اختیار ہے کہ دوسرے لوگوں کو و اضع قوانین کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنی بہتر نہ فرض ہو جاتی ہے اور اسکے علاوہ اور لوگ خواہ کیسے ہی احکامات جاری کریں اور ممکن ہے کہ ان کے احکامات کے پلہ پر پڑے بڑے طاقتور امرا اور روسا رکھی ہوں لیکن وہ اس وقت تک قانون نہیں بن سکتے جب تک کہ وہ و اضع قوانین یعنی (کونسل یا بادشاہ) اُسے پاس نہ کرے تمام سوسائٹی میں یہ مقنن ہی ایسا ذمی رتبہ شخص ہے کہ وہ لوگ بھی جنہوں نے اسے قانون بنانے کی اجازت دی اس کے آگے سہ اطاعت ختم کرتے اور اس کا کہا مانتے ہیں

اگر دوسرے بادشاہ بھی یہ چاہیں کہ کوئی شخص اپنے ملک کے قانون کی اطاعت نہ کرے یا کوئی بڑی سے بڑی طاقت کسی شخص سے یہ عہد و پیمان چاہے کہ وہ اپنے ملک کے قانون کو تسلیم نہ کرے گا۔ تو ناممکن ہے۔ یہ ایک مضحکہ انگیز بات ہے کہ انسان رہے کسی سوسائٹی میں اور اطاعت کرے کسی غیر سوسائٹی کے قانون کی۔ اگر کسی سوسائٹی میں رہنا ہے تو یا اس کے قوانین کی تعمیل کرنی پڑے گی یا اس سوسائٹی اور سلطنت سے کنارہ کش ہونا پڑے گا۔ لیکن دریا میں رہنا اور مگر مجھ سے بیرملکن نہیں۔

یہ مسئلہ امر ہے کہ مقنن کے اختیارات سب سے زیادہ بالا اور سب سے زیادہ قوی ہیں اور جن ہاتھوں میں قانون کا نافذ کرنا سپرد کیا جاتا ہے وہ عوام کی نسبت بہتر۔ پاک اور قابل ادب ہوتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ واضع قوانین ایسا خود مختار ہے کہ اس کے اقتدار کی حد نہ ہو۔ بلکہ اس کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور اس کو ہر حکم اور ہر قانون کے نافذ کرتے وقت یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ آیا وہ عام رعایا کی بہبودی اور ان کی خوش حالی اور ان کی ترقی میں مدد ہے یا نہیں اور وہ ان کی آزادی ان کے استحقاق ان کے آرام و آسائش میں خلل انداز نہ ہوگا۔

قانون کا منشا

دستی حالت

پارلایمن ہین جن کا مقنن کو خیال رکھنا چاہئے :-
اول۔ قانون کے نفاذ کا منشا سوائے اس کے اور کچھ نہ ہو کہ لوگوں کی حالت سنورے۔ مقنن کو یہ اجازت نہیں ہے کہ لوگوں کی جان و مال پر ہاتھ ڈالے۔ اور ان پر ناجائز جبر و تعدی اور سختی کرے۔ قانون بنانے کی ضرورت یہ ہے کہ قدرت کا قانون ظاہر اور آشکارا ہو اور جو قدرت کے قانون کا منشا ہے پورا ہو۔ قدرت کا قانون کہیں لکھا ہوا نہیں ہے لیکن دلوں پر نقش ہے۔ جو لوگ قانون قدرت کے رمز خناس ہیں وہ جانتے ہیں کہ قادر مطلق اور خلاق عالم کی مرضی یہ ہے کہ لوگ امن اور حفاظت سے رہیں نہ یہ کہ برباد رسوا اور خراب ہوں۔ پس انسان کا کوئی قانون جو اس قانون قدرت کے خلاف ہو قابل پسند نہیں ہو سکتا اور کسی انسان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے خلاف ہو۔

مفسر اور محتاج کر دے۔ جمہوری سلطنت میں رعایا نے مقنن کو اپنی مرضی سے یہ اختیار دے دینا کہ وہ جو حکم سب کی بہبودی کی مصلحت کے لحاظ سے جاری کرے اس کی سب اطاعت کرینگے کسی شخص سے ممکن نہیں کہ جو اختیار اس سے خود حاصل نہیں ہے وہ دوسرے شخص کو دے سکے۔ واضح قوانین کو خود رعایا نے انتخاب اور پسند کیا ہے۔ لیکن رعایا میں سے فرداً فرداً یا مجتمعاً کسی کو اختیار نہیں ہے کہ وہ دوسرے کا مال چھین لے یا اس کی جان لے یا اسے اپنا غلام بنائے۔ ان لوگوں کو صرف اسی قدر اختیار حاصل ہے کہ اپنے جان و مال کی حفاظت کریں۔ لیکن نہ یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنے تئیں دوسروں کی مرضی کے حوالہ کر دیں نہ یہ اختیار ہے کہ دوسرے کو اپنی خود مختار مرضی کا تابع بنالین۔ اور جب خود اس کو یہ اختیار نہیں ہے تو وہ مقنن کو جسے انہوں نے خود اختیارات دے دیے ہیں کیونکر یہ اختیار دے سکتے ہیں کہ وہ لوگوں کے جان و مال کو اپنی خود مختار مرضی کا نشانہ بنائے۔ اور اگر ایسا ہے تو سلطنت خواہ کیسی بھی عظیم الشان ہو لیکن تمدن کی قدرتی اور فطرتی غرض اس سے پوری نہیں ہوتی۔

عدالت

دوم۔ جو قانون بنائے جائیں وہ سب کے لئے یکساں ہوں نہ امیر کی رعیت نہ غریب پر جبر اور یہ قانون پہلے سے مشہور کئے جائیں تاکہ لوگوں کو معلوم رہیں یہ کوئی انصاف نہیں ہے کہ ہر وقت اور ہر مقدمہ کے لئے جو دل میں آیا حکم دیدیا اور وہ اس مقدمہ کے لئے قانون بن گیا۔ یا جس شخص کو چاہا اس وقت مقدمہ کے فیصلہ کے لئے مقرر کر دیا۔ بلکہ ایسا قانون جو جلدی جلدی تبدیل نہ ہوتا ہو پہلے سے سب کو معلوم ہو اور انفصال مقدمہ کے لئے پہلے سے ایسے جج مقرر کئے جائیں جن کو خاص خاص اختیارات دے گئے ہوں لوگ سو سائٹی میں اس واسطے داخل ہوتے تھے کہ دوسروں کی مضرت سے محفوظ رہیں اور ان کی آزادی کو زیادہ تقویت ہوگی۔ اگر کسی انسان کو پہلے سے یہ معلوم ہو کہ جس جماعت میں میں داخل ہوتا ہوں وہاں کی جماعت یا کسی شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی خاص مقدمہ میں اسے راجع کر فضا کے شخص کے ساتھ کچھ اور

فیصلہ کر گیا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ فیصلہ کیا ہوگا۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ مقدمات کا انفصال کس شخص کے ہاتھ میں سپرد کیا جائیگا تو وہ کبھی ایسی سوسائٹی میں داخل ہونا پسند نہیں کر گیا کیونکہ تمدن میں داخل ہونے سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے وہ یہاں مفقود ہے۔ بچرل یا غیر تمدنی حالت میں اُسے قدر تا یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ اپنی حفاظت کر سکے لیکن ایسی سوسائٹی میں داخل ہو کر اُس کا یہ اختیار تو مفقود ہو جاتا ہے اور دوسرے کسی شخص یا کئی شخصوں کو اُس پر حکمانہ اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں۔ ایسے تمدن میں داخل ہونا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے ہتھیار کھول کر مخالف کے ہاتھ میں دیدے اور خود نہ ہٹتا ہو جائے۔

سلطنت کے لئے ضرور ہے کہ وہ ایسے قوانین کی رو سے حکومت کرے جو پہلے سے مقرر کئے گئے ہوں۔ تاکہ ہر شخص کو پہلے سے یہ معلوم ہو کہ اس فعل کی یہ سزا یا جزا ہے۔ اور خود جج بھی اپنے حدود اختیارات میں رہیں اور ایسا نہ ہو کہ عجوبہ کا تلون مزاج کبھی تو مروت یا لالچ یا رحم دلی یا فیاضی کے سبب کسی کو نا جائز فائدہ پہونچائے یا کوئی رعایت کرے۔ اور کسی کو اپنے دلی عناد یا غصہ یا کسی اشتعال طبع کے باعث نا جائز نقصان پہونچائے۔ یا حد سے زیادہ سزا دے۔

سوم۔ مقنن یا بادشاہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ کسی شخص سے کوئی چیز اُس کے خلاف مرضی لے لے۔ لوگ سوسائٹی میں مال کی حفاظت اور اس سے جائز تمتع حاصل کرنے کے لئے داخل ہوئے ہیں اور جب خود بادشاہ ہی لوگوں کے مال چھینے اور ضبط کرنے لگے یا سوسائٹی میں کسی شخص کو یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ دوسروں کا مال چھین لے تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ دوسروں کے پاس کوئی مال نہیں ہے۔ بلکہ جس چیز کا نام ہے وہ یہی ہے کہ ایک شخص کو اپنی کسی چیز پر مالکانہ اختیار ہو وہ اُسے جس طرح چاہے خرچ کرے اور دوسرا شخص بغیر اس کی مرضی کے نہ لے سکے۔ لیکن اگر کسی دوسرے شخص کو اُس میں بغیر اجازت لینے کا حق ہے تو وہ اُس مال کو "میرا" نہیں کہہ سکتا۔ اس طرح ملکیت جو نظام تمدن کی اصل ہے مفقود ہو جاتی ہے۔

حفاظت مال

بعض ایسے مواقع ہیں کہ حکمران کو ماتحت کی جان پر اختیار حاصل ہو سکتا ہے لیکن مال پر وہان بھی نہیں ہے۔ ایک سپہ سالار بلکہ ایک سارجنٹ ایک سپاہی کو میدان جنگ میں حکم دے سکتا ہے کہ توپ اور تلوار کے مقابلہ میں کھڑے رہو۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کی تعمیل سے سپاہی کی جان نہیں بچ سکتی۔ لیکن سپاہی کا فرض ہے اور اصول تمدن کے لحاظ سے لازم ہے کہ اس حکم کی اطاعت کرے چاہے جان جائے یا رہے۔ لیکن اس سپہ سالار یا سارجنٹ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سپاہی کے مال میں سے ایک پیسہ لے سکے۔ آئین فوج کے لحاظ سے تمام سوسائٹی کی حفاظت اور بہبودی اس میں ہے کہ فوج کے سپاہی اپنے افسر کے احکامات کی اسی طرح اطاعت کریں اور جان دیں۔ لیکن یہ ضرور نہیں کہ مال میں سے ایک جیبہ دیں۔ یہ سچ ہے کہ سلطنت کے اخراجات کے لئے روپیہ جمع کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر شخص کو لازم ہے کہ اپنی آمدنی کے لحاظ سے ٹیکس دے لیکن یہ ٹیکس بھی رعایا کی مرضی سے لگایا جاتا ہے اور مقررہ مقدار سے زیادہ وصول نہیں کیا جاسکتا۔

واضع قوانین
اپنا اختیار منتقل
نہیں کر سکتے

چہارم۔ واضح قوانین کو یہ اختیار نہیں ہے اور نہ اس کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ اپنی مرضی سے قانون بنانے کے اختیارات دوسرے شخص کو دیدے۔ کیونکہ مقنن کو قانون بنانے کا اختیار لوگوں سے حاصل ہوا ہے اور لوگوں نے اسکو قانون بنانے کا اختیار دیا ہے مقنن بنانے کا اختیار نہیں دیا۔ واضح قوانین کے انتخاب کے وقت لوگ اس امر پر متفق ہوئے تھے کہ جو قانون یہ مجلس یا یہ شخص بنائے اس کی ہم اطاعت کریں گے پس اس مجلس یا اس شخص کے سوا دوسرے کو اختیار دینا لوگوں کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ ناجائز ہے۔

قانون بنانا اور قانون کے بموجب حکمرانی کرنا دو مختلف کام ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قانون کا نفاذ کرنا اور اس پر عمل کرنا ایک ہی شخص یا ایک ہی جماعت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور کبھی مختلف لوگوں کو یہ کام سپرد ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کے لحاظ سے یہی مناسب ہے کہ مختلف آدمیوں کو یہ کام سپرد کئے جائیں۔ کیونکہ خود واضع

مقنن اور حاکم
مختلف اشخاص
ہونے چاہئیں

قوانین پر بھی یہ فرض ہے کہ جو قانون وہ بنائیں اُس کے بموجب خود بھی عمل کریں۔ اگر
 دونوں اختیارات ایک ہی شخص یا جماعت کے ہاتھ میں ہونگے تو ضرور وہ جماعت یا
 شخص اپنے تئیں اُس قانون کے اثر سے بچانے اور استثنائے کرنے کی کوشش
 کریگا اور رفتہ رفتہ اس کا رتبہ عوام سے ایسا بلند ہو جائیگا کہ کسی کا ہاتھ اس تک
 نہ پہنچ سکے گا۔ لوگ ہر طرح اپنے اغراض کو خواہ جائز ہوں یا ناجائز پورا کرنا چاہتے
 ہیں اس لئے مقنن یا حکمران ہونے کی حالت میں ان کو یہ موقع باسانی حاصل ہے
 کہ اپنی خواہشوں کو پورا کریں چاہے دوسروں کا نقصان ہو یا نفع اس لئے ضرور ہے
 کہ مختلف لوگ واضح قوانین مقرر کئے جائیں اور جب وہ قانون بنا چکیں تو ان پر
 بھی قانون کا ایسا ہی عمل ہو جیسا دوسروں پر۔ دوسرے یہ کہ جو قوانین ایک بار
 بن جاتے ہیں وہ ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ ہمیشہ قانون بنانے کی ضرورت نہیں لیکن
 یہ نگرانی رکھنی ضرور ہے کہ قانون مروجہ پر ہر شخص عمل درآمد کرے اس لئے ہمیشہ
 ایک ایسے حکمران کی بہت ضرورت رہتی ہے کہ گو وہ واضح قوانین نہ ہو لیکن اُن
 قوانین پر عمل کرائے۔ اس طرح مجلس واضح قوانین اور حکمران علیحدہ علیحدہ
 ہو جاتے ہیں۔

انسان ایک سوسائٹی میں داخل ہو کر اپنے جان و مال کی حفاظت اور
 آزادی قائم رکھنا چاہتا ہے۔ لیکن جو لوگ اس سوسائٹی کے علاوہ دوسری
 سوسائٹی میں شریک ہیں وہ بعض اوقات اس کل سوسائٹی کو یا اس کے کسی
 ممبر کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اس وقت اس کل سوسائٹی کا یہ فرض ہوتا ہے
 کہ سب کے سب حملہ آوروں کو روکنے یا اون سے بدلہ لینے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔
 یہ جنگ و صلح کرنی یا عہد و پیمان کرنے کا اختیار ہے اس طرح حکمران کے ذمہ حفاظت
 کے متعلق دو مختلف کام ہوتے ہیں۔ ایک اپنی سوسائٹی کے مختلف لوگوں میں
 عدالت قائم رکھنا۔ دوسرے ان کو بیرونی حملہ آوروں سے بچانا اور یہ نہایت ضروری
 اور بہت مشکل کام ہے۔ اور اس انتظام کے حسن و قبویر قوم کی قوت و وقعت

حکمران کے بعض
 اختیارات

آزادی اور آسائش کا انحصار ہے۔ اس لئے یہ اختیار ایسے دورانِ دلش۔ مدبر بہی خواہ
 ملک لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے جو سلطنت کے فائدہ کے لئے اسے کام میں
 لانے کی پوری لیاقت رکھتے ہوں۔ صرف صلح اور جنگ ہی پر کیا منحصر ہے جس شخص
 کے ہاتھ میں عنانِ حکومت ہو اسے خاص خاص ایسے اقتدارات حاصل ہونے
 ضرور ہیں جو مردِ وجہِ قانون سے برتر ہوں۔ کیونکہ مقنن کا تجربہ خواہ کیسا ہی وسیع
 اور اس کی نظر خواہ کتنی ہی دور بین کیوں نہ ہو۔ ایسے واقعات ضرور پیش آتے رہتے
 ہیں جن کی نسبت قانون میں کوئی خاص ہدایت نہیں ہوتی اور ایسے موقع پر اگر
 حکمران کو اپنی رائے پر کام کرنے کا اختیار نہ دیا جائے تو انتظامِ ریاست اور ریاست
 میں فرق آتا ہے۔ اگر اس وقت اس خاص کام کے واسطے قانون بنانے کے لئے
 مجلسِ واضع قوانین کا انعقاد کیا جائے تو فضولِ طوالت اور بیکارِ تنصیع اوقات
 ہوگی۔ بعض ضرورتیں ایسی بھی پیش آتی ہیں کہ وہاں مردِ وجہِ قانون پر عمل کرنے سے
 ہرج اور نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور قانون کے خلاف کرنا امن عامہ یا آسائش
 یا کسی مصلحت سے مناسب ہوتا ہے۔ ایسے موقع کے لئے حکمران کو اختیار حاصل
 ہونا چاہئے کہ وہ مناسب وقت اور صوابدید کے لحاظ سے قانون پر عمل نہ کرے اور
 اپنی رائے کی مصلحت پر عمل کرے۔ فرض کرو کہ شہر کے کسی حصہ میں آگ لگ ہی ہے
 اور اس کے بجھانے کے لئے ضرورت یہ ہے کہ ایک شخص کی دیوار ڈھا دی جائے
 قانونِ اجازت نہیں دیتا کہ ایک بے گناہ کے مکان کی دیوار ڈھائی جائے لیکن
 چونکہ مصلحت کا اقتضا یہی ہے اس لئے حکمران کو اجازت ہونی لازم ہے کہ وہ
 قانون کے خلاف کرے۔ گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ عامہ خلافت کی بہبودی اور
 خوشی کا خیال رکھے اس لئے اگر کسی بے گناہ کو آزار نہیں پہنچتا تو کسی مجرم کو
 بخش دینا بھی گورنمنٹ کے اغراض کے خلاف نہیں ہے۔ حکمران کو ایسے ذاتی
 اختیارات دینے نہ صرف ضروری ہیں بلکہ مفید بھی ہیں کیونکہ بعض ممالک میں مجلس
 واضع قوانین ہر وقت قائم نہیں ہوتی یا کوئی قانون نہ کرے یا خاصہ واقعہ یا واقعہ کی

کسی خاص صورت کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ یا مجلس واضع قوانین کسی خاص حالت
 کی پیش بینی نہیں کر سکتی یا قانون پر بعض وقت زیادہ سختی سے عمل کرنا زیادہ مضر
 اور خلاف مصلحت ہوتا ہے۔ غرض ایسی ایسی صورتوں کے لئے حکمران کو اختیار
 ہے کہ اپنی رائے اور عقل صواب اندیش پر چلے اور جس طرح مناسب ہو عمل کرے۔
 اگر حکمران ان اختیارات کو عوام کے فائدہ اور حفاظت کے لئے عمل میں لائے
 تو لوگوں کو گران نہیں گزرتا بلکہ نہایت خوشی سے احکام کی اطاعت کرتے ہیں
 عام لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ حکمران کے احکامات پر نکتہ چینی نہیں کیا کرتے لیکن
 اسی وقت تک خاموش رہتے ہیں کہ یہ یقین ہو کہ حکمران جو کچھ کرتا ہے سو سچ سمجھ کر
 کرتا ہے اور جو سوچتا ہے ہمارے بھلے ہی کی سوچتا ہے۔ لیکن اگر حکمران اپنی حد سے
 باہر قدم رکھنے لگے اور لوگوں کو یہ شبہ ہو کہ اس سے ہمارا نقصان ہوگا تو پھر شکایت
 کے دفتر کھل جاتے ہیں۔ اور اعتراضوں کی بوجھاڑ پڑنے لگتی ہے۔ اس سوال کا
 فیصلہ کہ آیا حکمران کا کوئی فعل جائز ہے یا ناجائز نتیجہ پر منحصر ہے۔ اگر نتیجہ عوام کے
 حق میں اچھا ہے تو جائز ہے اور اگر نتیجہ خراب ہے تو ناجائز۔ غرض سلطنت جمہوری
 ایسی سلطنت ہے کہ نیچرل حالت میں جو اختیارات اور اقتدارات لوگوں کو فرد افراد
 حاصل تھے وہ انہوں نے سوسائٹی کو دئے۔ اور سوسائٹی نے اس اعتماد اور
 یقین پر گورنر (حکمران) کو دیدئے کہ یہ اپنے اختیارات کو ہماری حفاظت اور
 آسائش کی غرض سے کام میں لائیں گے۔ ان کو فطرتی حالت میں جو اختیار حاصل
 تھا اور جس کو وہ ایسی حالت میں کہ سوسائٹی اس کی حفاظت و معاونت کر سکے
 سوسائٹی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ صرف اسی قدر ہے کہ وہ اپنے مال کو بچائے اور اگر
 کوئی شخص قانون فطرت کے خلاف ورزی کرے اور اس کو آزار دینا چاہتا ہے
 تو اسے مراد سے۔ سوسائٹی میں رہ کر یہ قاعدہ سوسائٹی کی عام ہیودی اور حفاظت
 کا باعث بھی ہوتا ہے۔ پس جب یہ اختیار ایک حکمران کے ہاتھ میں دیا جائے
 تو اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ایسی تدابیر عمل میں لانے کا مختار ہو کہ خلقت

امن عائد قائم رکھنا
 سلطنت کی
 علت غائی ہو

کی عام آسائش اور حفاظت اور آزادی قائم رہے۔ لیکن اس سے لوگوں کی جان و مال پر خود مختارانہ اختیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ منشا ان کی حفاظت ہے نہ کہ اون کی بربادی۔ اگر کوئی شخص قانون کے خلاف کرے تو اس کو سزا دے یا اگر کسی شخص کا وجود عامہ خلافت کے حق میں نہایت ضرر رسان ہو تو سب کی رحمت اور امن کے لئے اس کو صفحہ ہستی سے مٹا دے اور کسی حکمران کو یہ اختیار لوگوں کی رضا مندی اون کے انتخاب اور اون کی کثرت رائے سے حاصل ہوتا ہے۔

۳۔ حالت جنگ

(یعنی غیروں کے حملہ کی مدافعت اور اپنی محافظت)

سلطنت کے دو اہم فرائض ہیں ایک اپنی رعایا کے امن اور بہبودی کی تدابیر اختیار کرنا اور امور نافعہ پر کار بند ہونا۔ دوم ان کو غیروں کے حملہ سے بچانا تاکہ انکی آسائش اور راحت میں خلل نہ پڑے۔ انسان مختلف خاصیتوں اور مختلف جذبات کا پتلا ہے کبھی مختلف آدمیوں سے مختلف طرح کے افعال سرزد ہوتے ہیں جو کہا جاسکتا ہے کہ اون کی عادت یا طبیعت ہیں اور کبھی ایک ہی شخص سے ایسے مختلف افعال سرزد ہوتے ہیں کہ دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ اس کی فطرت میں مختلف جذبات کیونکر جمع ہو گئے مثلاً ایک شخص نہایت بے درد اور ظالم و سفاک ہے اور اس کی یہ عادت اپنے رشتہ داروں دوستوں ہم وطنوں غیروں سب کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرا شخص جو اسی طرح کا ایک آدمی ہے نہایت متواضع رحم دل اور منکسر مزاج شخص ہے کہ اپنے پرانے سب کے ساتھ ملاطفت اور ملائمت سے پیش آتا ہے۔ اسی طرح سب کا رنگ جدا جدا دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ انسان کے طبائع مختلف ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایک ایک ہی شخص سے مختلف طرح کے افعال مختلف اوقات میں سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص اپنے بچوں اور گھر والوں کو بہت چاہتا ہے اور اچھی طرح سے رکھتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت بہت نرم و مہربان ہے۔ لیکن کبھی وہ اپنے دوستوں کو سخت دھمکتا ہے اور ان کی

انسان مختلف
عادات اور خواہش
کا ظہور

خراب ہے کہ ہر ایک اوس کے ہاتھ سے نالان ہے۔ ہمسائے تنگ ہیں۔ اہل معاملہ
 شاکی ہیں۔ اہل شہر ناراض ہیں۔ ماتحتوں کا ناک میں دم ہے۔ اسی طرح ایک گروہ
 ہے کہ اگرچہ اُن میں تمدن کے تمام اصول پائے جاتے ہیں اور باہم اُن میں عدالت
 بھی قائم ہے۔ لیکن دوسرے اہل ملک یا دوسری سوسائٹی کے لئے وہ قزاق
 رہزن۔ لٹیرے بن جاتے ہیں بلکہ علانیہ حملہ کر کے جان و مال پر قبضہ و تصرف کر لیتے
 ہیں۔ یہی کیفیت بادشاہوں کی بھی ہے کہ اکثر اچھے اچھے بادشاہ جو اپنی رعایا کی
 آسائش کے لئے جان و مال قربان کرنے کو مستعد ہو جائیں اور رات دن ملک
 کے انتظام کے لئے کوشش و سعی میں گزار دیں۔ جب ملک گیری پر کھڑے ہوتے
 ہیں تو لا کھوں کے خون پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ سرسبز ممالک اور آباد شہروں کو
 برباد اور ویران کر کے چھوڑتے ہیں۔ اس جنگ و جدل کے کئی سبب ہوتے ہیں۔
 مثلاً (۱) دوسروں کا مال و ملک حاصل کرنے کی طمع۔ (۲) کسی غصہ یا کینہ یا عداوت کا
 اثر اور اس سبب سے دوسروں کو ضرر پہنچانا۔ (۳) حکمرانی کی خواہش۔

جب اسی طرح ایک شخص یا ایک فرقہ کسی شخص یا کسی فرقہ کی جان ہلاک کرنے اور
 مال چھین لینے کی غرض سے دوسرے شخص یا فرقہ پر حملہ کرے یا اس کو برباد کر دے
 ارادہ یا کوئی تجویز کرے تو دوسرے شخص یا فرقہ کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے
 کہ اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے دوسرے شخص کے حملہ کو روکے اور
 بجائے اس کے کہ خود برباد ہو دشمن کے برباد کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا
 نام جنگ ہے۔ اگر شیر یا بھیڑ یا کسی انسان پر حملہ کرے تو انسان شیر کو
 مارنے کی فکر کرتا ہے اور بس چلتا ہے تو مار بھی ڈالتا ہے۔ جو لوگ بے گناہوں کو
 اپنے پنجہ بستم کا شکار بناتے ہیں اور اُن کا جان و مال برباد کرنا چاہتے ہیں وہ انسان
 ورنڈے جانوروں سے بدتر ہیں اس لئے اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے
 ان کے حملہ کو روکنا اور مار بھگنا بھی قدرتا جائز اور روا ہے۔

جو شخص اپنے جان و مال کی حفاظت کے لئے اپنے قبضہ میں اس طرح کے کام کرے

جان و مال پر قدرت حاصل ہو جائے وہ گویا اس انسان سے جنگ کا ارادہ رکھتا ہے۔ انسان بالطبع آزاد پیدا ہوا ہے اور اس کی آزادی کو چھیننا اس کو غلام بنانا ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جان و مال کی ایسی حفاظت کرے کہ دوسرا اس پر مالکانہ قبضہ نہ کر سکے اور جو کوئی اس پر مالکانہ قبضہ کرنا چاہے اُسے اپنا دشمن سمجھے۔ اسی طرح جو قوم دوسری قوم کی آزادی چھین کر اس کو غلام بنانے کے لئے حملہ کرے اور لوگوں کی آزادی میں خلل ڈالے وہ دشمن ہے جس کا یہ ارادہ ہے کہ کل چیریں اور دنیا کی نعمتیں چھین کر دوسروں کو غلام بنائے اور خود گلچھے اُڑائے۔ ایسے دشمن کی مداخلت کے لئے اُس سے لڑنا اور اپنی حفاظت کرنا جنگ کہلاتا ہے۔ حالت جنگ میں یہ جائز ہے کہ دشمن سے نقصان اُٹھانے سے پہلے اس پر حملہ کرے یا اُسے مارے کیونکہ جب اُس نے کسی قوم کی جان و مال پر قبضہ کر لیا اور ان کو محکوم بنا لیا تو پھر اس کا دفعہ کرنا ناممکن ہے۔ چور کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ چوری کر کے کسی کا مال لیجائے، لیکن چور اپنے سے پہلے اُسے مارنا جائز ہے اگرچہ اُس نے ذرہ سا بھی نقصان نہ پہنچایا ہو۔ جو شخص یا جو فرقہ کسی شخص یا کسی فرقہ پر خود مختارانہ قبضہ کرنا اور اسے اپنا محکوم بنانا چاہے تو خواہ اس کا ارادہ کچھ بھی کیوں نہ ہو وہ دشمن ہے اور اپنی محافظت کے لئے اس سے جنگ جائز ہے۔ کیونکہ جو شخص دوسرے کی آزادی لے لے وہ جب دل چاہے اور جو کچھ چاہے لے سکتا ہے اس لئے اس کی مضرت سے بچنا اور اُسے مار ڈالنا اس لئے جائز ہے کہ خود اُس نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالا اور دوسروں پر حملہ کیا ہے۔

صلح کل۔ امن جوئی۔ معاونت و ہمدردی۔ حفاظت۔ تمدن کے معاون ہیں۔ لیکن دشمنی۔ حسد۔ زبردستی۔ ظلم۔ خانہ جنگی۔ تمدن میں رخنہ ڈالنے والے اور اجزاء عالم کے پریشان کرنے والے ہیں۔ قانون عدالت خرابی کی رخنہ بندی اور مظلوم و مستحقین کی حفاظت کرتا ہے لیکن جہاں ایسا ہو کہ قانون اور عدالت سے

حق حفاظت
خود اختیار کی

اپیل کرنے کا موقع نہ رہے وہاں ہر شخص کو حق حفاظت خود اختیاری حاصل ہے
 کہ اپنے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اور اگر ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر حملہ کرے
 اور کوئی عدالت یا کوئی جج اُن دونوں میں تصفیہ کرنے والا نہ ہو تو بھی یہی
 حق حفاظت خود اختیاری جنگ و جدال کی اجازت دیتا ہے مثلاً ایک شخص ہے
 جس پر چوہ کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ میں اُسے ستاؤں یا ماروں لیکن اگر وہ
 رات کو میرے ہاں چوری کرنے آئے اور میں جانتا ہوں کہ یہ مجھے مار ڈالے گا اور
 راتوں رات بھاگ جائیگا تو مجھے حق حاصل ہے کہ میں چور کو مار ڈالوں کیونکہ اگر
 میری جان گئی تو وہ پھر ملنے والی نہیں نہ کوئی اس کا معاوضہ دے سکتا ہے
 پس جس قانون نے میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے اس نے مجھے یہ حق بھی دیا ہے
 کہ جہاں قانون سے اپیل نہ کیا جاسکے وہاں حق حفاظت خود اختیاری کام
 میں لایا جائے۔ یہ حالت جب افراد انسانی میں ہو تو جدال کہلاتی ہے۔ اور
 جب اقوام یا بادشاہوں میں ہو تو جنگ ہے۔ لیکن جب جنگ و جدال ہو چکا
 تو سوسائٹی کے ہر فرد پر اس مروجہ قانون کی اطاعت پھر لازم ہو جاتی ہے
 کیونکہ اس وقت در عدالت کھل جاتا ہے اور گزشتہ بے اعتدالیوں کی تلافی یا
 امداد ہو سکتا ہے۔ لیکن جب تک قانون میں اس تلافی یا امداد کی قوت
 نہ ہو حالت جنگ و جدال قائم رہتی ہے یہاں تک کہ حملہ آور کو امن کی درخواست
 کرنی پڑے اور آئندہ بے گناہوں کے ستانے سے باز آنے کا اقرار کرے یا
 مخالفین میں سے ایک بالکل تباہ و برباد ہو جائے اور قضیہ مٹ جائے۔ غرض
 دونوں فریقوں میں سے جس کسی کو فتح حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے کے ملک
 اور ملک پر قبضہ کر لیتا ہے۔ زمانہ کار و اج اس قدر خراب ہو گیا ہے اور دونوں میں
 سے قانون قدرت کا علم اتنا محو ہو گیا ہے کہ اب جنگ و فتح قبضہ و اقتدار کی دلیل
 بلکہ استحقاق سمجھی جانے لگی ہے۔ انسان کی تاریخ میں ہزاروں برس سے
 جنگ و فتح کی کہانیاں چلی آتی ہیں اور جس فرقہ کو فتح حاصل ہو خواہ وہ ۴۰۰ برس

یا ناحق پر تمام ملک اس کا ہو جاتا ہے۔

ناجائز فتح

کسی ملک پر لڑ جھگڑ کر فتح حاصل کرنا اصول تمدن میں داخل نہیں ہے۔
مکان کا بنانا اور رہے اور اس کا ڈھانپنا کچھ اور ہے۔ جو قومیں اپنے زور کے برتنے پر
دوسروں کے تمدن میں خلل انداز ہوتی ہیں وہ تمدن کی اعانت نہیں بلکہ اس کی
برباد کرنے والی ہیں اور ان کو قدرت کے اصول کے لحاظ سے مفتوحین کے جان و
مال پر کوئی حق حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ڈاکہ زن کسی بھلے مانس کے گھر میں گھس کر
اوس کی مشکین باندھ لے اور جبراً اس سے یہ کاغذ لکھوا لے کہ جو کچھ اس گھر میں ہے
وہ اس ڈاکو کا مال ہے تو کیا فی الحقیقت ڈاکو کو اس گھر کے مال و اسباب پر
مالکانہ قبضہ حاصل ہو جائیگا اور عدالت ایسے ڈاکو کو سزا سے بری کر کے اس مال و
اسباب کا مالک تسلیم کر لیگی۔ ہرگز نہیں۔ پھر ایک بادشاہ جو بیٹھے بٹھائے دوسرے
کے ملک پر حملہ کر کے بزور شمشیر فتح پاتا ہے یا اوس کو مجبور کر کے من مانے معاہدے
لکھواتا ہے کیونکر اس ملک کا مالک یا اوس معاہدے سے فائدہ اٹھانے کا مستحق
تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بات صرف اتنی ہے کہ دنیا میں ڈاکو کے لئے عدالت
کھلی ہوئی ہے جو غریب مالک مکان کا مال دلواتی اور ڈاکو کو سزا دیتی ہے۔ لیکن
حملہ آور بادشاہ کے لئے جو سب سے بڑا اقراق ہے دنیا میں کوئی ایسی عدالت
نہیں ہے جو اس کا انصاف کرے۔ یہ بادشاہ اپنے چھوٹے اور کمزور آدمیوں کو
جو دوسروں کے مال میں دست اندازی کریں یا امن عامہ میں خلل ڈالیں سخت
سخت سزائیں دیتے ہیں لیکن خود دوسروں کے ملک پر حملہ کر کے طرفین کے لاکھوں
انسانوں کی جانیں گنوا دیتے ہیں۔ اور ملک کی سرسبزی۔ خوش حالی۔ امن۔ آزادی
پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ لیکن قدرت کے قانون کے بموجب ان ناجائز فتح پانے والوں کو
مفتوحین سے اطاعت اور فرمان برداری کروانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

مستحقین کی
فتح

فتح کے لئے ضرور نہیں کہ ہمیشہ حملہ آوروں اور ظالموں ہی کا ساتھ دے بلکہ
اکثر وہ مظلوم ہیں جو اپنے ملک کو غارت گردانے کے لئے لڑتے ہیں

فتیاب ہوتے ہیں اور خود حملہ آور وں پر ان کو وہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے جو حملہ آور حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب مستحقین کو فتح حاصل ہو تو یہ نتائج پیدا ہوئے ہیں۔
۱۔ جو لوگ فاتح کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور جنہوں نے اپنے سر ہتیلی پر رکھ کر دشمن کو مغلوب کیا ہے ان پر بادشاہ یا سردار کو کوئی زیادہ اقتدار حاصل نہیں ہوتا۔ اور وہ جیسے پہلے آزاد تھے ویسے ہی رہتے ہیں بلکہ لوٹ کے مال اور مفتوحہ ملک میں سے ان کو حصہ ملتا ہے۔

۲۔ فاتح کو مفتوحین پر خود مختارانہ اقتدار حاصل ہوتا ہے کیونکہ مفتوحین نے خود فتنہ اٹھایا تھا اور اس سبب سے اب اُن کو اپنی آزادی کو کھونا پڑا۔ لیکن فاتح کو صرف اُن ہی لوگوں کے جان و مال پر یہ مالکانہ حق حاصل ہوتا ہے جو جنگ میں بذات خاص شریک ہوں۔ وہ لوگ جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے اس کے مستوجب نہیں بلکہ جو لوگ ناجائز جنگ میں شریک نہیں ہوئے اگرچہ وہ مخالف قوم اور ملک کے ہوں زیادہ مراعات کے مستحق ہیں کیونکہ وہ صرف شریک جنگ ہی نہیں ہوئے بلکہ اُن کی علیحدگی سے دشمن کی قوت گھٹی رہی اس طرح وہ فاتح کے مدد و معاون ہوئے۔ اور اس سے زیادہ رعایت اور حسن سلوک کے مستحق ہیں۔

۴۔ قانون

انسان کو عقل راہنمائی کے لئے عطا ہوئی ہے۔ لیکن انسان کی عقل کے مراتب مختلف ہیں اور ہر شخص کی عقل اس قدر کامل نہیں ہے کہ وہ ہر انسان کو برائیوں سے بالکل بچا سکے بلکہ اکثر اوقات انسان سے ایسے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو اس کی ذات یا سوسائٹی کو نقصان پہنچاتے ہیں جب انسان اپنی عقل سے کام لیتا ہے تو بہت مفید نتائج حاصل ہوتے ہیں مثلاً وہ ایک خاص مذہب کی پابندی کرتا ہے۔ خداے عزوجل کی پرستش کرتا اور اپنے تئیں عبد سمجھتا ہے۔ علم و فن میں ترقی کرتا اور طرح طرح کی دستکاریاں کرتا ہے۔ تمدن و معاشرت میں

انسان کی عقل کے نتائج

اصلاح کرنا اور امن و رفاه عام کے قیام و نبات میں مدد دینا ہے۔ اسی طرح شہر
 میں ملکر رہنا۔ دوسروں کے ساتھ مشارکت و مخالفت اختیار کرنا ایک طاقت ہم پر
 اور سلطنت قائم کرنا۔ مال و دولت جمع کرنا۔ اور ہر شخص کی علیحدہ بلکہ قرار دینا۔
 اپنی اپنی چیزوں سے حظ اٹھانا۔ ایک حالت سے دوسری حالت میں ترقی کرنا۔
 نئی معلومات بہم پہنچانا۔ نئی اشیاء یا اشیاء کے خواص یا قدرت کے قانون دریافت
 کرنا اہم مسائل میں غور و فکر کرنا۔ انسان کے ایسے کام ہیں جو اوس کو عروج اور ترقی
 کی طرف مائل کرتے۔ اور اوس کا رتبہ بلند کرتے ہیں۔ اور یہی انسان کا کمال ہے
 یہ انسان کی ضروریات۔ دانش۔ ارادہ اور استعداد کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جب
 انسان پر حیوانیت کا غلبہ ہوتا ہے تو یہی انسان لوگوں کو قتل کرتا۔ عمارتوں کو دھاتا
 کھیتوں کو تباہ کرتا۔ شہروں کو ویران کرتا۔ معابد و مساجد توڑتا۔ صنعت و کمال کے
 نمونوں کو مٹاتا۔ کتب خانوں کو جلاتا لوٹ مار کرتا۔ اور ہر طرف بربادی پھیلاتا ہے
 اس حالت میں اوس کی روح تنزل کی طرف مائل ہوتی ہے اور وہ انسانیت سے
 دور ہوتا جاتا ہے۔

انسان کا ارادہ

اگرچہ نیک و بد کی تمیز کرنا اور اوس میں سے ایک کو اختیار کرنا انسان کے ارادہ
 پر چھوڑا گیا ہے اور یہ اختیار ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے لیکن یہ اختیار جس قدر بڑا
 بڑا ہے اسی قدر زیادہ خوفناک اور نازک ہے اور اس حالت میں ضرور ہے کہ انسان
 کو اشیاء اور معاملات کے حسن و قبح کا علم ہو اور اوس کی طبیعت میں پسندیدہ
 اور مفید امور پر کاربند ہونے اور عمدہ چیزوں کو انتخاب کرنے کا میلان بھی ہو۔

انسان کو
 راہ نمائی کی
 ضرورت ہے

انسان قدرت کے منشاء کے مطابق اپنی عقل اور ارادہ پر کاربند ہوتا اور اپنی
 سمجھ اور مرضی کے مطابق ہر کام کرنا چاہتا ہے لیکن اوس کی ناقص عقل اور غلط رائے
 اوسے برائی کی طرف مائل کرتی ہے اور انسان کو ضرورت پڑتی ہے کہ وہ یہ جانے کہ
 مجھے کس طرح عمل پیرا ہونا اور اپنے چال و چلن کو کن اصول کا پابند رکھنا یا اپنی طبیعت
 پر کس طرح قابو رکھنا چاہیے۔ یہ علم احکام شرع اور مسائل تہذیب اخلاق کے جاننے سے

حاصل ہوتا ہے۔ لیکن انسان کی جہالت یا بعض اوقات باوجود علم کے اوس کی طبیعت کا ضعف اوسے قوانین شرع و اخلاق کا پابند نہیں رکھتا اور اس سبب سے تمدن میں خرابی اور امن عامہ میں خلل پڑتا ہے۔ اور تمام گروہ کی آسائش اور حفاظت کے لئے یہ ضرورت پڑتی ہے کہ جو لوگ عمداً یا خطاً قانون عدالت کی خلاف ورزی کرنی چاہیں ان کو بہ جبر و بظور احکام عدالت کا پابند رکھا جائے۔ اور اگر کبھی اوس کے خلاف کریں تو سزا دی جائے۔ تاکہ امن و ترتیب قائم رہے چونکہ ہر سوسائٹی میں گورنمنٹ اسی منشاء کے واسطے قائم ہوتی ہے۔ لہذا یہ اختیاء گورنمنٹ کو دیا گیا ہے اور جو ضوابط کہ گورنمنٹ لوگوں کے افعال میں حد اعتدال قائم کرنے کے لئے جاری کرتی ہے قانون کہلاتے ہیں۔

نیچرل حالت میں جب انسان کسی حکومت کے ماتحت نہ ہو ہمیشہ یہ ہوا کرتا ہے کہ زور آور کمزور کو ستاتا اور پیسے ڈالتا ہے اس لئے بنی نوع انسان میں سے کمزور کو یہ ضرورت ہوتی کہ کوئی ان کا محافظ اور نگہبان ہو۔ بیویان خاوندوں کے۔ بچہ والدین کی حفاظت میں رہیں اور کمزور گروہ طاقتور گروہ کی تعدی سے بچنے کے لئے گورنمنٹ کی حمایت میں رہیں۔

گورنمنٹ بنی نوع انسان کا وہ باقاعدہ منتظم اور آزاد گروہ ہے جو اپنے تمام ممبروں کی بھلائی اور فائدہ کے لئے اور تمام گروہ کے انتظام کی خاطر تمدنی اصول وضع کرتا ہے اور ان کو مشہر کرتا اور رعایا کو ان پر کاربند رکھتا ہے۔ اور قانون و قواعد میں جو ایک سلطنت اپنی رعایا کے معاملات اور ایسے افعال کی درستی کیلئے ضرور کرے جو تمدن سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کی رو سے ان کے باہمی مقدمات کا افسال کیا جائے۔

فقط انسان میں صحیح و غلط میں امتیاز کا مادہ پیدا کیا گیا ہے اور وہ جائز و ناجائز میں تمیز کرتا ہے۔ انسان کے تمام قانون کی بنیاد اسی قدرتی ہدایت پر ہے جن کو ہم جائز و ناجائز اور درست و غلط کہتے ہیں۔

انسان کو حفاظت کی ضرورت ہے

گورنمنٹ

قوانین

باز رہے۔ لیکن چونکہ انسان کے طبائع مختلف ہیں اور مختلف ممالک کے لوگوں کے میدان اور رسوم بھی مختلف واقع ہوئے ہیں اس لئے مختلف ممالک کے قوانین میں اختلاف ہوتا ہے لیکن سب جگہ یہ ضرور ہے کہ حکومت کی عنان گورنمنٹ کے ہاتھ میں ہو اور گورنمنٹ لوگوں سے جبراً قانون پر عمل درآمد کرے۔

ہر گورنمنٹ کے فرائض کا اگر استقصا کیا جائے تو وہ تین قسم کے ہونگے۔

گورنمنٹ کے فرائض

۱۔ وضع قانون۔ قانون بنانا اور اون کی اشاعت کرنا۔

۲۔ عدالت و سیاست۔ کوئی شخص کسی صورت میں ان قوانین کی خلاف

ورزی کرے تو سزا دینا۔ اور خرابیوں کا علاج کرنا۔

۳۔ نظم و نسق۔ ریاست کی فوجی۔ سیاسی۔ اور انتظامی قوت کو کام میں لانا

ایک ملک میں جو قوانین نافذ ہوتے ہیں اور جن کے بموجب کوئی ریاست

سلطنت کرتی ہے اون کے مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں اس سبب سے قانون کے

مختلف اقسام قرار دئے گئے ہیں۔

سلطنت کا کام عہدگی سے انجام دینے کے لئے مختلف عہدہ داروں میں

آئین مملکت

منقسم ہوتا ہے جو ارکان دولت کہلاتے ہیں۔ ان کے علیحدہ علیحدہ فرائض اور

ذمہ داریاں اور اختیارات ہیں۔ اس طرح جو اقتدارات اور جو قوت من حیث المجموع

ایک سلطنت کو حاصل ہوتی ہے وہ چند ارکان سلطنت میں منقسم ہو جاتی ہے

جن قاعدوں کی رو سے یہ اقتدارات تقسیم ہوتے ہیں اور اون کا انتظام کیا جاتا ہے

اور جس قاعدہ کی رو سے وہ عہدہ دار اپنے اپنے اختیار کو کام میں لاتے ہیں وہ

”آئین مملکت“ کہلاتے ہیں۔

وہ علاقہ جو ایک سلطنت اپنے اور اپنی رعایا میں قائم کرتی ہے اور جس

ضوابط انتظام

قاعدہ کے بموجب وہ ریاست کے معاملات چلاتی ہے اور اپنے ماتحت حکمرانوں

کے فرائض اور رعایا کے ساتھ برتاؤ کے قواعد مقرر کرتی ہے یا اپنے آئین کی حفاظت

کرتا اور مصداق سلطنت کرتا۔ کر فرائض کر جود مقرر کرتی اور

کرتی ہے ضوابط انتظامی کہلاتا ہے۔

قانون میونسپلٹی

لوگوں کے گروہ شہروں اور قصبوں میں آباد ہوتے اور ملکر رہتے ہیں اس واسطے خود اون کو بھی ایسے اختیار دئے جاتے ہیں کہ اہل شہر کے چال چلن اور رویہ کی درستی کی نگرانی رکھیں تاکہ اوس سوسائٹی کے اراکین باہم حق تلفی نہ کریں اور معاملات میں طریقہ عدالت مد نظر رکھیں اگر اون میں سے کوئی اپنی حد سے بڑھ جائے تو اوسکو تنبیہ کی جائے اور جو نقصان اوس نے پہونچایا ہے اوس کا تدارک کیا جائے یہ اختیارات تدابیر مدینہ اور قانون میونسپلٹی کہلاتے ہیں۔

قوانین انتظام عامہ

میونسپلٹی کے قانون چھوٹے چھوٹے امور کی نسبت ہوتے ہیں لیکن جو قوانین رعایا کے اہم معاملات کا تصفیہ کرتے اور اون کے اخلاق و رویہ کی نگرانی رکھتے اون کے حسن معاشرت کا انتظام کرتے اور خود ریاست اور ارکان ریاست کے کاموں کی نگرانی کرتے ہیں قوانین انتظام عامہ یا قوانین فاعام کہلاتے ہیں۔ ان قوانین پر عملدرآمد عہدہ داران ریاست کے ماتھے میں ہوتا ہے۔

قانون فوجداری

انسان اپناے جنس کو ضرر پہونچاتا اون کے مال تلف کرتا اور اون کی جان لینا چاہتا ہے اور بعض اوقات ایسے کام کرتا ہے جو اس سلطنت کے مخالف ہوتے ہیں اور چاہتا ہے کہ سلطنت کے احکام نہ مانے یا اون کی تعمیل میں مارج ہو۔ ایسے لوگوں کو سزا دینے اور اون کو اپنے ہت کھنڈون سے باز رکھنے کے لئے جو قانون بنایا جاتا ہے وہ قانون فوجداری یا تعزیری کہلاتا ہے۔

قانون دیوانی

معاملات حفظ حقوق اور لین دین میں صداقت و صفائی رکھنے کے لئے یا واجبی معاوضہ اور اجرت کے تصفیہ کے واسطے جو قوانین بنائے جاتے ہیں وہ قانون دیوانی کہلاتے ہیں۔

انسان کے حقوق

کی حفاظت

قانون کا فرض

انسان جس چیز کی حفاظت کی درخواست قانون سے کرتا ہے وہ اوس کے حقوق ہوتے ہیں۔ آزادی کی حفاظت کی درخواست بھی انسان قانون سے کرتا ہے کہ اس کا آزادی کا حق ہے۔ یہ قانون کا فرض ہے کہ انسان کی آزادی کی حفاظت کی جائے۔

حقوق کی حفاظت کرے اور اون کے حقوق معین کرے۔ انسان کا ایک حق قانون پر یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کی حق تلفی کرے تو اس کا معاوضہ دلائے۔ جو شخص کسی دوسرے شخص کو ناخوش کرتا ہے وہ اسے آزار پہونچاتا ہے لیکن جو شخص ناخوش کر کے اس کی تلافی نہ کرے وہ سب سے زیادہ آزار پہونچانے والا ہے اس واسطے قانون کا فرض ہے کہ آزار دہ شخص سے معاوضہ لے اور ایسے طریقے مقرر کرے کہ آزار دینے والا مجبور کیا جاسکے اور اس مصرت کا علاج ہو جائے۔

خاص خاص حالتوں میں یہ بھی جائز ہے کہ انسان کو حق حفاظت خود اختیاری دیا جائے کیونکہ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر اسی وقت مدافعت نہ کی جائے اور دشمن کے حملہ سے حفاظت نہ کریں تو اس کی تلافی ناممکن ہو جاتی ہے اس وقت جس شخص پر حملہ کیا جائے اس کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو اپنی ذات کو بچائے اور خطرہ کو دفع کرے۔

حق حفاظت
خود اختیاری

انسان کے حقوق جن کی قانون حفاظت کرتا ہے بہت سے ہیں مثلاً:-
۱۔ انسان کی ذات کی حفاظت۔ قانون کا فرض ہے کہ ہر شخص کی جان کی حفاظت کرے اور اس کو خطرات سے بچائے۔ کسی شخص پر حملہ کرنا اس کی صحت کو نقصان پہونچانا۔ زخمی کرنا۔ مارنا۔ قید کرنا۔ اس کے کاموں میں بے جا مداخلت کرنا۔ مان باپ بیوی بچوں سے جدا کرنا۔ کسی شخص کے گھر پر حملہ کرنا۔ اور اس کو مجبور کرنا کہ اپنا مسکن چھوڑ دے اور جلاء وطن ہو جائے وغیرہ۔ کل ایسے امور ہیں جو اتنی ایذا رسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔

جان کی حفاظت

۲۔ انسان کی تمدنی حالت اور رتبہ کی حفاظت۔ ہر شخص کا تمدنی حالت میں ایک مقام اور درجہ ہے اور اس کے بموجب اس کے حقوق اور فرائض کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً وہ صاحب خانہ ہے۔ شہر کا مجسٹریٹ یا کو تو ال ہے۔ یا وکیل۔ یا دستکار یا سوداگر ہے۔ غرض بلحاظ نسب۔ عم۔ دولت۔ علم۔

رتبہ کی حفاظت

طریق معاشرت وغیرہ ایک خاص درجہ رکھتا ہے۔ اور اوس کی حفاظت کا قانون سے متوقع ہے۔ لوگوں کو بہکانا کہ کسی خاص سوداگر سے مال واسباب نہ لین۔ یا وکیل سے مشورہ نہ کرین۔ کسی خاص ڈاکٹر کی دوا نہ پیئیں۔ کسی کی ملازمت نہ کریں۔ ایسے اسباب ہیں جو اوس کے تمدنی درجے کو گھٹاتے ہیں اور قانون کا فرض ہے کہ اوس کی حفاظت کرے۔

۳۔ انسان کے خاندانی حقوق کی حفاظت۔ مثلاً بیوی کو مجبور کیا جائے کہ خاوند کی اطاعت کرے۔ خاوند کا فرض ہے کہ بیوی اور بچوں کی خبر رکھے اور انکی پرورش کرے۔

۴۔ عزت و نام کی حفاظت۔ انسان کو نیک نامی سب چیز سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ اور کسی شخص کے نام کو بٹہ لگانا۔ اوس کو رسوا کرنا۔ یا اوس پر اتہام لگانا تاکہ وہ خلقت کی نظروں سے گرجائے انسان کو بہت آزار دیتا اور دل دکھاتا ہے۔ نیک نامی عمدہ اخلاق کا نتیجہ ہے اور اس لئے اس کی حفاظت رکھنا اخلاقاً حق ہے۔ علاوہ ازیں نیک نامی سے انسان کو بہت سے فائدے ہوتے ہیں اور اس منفعت کی حفاظت کرنا قانون کا فرض ہے۔

۵۔ مال کی حفاظت۔ مال انسان کی ضروریات پورا کرنے کا آلہ اور اوسکو آرام پہونچانے کا ذریعہ ہے۔ مال سے محروم کرنا اوس کو محتاج بنانا اور اوس کے حفظ اور خوشی کو کم کر دینا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ قانون مال کی حفاظت کرے۔

۶۔ اوقات کی حفاظت۔ دنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ وہ کسی خاص آدمی کی ملک قرار نہیں دی جاسکتیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے ان کو جمیع مخلوقات کے آرام اور استعمال کے واسطے پیدا کیا ہے۔ مثلاً ہوا اور دریا کا پانی وغیرہ۔ جس طرح کسی خاص شخص کی ملک میں دوسرے کی مداخلت ناجائز ہے۔ اسی طرح ان اشیاء پر خاص اشخاص کا قبضہ ہونا ناروا ہے۔ اسی طرح سڑکیں۔ پل۔ مساجد۔ عبادت خانے۔ مدارس۔ اور دیگر عوامی مقامات کی حفاظت۔

اور کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتی ان سے عوام یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں اور قانون یہ نگرانی رکھتا ہے کہ کوئی خاص شخص اون پر مالکانہ قبضہ نہ کرے۔

معاهدہ کی
حفاظت

۷۔ حقوق معاہدہ کی حفاظت۔ انسان کے باہمی معاملات کے لئے ضرور ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں اور صداقت برتیں۔ نطق ہی ایک ایسی صفت ہے جس سے انسان دیگر حیوانات سے امتیاز رکھتا ہے اور صرف زبان کے ذریعہ سے انسان اپنے خیالات اور ارادے دوسروں پر ظاہر کر سکتا ہے۔ اور جو شخص اپنی زبان اور اپنے الفاظ کی پابندی نہیں کرتا وہ لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اور اس رابطہ کو توڑ ڈالتا ہے جو نطق کے ذریعہ سے لوگوں میں باہم قائم ہے۔ تمام معاہدوں کی اصل اور ضروری شرط یہ ہے کہ انسان اپنے قول کا پابند رہے۔ اسی سے لوگوں میں اعتبار پیدا ہوتا ہے۔ اس سے تجارت اور تمام کاروبار چلتے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ لوگوں میں وفاء عہد۔ خوش معاملگی اور قول کی پابندی ہوتا کہ جتنے لوگ ایک کام میں شریک ہیں اون کا نقصان نہ ہو۔ اس سبب سے ضرور ہے کہ اگر سوسائٹی میں سے کوئی شخص بد عہدی کرنا چاہے تو قانون اُسے روکے یا نقصان کا معاوضہ دلائے۔

جب چند اشخاص متفق ہوتے ہیں کہ متحدہ طور پر اپنے کسی مشترکہ ارادہ کی تکمیل کریں اور اون کا وہ ارادہ کسی قانون وقت کے مخالف نہیں ہوتا تو کہا جاتا ہے کہ ان میں معاہدہ ہوا۔ اس معاہدہ کی تکمیل کبھی تو اسی وقت ہو جاتی ہے جیسے خرید و فروخت کی صورت میں یا آئندہ کسی وقت پر منحصر ہوتی ہے مثلاً کچھ عرصہ کے بعد ادائے قرض یا قیمت وغیرہ جسے وعدہ کہتے ہیں۔ قس علیٰ ہذا۔

تمدنی حالت میں یہ ضرور ہے کہ لوگوں میں معاہدہ کی صورتیں واقع ہوں۔ کیونکہ انسان طبعاً مختلف چیزوں کا محتاج ہے اور وہ تمام اشیاء خود نہیں بنا سکتا بلکہ مبادلہ اور تجارت کے ذریعہ سے حاصل کرتا ہے یا مزدوری کر کے کماتا ہے۔ اس طرح وہ ہر حال میں دوسرے لوگوں کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے۔ بڑے

بڑے معاملات میں یہ معاہدے کا عد پر رکھے جائے ہیں اون پر لوگوں کو سادہ بنایا جا
ہے۔ گورنمنٹ میں اون کی رجسٹری کرائی جاتی ہے اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے
کہ کوئی فریق اپنے وعدہ سے نہ پھرے۔ اور بد عہدی کی صورت میں قانون
سے بہ آسانی چارہ جوئی کی جاسکے۔

۸۔ حق وراثت۔ انسان دنیا میں ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ بلکہ مدت حیات
ایک معین زمانہ ہے۔ اور اس زمانہ میں جس قدر دنیوی چیزوں سے تمتع اور
جس قدر منافع اور حظوظ حاصل کر سکتا ہے کرتا ہے۔ جب وہ مدت ختم ہو جاتی
ہے تو اوس کے حصہ کے تمام منافع اور تمام حظوظ بھی ختم ہو جاتے ہیں اور
مرنے کے بعد چونکہ دنیا کے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں لہذا وہ اشیاء بھی
اوس کی ملک نہیں رہ سکتیں بلکہ ضرور ہے کہ اب اون کا کوئی دوسرا شخص مالک
قرار دیا جائے۔ اس لئے وراثت کا حق قرار دینا ضروری اور لازمی امر ہے۔ یہ
حق اون لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جو فطرتاً اوس کے وارث قرار دئے جاسکیں
یا جن کو متوفی نے اپنی زندگی میں اپنا وارث قرار دیا ہو۔ مثلاً بیٹا بیٹی۔ مان باپ۔
بھائی بہن۔ میان بیوی اور دیگر رشتہ دار۔

قانون کا اثر ذرا سے غور و فکر سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ تمدنی حالت میں جبکہ
انسان کے گروہ ملکر رہیں دو چیزیں انسان کو ٹھیک رکھ سکتی اور اوس کے دست
تغلب و جبر کو روک سکتی ہیں۔ ایک ”اخلاق“ دوسرے ”قانون“ تمدنی
حالات میں جس قدر ترقی ہوتی جاتی ہے۔ اور ہر ایک انسان کے عام خیالات یا اوس کے
پیشہ جس قدر بڑھتے جاتے ہیں اون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی
طبعی تحریکیں۔ شوق۔ دلچسپیاں۔ خواہ خائلی حالت کے متعلق ہوں یا تمدن کے
یا کسی پیشہ یا تجارت کے متعلق سب اوس کے اخلاق پر اثر ڈالتے ہیں۔ اور
ان سب میں وہ قانون کے خوف سے کچھ نہ کچھ عدالت کا خیال رکھتا ہے قانون
خاندان کے واسطے ضابطہ بناتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ خاندان کے ہر ممبر کی

کیا حیثیت اور اوس کے کیا حقوق ہیں اسی طرح تمام گروہ میں ہر شخص کی ملک اور اوس کے حقوق کی نگہبانی قانون کرتا ہے۔ قانون کاروبار اور معاملات دنیا میں ہر امر کی تحقیق اور تشریح کرتا ہے اور پھر اون میں ہر شخص کے فرائض معین کرتا ہے قانون معاملات میں صداقت رکھنے اور حقوق کی نگہداشت پر مجبور کرتا ہے اور عدالت کو نہایت استواری اور استحکام سے قائم کرتا ہے لیکن قانون کے حدود کے اندر بھی ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جن کا اثر مضرت اور فائدہ۔ راحت اور تکلیف پہنچانے میں بہت قوی ہے اور قانون کا اون پر بس نہیں چلتا۔ ایک شخص ایک برا خاوند۔ ایک براباپ۔ ایک براسرپرست ہو سکتا ہے۔ لیکن قانون کی حد میں نہیں آتا۔ ممکن ہے کہ ایک شخص جابر زمیندار ہو اور اجارہ دار پر جبر و تعدی کرتا ہو یا اجارہ دار ہو لیکن پیداوار زمین برباد کرتا اور منافع تلف کرتا ہو۔ بیوپار میں بہت سختی کرتا ہو۔ سوداگر ہو لیکن بے اعتبار ہو۔ اور ملک کا قانون اوسے درست نہ کر سکے ممکن ہے کہ ایک شخص اعلیٰ درجہ کا چال باز۔ فتنہ پرداز۔ متفنی۔ خیرہ سر ہو لیکن مطمئن ہو کہ قانون اوس پر کوئی دعوے نہیں کر سکتا لیکن باوجود ان اسقام کے بھی قانون قومی اور ملکی فلاح اور امن کے لئے ضروری اور لازمی چیز ہے۔

اخلاق کا اثر

انسان اپنے بنی نوع کے ساتھ قاعدہ نصفت و عدالت کی دو سبب سے رعایت کرتا ہے یا تو اوس کو یہ خوف ہو کہ اگر میں بے ایمانی اور دغا کروں گا تو اوس کے برے نتائج مجھے بھگتنے پڑیں گے۔ یا جس کام کو وہ واجب اور فرض سمجھتا ہو طبعاً اوس کے پورا کرنے کی طرف راغب ہو۔ ہر کام میں فرائض منصبی کے ادا کرنے کا خیال رکھنا اور اوس کے اقتضا کو کشادہ پیشانی اور دلی رغبت سے انجام دینا یا تو انسان کی طبیعت پر منحصر ہے یا تمدنی اور معاشرتی تحریکوں پر جو اوس سوسائٹی کے اثر سے ہوں جن میں وہ رہتا ہے یا اس تجربہ پر کہ فرائض کے انجام دہی میں کیا لذت کیا تسکین اور کیا فائدہ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اخلاق کی

تمام تحریکین "امید و بیم" سے پیدا ہوتی ہیں بعض کہتے ہیں کہ تمام انسانوں میں
 اخلاقی اثر عقل حیوانی کی طرح قدرتی اور فطرتی ہوتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ
 اخلاقی اثر کچھ تو طبعی اور جبلی ہوتا ہے اور کچھ تمدنی حالت اور سوسائٹی کا اثر نیز
 زندگی کے تجربوں سے اوس پر رنگ چڑھتا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ جو
 خیالات عام طور پر قوم میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور جن کا اثر قوم کے ہر فرد
 میں اس طرح ساری ہوتا ہے کہ ان کے نیک و بد کی تمیز ان ہی خیالات پر
 مبنی ہو جاتی ہے اور وہ انسان کی طبیعت میں ایسا انقلاب پیدا کر دیتے ہیں
 کہ ان کا اثر وراثتاً دوسری نسل میں پہونچتا ہے۔ اور ان سے جبلی کیفیت
 کی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے اعتقادات کے موافق اصول اخلاق
 کسی فرقہ میں رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہیں اور قوم کے عام طریقہ اور رویت کے اثر
 سے پیدا ہوتے ہیں یہاں تک کہ اس عام اخلاق کا اثر انسان کی زندگی کے
 ہر ایک حصہ ہر جذبہ اور ہر فعل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور تبادلہ خیالات کی وجہ سے
 ان میں نئی نئی تبدیلیاں و تفریقین ہوتی جاتی ہیں۔ یا ان میں زیادتی اور
 کثرت پیدا ہوتی جاتی ہے اور یہی قومی اخلاق کی ترقی اور تنزل کا باعث ہے۔
 اخلاق کا اثر اتنا قوی ہے کہ کسی ویران جنگل یا بیابان میں یا عمیق سمندر
 میں جبکہ جہاز تباہی میں آگیا ہو۔ یا بلند پہاڑ کی چوٹی پر جہان کوئی دوسرا مددگار
 نہ ہو ایک محب وطن اور ہمدرد قوم اپنی جان اپنی قوم کی خاطر صرف اس سبب سے
 دیدیتا ہے کہ اوس کا دل اوس کام کو فرض سمجھتا اور ایسا کرنے پر مجبور کرتا ہے
 اور وہ فرض کا فرمان نہیں ٹال سکتا۔ لیکن قانون کا اثر اتنا قوی نہیں ہوتا بلکہ
 انسان کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ قانون کی دسترس سے باہر ہے فوراً اوس کی
 پابندی چھوڑ دیتا ہے۔

اخلاق اور
 قانون کے اثر
 میں فرق

اخلاق اور قانون میں یہ فرق ہے کہ اخلاق میں اگرچہ افعال کو بھی دیکھا
 جاتا ہے لیکن زیادہ تر انسان کے خیالات اور دباؤ خدمات سے بحث کی جاتی ہے

اور قانون میں صرف افعال کو دیکھا جاتا ہے۔ اور اگر خیالات اور میلان کا ذکر ہوتا ہے تو اسی قدر کہ انسان کے افعال کے حالات کے معلوم کرنے میں مدد مل سکے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ قانون کی ساری قوت سزا کے خوف میں ہے۔ لیکن اخلاق انسان کو مائل کرتا ہے کہ ایسے اعمال حسنہ کا پابند ہو جن کا رتبہ اون اعمال سے بہت بلند ہے جن پر قانون مجبور کر سکتا ہے۔ اس لئے قانون فطرتاً خوف پیدا کرتا اور اخلاق انسان کو جرمی بے خوف اور دلیر بناتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ قانون کی پابندی میں بھی اصول اخلاق پر چلنے کی گنجائش اور آزادی حاصل ہے اور اسی سبب سے دلیری اور جرأت پیدا ہوتی ہے لیکن یہ جرأت قانون میں اخلاقی حصہ کا نتیجہ ہے نہ قانون کا۔ اور جب قانون کے بنانے میں ذرا غلطی ہو جاتی ہے تو یہ اثر جاتا رہتا ہے۔

جب انسان اپنی زندگی کے نہایت مشکل امتحانوں میں تنہا شامل ہوتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اوس کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لیتا نہ اوس کا ہاتھ بٹاتا ہے تو لوگ ایسے موقع پر جو اعمال اوس سے صادر ہوتے ہیں اون کی تنقید اور تنقید کرتے ہیں اور وہ خود بھی اپنے نیک یا بد عمل پر خوش یا رنجیدہ ہوتا ہے لیکن عمل کرنے سے پہلے ہزاروں تردد ہزاروں شبہ ہزاروں خوف اور ہزاروں امیدیں اوس کے ارادہ میں تغیر پیدا کیا کرتی ہیں۔ اوس وقت وہ صرف اپنے اون اخلاقی اصول پر چلتا ہے جو اوس نے سیکھے ہوتے ہیں یا اوس ضابطہ کی پابندی کرتا ہے جو ادائے فرض نے اوس کے واسطے مقرر کیا ہو۔ قانون کا یہ حال نہیں ہے قانون کے تمام ضوابط چھپے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر کام کے کرتے وقت کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا کہ آیا میرا کام قانوناً جائز ہے یا ناجائز۔ اس طرح قانون کے تمام احکامات مرتب ہو سکتے ہیں لیکن ہر موقع کے لئے اخلاق کا حکم پہلے سے نہیں مرتب ہو سکتا بلکہ کائنات میں ہر کام کرتا ہے۔

لیکن باوجود ان نقائص کے بھی دنیا میں قانون کی بہت حاجت ہے

کیونکہ قانون اگرچہ بلا واسطہ اخلاق پر اثر نہیں ڈالتا لیکن بالواسطہ اخلاق کی
 بہت مدد کرتا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ اپنے اغراض اور اپنے فوائد عزیز
 ہوتے ہیں۔ اور ان کے حصول کے پیچھے وہ دوسروں کی فلاح اور اغراض کا
 بہت کم خیال رکھتا ہے لیکن قانون تمام لوگوں کے اغراض اور مقاصد پر نظر
 رکھتا ہے اور سب لوگوں کے مال و اسباب کو تغلب و تصرف سے بچاتا ہے۔
 نہایت ہوشیار اور زیرک آدمیوں کا بعض وقت یہ ارادہ ہوتا ہے کہ اپنے ہمسا
 کے حقوق پر قبضہ کر لیں۔ لیکن قانون ہر شخص کے حقوق کے گرد ایک مضبوط روک
 کھڑی کر دیتا ہے اور دست برد سے بچاتا ہے۔ اسی طرح بعض سادہ دل اور
 بھولے بھالے آدمی یا کمزور طبیعت اشخاص رضا مند ہو جاتے ہیں کہ اپنی آزادی
 کے حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ اور اپنے تئیں ظالموں کی مرضی کے حوالہ
 کر دیں۔ لیکن قانون ان کی حمایت کرتا ہے اور ان کو سہارا دیتا ہے اور انہیں
 ان کے حقوق یاد دلاتا ہے اور ظالموں کو تنبیہ کرتا ہے کہ ان کی طرف آنکھ بھر کے
 بھی نہ دیکھنا۔ اس لئے قانون انسان کی اخلاقی فطرت کی تکمیل میں مدد دیتا ہے
 اور ہر شخص کے دعویٰ اور حقوق کا شاہد ہے۔ اور سب لوگوں کو انسانیت کے
 احکام کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔

کسی ناجائز کام کے ارتکاب سے انسان کو تین قسم کی تکالیف برداشت کرنی
 پڑتی ہیں۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ اور جسمانی۔ مذہبی تکالیف کا انحصار کسی مذہب پر
 یقین رکھنے اور معصیت پر مزا ملنے کے اعتقاد پر منحصر ہے۔ اخلاقی تکالیف طرح
 کی ہوتی ہیں۔ پشیمانی۔ غم۔ افسوس۔ شرم۔ وغیرہ جسمانی تکالیف۔ بیماری۔ موت
 وغیرہ ہیں۔ قانون جو سزائیں دیتا ہے وہ جسمانی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کا اثر
 روحانی قوا پر بھی پڑتا ہے۔ انسان اپنے اعضاء کا استعمال خاطر خواہ نہیں
 کر سکتا اور جن جسمانی کاموں میں لذت و فرحت حاصل ہوتی ہے ان سے
 بالکل روک دیا جاتا ہے۔ انہی حادہ اور املاک سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کے حقوق

چھین جاتے ہیں اوس کی آزادی مٹ جاتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے یا کچھ عرصہ کے لئے اپنا جنس کی سوسائٹی سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ جو اوس کی روحانی تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور جو مذلت کہ اوس کو قانونی سزائیں پہنچتی ہیں وہ اوسے غم غصہ اور شرم میں مبتلا کرتی ہے۔ قانونی سزا انسان کی مذہبی اور اخلاقی سزا کو کم نہیں کرتی بلکہ اوس کے اثر کو اور تیز کر دیتی ہے۔ غرض تمام سزائوں کی بنیاد خوف پر ہے اور قانون اس خوف کو زیادہ کرتا اور پھیلاتا ہے۔

خوف کا اثر

انسان بہت سے کام صرف اس خوف سے کرتا ہے یا بہت سے کاموں سے صرف اس سبب سے پرہیز کرتا ہے کہ اوس کے ترک یا ارتکاب سے کسی تکلیف کے پہننے کا خوف ہوتا ہے۔ ہر انسان میں یہ خوف اوس کی طبیعت کے لحاظ سے کم و بیش ہوتا ہے لیکن ہوتا ضرور ہے۔ خوف کے اثر میں اس قدر جلدی تغیر نہیں آتا جیسا کہ دوسرے جذبات میں آتا ہے۔ بلکہ خوف کا اثر اس قدر قوی ہوتا ہے کہ جہاں کہیں نتیجہ مشتبہ یا اوس میں کسی قسم کی بھلائی کی امید بھی ہو تو بھی کسی برائی یا تکلیف کا شبہ انسان کو محتاط رکھتا ہے۔ ملک کا قانون اخلاق کے قانون کا ضمیمہ یا اوس کی شرح ہے۔ ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرنا اپنا فرض نہ ادا کرنا ہے اور یہ اخلاقاً گناہ ہے۔ کسی شخص کو قتل کرنا۔ کسی کا مال چرانے۔ اخلاقاً اور قانوناً گناہ قرار دئے گئے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اخلاقی قانون تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہے لیکن ملک کا قانون بہ لحاظ مصلحت ملک و معاشرت فروعی امور میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

اخلاقی سزا

ملک کے قانون کے خلاف کرنے میں جرمانہ۔ قید۔ موت وغیرہ سزائوں کی دھمکی ضرور ہے ورنہ ملک کے قانون کا اثر بالکل زائل ہو جاتا ہے اور کسی کو اوپر کار بند ہونے کی پرواہ نہیں رہتی۔ اخلاق کے قانون کی یہ حالت نہیں۔ وہ بے اختیار شرم۔ غصہ۔ رنج۔ مذمت اور بیماری کی سزائیں دیتا ہے۔ اخلاق کے قانون کے خلاف کرنا ساتھ ہی سزائیں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس طرح آگ کی خاصیت جلانا۔

زہر کی خاصیت مار ڈالنا ہے۔ اسی طرح اخلاق کے خلاف کرنے کی خاصیت ہی یہ ہے کہ انسان اوس کی پاداش بھگتے۔ اصول صحت کے خلاف کرنے یا ناپرمزگاری کی عادت اختیار کرنے سے بیمار ہو یا مر جائے۔ قوائے غضبی اور شہوانی کے بے جا استعمال سے ندامت اٹھائی یا اوس کی خوشی اور اطمینان کا کوئی حصہ کم ہو جائے اور یہ سخت ترین سزا ہے۔ ملک کا قانون بھی اپنے خلاف میں ہی نتیجہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ طبعاً یہ کیفیت نہیں پیدا کر سکتا اس لئے جسمانی سزاؤں سے کام لگاتا ہے۔ اس طرح انسان کا بنایا ہوا قانون اوس کے اپنے رویہ کی درستی کا ایک ضابطہ ہے اور انسان کا رویہ یا اوس کے اعمال اوس کمال کا زینہ ہیں جس پر پہنچنے کی اوس کو خواہش ہے۔

۵۔ آزادی

انسان میں
آزادی کا مادہ
ہونا چاہئے

گورنمنٹ کا استحکام اور اوس کی خوبی قوانین کی مضبوطی اور عہدگی پر منحصر نہیں بلکہ اوس کی رعایا کے عادات اور خصائل پر منحصر ہے قوم افراد سے بنتی ہے اور اکثر افراد کی اچھی یا بری حالت عین قوم کی اچھی یا بری حالت ہے خود تہذیب بھی لوگوں کی شایستہ اور عمدہ حالت کا نام ہے۔ اس بات سے پہلے کہ یہ دیکھا جائے کہ اور لوگ اوس پر کس طرح حکومت کرتے ہیں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انسان خود اپنے اوپر کس طرح حکومت کرتا ہے جو شخص اپنی نفسانی خواہشات کا تابع ہو تو کیا تعجب ہے کہ کوئی شخص اوس پر جابرانہ حکومت چلائے۔ جو قوانین کہ اس طرح اوبار کے ہاتھ میں گرفتار ہوں وہ قانون یا سلطنت کے بدلنے سے آزاد نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ اگر ایک کی ماتحتی سے نکلیں گی تو دوسرے کے پنجہ ستم میں گرفتار ہو جائیں گی۔ خود لوگوں کے دلوں میں آزادی کا مادہ اور ترقی کی خواہش ہونی لازم ہے اور جب یہ بات دلوں میں پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ ہر ایک گورنمنٹ کو اون کی آزادی اون کی عزت اون کی خاطر داری کا خیال رکھنا پڑے گا۔ ورنہ سلطنت کے آئینہ قوانین کا تلخ اثر سلطنت کے قریب سے

بھی ان کی حالت میں تبدیلی ہونی محال ہے۔

اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کر سکتا۔ یا اوس کا ظاہر کر سکتا۔ آزادی کی اصلی غایت ہے۔ انسان میں اتنی جرأت ہونی چاہئے کہ جہاں اوسکی رائے کی ضرورت ہے وہاں بلا خوف و تردد اوس کا اظہار کر سکے اور دوسروں کی مان میں ہان نہ ملائے۔ ”جو شخص اپنی رائے ظاہر نہیں کر سکتا وہ غلام ہے اور جو ظاہر نہ کرے وہ بزدل ہے اور جس کی کوئی رائے نہ ہو وہ بے وقوف ہے۔“

انسان جب تمدنی حالت میں ترقی کرتی شروع کرتا ہے تو پہلے ہر ایک گھر کی ایک جماعت جدا ہوتی ہے اور یہ جماعت بڑھتے بڑھتے ایک ریاست بن جاتی ہے اس حالت میں انسان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ ایک آزاد زندگی بسر کرتا ہے مختلف طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کچھ تو اصول اخلاق کی ترقی ہوتی ہے اور لوگ اہل منزل اور دیگر اہل معاملہ کے ساتھ عدالت و دیانت داری سے کام لیتے ہیں اور کچھ یہ ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ ملکر ایک قانون بناتے ہیں تاکہ کوئی شخص اپنی حد سے باہر قدم رکھ کر دوسرے کی آزادی میں خلل انداز نہ ہو۔ تمدن کی ابتدائی حالت میں انسان کی آزادی اسی قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش طبع کے موافق اپنی نیند سوئے اور اپنی بھوک کھائے۔ جہاں چاہے چلے پھرے اور اپنے اعضا سے جس وقت اور جس طرح چاہے کام لے۔ انسان کی اس آزادی کو جس قدر کم کیا جائیگا۔ اسی قدر اوس کی زندگی کے امکان میں کمی واقع ہو جائے گی اور اگر اوس کو بالکل روک دیا جائے تو اوس کی حیات ناممکن ہے۔

ابتداء تمدن
میں آزادی
کی کیفیت

جب کوئی قوم پیدا ہوتی ہے تو اون میں شخصی آزادی کا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اخلاق اور تمدنی حالت میں ترقی کر سکیں گے۔ اور جب آزادی کا خیال خوب پختہ ہو جائے اور آزادی اتنی پھیل جائے کہ اوس پر ریاست کے قیام و ثبات کا انحصار ہو جائے تو اوس وقت اون کی شخصی آزادی

آزادی کے
قوائد

عارضی طور پر اس لئے روکنا کہ دوسروں کی آزادی کے دائرہ میں کمی واقع نہ ہو
اون کے اخلاقی جوہر کو روشن کرنا اور اون کے عام آزادی اور امن اور ترقی کی
مدد کرنا ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی اگر انسان کی آزادی کو بالکل روک دیا جا
یا غیر ضروری حد تک گھٹایا جائے تو قوم کا ملک کا ریاست کا تنزل اور
تباہی ہے۔

صرف آزادی ہی کی حالت میں لوگ صنعت و حرفت کو ترقی دے سکتے
اور مختلف پیشوں میں مصروف ہو سکتے ہیں۔ آزادی ہی کی حالت میں تجارت کو
رولق اور ترقی ہو سکتی ہے آزادی کی حالت میں ایک شخص اپنی خاندانی اور خانگی
تعلقات کو نبھا سکتا اور اون کی خبر گیری کر سکتا ہے۔ آزادی کی حالت میں
تمدنی تعلقات رفتہ رفتہ مضبوط اور منتظم ہوتے ہیں اور آزادی کی حالت میں
انسان کو یہ فرصت مل سکتی ہے کہ وہ اپنا دماغ نیک تدابیر اور نیک خیالات
سے آراستہ کرے اور اپنے عمدہ ارادوں اور طبعی شوق اور ولولوں کی تہذیب
کرے۔ اور یہی چیزیں ہیں کہ من حیث القوم ان کے مجموعی اثر پر تمام سلطنت کے
قیام اور ترقی کا دار و مدار ہے۔

آزادی کے معنی پر منفی اور مثبت دونوں پہلوؤں سے نظر ڈالی جاسکتی ہے
منفی معنی تو یہ ہیں کہ انسان کے جائز افعال کے لئے کوئی روک نہ ہو لیکن اتنی
روک کی بہت ضرورت ہے کہ دوسرے اشخاص کی آزادی کی حدود بھی ایسی ہی
قائم رہ سکیں جیسے کہ ایک شخص کی۔ مثبت معنی بھی بہت اہم اور ضروری ہیں
یعنی آزادی انسانی زندگی کی وسعت ہے اور اس وسعت پر انسان کی قوت فکر
تخیل اور تمام قواء ظاہر و باطنی کی تدریج لیکن مستقل ترقی اوس کے تمام
منصوبوں اور ارادوں کا استحکام اور یہ یقین کہ اوس کا عزم پورا ہو سکتا ہے منحصر
ہے۔ اور اسی پر انسان کی تمام عظمت اور قوت کا انحصار ہے۔

جو شخص بالکل اصول اخلاق پر چلتا ہے اور اپنے حدود اندازہ سے قدم باہر
حقوق فرائض

نہیں رکھتا اور اس کی شخصی آزادی کا نام ”حقوق“ رکھا گیا ہے۔ اور اس آزادی کے معاوضہ میں جو کام اسے کرتے پڑتے ہیں وہ اس کے فرائض کہلاتے ہیں۔ یہ الفاظ انسان کو یاد دلاتے ہیں کہ سوسائٹی میں رہ کر دوسروں کے حقوق غصب کرنا یا سوسائٹی کے انتظام کو خراب کرنا ناجائز ہے اور غاصبون کی خود غرضانہ اور شہوانی خواہشوں کے مقابلہ میں آزادی اور انصاف کا ضابطہ موجود ہے۔ اور اس ضابطہ کو ہر ملک اور ہر زمانہ کے لوگوں کے تجربہ نے مکمل کیا ہے۔ اور ہر مہذب ملک کے حکماء اور علماء نے اس کی تصدیق اور اس کی عزت کی ہے۔ اور اس سبب سے اگر کوئی شخص دوسرے کے حقوق میں دست اندازی کرتا ہے تو قانون اس کا معاوضہ دلاتا ہے کیونکہ جو شخص اپنی آزادی کو بیان تک بڑھائے کہ دوسرے کی آزادی پر حملہ کرے جائز ہے کہ اسکو روکا جائے اور نقصان کی تلافی کرائی جائے۔

انسانی آزادی کی حد

انسان کے اعمال میں اس کے ارادہ اور مرضی کو بہت بڑا دخل ہے اور چونکہ وہ اپنے ارادہ اور مرضی کا آزاد حاکم ہے بعض اوقات ایسے اعمال کرتا یا کرنا چاہتا ہے جو دوسروں کی آزادی میں خلل ڈالتے ہیں اس واسطے قانون کا کام یہ ہے کہ وہ ہر شخص کی بے جا آزادی کو روکے اور اس کی حد قائم کرے اس طرح سوسائٹی کے سب لوگ ملکر یہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ہر شخص کے ناجائز ارادہ اور مرضی کو جو کبھی کبھی اس میں پیدا ہوتی ہے روکا جائے اور یہی قانون ”آزادی“ ہے اور اس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کو کیا کرنا اور کیا نہ کرنا چاہئے۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون گویا انسان کے افعال کی روک تھام ہے اور قانون نے اپنے ہاتھ میں سارے اختیارات رکھے ہیں اور اسکی اقتدار کو کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ قانون کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ حد بندی کرے اور سوسائٹی کے ہر ممبر کے لئے کاموں کے حدود مقرر کر دے

اس طرح رفاہ عام کی حفاظت اور نگہ رانی رکھے۔ قانون انسان کی خیالی اور مفروضہ آزادی کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ کیونکہ اگر انسان کو خود مختار چھوڑ دیا جائے تو اس کی بد عنوانی کی کوئی حد نہ رہے اور اس طرح خلیع العذار چھوڑ دینا بہت سی خرابیاں برپا کر دے۔ بلکہ لازم ہے کہ اس کی مرضی کا میدان محدود رکھا جائے۔ اور اس کی لیاقت۔ حوصلہ۔ اور تمام لوگوں کی مصلحت کے موافق اسے اپنی مرضی کے کام میں لانے کے لئے میدان اور وسعت دی جائے۔ آزادی کے یہ معنی ہیں کہ تمدنی حالت میں ایک شخص کو اپنی مرضی بلا روک ٹوک کام میں لانے کا جس قدر اختیار دیا جاسکتا ہے وہ اس کو حاصل ہو اور وہ کسی ایسے فعل یا کسی ایسے حظ کے حاصل کرنے سے نہ روکا جائے جس میں کسی دوسرے شخص کا نقصان نہیں اور جو اس کا حق ہے نیز اس کی ایسی ترقی میں جو دوسروں کو مضرت رسا نہیں ہے کوئی چیز مارج اور مانع نہ ہو۔ قانوناً آزادی کے یہ بھی معنی ہیں کہ ہر شخص کا جان و مال محفوظ رہے اور اس کو اپنے مال کو ہر طرح کام میں لانے کا اختیار ہو۔

غرض قانون کی نظر میں آزادی اس کا نام ہے کہ جو شخص کوئی جائز فعل کرنا چاہتا ہے وہ کر سکے اور جو کام وہ کرنا نہیں چاہتا اس پر مجبور نہ کیا جائے لیکن انسان کی مرضی میں یہ ضرور دیکھنا ہے کہ آیا وہ حق و جائز ہے یا ناحق و ناروا۔ ایک مسافر کو اختیار ہے کہ جس راستے سے چاہے منزل مقصود کو جائے لیکن اگر وہ ٹیڑھا خطرناک اور ناقابل گزار راستہ اختیار کرے تو وہ عقلمند آدمی نہ خیال کیا جائیگا۔ زندگی کے طویل سفر میں بھی جادہ مستقیم سے بھٹک جانا آزادی نہیں بلکہ طبیعت کی کمزوری۔ بد قسمتی۔ اور انسان کا نقص ہے۔ اور اس کو روکنا آزادی کا روکنا نہیں ہو سکتا۔ جس شخص کے ارادہ اور مرضی کے خلاف سوائے اخلاق یا ملک کے قانون کے (جو راہ نمائی کی غرض سے بنایا گیا ہو) کوئی روک نہ ہو وہ پورا آزاد ہے۔ سب سے کم مقولہ ہے کہ جہ لگ قانون کے

بندے ہیں وہ دراصل آزاد ہیں۔

غلامی کی
حالت

اس میں شک نہیں کہ انسان کی آزادی طبع بہت قیمتی اور شریف چیز ہے لیکن یہی بعض وقت بہت خوفناک بھی ہو جاتی ہے انسان اپنے قوا کو کام میں لانے سے پہلے اوس کا ارادہ کرتا ہے اور چونکہ وہ سمجھ دار ہے اوس کا ارادہ کسی نہ کسی غرض یا مقصد پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ مقصد خود انسان کی طبیعت اوس کے شوق اور اوس کی خواہش کا معین کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات حصول مدعا کی خواہش اس قدر غالب ہو جاتی ہے کہ وہ اندھا دھند حصول مطلب کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور ناجائز طریقہ یا وسیلہ کو کام میں لانے میں بھی باک نہیں کرتا۔ اخلاق یا ملک کے قانون کا یہ فرض ہے کہ اس وقت اوس کو روکے اور یہ آزادی کے خلاف نہیں۔ لیکن جو قانون کسی قوم کو اون کے جائز حقوق نہ دے جو قانون اون کو جائز حظوظ سے محروم رکھے یا جو قانون انسان کے کسی گروہ کے حق میں ترقی کی روک ہو یا جس قانون کی رو سے لوگوں کے جان و مال زبردستی چھینے جاتے ہوں۔ جو قانون اپنی تمام رعایا کو برابر نہ سمجھے۔ اور ایک کی بے جا حمایت اور دوسرے پر تعدی کرے جس قانون میں مختلف گروہوں کے ساتھ یکساں انصاف نہ کیا جاتا ہو۔ جہاں کوئی سچ بات کہنے پر سزا پاتا ہو۔ جہاں لوگوں کو یہ اختیار نہ ہو کہ وہ اپنی راحت و ترقی کے سامان خود جمع کر سکیں اور جس ترقی کے قابل ہیں یا ہو سکتے ہیں وہ حاصل کر سکیں۔ جہاں لوگوں کے حقوق تعصب و طرفداری کے سبب تلف ہوتے ہوں وہ قوم اور وہ ملک آزاد نہیں ہے۔ یہاں انسان کی آزادی طبع مٹ جاتی ہے اوسکی ترقی کی طاقت نیست و نابود ہو جاتی ہے اور وہ شخص حکمرانوں کے ہاتھ میں ایک بے جان آلہ کی طرح ہوتا ہے۔ اوس میں ترقی اور آزادی کی تمام قوتیں ہوتی ہیں لیکن جس طرح عالم خواب میں انسان کے قوا و ظاہری بے حس ہوتے ہیں اسی طرح خود مختار گوشت کے عہد میں انسان کے قوا و روحانی خوابیدہ ہوتے

ہیں۔ آزادی کے قیام کے لئے ضرور ہے کہ قانون تمام رعایا میں مساوات قائم رکھے اور سب کے حقوق کی برابر حفاظت کرے اور اس لئے ضرور ہے کہ قانون کے بنانے میں رعایا کا حصہ ہو۔ تاکہ مقنن اپنے واسطے بڑی بڑی رعایتیں اور دوسروں پر جبر نہ کر سکیں۔ کسی قوم کو پولٹکس سے بالکل روک دینا اوس میں سے ترقی۔ آزادی اور انتظام کی قوت کا کھو دینا ہے۔ اون کی شگفتگی خاطر اور آئندہ ترقی کی تحریک اور امنگ کو مٹا کر بالکل ناکارہ کر دینا ہے۔

فانونی آزادی

قانون کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ قانون کی حمایت کے سبب ہر شخص اپنی مرضی اور پسند کے مطابق اپنی زندگی کے واسطے جائز مشاغل اور کام اختیار کر سکتا ہے یعنی ہر شخص کی ذاتی آزادی قائم رہتی ہے۔ جب تک انسان آزاد نہ ہو اوسکی اخلاق کامل نہیں ہو سکتے نہ وہ کوئی سعادت کما حقہ حاصل کر سکتا ہے اور انسان اوس وقت تک آزاد نہیں رہ سکتا جب تک اوس کی آزادی اون لوگوں کی غارتگری سے نہ بچائی جائے جو اپنے خود غرضانہ مقاصد کے لئے اوس میں رخنہ ڈال سکتے ہیں۔ صرف زبردست اور سینہ زور یا ذمیم الاخلاق لوگوں سے ہی کمزوروں کی آزادی کی حفاظت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات اون نیک ارادہ اور روشن دماغ اشخاص سے بھی محافطت کی حاجت ہوتی ہے جو اپنے اتفاقی تلون مزاجی یا شدید جذبہ کو روک نہیں سکتی۔ قانون تمام لوگوں کی آزادی کا خیال رکھتا ہے اور کمزور سے کمزور اور ادلے سے ادلے شخص کی بھی اوسمی مستعدی ویسی دلسوزی اور قوت سے حفاظت کرتا ہے جیسا کہ امیر اور اعلیٰ طبقہ کی۔ بعض ممالک میں ایسے قانون موجود ہیں جو اعلیٰ طبقہ کی طرفدار کرتے ہیں اور غریبوں یا رعایا کے ادلے طبقہ کو پیسے ڈالتے ہیں یا جو رعایا کی آزادی حکمرانوں کی مغرور طبیعتوں کے خوش کرنے کے لئے قربان کرتے ہیں یہ قانون بنانے والوں کا قصور ہے نہ اصول قانون کا۔ قانون وضع کرنا انسان کا فعل ہے اور انسان کا فعل سق۔ غلط۔ لغزش۔ عیب سے خالی نہیں ہو سکتا

اس سبب سے ممکن ہے کہ ہر ضابطہ اور قانون میں واضعاً قوانین کی عقل
 دورانڈیشی میلان طبع کے لحاظ سے کم و بیش نقص پائے جائیں۔ لیکن اس میں
 شک نہیں ہو سکتا کہ برے قانون نہیں بلکہ اچھے قوانین کے طفیل سلطنتوں اور
 ملکوں اور قوموں نے ترقی کی ہے اور اشاعت قانون نے ہر ملک میں آزادی کو
 اتنا برباد نہیں کیا جتنا اوس کو بچایا ہے اور تہذیب و شائستگی کو بہت ترقی
 دی ہے۔

۶۔ ٹیکس

ہر گورنمنٹ کا فرض ہے کہ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ اور بعض
 ایسے کام کرے جو بحیثیت گورنمنٹ اوس کے ذمہ فرض ہیں۔ یا ملک کی رفاہ اور
 رعایا کی بہبودی اور آسائش کے لئے ضروری ہیں۔ اس طرح جو کام گورنمنٹ کو
 کرنے چاہئیں۔ وہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں :-
 ۱۔ ضروری جو گورنمنٹ کے فرائض میں داخل ہیں۔

۲۔ استحقاقی جو گورنمنٹ اس سبب سے اپنے ذمہ لیتی ہے کہ رعایا کو اوس کا
 بندوبست کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور رعایا کا ہر ایک شخص یا چھوٹی چھوٹی جائیں
 او سے ایسی سہولت سے اور ایسے کم خرچ میں ایسا عمدہ نہیں کر سکتیں جیسا کہ
 گورنمنٹ کر سکتی ہے۔ اور چونکہ وہ کام نہایت ضروری اور ملک اور اہل ملک کے لئے
 سہولت و آسائش کا باعث ہوتے ہیں گورنمنٹ کا اون کے واسطے بندوبست
 کرنا نہایت مستحسن بلکہ لازمی ہے۔ پہلی قسم کی ضروری ذمہ داریاں تھوڑی
 ہیں لیکن جس قدر تھوڑی ہیں اوسی قدر مشکل۔ اہم۔ بڑی ہیں مثلاً رعایا کے
 جان و مال کو غیر ممالک کے حملہ آوروں کی دست برد سے بچانا۔ اس کے لئے
 بہت بڑی مسلح فوج رکھنے اوس کے واسطے سامان حرب تیار کرنے جنگی جہاز
 بنانے وغیرہ کاموں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوم خود رعایا میں جو مفسدین تفرق
 چور دوسرے لوگوں کے جان و مال کو تباہ اور برباد کرتے ہیں اون کو روکنا۔ اور

رعایا کی نگہبانی اور پاسبانی کرنا۔ اس کے لئے پولس متعین کرنے اور کوتوالی کے
 انتظام کی حاجت ہے۔ سوم رعایا کی باہمی منازعات اور قضایا کا فیصلہ کرنا۔
 اس کے لئے عدالت قائم کرنے قانون نافذ کرنے۔ اور دارالقضا بنانے کی
 ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب کام گورنمنٹ کے ذمہ فرض ہیں۔ چہارم ملک کے
 واسطے سکہ بنانا اگرچہ بعض حکماء اس کو گورنمنٹ کے فرائض میں نہیں داخل کرتے
 لیکن سچ یہ ہے کہ اگر گورنمنٹ کوئی سکہ جاری نہ کرے تو ملک میں تجارت کی
 سہولت اور لین دین میں آسائش قائم نہیں رہ سکتی۔ ممکن ہے بلکہ یقیناً ایک شہر
 یا ایک گروہ کے مفروضہ سکہ کو دوسرے شہر کے باشندے یا دوسرا گروہ نامنظور
 کریگا۔ اور ان میں آئے دن رد و بدل اور قضیہ ہوتا رہیگا۔

یہ کام ایسے مہتمم بالشان ہیں کہ سوائے گورنمنٹ کے رعایا کبھی انجام
 نہیں دے سکتی خواہ وہ گورنمنٹ خود مختار بادشاہت ہو یا جمہوری سلطنت
 اور اگر رعایا کو اپنے جان و مال کی حفاظت بیرونی حملہ آوروں یا اپنے ہی شہر
 اور ملک کے قزاقوں سے کرنی پڑے تو اس کا تمام وقت اپنی حفاظت میں
 گزر جائے۔ اور وہ کوئی صنعت کوئی پیشہ یا کوئی کام بھی نہ کر سکیگی۔ بلکہ تھوڑے
 ہی دن میں فنا اور برباد ہو جائیگی۔ یا جو کچھ پیدا کریگی وہ محفوظ نہ رہیگا اور جلدی
 غارت ہو جائیگا۔

ان ضروری کاموں کے علاوہ استحسانی کام بہت سے ہیں اور یہ ضرور
 نہیں ہے کہ جو استحسانی کام ایک ملک میں کوئی گورنمنٹ اپنے ذمہ لے دوسرے
 ملک میں بھی گورنمنٹ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہوں۔ بلکہ ان کی تعداد ہر جگہ کی
 ضرورت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے مثلاً بعض ممالک میں سڑک اور ریل گورنمنٹ
 جاری کرتی ہے بعض میں خود رعایا کی کمپنیاں ان کاموں کو انجام دیتی ہیں۔ تمام
 مہذب ممالک میں ڈاک اور تار کا انتظام گورنمنٹ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ جس قدر

بھیجی جا ہے تو اس قدر کم بلکہ برائے نام خرچ میں کبھی خبر رسانی کا انتظام نہیں
 ہو سکتا۔ اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ خط بھیجنے میں اتنا ہی خرچ پڑے جتنا کہ
 انسان کے خود جانے میں تو جو وقتیں پیش آئیں وہ ظاہر ہیں۔ ڈاک اور تار
 اور اور ایسی چیزوں کے اس قدر کم ارزان اور سہل ہونے سے جو صرف گورنمنٹ کے
 انتظام کی خوبی ہے بے انتہا سہولتیں اور آسائشیں حاصل ہو رہی ہیں اور
 تجارت وغیرہ کی ترقی میں بہت مدد ملی ہے۔ یہ ناممکن بات ہے کہ کوئی صحیح
 فہرست ایسے کاموں کی بنائی جاسکے جس میں یہ فیصلہ کر دیا جائے کہ فلان کام
 گورنمنٹ کو اپنے ذمہ لینے چاہئیں۔ اور فلان کام خود رعایا کو کرنے چاہئیں۔
 ہر کام فی نفسہ غور طلب ہے اور ہر ملک کی حالت اور رعایا کی ضرورت اور مفاد
 کے لحاظ سے اس کی نسبت یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ گورنمنٹ انجام دے یا
 رعایا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ رعایا یا گورنمنٹ دونوں میں سے کون اس کام کو
 کم خرچ میں اور زیادہ عمدگی سے کر سکتا ہے۔ اور جس کی نسبت یہ فیصلہ ہو جائے
 اوسے کے اختیار میں دینا چاہئے۔ جو کام ایسے وسیع ہیں کہ رعایا کے کل افراد
 امیر سے لیکر غریب تک ہر فرقہ ہر پیشہ اور ہر درجہ اور طبقہ کے لوگوں کو اذن کی
 ضرورت ہوتی ہے بلکہ اذن کی وسعت غیر ممالک اور غیر اقوام تک بھی پہنچتی ہو
 وہ گورنمنٹ کے کئے بغیر نہیں ہو سکتے۔ مثلاً انتظام ڈاک وغیرہ۔ لیکن جن کاموں
 کو رعایا سہولت اور کم خرچ میں کر سکتی ہے اُن میں گورنمنٹ کا خواہ مخواہ دخل
 کرنا اور اس پر زیادہ روپیہ خرچ کرنا نا زیبا ہے۔ مثلاً نمک یا افیون وغیرہ اشیاء
 کی پیداوار گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور اس کو بہت زیادہ
 گران کر کے فروخت کرتی ہے۔ گورنمنٹ کو اپنے ملازمین کو کام چھوڑنے کے بعد
 بھی بیش قرار تنخواہیں اور بھاری بھاری وظیفے دینے پڑتے ہیں اور اس سبب سے
 جو کام وہ کرتی ہے وہ زیادہ گران ہوتا ہے جس کا بار غریب رعایا کو اٹھانا پڑتا
 ہے اس لئے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ گورنمنٹ کوئی کام کم خرچ میں اور زیادہ

سہولت اور زیادہ عمدگی سے انجام دے سکیگی اوس وقت تک گورنمنٹ کو ہاتھ
ڈالنا ضرور نہیں ہے۔ البتہ بعض ضروری اور مفید کام جن کے فوائد سے رعایا
ناواقف ہو خود شروع کر کے رعایا کے ہاتھ میں دیدینے شفیق اور محسن گورنمنٹ
کا کام ہے۔ ہندوستان میں کونین کی کاشت اور فوائد سے لوگ ناواقف تھے
اس واسطے گورنمنٹ نے خود اس کام کو شروع کیا اور فائدہ عام کر دیا۔ اسی طرح
محکمہ تعلیمات ہے۔ قس علیٰ ہذا۔

خواہ گورنمنٹ صرف ضروری فرائض انجام دے یا کم و بیش استحضانی کام
بھی کرے اوس کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت
کے لئے فوج کی تنخواہ اور سامان جنگ کی قیمت کے لئے روپیہ درکار ہے۔ محکمہ
عدالت و کوتوالی میں ملازموں کی تنخواہیں دینی پڑتی ہیں علیٰ ہذا لقیاس حکومت
اور سیاست کے قیام کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن روپیہ کہاں سے
آئے جو اس قدر خرچ کیا جائے اس واسطے جن لوگوں کی حفاظت اور آسائش
کے واسطے یہ کل کام کئے جاتے ہیں اوس سے ہی اوس کی اجرت لینا چاہئے۔
بازار سے جا کر میز و کرسی اور خور و نوش کا اسباب خریدتے ہیں اور مال کی قیمت
اور بازار سے گھر تک لانے والے کی مزدوری دیتے ہیں۔ کھانا پکانے کے لئے
باورچی اور خدمت کے واسطے ملازم رکھتے ہیں تو اوس کو تنخواہ دیتے ہیں۔ گورنمنٹ
سے جان و مال کی نگہبانی اور پاسبانی کا کام لیا جاتا ہے اور اوس کو اس کے
عوض میں ٹیکس دیتے ہیں تا پاسبانی کے اخراجات چلا سکے۔ اس واسطے ٹیکس
اوس رقم کا نام ہے جو لوکل یا جنرل گورنمنٹ کو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر شخص
اس واسطے ادا کرتا ہے کہ اوس کے جان و مال کی حفاظت کی جائے۔ غرض ملک
کے صنعتی یا زراعتی پیداوار کا ایک حصہ کل رعایا کی حفاظت اور امن کے کام
میں صرف کرنے کے لئے گورنمنٹ کو دیا جاتا ہے۔ تاکہ بد امنی اور فساد۔ جملہ لوگوں
کے اطمینان اور اکتساب معاش کے مشاغل میں مارج نہ ہو۔ اور ملک کی کل

گورنمنٹ کو روپیہ
کی ضرورت

پیداوار پر پانی نہ پھر جائے۔ ورنہ جس قدر ٹیکس میں دیا جاتا ہے اوس سے زیادہ نقصان ہوگا۔ اس سبب سے گورنمنٹ خواہ کیسی بھی جابر اور ظالم کیون نہ ہو گورنمنٹ نہ ہونے سے بہتر ہے۔ اور اس کو دینارائیگان کرنا نہیں ہے۔ دوسرے لوگوں کو اجرت دینے اور گورنمنٹ کو اجرت دینے میں اتنا فرق ہے کہ اور دن کو دینا یا نہ دینا اور اون سے کام لینا یا نہ لینا ہمارے اختیار میں ہے لیکن گورنمنٹ نے جو کام اپنے ذمہ فرض سمجھ رکھا ہے وہ اوس کو ضرور کر لگی خواہ ہم اوس سے وہ کام لینا چاہیں یا نہ چاہیں۔ اور جو معاوضہ (ٹیکس) گورنمنٹ نے مقرر کیا ہے وہ اگر ہم نہ دین تو زبردستی لیگی۔ یا تو گورنمنٹ کی حفاظت میں رہو ورنہ اوس کے ملک سے نکل جاؤ۔ کیونکہ گورنمنٹ یہ نہیں کر سکتی کہ جو فوج اور سامان اوس نے ملک کی حفاظت اور آسائش کے لئے مہیا کئے ہیں کسی خاص شخص کے لئے اوس کو روک دے۔ بلکہ وہ اوس کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر سے نہیں اٹھا سکتی۔ اس واسطے یہ بالکل قرین انصاف ہے کہ اوس سے ٹیکس بھی برابر وصول کرے خواہ وہ دینا چاہے یا نہ چاہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ٹیکس کی مقدار معین کرنے کا اختیار بھی گورنمنٹ کو پارلایا میں سے اون چند اشخاص کو جن کو گورنمنٹ مشورہ میں شریک کرے حاصل ہے اور جس وقت مانگے دینا پڑتا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی حریف گورنمنٹ ضرورت سے زیادہ بھی لیتی ہو۔ لیکن عموماً انصاف پسند سلطنتیں اوس قدر ٹیکس کا بار عایا پر ڈالتی ہیں جو نہایت ضروری اور مناسب مقدار میں ہو۔ اور بہت ہی نرمی سے وصول کرتی ہیں۔

ٹیکس دو طرح وصول کیا جاتا ہے بلا واسطہ اور بالواسطہ۔ بلا واسطہ ٹیکس وصول کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص سے ٹیکس لینا منظور ہو خود اوس کی ذات سے وصول کیا جائے۔ مثلاً انکم ٹیکس یا ہوس ٹیکس وغیرہ۔ اور بالواسطہ ٹیکس وصول کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اشیا تجارت وغیرہ پر ٹیکس لگا دیتے ہیں۔ ٹیکس

ٹیکس وصول کرنے کے طریقہ

سود اگر اوقات معینہ پر ادا کرتے ہیں مثلاً مال کی درآمد و برآمد پر یا کسی اور وقت۔
لیکن جب وہ شے خریداروں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے تو سود اگر جس قدر
ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ بھی قیمت میں بڑھا کر خریداروں سے وصول کر لیتے ہیں
اس طرح فی الحقیقت ٹیکس کاروپہ خریداروں سے وصول ہوتا ہے۔ اگرچہ
گورنمنٹ کو سود اگر وہ بے دیا ہو۔

اسٹامپ بھی ایک قسم کا ٹیکس کا ٹیکس ہے جو عدالت کے اخراجات
کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ یعنی ایک کاغذ کی ایک خاص قیمت مقرر کر لیتے ہیں
اور فریقین مقدمہ کو وہ کاغذ خرید کر استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح سے
اگرچہ لوگ عدالت میں انفصال مقدمہ کے لئے کوئی رقم نہیں داخل کرتے لیکن
اون سے کافی فیس وصول کر لی جاتی ہے۔

گورنمنٹ کا بغیر ٹیکس لئے کام نہیں چلتا اور لوگوں کو ٹیکس دینے گراں
گزرتے ہیں اور بعض اوقات یہ شکایتیں بہت بڑھ جاتی ہیں کہ گورنمنٹ بھاری
بھاری ٹیکس لگا کر غریبوں کو تنگ کرتی ہے۔ یا گورنمنٹ کو یہ شکایت ہوتی ہے
کہ لوگ ضرورتوں کا تو لحاظ نہیں کرتے اور ٹیکس دینے سے دم چراتے ہیں۔
لیکن اگرچہ گورنمنٹ اپنا کام کسی نہ کسی طرح نکال لیتی ہے۔ اور لوگوں کو چاروناچار
جتنا گورنمنٹ مانگے ٹیکس دینا ہی پڑتا ہے لیکن پھر بھی یہ مناسب ہے کہ بعض ایسے
طریقے مقرر کئے جائیں کہ ٹیکس بسہولت وصول ہو جائے۔ اور رعایا پر بے ضرورت
بار نہ پڑے اس لئے چار طریقے مقرر کئے گئے ہیں:-

اول۔ ہر ایک شخص سے اس کی آمدنی کے موافق ٹیکس لیا جائے۔ یعنی
گورنمنٹ کی زیر حفاظت رہ کر جو شخص جس قدر پیدا کرتا ہے اس کے متناسب و سپر
ٹیکس لگایا جائے تاکہ امیر غریب اپنی اپنی حیثیت کے موافق ٹیکس ادا کریں اور
سب میں درجہ مساوات قائم رہے۔ لیکن یہ اصول ایسے صحیح طریق سے کام میں
لانا کہ کسی شخص سے زیادہ کم ہر شخص ٹیکس نہ لیا جائے عملاً مشکل ہے۔ بعض

کی صحیح آمدنی یا اوس کے روپیہ پیدا کر سکنے کی قابلیت کا صحیح اندازہ کرنا بہت
 مشکل ہے۔ اور یہ بھی ہو جائے تو اوس کے اخراجات کے لحاظ سے ایسا تناسب
 قائم کرنا کہ وہ مساوات کے درجہ سے متجاوز نہ ہو محال ہے۔ مثلاً عمرو کی آمدنی سو روپے
 ماہوار کی ہو اور اوس کے ذمہ چار آدمیوں کی پرورش ہو اور زید کی آمدنی بھی
 سو روپے ماہوار ہو اور اوس کے ذمہ کسی دوسرے شخص کا خرچ نہ ہو تو ان دونوں
 اشخاص سے برابر ٹیکس نہیں وصول کیا جاسکتا۔ عمرو کو خورد و نوش اور لباس وغیرہ
 کی اشیاء زید کی نسبت چار چند خریدنی پڑیں گی اور جو ٹیکس اوس کو ان
 اشیاء کے خریدنے میں بالواسطہ دینا پڑیگا وہ زید سے چار چند حصہ زیادہ ہوگا
 درانحالیکہ دونوں کے اخراجات کے لحاظ سے قرین انصاف یہ ہے کہ زید زیادہ
 ٹیکس دے کیونکہ اوس کے اخراجات کم اور بچت زیادہ ہے۔ اسی طرح ممکن ہے
 کہ زید اور عمرو کے استعمال کی اشیاء میں بھی فرق ہو اور ان کے لحاظ سے
 ۱ اور ۳ کی جو نسبت قائم ہے یہ بھی نہ رہے۔ گورنمنٹ کے لئے یہ ناممکن بات ہے
 کہ وہ کل رعایا کی آمد و خرچ کا بالکل صحیح حساب لگا کر ان پر ٹیکس قائم کرے
 کوئی گورنمنٹ ایسا کرنا چاہے تو اوس کو اس قدر عملہ رکھنا پڑیگا کہ وصول شدہ
 ٹیکس کی ساری مقدار اوس عملہ کی تنخواہ وغیرہ اخراجات میں صرف
 ہو جائیگی۔ اور گورنمنٹ کو کچھ بھی پس انداز نہ ہوگا۔ اور اس طرح ٹیکس جمع
 کرنے کا اصلی مطلب فوت ہو جائیگا۔ پوری پوری مساوات قائم ہونا تو
 ناممکن ہے ان گورنمنٹ یہ کر سکتی ہے کہ محض آرائش یا فضول خرچی کی
 اشیاء پر جن پر صرف امراء ہی روپیہ صرف کر سکتے ہیں زیادہ ٹیکس لگائے۔
 مثلاً شراب۔ تنباکو۔ یا بیش قیمت لباس یا سامان آرائش پر کہ غباء اوس
 ٹیکس سے بچنا چاہیں تو ان کو نہ خریدیں۔ اور چونکہ وہ اشیاء ضروریات
 زندگی میں داخل نہیں ہیں ان کا کوئی ہرج اور نقصان بھی نہ ہوگا۔
 دوم۔ ہر چیز کی نسبت ٹیکس کی مقدار معین کی جائے اور ٹیکس وصول

کرنے والوں کو اس میں کم و بیش کرنے کا اختیار نہ دیا جائے۔ اور ٹیکس کے ادا کرنے کا وقت۔ ادا کرنے کا طریقہ۔ اور مقدار معینہ۔ خود ٹیکس دینے والوں کو بلکہ عام طور پر سب کو پہلے سے معلوم ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو گورنمنٹ کے کارپرداز زیادہ ٹیکس وصول کریں گے یا لوگوں کے ساتھ رعایت کر کے کم ٹیکس وصول کریں گے۔ اس صورت میں تجارت کو بہت نقصان پہنچے گا۔ اور چونکہ لوگوں کو پہلے سے یہ نہ معلوم ہوگا کہ کس قدر ٹیکس دینا پڑے گا وہ اشیاء کی قیمت کا صحیح اندازہ نہ کر سکیں گے۔ اور لین دین میں تامل کریں گے۔ نیز رشوت ستانی اور بے ایمانی کا بازار گرم ہو جائیگا۔ جس میں رعایا اور گورنمنٹ دونوں کا سراسر نقصان ہے۔

سوم۔ ٹیکس ایسے وقت میں لگایا جائے اور اس طرح سے وصول کیا جا کہ دینے والوں کو ادا کرنا بہت سہل ہو۔ سوداگری کی اشیاء پر جو ٹیکس لگایا جاتا ہے وہ خریدار اس وقت ادا کرتے ہیں۔ جبکہ اس چیز کو خریدیں۔ اور خریدتے اس وقت ہیں جبکہ قدرت ہو۔ پس ایسے وقت میں ذرا سا ٹیکس ادا کرنا ناگوار نہیں معلوم ہوتا اور چونکہ عموماً اشیاء حسب ضرورت تھوڑی تھوڑی خریدی جاتی ہیں ٹیکس بھی تھوڑا تھوڑا ادا ہوتا رہتا ہے۔ اور گران بھی نہیں گزرتا۔ اسی طرح روپیہ کے لین دین کے وقت لینے والے سے رسید کے ٹکٹ کی غرض سے ایک آنہ وصول کرنا نہایت سہل طریقہ ہے۔ روپیہ وصول کرنے والے کے پاس چونکہ ایک رقم آتی ہے اسے ایک آنہ دینے کی کچھ بھی پروا نہیں ہوتی لیکن اگر یہی ایک آنہ روپیہ دینے والے سے لیا جائے تو اسے بہت ناگوار گزرے۔ اسی طرح ہر ایک ٹیکس کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ قاعدہ ملحوظ نہ رکھا جائیگا تو ایک تو لوگوں کو ادا کرنے میں تکلیف زیادہ ہوگی۔ دوسرے گورنمنٹ کو بھی کم روپیہ وصول ہوگا۔

چہارم۔ ٹیکس وصول کرنے کے ذریعہ بھی ایسے مقرر کے وصول کرنا

خرچ بہت کم ہو اور جس قدر مقدار لوگوں سے وصول کی گئی ہے اوسمین سے بہت کم وصول کرنے والوں کی تنخواہ وغیرہ میں صرف ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو لوگوں کو زیادہ ٹیکس دینا پڑیگا۔ جو اون پر بار اور جبر ہوگا اور گورنمنٹ کا یہ نقصان ہوگا کہ عایا سے روپیہ بھی لیا اور خزانہ خالی ہی رہا۔ اگر تیسرے اصول کی رعایت کی جائیگی تو ٹیکس وصول کرنے میں کم خرچ ہوگا کیونکہ اوس صورت میں وصول کرنے کے لئے زیادہ عملہ رکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ ٹیکس لگاتے وقت یہ ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ غریب پر ٹیکس کا بار کم پڑے۔ ایسی چیزوں پر جیسی کہ نمک۔ اناج۔ ترکاری وغیرہ میں ٹیکس لگانا غریب کو فاقہ مارنا ہے کیونکہ جب تک اپنے کسی ضروری خرچ کو بند نہ کریں غریب ٹیکس نہیں دے سکتے۔ مان جو لوگ نعمات اور لذائذ دنیا سے حظ اٹھا سکتے ہیں وہ اگر گورنمنٹ کے خزانہ میں بھی کچھ روپیہ داخل کریں تو جائز اور واجب ہے۔ اسی طرح سے انکم ٹیکس ہے جو ہر شخص کی ذاتی آمدنی پر لگایا جاتا ہے اس کا اثر بھی غریب پر زیادہ پڑتا ہے کیونکہ قلیل آمدنی والے شخص کو ٹیکس کی ایک رقم دینی اگرچہ خفیف ہو خالی از تکلیف نہیں ہے۔ قرین مصلحت یہ ہے کہ انکم ٹیکس میں بھی مختصر آمدنی کے لوگ ٹیکس سے مستثنیٰ کئے جائیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے شہروں کی ویرانی کے دو سبب تحریر فرمائے ہیں۔ ایک تو ایسی جماعت کا پیدا ہونا جو کوئی کام نہیں کرتی اور بیت المال میں اپنا حق سمجھتی ہے ایسی جماعت جو دوسروں کے مال میں حصہ بنانے کے لئے تیار ہو جائے جب زیادہ ہو جاتی ہے تو قوم پر ایک بار ہو جاتا ہے۔ دوسرے بڑا سبب یہ ہے کہ سوداگروں اور صناعتوں پر بھاری بھاری ٹیکس مقرر کر دئے جائیں۔ ٹیکس کی کثرت سے فرمان بردار لوگوں کا استیصال ہو جاتا ہے وہ بد حال اور تنگ دل ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کو قوت ہوتی ہے وہ بغاوت کر بیٹھتے ہیں۔ تمدن کی اصلاح بڑے بڑے ٹیکسوں سے نہیں بلکہ خفیف محصول مقرر کرنے سے ہوتی ہے۔

باب دوم

معاملات

۱۔ انسان کی ضرورتیں اور اون کے پورے ہونے کی عام تدابیر

انسان کی ضرورتیں

انسان دنیا میں بہت سی چیزوں کا محتاج ہے اوس کو کھانے کے لئے غذا کی ضرورت ہے پینے کے واسطے پانی کی حاجت ہے رہنے کے لئے مکان درکار ہے۔ پہننے کے واسطے کپڑا چاہئے استعمال کے لئے برتنوں اور ہزار ہا اقسام کے اشیاء کی احتیاج ہے غرض دنیا میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے کسی نہ کسی طرح انسان کے کام کا ہے۔ انسان دنیا میں سردار بنا کر بھیجا گیا ہے اور اوس کو قدرت حاصل ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز کو خواہ قدرتی حالت میں خواہ اوس میں تصرف اور تصنع کر کے اپنے کام میں لائے۔ فطرت نے یہ انعام سب کو یکساں بخشا ہے اور کسی شخص کے واسطے دنیا کی پیداوار یا اوس کا کوئی حصہ اس طرح مخصوص نہیں کیا کہ یہ حصہ ایک شخص کی ملک ہے اور دوسرا حصہ دوسرے شخص کی۔ جو کچھ دنیا میں پیدا کیا گیا ہے اوس کے استعمال کا استحقاق کل نسل انسان کو برابر عطا ہوا ہے اور اوس کو ہنی عقل تمیز دی گئی ہے کہ وہ ان اشیاء کو کام میں لا کر فائدہ اور آرام حاصل کرے اور یہ چیزیں انسان کی بقاء حیات اور بقاء نسل کے لئے عمد ہوں۔ نباتات جو زمین سے اُگتی ہیں حیوانات جو انسان کی طرح پیدا ہوتے اور اس زمین کی پیداوار سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ معدنیات جو زمین سے نکلتے ہیں۔ یہ سب انسان کے استعمال میں آنے کی چیزیں ہیں لیکن قدرت نے ان کو کسی خاص شخص کی اس طرح ملک نہیں بنایا کہ اس میں دوسروں کا حصہ نہ ہو

لیکن انسان کی خلقت بکلاف دوسرے حیوانات کے فطرتاً ایسی واقع ہوئی
 ہے کہ وہ نہ تو کسی چیز کو کام میں لاتا ہے نہ اوس سے اوس وقت تک فائدہ
 اٹھا سکتا ہے جب تک کہ وہ اُسے اپنی ملک اس طرح نہ قرار دے کہ دوسروں
 کی شرکت یا اون کا حق اوس شے پر باقی نہ رہے۔ جس چیز میں سب کا حق
 برابر ہو اوس کو سب سے چھین کر محض اپنا قرار دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔
 لیکن خود ہر ایک انسان کی ذات میں ایک ایسی چیز ہے جو خاص اوس کی ملک
 ہے اور دوسروں کا اوس میں کوئی دخل نہیں ہے اس قوت کا نام ”محنت“
 ہے یا اُس کے ہاتھوں کا سلیقہ جسے ”صنعت و حرفت“ کہتے ہیں۔ قدرتاً
 جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ بہت کم ایسی ہیں جو اوس حالت میں انسان کے
 استعمال کے قابل ہوں۔ مثلاً لکڑی کہ جب تک درخت سے کاٹ کر نہ لائیں
 ایندھن کا کام نہیں دیتی۔ یا جب تک اوس کا صندوق نہ بنائیں کپڑے رکھنے
 کے کام نہیں آسکتی۔ پتھر قدرتاً پیدا ہوتا ہے لیکن جب تک سنگتراش نہ گھڑے
 مکان کے لئے ستون نہیں بن سکتے قس علی ہذا۔ پس انسان قدرتی حالت سے
 اٹھا کر جس چیز پر اپنی محنت صرف کرتا ہے وہ اوس کی ہو جاتی ہے وہ کان سے
 سونا نکالتا ہے اور پھر زیور بنا کر فروخت کرتا ہے غرض جس جگہ اور جس حالت میں
 قدرت نے کوئی چیز پیدا کی ہے اوس کو اوس جگہ سے لانا یا اوس میں کچھ تصرف
 کر کے استعمال کے قابل بنانا ملکیت کا استحقاق قائم کرتا ہے اور دوسرے
 اشخاص جو اس محنت میں شریک نہیں ہوتے اوس پر سے اپنا حق کھو دیتے
 ہیں اور وہ چیز محنت کرنے والے کی ہو جاتی ہے۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب
 قدرتی حالت میں ایک چیز تمام لوگوں کی ملک ہے تو کسی شخص کو اوس کو مانجھ
 لگانے اور خواہ بذریعہ محنت ہی کیون نہ ہو اوس پر قبضہ کرنے کا حق کیون کر
 حاصل ہو گیا جب تک کہ وہ دنیا بھر کے تمام لوگوں سے اسے ہاتھ لگانے اور
 استعمال کے قابل بنانے کی اجازت نہ لے لیکر نہیں فطرت کا یہ آئین نہیں ہے

حق استعمال کیلئے
 ملکیت شرط ہے

محنت حق ملکیت
 قائم کرتی ہے

فطرت کا قانون یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز پر پہلے محنت کرے اور پہلے اسے لیے وہ اوسی کی ہے۔ ایک شخص جنگل کے درختوں میں سے جنگلی پھل چن لیتا ہے اور اپنے گھر لاکر کھاتا ہے۔ دوسرا ایک ندی میں سے جو تمام ملک کو سیراب کرنے کے لئے بہ رہی ہے ایک گھڑا پانی بھر لیتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔ وہ ایک ہرن کا شکار کرتا ہے جو جنگل میں چرتا پھرتا تھا اور اس کا گوشت کھاتا اور کھال اوڑھ لیتا ہے۔ یہ پھل اور یہ پانی اور یہ گوشت و پوست جو اس شخص نے اوروں سے پہلے لے لیا اس کی محنت کے طفیل اس شخص کا حق ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو خدا کے سارے بندے بھوکے پیاسے مرجائیں اور ہر ایک چیز جو نہایت افراط سے کل دنیا کے لئے پیدا کی گئی ہے بیکار پڑی رہے۔ لوگ نعمتہائے الہی کو دیکھیں اور ترسین اور کوئی شخص ہاتھ بھی نہ لگا سکے آج کل کا زمانہ تہذیب اور قواعد کا زمانہ ہے بات بات کے لئے قواعد و قوانین مقرر کئے گئے ہیں ملک اور جاگیر کے لئے بھی بہت سے قوانین ہیں لیکن قدرت کا یہ قانون جیسا ابتداءے آفرینش میں تھا آج تک تمام املاک کے قانون کی بنیاد ہے۔ آج بھی مچھلی والے بے پایاں سمندر میں سے مچھلیاں نکال لاتے ہیں اور فروخت کر کے اُن کی قیمت اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ سمندر میں سے موتی نکالتے ہیں اور دوسروں کو دکھاتے بھی نہیں۔

ایک اعتراض یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک کا مدار محنت پر ہے تو ممکن ہے کہ ایک شخص تمام دنیا کی پیداوار پر قابض ہو جائے۔ تمام معدنیات اور نباتات وغیرہ اس کے حصہ میں آجائیں۔ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ قدرت کے جس منتظم نے ہمیں محنت کا استحقاق عطا فرمایا ہے اُس نے اپنی حکمت بالغہ سے اس کی حد بھی مقرر فرمادی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر ایک چیز نہایت افراط سے پیدا کی ہے اور ہمیں اتنی ہی قوت بخشی ہے کہ ہم اس قدر حاصل کر سکتے ہیں جو ہماری ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اور جس کی ہمیں

کوئی شخص اپنی قوت سے زیادہ محنت نہیں کر سکتا

فی الحقیقت ضرورت ہے۔ اور اس سے زیادہ جس قدر ہے وہ ہمارا نہیں بلکہ دوسروں کی محنت کا حصہ ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اس لئے نہیں پیدا کی گئی ہے کہ وہ فضول برباد کی جائے۔ اگر دنیا بھر کی پیداوار کی افراط کو دیکھا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اتنی مدت سے دنیا قائم ہے اور اس میں سے کس قدر حصہ آج تک خرچ ہوا ہے پھر ایک انسان کے جمع کرنے کی طاقت کا اندازہ کرو تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے دولت مند سے دولت مند کے پاس بھی دنیا کے کل خزانہ کے مقابلہ میں جو قدرتی حالت میں موجود ہے اتنا بھی نہیں جتنا کہ سمندر میں قطرہ۔ اس کے علاوہ انسان میں استعمال کی قدرت بہت ہی محدود ہے اس کے پاس چاہے کسی قدر ہر لیکن وہ صرف اتنا ہی استعمال کر سکتا ہے جتنا کہ ایک شخص کو درکار ہے اور باقی اگر کچھ بچے تو کسی نہ کسی طرح اور کبھی نہ کبھی دوسروں کا حصہ ہو گا۔

حیوانات کا گوشت و پوست۔ یا درختوں کے پھل پھول اور لکڑی یا معدنیات میں سونا چاندی اور تانبا ہی انسان کی ملک میں داخل نہیں بلکہ انسان خود زمین کے حصوں کا مالک بھی ہے جس میں سے یہ کل چیزیں پیدا ہوتی ہیں ابتداء سے تمدن میں یہ زمین بھی انسان کے ہاتھ محنت ہی کے استحقاق سے لگی کیونکہ ہر ایک شخص جس قدر زمین میں زراعت کر سکتا۔ باغات لگا سکتا معدنیات کھود سکتا تھا غرض اپنی محنت و مشقت سے جس قدر حصہ زمین کو کام میں لا سکتا تھا وہ اُسی کا مالک ہو گیا اور جو لوگ ان کاموں کو ہاتھ نہ لگاتے تھے وہ اس کے استحقاق سے محروم ہو گئے۔ اور اگر اب وہ اس شخص سے چھینیں گے تو اس کی حق تلفی اور غصب کرینگے۔

اس طرح انسان کی ضروریات و چیزوں سے پوری ہونے لگیں ایک تو زمین کی پیداوار سے اور دوسری اپنی محنت یا صنعت سے لیکن پھر بھی اسکی مشکلات کا خاتمہ نہ ہوا۔ انسان کی ضروریات لا محدود و لا تحصى واقع ہوئی ہیں

نہیں انسان کی ملک ہے

انسان کی حاجت کی کثرت

اور خود اس کے پورا کئے پوری نہیں ہو سکتیں۔ اوس کو کھانے کے واسطے اناج
 کی ضرورت ہے اور اناج کے لئے زمین میں ہل چلانا۔ بونا۔ کاٹنا۔ پیسنا۔ چھٹنا
 پکانا پڑتا ہے۔ یہی اتنا بڑا کام ہے کہ سارا وقت اسی میں صرف ہو جاتا ہے
 دوسری طرف لباس کی حاجت ہے رولی کی کاشت اوس کا کاٹنا۔ کپڑے
 بننا۔ سینا۔ اس میں بجائے خود سارا وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے۔
 ان کاموں کے کرنے کے لئے آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر زمین سے
 لوہا نکالنا اور اوزار بنانا آسان کام نہیں۔ اگر ایک جوتی کی ضرورت ہے
 تو چمڑا صاف کرنا۔ رنگنا۔ جوتا سینا۔ اسی طرح ہزاروں ضرورتیں اور لاکھوں
 کام ہیں ایک سر اور ہزار سودا بچارا انسان کیا کیا کرتا وہ ایک کام تو کر سکتا ہے
 کہ اناج بہت سا پیدا کر لے یا کپڑے بن لے یا جوتے بنالے لیکن سارے
 کام اوس سے نہیں ہو سکتے۔ اناج کو ٹھون میں بھرا پڑا ہے۔ لیکن گلے
 سے ننگا ہے۔ سردی کے مارے اکڑا جاتا ہے۔ دوسرے شخص کے پاس
 کپڑوں کے تھان تیار رکھے ہیں لیکن فاقون کے مارے دم لبون پر آ رہا ہے
 غرض اس طرح ہر ایک کے پاس ایک چیز تو اوس کی ضروریات سے زیادہ موجود
 ہے لیکن دوسری چیزیں نہیں ہیں۔ اور حاجت سب کی برابر ہے۔ اس احتیاج
 نے اوسے یہ سبق پڑھایا کہ اپنے پاس جو چیز زیادہ ہو وہ تو وہ دوسروں کو دے
 اور جو چیز اون کی ضرورت سے زیادہ ہو وہ اون سے معاوضہ میں لے۔ اس
 طرح جولاہے نے کسان کو کپڑے دئے اور اناج لیکر اپنا پیٹ بھرا۔ موچی نے
 معمار کو جوتا بنا کر دیا اور اوس سے اپنا مکان بنوا لیا۔ غرض یوں ایک دوسرے
 کی معاونت سے سب کا کام چل نکلا۔ اسی کا نام ”تعاون“ ہے۔ اس
 احتیاج تعاون نے انسان کو مجبور کر رکھا ہے کہ چاہے باہم تنازع اور فساد ہو
 جنگ و جدل برپا ہو لیکن سب ملکر رہیں۔ انسان جانوروں کی طرح تنہا ہی
 نہیں سکتا اور صرف اسی سبب سے نہیں رہ سکتا کہ تنہا اوس کی حاجتیں پوری

نہیں ہوتیں۔ باہم ملکر رہنے سے مختلف صناعتوں کے لوگ اپنی اپنی اشیاء
 جو اون کے استعمال سے زیادہ ہوں دوسروں کو دیدیتے ہیں اور اون سے
 اوس کے عوض میں وہ چیز لے لیتے ہیں جو اون کو درکار ہے اس لین دین کا
 نام ”معاملات“ ہے۔ یعنی معاملات حکمت کا وہ حصہ ہیں جس میں یہ بیان
 کیا جاتا ہے کہ لوگ باہمی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے دوسروں کی معاونت
 کس طرح کریں۔ نیز صنعت و زراعت و تجارت اور پیشوں کا بیان ہے جس سے
 لوگ باہم حاجت روائی کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ
 ”لوگ جتنی ترقی کرتے جائیں گے اور اون میں تہذیب و شائستگی بڑھتی
 جائیگی۔ لذت و عیش کی خواہش زیادہ ہوتی جائیگی آرائش و نمائش کا
 خیال بڑھتا جائیگا اوسی قدر مختلف صنعتیں اور دستکاریاں ایجاد
 ہوتی جائیں گی۔ لوگ کوئی خاص پیشہ دو وجہ سے اختیار کرتے ہیں ایک تو
 یہ کہ قدرتاؤں میں اوس کام کرنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے مثلاً کوئی دلیر
 اور شجاع آدمی ہے تو وہ فوجی خدمت کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ عقل مند
 اور قوی الحافظہ شخص حساب کتاب اور امور انتظامی اچھے کرتا ہے۔ یا توانا
 اور قوی الجستہ شخص ہے تو محنت اور مشقت کے کام زیادہ آسانی سے کریگا
 دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ بعض اتفاقات ایسے واقع ہو جاتے ہیں کہ کسی شخص
 کو کوئی خاص فن سیکھنا سہل ہوتا ہے مثلاً کسی پیشہ ور کا لڑکا اپنے باپ کا
 فن آسانی سے سیکھ سکتا ہے یا ایسے مقام اور شہر میں رہتا ہے جہاں کسی خاص
 فن کی تعلیم دی جاتی ہو یا جہاں کسی خاص پیشہ کے اسباب قدرتاؤں ہوں
 اکثر لوگ عمدہ صنعت اور جائز طریقہ اکتساب معاش نہیں حاصل کر سکتے تو
 وہ ناجائز طریقوں پر اتر آتے ہیں مثلاً چوری کرتے ہیں۔ جو اکیلے ہیں اور
 ایسے ہی ایسے طریقوں سے دوسروں کا مال غصب کرتے ہیں۔ ذیابین
 سلسلہ اسباب اس طرح قائم ہوا ہے کہ لوگوں کی حالت میں مساوات نہیں ہے

کوئی عقلمند ہے کوئی بے وقوف کسی میں کام کرنے کی قوت بہت زیادہ ہے
 کسی میں کم کوئی بالکل اپاہج ہی ہے کسی کی ضرورتیں بہت زیادہ ہیں کسی کی
 کم ہیں اس لئے یہ ضرور ہے کہ لوگ باہم معاونت کریں۔ اور یہی معاونت ”معاملہ“
 کہلاتی ہے۔ چونکہ معاملات میں لوگ اکثر بددیانتی۔ سستی۔ نقص عہد۔ یا
 انکار کیا کرتے ہیں اس لئے گواہ اور دستاویز۔ رہن۔ کفالت کی حاجت
 واقع ہوتی اور چونکہ انسان میں باہم ہمدردی اور اُلفت کا مادہ بھی ہے اسلئے
 وہ محتاجوں کو ضروری چیزیں بغیر معاوضہ کے بھی دیتا ہے اور اسی سبب سے
 ہبہ۔ عاریت۔ صدقہ۔ اور خیرات کا طریقہ جاری ہوا۔“

ابتداء میں لین دین تبادلہ اشیاء کے ذریعہ سے ہوتا تھا اور یہ طریقہ
 ایک عرصہ تک جاری رہا۔ لیکن اس میں بھی قباحتیں اور وقتیں پیش آئیں
 مثلاً سنار جو تا خریدنا چاہتا ہے اوس نے موجی سے کہا کہ زیور لیکر جوتا بنا دو
 لیکن موجی کے پاس تن ڈھکنے کو نہیں تو بال بچوں کا ماتھ گلا کیا ڈھکے۔
 اوس نے جواب دیا کہ زیور نہیں کپڑے ہوں تو لاؤ۔ غرض یہ وقت اکثر پیش
 آنے لگی کہ ایک شخص کی چیزوں کو دوسرا اس سبب سے نہ لیتا تھا کہ اوسے
 اوس چیز کی اوس وقت ضرورت نہ ہوتی تھی۔ اور وہ جو تیسری چیز لینا چاہتا
 تھا وہ اوس کو اس سبب سے نہ ملتی تھی کہ اوس کے مالک کو بھی ان اشیاء
 کی ضرورت نہیں تھی۔ غرض اس طرح ہر ایک شخص اپنی اپنی اشیاء لئے پھرتا
 تھا اور ان کا تبادلہ اس سبب سے مشکل ہو گیا تھا کہ ایسے دو شخص جن کو
 ان ہی اشیاء کے تبادلہ کی ضرورت ہو نہ ملتے تھے۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ اشیاء
 کی قیمت معین نہیں ہو سکتی تھی۔ سنار اور موجی میں اس سبب سے اتفاق
 نہ ہو سکتا تھا کہ زیور بیش قیمت ہے اور جو کہ کم قیمت اگر زیور کا ایک حصہ کاٹ کر
 دیدیں تو سنار زیور خراب ہوتا ہے۔ دو صاحب کتاب اور خوردبین کا تبادلہ
 کرنے بیٹھے لیکن خوردبین کی قیمت کتاب سے دو چند ہے اگر خوردبین آدمی

تبادلہ اشیاء میں
 وقتیں

توڑ دین تو ساری برباد ہو جائے۔ اس وقت کو دور کرنے کے لئے سب نے
 ملکر یہ تجویز کی کہ ایک تیسری چیز اور ایجاد کی جائے اور بجائے اشیاء کے باہمی
 تبادلہ کے سب لوگ اس سے تبادلہ کیا کریں۔ اس چیز کا نام روپیہ رکھا گیا
 اب یہ ہونے لگا کہ بنیہ روپیہ کے عوض مین اناج فروخت کرتا اور اوس روپیہ
 سے جوتا۔ زیور۔ چاء۔ صندوق اور جو چیز درکار ہو خرید لیتا۔ اسی طرح موچی
 جوتا روپیہ کے عوض بیچتا اور روپیہ کا اناج اور کپڑا خرید لاتا۔ روپیہ کے ایجاد
 ہونے سے دو فائدے ہوئے ایک تو تبادلہ اشیاء مین جو وقت پڑتی تھی
 وہ اٹھ گئی۔ اور روپیہ ذریعہ تبادلہ ہو گیا۔ دوم اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپیہ
 سے کیا جانے لگا۔ مثلاً یہ معلوم کرنا ہو کہ فلان مکان کی کیا قیمت ہے تو کہہ دیں گے
 کہ اس قدر روپیہ اوس کی قیمت ہے۔ یا موتیوں کا ہار دو لاکھ روپیہ کا ہے۔
 اگر روپیہ قیمت کے اندازہ کرنے کا ذریعہ نہ ہوتا اور ہم کو کسی بڑی آمدنی و خرچ
 کا اندازہ معلوم کرنا ہوتا تو بڑی وقت پڑتی مثلاً یہ دریافت کرنا ہوتا کہ کسی
 نواب کے پاس کتنی دولت ہے تو ضرور تھا کہ اوس کی کل املاک کی ایک لمبی
 چوڑی فہرست بنائی جائے اور اگر کسی ملک کی دولت اور پیداوار کا حال معلوم
 کرنا ہو تو ایک فہرست کیا ایک کتاب بنائی پڑتی اور پھر بھی شاید صحیح اندازہ
 نہ ہو سکتا۔ اسی طرح ایک چھوٹی سی چھوٹی کم قیمت چیز اور اعلیٰ سے اعلیٰ
 بیش قیمت شے کی قیمت روپیہ مین بیان کی جاتی ہے۔ غرض روپیہ دو کام دیتا
 ہے ایک تبادلہ اشیاء کا ذریعہ ہے اور دوم قیمتوں کے اندازہ کرنیکا معیار
 روپیہ کے لئے یہ ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی خاص چیز کا بنایا جائے لیکن
 یہ ضرور ہے کہ خواہ کوئی چیز روپیہ قرار دی جائے لیکن تمام لوگ متفق ہو کر قرار دیں
 اور سب اوس کو روپیہ تسلیم کریں۔ اگر تمام دنیا کے لوگ نہیں تو ایک ملک اور
 ایک آبادی کے لوگ جن کو باہم لین دین کا اکثر کام پڑتا ہے ضرور متفق اور
 مجتمع ہوں۔ چنانچہ ایک زمانہ مین اہل چین نے چاء کے پتوں پر کچھ سکے لگا کر پتے

روپیہ

روپیہ تبادلہ اشیاء
 اور قیمتوں کے
 اندازہ کرنے کا
 ذریعہ ہے۔

کی طرح چلایا۔ قدیم زمانہ میں یونانیوں کے ہاں مویشی سے روپیہ کا کام لیا گیا
 اور جب انہوں نے اتنی ترقی کی کہ باہر والوں کے ساتھ تجارت کرنے لگے تو
 کسی دھات کے ٹکڑوں پر پہل کی تصویر بنا کر روپیہ بنائے۔ غرض ہر ملک کی تاریخ
 میں ایک ایسا زمانہ ضرور ہے کہ اون مین روپیہ کا نام بھی نہ ہو اور وہ تمام اشیاء کا
 لین دین تبادلہ کے ذریعہ سے کرتے ہوں بعد میں جو چیز روپیہ کے بجائے قائم
 کی گئی وہ اکثر ممالک میں ایک معمولی چیز ہوتی تھی یا ایسی چیز ہوتی تھی جس کی
 اوس ملک میں زیادہ ضرورت یا قدر یا پیداوار تھی۔ بعض ملکوں میں چمڑے کے
 ٹکڑے یا رنگی ہوئی کھالیں روپیہ کا کام دیتی تھیں۔ ایسے روپیہ کے جاری کرنے
 سے اگرچہ ان لوگوں میں اشیاء کے تبادلہ میں سہولت ہو گئی لیکن جس چیز کا روپیہ
 بنایا جاتا تھا دوسری اقوام کی نظر میں اوس کی کوئی قیمت نہ ہوتی تھی۔ اس
 سبب سے وہ اسے قبول نہ کرتے تھے اور دیگر اقوام سے تجارت نہ ہو سکتی تھی۔
 جب تمدن اور تہذیب نے زیادہ ترقی کی اور لوگ دنیا کے دور دور حصوں میں
 تجارت کرنے لگے تو روپیہ کی اصلاح کی بھی ضرورت واقع ہوئی۔ اور کسی ایسی
 چیز کی روپیہ بنانے کی حاجت ہوئی جس کو دنیا کے تمام لوگ روپیہ تسلیم کرنے میں
 تامل نہ کریں۔ اگرچہ کسی ملک کے روپیہ کی قیمت کچھ زیادہ ہو کسی جگہ کے روپیہ کی
 قیمت کچھ کم ہو۔ لیکن بہن ہو کہ کوئی اسے روپیہ ہی نہ مانے۔ ظاہر ہے کہ ایسی چیز
 جس کا روپیہ بالعموم تسلیم کیا جائے وہی ہو سکتی ہے جس میں روپیہ کی ضرورت
 کو پورا کرنے کی زیادہ قابلیت ہو۔ سات صفتیں ہیں جو روپیہ میں ہونی چاہئیں۔
 اور اگر ان میں سے ایک کی بھی کمی ہوگی تو وہ روپیہ یا تو زیادہ عرصہ تک چل سکیگا
 یا عموماً سب ملکوں میں وہ روپیہ تسلیم نہ کیا جائیگا۔

اول۔ جس چیز یا جس دھات کا روپیہ بنایا جائے فی نفسہ وہ خود بھی قیمتی ہو
 اگرچہ ایک کاغذ یا چمڑے کے ٹکڑے یا پتھر یا لوہے کے روپیہ بھی بن سکتے ہیں اور

لیکن روپیہ کی قیمت فرضی ہوگی اور اوس وقت تک قائم رہے گی جب تک لوگ اوس کے ذریعہ سے اشیاء کا تبادلہ کرنے یا معیار قیمت قرار دینے کے لئے متفق رہیں اور ایسے لوگ تھوڑے ہی سے ہونگے۔ یہ بات مدت سے چاندی اور سونے کو حاصل ہے کہ وہ دنیا کی تمام مہذب اور غیر مہذب اقوام میں قیمتی مانا جاتا ہے۔ اور اس سبب سے سونے اور چاندی کے سکے نے تمام دنیا میں رواج پایا۔

دوم۔ روپیہ کا حجم کم ہو۔ یعنی ایسی دھات کا ہو کہ اوس کی تھوڑی مقدار کی بڑی قیمت ہو۔ قیمت لوہے۔ پتھر۔ رائگ۔ لکڑی کی بھی ہوتی ہے لیکن اگر لوہے یا لکڑی کے روپیہ بنائے جائیں تو ضرور تھا کہ کسی قیمتی چیز مثلاً سونے کی گھڑی یا ہیرے کی انگوٹھی بلکہ اس سے بھی کم قیمت اشیاء کی قیمت کے روپیہ چھکڑوں پر لاؤ کر لیجانے پڑتے اور ہر وقت کے لین دین میں ایسی بھاری بوجھ کا اٹھانے پھرنا کس قدر دشوار ہوتا۔ سونے اور چاندی میں یہ صفت ہے کہ تھوڑی مقدار ہی زیادہ قیمت کی ہوتی ہے اور اگر سونے اور چاندی کے روپیہ اسی گھڑی یا انگوٹھی کی قیمت میں دے جائیں تو اون کی مقدار اس قدر ہوگی کہ لانے اور لیجانے میں ذرا بھی دقت نہ ہو۔ جواہرات کو بھی یہ تفوق حاصل ہے کہ وہ بہت ہی قیمتی مانے جاتے ہیں لیکن پھر بھی چاندی اور سونے کے سکے نے دنیا میں رواج پایا اور جواہرات کا روپیہ کبھی کسی ملک میں نہیں چلا۔ سبب یہ ہے کہ زیادہ قیمتی ہونے نے جواہرات کو محروم رکھا ایک تل برابر عمدہ جواہر کی قیمت دس بیس روپیہ ہوتی ہے۔ اب اگر روپیہ دو روپیہ کی چیز خریدنی ہو تو جواہرات کا سکہ کتنا سا ہوگا۔ اور ہر وقت کے لین دین میں ایسی چھوٹی چیز کی حفاظت اتنی مشکل ہے کہ عملاً جواہرات کا سکہ کام نہیں دے سکتا۔ سکہ کا قیمتی ہونا ضرور ہے مگر نہ اتنا!

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا آفتاب اوسچا ہوا اتنا کہ تارا ہو گیا

ہے لیکن اس دنیا میں سونے کو یہ صفت حاصل ہے کہ چاہے آگ میں ڈال دیا پانی
میں یا مٹی میں وہ ضائع نہیں ہوتا۔ زمین میں دفن کر دو کبھی نہیں گلتا۔ ہزاروں
برس کے بعد نکالا جائے وہی آب و تاب موجود۔ رنگ بھی نہیں گلتا۔ اس کے
خلاف اگر اندون کا سکہ ہوتا یا شیشہ کی طرح کوئی اور نازک چیز ہوتی کہ ذرا اٹھیس
لگی اور ٹوٹی تو بہتیروں کے دوائے روز نکل جاتے۔

چوتھی صفت روپیہ کی یہ ہے کہ اوس کے مادے کی قیمت مختلف نہ ہو۔
خالص سونے کے تولہ تولہ بھر کے دو ٹکڑے مساوی قیمت ہوتے ہیں۔ جواہرات
کا یہ حال نہیں ان کی قیمت چمک دمک اور رنگ کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی
ہے اگرچہ جسامت برابر ہو۔ مساوی وزن کے دو ہیرے کے ٹکڑے ہوں تو ایک
کی قیمت پانچ سو اور دوسرے کی پانچ ہزار ہونی ممکن ہے۔ پھر ہلکا ایسی چیز کا
کیا سکہ چل سکتا ہے جس کے جتنے روپیہ نہیں سب مختلف قیمت کے ہوں۔ اور
ہر وقت روپیہ کی صحیح قیمت تشخیص کرنا آسان کام نہیں۔ روپیہ پیدا ہوا ہے دنیا
کے کاروبار میں سہولت پیدا ہونے کے لئے نہ کہ اور وقت پیدا کرنے کے واسطے۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ روپیہ کے مادہ کے ٹکڑے ہو سکیں اور نسبتاً اونکی
قیمت میں کمی نہ آئے۔ مثلاً تولہ بھر سونا مسے کا ہو تو چھ ماشہ مسے کا تین ماشہ
مسے کا جواہرات میں یہ بات نہیں وہ جتنے بڑے ہوں اتنے ہی زیادہ قیمتی ہیں۔
اور اگر ان کے ٹکڑے کیجئے تو قیمت بہت زیادہ گھٹ جاتی ہے۔ مثلاً ایک ہیرے
کے دو مساوی حصہ کریں تو قیمت نصف نہ رہے گی بلکہ بہت زیادہ گھٹ جائیگی۔
چھٹی صفت یہ ہے کہ مادہ کی قیمت سب جگہ یکساں ہو۔ ایک سونا اور

چاندی ہے کہ تولہ بھر کی قیمت جو ہندوستان میں ہے وہی انگلستان میں دی
جاوے گی اور امریکہ میں۔ لکڑی۔ چمڑے۔ اناج۔ مویشی اور تقریباً تمام اشیاء کی
قیمت یہاں کچھ ہے وہاں کچھ۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ وہ آسانی سے کھوٹا کھرا کر کھا جاسکے جسے مر

علامات معینہ و مخصوصہ کے ذریعہ سے پہچان لیتے ہیں اور اس صفت کی حفاظت کے لئے ضرور ہے کہ گورنمنٹ روپیہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے اور اس پر کوئی علامت بنائے تاکہ کسی کو شک و شبہ کرنے کا موقع نہ رہے۔ اور تمام لوگ اُسے سکہ قبول کریں۔ جن ممالک میں گورنمنٹ کی طرف سے سکہ کے انتظام پر توجہ نہیں ہے خود وہاں کی رعایا غیر اقوام کے روپیہ لینے دینے میں تو باک نہیں کرتی لیکن اپنے ملک کا روپیہ لیتے ہیں تامل کرتی ہے۔

یہ تجارت کی ترقی کا زمانہ ہے لوگوں کو مختلف اقوام اور مختلف ممالک سے لین دین کرنے کا کام پڑتا ہے۔ اس سبب سے ان کو ایسے روپیہ کی ضرورت درپیش رہتی ہے جو زیادہ مروج ہو اور زیادہ مروج وہی ہوگا جس کی قیمت معین ہو اور جس کے کھرے ہونے میں لوگوں کو شبہ نہ ہو۔ اور چونکہ روپیہ فی نفسہ دولت نہیں ہے اور اس کی قیمت اعتبار پر ہے اس لئے ہر ملک کو اپنے روپیہ کا اعتبار قائم کرنا لازم ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ اعتبار صرف گورنمنٹ کے انتظام سے ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں چاندی کے روپیہ چلتے ہیں اور روپیہ کا وزن ایک تولہ ہے۔ چاندی کی ارزانی نے تولہ بھر کی قیمت تقریباً نو آنہ کر رکھی ہے لیکن روپیہ وہی تولہ آنہ کو چلتا ہے۔ اگر روپیہ کی قیمت صرف بازار کے بھاؤ پر قرار دی جائے کہ صبح گور روپیہ کا خوردہ کچھ ہو اور شام کو کچھ تو ایسا روپیہ آخر کار چاندی کے بھاؤ پر چلیگا۔ اور وہ اعتبار کم ہو جائیگا جو روپیہ آج کے لئے ضروری شرط ہے۔ روپیہ سے دنیا بھر کی چیزیں حاصل ہوتی ہیں اور جس شخص کے پاس روپیہ زیادہ ہے اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس چیز کو چاہے حاصل کر لے۔ اس سبب سے روپیہ الون کو لوگ دولت مند کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ روپیہ دنیا میں بہت بکار آ رہا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ بالواسطہ بکار آمد ہوتا ہے جن مقامات میں اس کے تبادلہ سے ضروری اشیاء مل سکتی ہیں وہیں روپیہ روپیہ ہے ورنہ روپیہ کے ڈھیر فی نفسہ کسی کام کے نہیں۔ روپیہ پاس ہے لیکن جنگل میں اناج نہیں ملتا بھوک

روپیہ بالواسطہ
عاجت روائی
کرتا ہے

کے مارے برا حال ہے۔ روپیہ ہے لیکن پیٹ نہیں بھرتا۔ بیابان میں پانی کا قطرہ
 میسر نہیں دل چاہتا ہے کہ کوئی روپیوں کے توڑے لیلے اور پیاس بھر پانی پلا دے
 لیکن ناممکن۔ غرض اسی طرح دنیا کی ہر ایک چیز کا حال ہے۔ کہ اگر وہ نہ ملے تو
 خواہ کتنا ہی روپیہ ہو حاجت پوری نہیں ہوتی۔ انسان کو دراصل روپیہ کی
 ضرورت نہیں بلکہ ضرورت اُن اشیاء کی ہے جو وہ روپیہ کے تبادلہ میں لیتا ہے
 روپیہ دیتا ہے اور کرسیاں اور میز۔ قالین۔ لیمپ۔ گلدان۔ کپڑا۔ جوتہ۔ اناج۔
 مکان خریدتا ہے اگر یہ اشیاء نہ ہوں تو روپیہ بیکار ہے۔ مزدور دن بھر محنت
 مزدوری کرتے ہیں اور شام کو مزدوری کے پیسے لیجا کر ضروریات زندگی خرید لیتے
 ہیں۔ لوگ ملازمت کرتے ہیں اور مہینہ بھر کے بعد قلیل و کثیر جس قدر تنخواہ ملتی
 ہے اس سے تمام اشیاء جن کی ضرورت ہے لیتے ہیں۔ اس لئے خواہ مزدوری ہو
 خواہ نوکری۔ یا تجارت یا کوئی اور پیشہ دراصل روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے
 نہیں ہے بلکہ اُن اشیاء کے حاصل کرنے کی غرض سے ہے جن کی ضرورت واقع ہی
 اور جو اس روپیہ سے جو مزدوری۔ یا تنخواہ۔ یا اشیاء تجارت کی قیمت میں ملا ہے
 خریدی جائیں گی۔ فرض کرو کہ کوئی آقا یا کوئی سرکار اپنے نوکر کو یا کوئی شخص
 کسی مزدور یا کاریگر کو نقد روپیہ نہ دے بلکہ وہ تمام اشیاء خورد و نوش۔ لباس
 مکان وغیرہ جس کی اس کو ضرورت ہے اس کے حسب لیاقت مہیا کر دے تو
 ملازم کو روپیہ لینے کی کچھ بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس
 ایک پائی بھی نہ ہو لیکن اس کے پاس اسباب و اشیاء موجود ہوں جن کی اس کو
 یا اور لوگوں کو ضرورت پڑتی ہے۔ تو وہ دولت مند ہے۔ روپیہ دولت نہیں ہے بلکہ
 جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے دولت کے اندازہ کرنے کا معیار ہے جیسے کہ وزن کے
 اندازہ کرنے کا معیار ترازو ہے۔ ایک گھڑی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ
 چار تولہ کی ہے تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا وزن کیا ہے۔ اسی طرح جب یہ
 کہا جائے کہ اس کی قیمت پچاس روپیہ ہے تو اس کی قیمت کا حال معلوم ہوگا۔

اگر کسی شخص کے پاس ایک پیسہ بھی نہ ہو لیکن ایسی ایسی سو گھڑیاں ہوں تو اتنا ہی
دولتمند ہے جیسا کہ اس کے پاس پانچ ہزار روپیہ ہوں۔ وہ ان گھڑیوں سے پانچ ہزار
روپیہ کی اور مختلف چیزیں خرید سکتا ہے۔ غرض روپیہ اور چیز ہے اور دولت اور چیز
ہے۔ دولت وہ ہے جس کا تبادلہ ہو سکے۔ بنظر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ کا
تبادلہ اشیا سے ہوتا ہے۔ لیکن نہیں غور کرنے سے یہ معلوم ہو گا کہ روپیہ سے تبادلہ
نہیں ہوتا بلکہ روپیہ تبادلہ کا ایک آلہ یا وسیلہ ہے۔ ایک شخص نے گھڑی پچاس
روپیہ کو فروخت کی اور پانچ پانچ روپیہ کو دس کرسیاں اس روپیہ سے دوسرے
دن خریدیں تو کرسیوں کی ضرورت نے اس سے گھڑی فروخت کرانی تھی نہ کہ
روپیہ کی حاجت نے اور اگرچہ گھڑی کی قیمت پچاس روپیہ ملی اور کرسیوں کی
قیمت پچاس روپیہ دینی پڑی لیکن روپیہ صرف گھڑی اور کرسیوں کے تبادلہ کا آلہ
ہوا۔ ورنہ گھڑی جا کر کرسیاں آئی ہین۔ یہی حال تمام دنیا کے روپیہ کے مصرف کا
ہے۔ غرض روپیہ دولت نہیں بلکہ دولت وہ اشیا ہین جو دولت کے تبادلہ میں
اور بنظر ظاہر روپیہ کے تبادلہ میں حاصل ہوتی ہین۔ اور انسان کے لئے آسائش
یا آرائش کا باعث ہوتی ہین۔ جن اشیا کا تبادلہ نہیں ہو سکتا وہ خواہ مدارحیات
ہوں لیکن دولت نہیں خیال کی جاتیں۔ کوئی تنفس نہیں جو ایک لمحہ بغیر ہوا
کے زندہ رہ سکے۔ ہر جاندار منون ہوا ہر روز سونگھتا ہے لیکن ایک جبہ قیمت
ادا نہیں کرتا۔ قریشی تیل اور موم بتی دولت ہے اور سورج کی کرن جو سب سے
زیادہ تیز۔ روشن اور دنیا میں سب سے زیادہ مفید ہے دولت نہیں۔ پانی مدار
حیات ہے لیکن دریا کے کنارہ اس کی قیمت نہیں۔ ہاں! صحرا میں ایک ایک
قطرہ آب زر سے زیادہ قیمتی ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ قادر حقیقی کے بے پایان انعامات
اور اعلیٰ مہربانیوں اور فیاضی کے ادنیٰ کرشمہ ہین۔ ورنہ اگر حضرت انسان کے
قبضہ میں ہوا اور سورج ہوتا تو دیکھتے کہ زر زمین زن پر تو کیا جھگڑے پڑتے ہین
جو سانس بھر ہوا اور ایک کرن سورج پر رن پڑتے۔

۲۔ صنعت و حرفت

پیداوار اور دولت
کے ذرائع

دولت پیدا کرنے کی خواہش تو عموماً سب ہی لوگوں کو ہے اس لئے دولت پیدا کرنے کے اصول سے واقفیت حاصل کرنی بھی ضرور ہے۔ کسی قوم میں دولت آسمان نہیں برستی بلکہ خود پیدا کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ دولت کے پیدا کرنے کے تین ذرائع ہیں۔ زمین۔ محنت۔ اور اس اجمال ان تینوں پر علیحدہ علیحدہ غور کرنا چاہئے۔

زمین دولت کی پیداوار کا قدرتی ذریعہ ہے۔ دنیا کی کل چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اناج زمین سے پیدا ہوتا ہے۔ پھل و رختوں میں لگتے ہیں۔ درخت جن کی لکڑی کی بڑی بڑی چیزیں کروڑوں روپیہ کے جہازوں کے بیڑے اور ریلوں کی گاڑیاں بنتی ہیں زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ گھاس زمین سے اُگتی ہے اور مویشی جس سے ہمیں گوشت پوست ملتا ہے گھاس چرتے ہیں اور اس سے ان کا جسم نشوونما پاتا ہے۔ لوہا۔ چاندی۔ سونا۔ کوئلہ۔ پتھر اور ہر طرح کے معدنیات زمین سے نکلتے ہیں۔ روئی اور سن کے درخت زمین سے اُگتے ہیں جن سے تمام اقسام کے کپڑے بنتے ہیں۔ غرض کوئی چیز چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں ہے جو زمین سے نہ پیدا ہوتی ہو۔ زمین کل دنیا کی دولت کے پیداوار کا مخزن ہے۔ اگر زمین نہ ہو تو انسان عقل اور ہنر لئے ہوئے بیٹھا رہے اور اسے کچھ بھی نہ ملے۔

دولت پیدا کرنے کا دوسرا ذریعہ محنت یعنی صنعت و حرفت ہے اگرچہ سب چیزیں قدرتا زمین سے پیدا ہوتی ہیں لیکن ان کو بکار آمد اور بیش قیمت بنانا انسان کا کام ہے۔ جس چیز پر محنت صرف نہ ہو وہ کچھ بڑی دولت نہیں ہے مثلاً ہوا اور دریا کے کنارہ پانی دولت نہیں ہے۔ لکڑی زمین سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا بکار آمد سامان بنانا انسان کا کام ہے۔ لوہا زمین سے نکلتا ہے لیکن اوزار انسان بناتا ہے۔ چاندی سونا زمین سے پیدا ہوتے ہیں لیکن زیورات

یہ محنت ہی ایسی عمدہ چیز ہے کہ دھڑی کی چیز کو لاکھوں روپیوں کا بنا دیتی ہے۔
 گھڑی کے پُرزے پیتل کے بنتے ہیں اتنے سے پیتل کی قیمت دو تین آنہ بھی
 نہیں ہوتی لیکن گھڑی سیکڑوں روپیہ کو فروخت ہوتی ہے۔ جس شخص کے ہاں
 گھڑی بنانے کا کارخانہ ہو اور سیکڑوں گھڑیاں روز بناسکے تو اس کے ہاں
 کیون نہ دولت ٹوٹ پڑے۔ روٹی ایک روپیہ کی گئی سیر فروخت ہوتی ہے
 لیکن جب اس کا کپڑا بنایا جاتا ہے تو کئی روپیہ کا ایک گز بکتا ہے۔ غرض اسی طرح
 ہر ایک چیز جو قدرتی حالت میں ارزان ہوتی ہے جب اس پر محنت کی جاتی ہے تو
 بہت قیمتی ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں صنعت و حرفت زیادہ ہوگی وہ زیادہ دولت مند
 ہوگی۔ اہل یورپ کے ہاں اس محنت اور صنعت کی بدولت دولت کا چراغ روشن
 ہے۔ انہوں نے ہاتھوں کے علاوہ مشین سے کام لینے کا طرز اختیار کیا ہے جو
 ایک دن میں ہزاروں ہاتھوں کا کام کرتی ہے اور کام بھی وہ جو سونے کی تول
 بکتا ہے۔ ہندوستان ایسا ملک ہے کہ قدرتی پیداوار کا منبع اور طرح طرح کی صنعت
 و حرفت کا مخزن ہے لیکن یہاں مشین سے کام لینے کا رواج نہیں تھا اس سبب سے
 اہل یورپ کی مصنوعات کے آگے اس کی صنعت کا چراغ ٹھنڈا ہو گیا اور آج
 اس کی صنعت و حرفت کے بازار بند پڑے ہیں اگرچہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو
 یورپ سے یہاں آتی ہو اور یہاں نہ پیدا ہو سکتی ہو لیکن لوگوں کو اس طرف توجہ
 چاہئے کہ وہ صنعت و حرفت سیکھیں اور خود ہاتھ پاؤں ہلائیں۔ آج کل تو یہاں کی
 یہ حالت ہو رہی ہے کہ کپڑا یورپ سے بنکر آئے تو ہم نہیں۔ سوئی تاگہ وہاں سے
 آئے تو ہمارا لباس سل سکے۔ شیشہ اور چینی کے سامان یورپ سے آئیں تو ہم
 برتیں۔ لیمپ اور قریشی تیل بلکہ لمپ کی بتیان بھی اہل یورپ بنا کر بھیجیں تو ہمارے
 ہاں چراغ جلے۔ نب۔ قلم۔ دوات۔ کاغذ۔ چاقو پینسل یورپ سے آئے تو ہم
 لکھ سکیں۔ غرض ہم کل کاموں میں اہل یورپ کے محتاج اور دست نگر ہیں۔
 ایک الین بھی ہمارے ہاں نہیں رہتے۔ جب یہ حالت ہے تو کیا تعجب ہے کہ ہم

مغلس اور اہل یورپ دولت مند ہوں۔ جس قوم کو دولت کمائی مقصود ہے
اُسے صنعت و حرفت میں ترقی کرنی چاہئے۔ اور ایسی اشیاء بنانی لازم ہیں
جو خوبی اور فائدہ میں بہت اعلیٰ ہوں جو شئی جس قدر زیادہ بکار آمد ہے اوی قدر
اوس کی حاجت زیادہ ہوگی۔

محنت کی تقسیم
و تالیف

تقسیم محنت
کے فوائد

محنت کے عمدہ نتائج حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ محنت کی تقسیم و
تالیف مناسب طور پر کی جائے۔ محنت کی تقسیم سے یہ مراد ہے کہ ایک چیز کے
بنانے میں جس قدر مختلف کام کرنے پڑیں وہ مختلف آدمی سرانجام دیں۔ اس
طرح محنت کی تقسیم سے کئی فائدے ہیں۔ اول تو ایک جگہ سے دوسری جگہ
جانے اور ایک قسم کے کام کو چھوڑ کر دوسرا کام کرنے میں وقت زیادہ صرف ہوتا
ہے اگر ہر شخص کے متعلق ایک ہی کام ہوگا تو وہ کام زیادہ جلدی پورا ہوگا مثلاً
ایک کرسی کے بنانے میں ایک شخص صرف فریم بناتا ہے دوسرا اسے بتاتا ہے اور
تیسرا رنگ پھیرتا ہے۔ اگر یہ سب کام ایک ہی آدمی کو کرنے پڑیں تو کام نہایت
مشکل سے اور بہت عرصہ میں ہوتا ہے۔ اس طرح تین آدمی ملکر مہینہ بھر میں
اتنی کرسیاں بنا سکتے ہیں کہ اگر علیحدہ علیحدہ ہر ایک آدمی اول سے آخر تک
کرسی بناتا تو ایک ماہ میں اس سے نصف کرسیاں بھی نہ بن سکتیں۔ فرض کرو
کہ ریل کی چھت پر سے لائینیں اُتارنی ہیں۔ اگر ایک ہی شخص کا یہ کام ہو کہ
ریل کی چھت پر چڑھے اور وہاں سے قندیل اُتار کر پھر نیچے اُترے اور اوسے ٹوکرے
میں رکھ کر پھر دوسرے درجہ تک لیجائے پھر چھت پر چڑھے اور پھر اُترے تو تنہا
لائینیں اُتارنے میں بہت وقت صرف ہوگا لیکن جب تین چار آدمی ملکر یہ کام کرتے
ہیں کہ ایک شخص چھت پر سے صرف لائینیں نکالتا ہے دوسرا اوس کے ہاتھ سے
لیکر ٹوکرے میں رکھتا ہے تیسرا ٹوکرے اسرکاتا ہے تو سو لائینیں پھٹکا بھر میں اُتر آتی
ہیں۔ اسی طرح ہر ایک کام کا حال ہے کہ جب کئی آدمی اوس کے مختلف حصہ
انجام دیں گے تو جلدی ہوگا۔ تقسیم محنت سے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ایک کام کو

کرتے کرتے کاریگر کو ملکہ ہو جاتا ہے۔ اور کام زیادہ عمدہ اور جلدی پہ آہے تیسرا
فائدہ تقسیم محنت کا یہ ہے کہ جو شخص جس درجہ کا کام کر سکتا ہے وہی اوس سے
لیا جاتا ہے کیا ضرورت ہے کہ جو شخص ایک روپیہ روز کی مزدوری کا کام کر سکتا ہی
اوس کو بھی وہی چار آنہ روز کی مزدوری کا کام دیا جائے۔ ایک مطبع میں ایک
کاپی نویس کو دو روپیہ روز دئے جاتے ہیں اور پرسمین کو چار آنہ روز۔ اگر
کاپی نویس کا ہی یہ کام ہو کہ وہ کاپی لکھنے کے بعد پریس پر کام کرے تو خواہ مخواہ
اوسے دن بھر کے دو روپیہ دینے پڑیں گے اور جو کام چار آنہ میں ہوتا وہ دو روپیہ
میں ہوگا۔

تقسیم محنت میں جہاں کئی فائدے ہیں وہاں ایک نقصان بھی ہے یعنی
ہمیشہ صرف ایک کام انجام دیتے دیتے کاریگر کو دوسرے کام کی مشق نہیں رہتی
اور اگر اس کام کا مندا ہو جائے تو وہ پھر کسی کام کا نہیں رہتا۔ دوسرے یہ کہ
پورے کام کی عمدگی کا کوئی ذمہ دار نہیں ہوتا کیونکہ جس شخص نے جتنا کام کیا ہے
وہ اوس کا ذمہ دار ہے۔

تالیف محنت یہ ہے کہ چند آدمی متحدہ طور پر ایک ہی کام کے کرنے میں
مدد دین بہت سے کام ایک آدمی کی قوت سے باہر ہوتے ہیں مثلاً ایک بھاری
شہتیر کا ایک مکان کی چوٹی پر چڑھانا۔ اس صورت میں جب تک چند آدمی ملکر
کام نہ کریں کام نہیں چلتا۔

کام تو سب ہی کرتے ہیں لیکن کاریگر میں چار صفتیں ہونی چاہئیں کہ وہ
اچھا کام کر سکے۔ ایک ہنرمندی۔ دوم ذکاوت۔ سوم پرہیزگاری۔ چہارم دیانت
بے ہنر آدمی تو صنعت و حرفت کے کام ہی کا نہیں۔ جسے آتا ہی نہ ہو وہ کیا
خاک کام کرے گا۔ بعض کام ایسے دقیق اور مشکل ہوتے ہیں کہ اون کو سیکھنے کے لئے
عرصہ درکار ہوتا ہے اور بہت مشق سے آتے ہیں لیکن ایسی ہی پھر اون کی قدر
بھی ہوتی ہے۔

تالیف محنت
کا فائدہ

کاریگر کے اخلاقی
اوصاف

کارِیگر کی ذکاوت خود کارِیگر کے لئے بہت مفید ہے ذہین اور طبع کارِیگر کوئی نئی ایجاد کرتے ہیں اور اوس فن کو اور زیادہ ترقی دیتے ہیں۔ جن لوگوں میں ذکاوت نہیں ہوتی وہ مشین کی طرح کام کرتے ہیں کہ جس کام پر لگا دیا اسی طرح کے جاتے ہیں۔ اور اگر وہ کام نہ ملا تو خود بھی بیکار ہو گئے۔ جیسے کہ ہندوستان کے کارِیگروں کا حال ہے کہ جو چیزیں یہاں بنتی تھیں وہی ولایت سے بن کر آنے لگیں لیکن اُن کی صورت اور وضع میں ذرا تغیر و تبدل ہو گیا۔ اور طبیعتیں چونکہ جدت پسند واقع ہوئی ہیں لہٰذا جدید لذت لوگوں نے اُنکی خریداری کی طرف زیادہ میل کیا۔ یہاں کے کارِیگر چونکہ لکیر کے فقیر تھے یہ مقابلہ نہ کر سکے رفتہ رفتہ ان کا بازار ایسا سرد ہوا کہ اب ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔

پرہیزگاری کارِیگر میں کام کرنے کی قوت بڑھا دیتی ہے۔ بے اعتدالی کا قاعدہ ہے کہ بدن کی قوت گھٹاتی ہے اور جب بدن میں قوت نہ ہو تو ہاتھ پاؤں کیا چلین۔

اگر کارِیگر دیانت دار ہوں گے تو کارخانہ دار کو یہ ضرورت نہ ہوگی کہ ایک نگران کار نوکر رکھے اور جو روپیہ نگران کار کی تنخواہ میں صرف ہوتا ہے وہ بچ رہیگا ان اوصاف کے حاصل کرنے کے لئے ضرور ہے کہ کارِیگروں کی جماعت کو بھی تعلیم دی جائے خصوصاً علم اخلاق کی تعلیم کہ یہ دیانت و پرہیزگاری کے اوصاف پیدا کرتی ہے۔ جن ممالک میں تعلیم عام کر دی گئی ہے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو تعلیم سے بہرہ دیا جاتا ہے اُن کے ہاں کی صنعت و حرفت آج اوس اوج ترقی پر ہے کہ ایک ایک مزدور اپنے گھر راج کر رہا ہے۔ اور قوم کا دماغ آسمان پر ہے۔

دولت کے پیدا کرنے میں مشین سے بہت مدد ملی ہے اور دوسرے ممالک میں ان مشینوں ہی کے استعمال نے ہندوستان کی صنعت و حرفت کو خاک میں ملا دیا۔

دولت ہمارے ملک میں پیدا ہوتی ہے لیکن کپڑا ولایت کا بنا ہوا پہنتے ہیں۔ اور ہمارے ہاں کے اہل حرفہ فاقہ مرتے ہیں۔ لہٰذا ہندوستان میں نکلتا ہے لیکن

کارِیگروں کو
تعلیم کی ضرورت
ہے۔

مشین کا استعمال
اور رواج

چاقو انگلستان کے کارخانہ میں بنتے ہیں۔ اور ہمارے کاریگر ایک الپن بھی نہیں
 بنا سکتے۔ اور ہمارے کیا کریں ایک دن میں اتنا کیونکر بنا سکتے ہیں کہ اس قدر ارزان
 فروخت کریں۔ مشین سے کام لینے میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ وہ ایک دن
 میں اتنی ساری چیزیں بنا سکتی ہے کہ سیکڑوں انسان نہیں بنا سکتے۔ دوسرے یہ کہ
 مشین سے ایسے کام لے جاسکتے ہیں کہ انسان کی طاقت سے باہر ہیں۔ مثلاً
 لاکھوں من کا بوجھ جو تھیل سے اٹھا لیا جاتا ہے۔ انجن منوں بوجھ کو سیکڑوں کوس
 کے فاصلہ پر تھوڑی دیر میں پہونچا دیتے ہیں۔ اور اور بہت ایسے کام ہیں جو انسان
 کی طاقت سے باہر ہیں۔ اسی طرح مشین کے ذریعہ سے جس ملک میں دولت پیدا
 کرنے کا کام لیا جائیگا۔ وہ ملک بہت جلدی اور بہت زیادہ مالا مال ہوگا۔ مشین
 کے جاری کرنے سے ایک یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک مشین ہزاروں
 آدمی کا کام کرنے لگے گی تو یہ لوگ بیکار ہو جائیں گے اور روٹیوں کو محتاج پھر نیگے
 بیشک ایسا ضرور ہوگا کہ مشین کی ایجاد سے وہ لوگ جو وہی کام ہاتھ سے کرتے تھے
 بیکار ہو جائیں گے لیکن بہت تھوڑے دن کے لئے کیونکہ مشین کے استعمال سے
 ایک قسم کا کام بند ہوتا ہے لیکن کئی قسم کے کام کھل جاتے ہیں۔ جب یہ جاری
 نہ تھی تو گاڑی اور گھوڑے منازل کے طے کرنے میں کام آتے تھے۔ ریل نے
 گاڑی گھوڑوں کے بجائے خود کام دیا اور گاڑی بان بیکار ہو گئے۔ لیکن ریل پر
 سیکڑوں طرح کے کام ایسے کھل گئے کہ اس سے کہیں زیادہ آدمیوں کی کھپت
 ہو گئی اب یہ گاڑی بان اگر اپنی ہی نادانی سے ریل پر کام نہ کریں تو نہ کریں ورنہ
 کام کی کمی نہیں ہے۔ ان مشین کے جاری کرنے سے یہ ضرور ہوتا ہے۔ کہ اہل حرفہ
 کو بعض اوقات اپنے کام کی نوعیت بدلتی پڑتی ہے۔ غرض خاص طور پر مشین کے
 ایجاد سے اگر کسی شخص کو کچھ عرصہ کے لئے نقصان ہو تو ہو لیکن بالعموم ملک کے
 بہت سے بیکار آدمیوں کے واسطے کام نکل آتا ہے۔ اور وہ اپنی روزی پیدا
 کرتے لگتے ہیں۔ اگر ہمارے ملک میں اس وقت گھڑی بنانے۔ کپڑا بننے۔ لوہے کے

اوزار گھڑنے اور شیشہ و چینی کے برتن بنانے اور اور بہت سی چیزوں کے کارخانہ جاری ہوں۔ تو اگر کپڑے کی مشین سے جولاہوں اور لوہے کی مشین سے لوہاروں کو۔ کپڑا دھونے کی مشین سے دھوہیوں کو کچھ نقصان پہونچے گا۔ تو اس نقصان کی تلافی بہت اچھی طرح یوں ہو جائے گی کہ گھڑی سازی اور شیشہ وغیرہ کے کارخانوں میں اس سے کہیں زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ غرض اپنے ملک میں ہر قسم کی صنعت و حرفت کے جاری کرنے سے یہ فائدہ ملیگا کہ ملک میں بیکار آدمی جو اب تلاش معاش میں سرگردان ہیں نہ رہیں گے بلکہ عام خوشحالی اور بہبودی پھیل جائیگی۔

مشینوں کے جاری کرنے اور کارخانوں کے کھولنے کے لئے **راس المال** کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ دولت پیدا کرنے کا تیسرا ذریعہ ہے۔ راس المال اس ذخیرہ کو کہتے ہیں جو آئندہ دولت کمانے کی غرض سے اٹھا رکھا گیا ہو۔ یہ راس المال بہت ضروری چیز ہے۔ دولت اگرچہ زمین سے اور محنت سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس کے پیدا ہونے میں عرصہ لگتا ہے۔ اور اتنے عرصہ میں بھی کام کرنے والوں کو ضروریات زندگی حاصل کرنے کی احتیاج ہوتی ہے۔ راس المال کا کام یہ ہے کہ آئندہ دولت پیدا کرنے کے لئے جو کوشش کی جا رہی ہے اس میں مدد دے۔ فرض کرو کہ ایک کپڑا بننے کا کارخانہ کھولنا ہے۔ روٹی خریدنے اور اس کے کاٹنے اور بننے میں ایک عرصہ درکار ہے۔ اس قدر عرصہ میں اوّل روٹی کی قیمت ادا کرنی دوسرے کاٹنے اور بننے والوں کو روزانہ مزدوری دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر پہلے سے ذخیرہ نہ ہوگا تو یہ کام کس طرح ہو سکیں گے بعض اوقات کارخانہ کی عمارت اور مشین کی قیمت پر بھی لاکھوں کا خرچ ہوتا ہے جتنا بڑا کارخانہ ہوگا اتنے ہی زیادہ راس المال کی ضرورت ہوگی۔ اور پھر اسی لحاظ سے منافع بھی ہوگا۔ کہ زر زر کشد در جہان گنج گنج۔ دو باقیں ہیں جو راس المال جمع کرنے کی محک ہوئے ہیں۔ اؤار تو آئندہ کریمشاہ منیر۔ دو دستار۔ کے

ذریعہ سے دولت کمانے کی خواہش۔ غیر مہذب ملکوں میں جہان لوگون کا جان و
 مال محفوظ نہیں ہوتا لوگ ایسے کاموں میں روپیہ لگانے سے احتیاط کرتے ہیں
 اور اس سبب سے جو بڑی بھلی مزدوری مل جائے اس ہی پر قناعت کرتے ہیں
 دوسرے یہ بھی ہے کہ بڑے کارخانہ کھولنے اور مشین کے ذریعہ سے اشیاء پیدا
 کرنے میں بہت بڑے ذخیرہ اور اس المال کی ضرورت ہوتی ہے اس سبب سے
 لوگون سے بڑے کارخانہ اور مشین قائم کرنے کا سراجام نہیں ہو سکتا لیکن
 درحقیقت اس کا بہت سہل علاج ہے۔ یعنی بہت سے لوگ ملکر اتنا سرمایہ جمع
 کریں کہ جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے اچھی طرح کافی ہو "دانہ دانہ شود انبار"
 مثلاً اگر کسی کارخانہ کے لئے دس لاکھ روپیہ سرمایہ درکار ہے تو سو سو روپیہ کے
 دس ہزار حصے کئے جائیں اس طرح اگر کسی شخص کے پاس سو روپیہ بھی ہونگے
 تو وہ بھی اس کارخانہ میں حصہ لے سکیگا۔ جن لوگون کے پاس زیادہ روپیہ
 ہے وہ بہت سے حصے خرید سکتے ہیں۔ جب نفع تقسیم ہوگا تو ہر ایک حصہ دار کو
 اس کے حصہ کی نسبت سے روپیہ تقسیم ہو جائیگا۔ اس صورت میں نفع بھی
 اتنا معقول حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہی سو روپیہ کسی علیحدہ کام میں لگائے جائیں تو
 اس کا نصف حصہ منافع بھی حاصل نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں بطور شراکت روپیہ
 لگانے سے ہر ایک شخص کو وقت صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ حصہ دار
 اپنے اپنے متعلقہ دوسرے کاروبار میں مصروف رہ سکتے ہیں

مشترکہ کمپنیاں

اس المال کو نہایت احتیاط سے صرف ضروری اخراجات میں صرف کرنا
 چاہئے۔ لیکن خرچ کرنا ضروری ہے۔ اگر کل سرمایہ جمع رہیگا تو اس سے کچھ بھی
 منافع حاصل نہ ہوگا۔ اس المال کے تین مصرف ہیں۔ مکان۔ آلات اور
 مزدوری۔

راس المال کے مصرف

مکان اور آلات ذخیرہ قائم ہیں کہ ایک دفعہ بن گئے اور عمر بھر کام دیتے
 ہیں لہذا مزدوری کا یہ حال نہیں وہ روزانہ دینی پڑتی ہے۔ اور جس قدر دو

ذخیرہ قائم

اس ہی قدر خرچ ہو جاتی ہے یہ ذخیرہ دائر ہے کہ ایک دفعہ اپنا حق ادا کر دیتا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی متحدہ کمپنیاں قائم ہوئی ہیں اور ان میں سے اکثر اچھی حالت میں ہیں۔ لیکن بعض کمپنیوں کو ناکامی بھی ہوئی۔ اور لوگوں کے حصے ڈوب گئے اس سے لوگ ذرا اس طرف سے بدگمان ہونے لگے ہیں اور عوام میں یہ بددلی پھیلتی جاتی ہے کہ کمپنیوں میں روپیہ دینا محض خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اگر یہ کیفیت ہوئی تو ملک کی ترقی کی طرف سے قطعی ناامید سی ہوگی۔ لیکن کوئی مرض نہیں ہے جس کا علاج نہ ہو البتہ تشخیص مرض اور علاج کی پابندی ضرور ہے۔ اس ملک میں کمپنیوں کی ناکامی کے کئی وجوہ ہیں۔ اول تو لوگوں میں پیش بینی کی کمی ہے۔ ہمیشہ اُن اشیاء کا کارخانہ کھولنا چاہئے جن کی ضرورت زیادہ ہو۔ ہندوستان ایسا ملک ہے کہ کل اقسام کی اشیاء کی اس میں کھپت ہے۔ لیکن لوگ یہ نہیں خیال کرتے کہ کس قسم کی اشیاء یہاں بن رہی ہیں اور کتنی باقی ہیں جو غیر مالک سے آتی ہیں۔ کارخانہ ان اشیاء کا کھولنا چاہئے جو غیر مالک سے آکر یہاں کثرت سے فروخت ہو رہی ہیں۔ ذرا سے غور سے معلوم ہو جائیگا کہ سیکڑوں انواع و اقسام کا مال دوسرے ممالک سے چلا آ رہا ہے۔ لیکن چونکہ ان اشیاء کی ساخت کا علم اور لاگت اور نفع و نقصان کا اندازہ یہاں کے لوگ نہیں کر سکتے۔ اس لئے ایسے کارخانے جاری کرتے ہیں جو ابھی جاری ہو چکے ہیں اس طرح اس شے کی پیداوار کی اتنی کثرت ہو جاتی ہے کہ اس مقام میں ضرورت نہیں رہتی۔ اور دونوں کارخانوں کو نقصان پہنچتا ہی باوجودیکہ نئی اشیاء بنانے کے لئے بہت میدان کھلا پڑا ہے۔

کمپنیوں کی
ناکامی کے
وجوہ
ایک ہی شے کے
چند کارخانے مفید
نہیں ہوتے

لوگ ساخت اشیاء
کا علم نہیں رکھتے

دوم۔ لوگ بہت سی اشیاء کی ساخت کے علم سے واقف نہیں ہیں۔ افسوس ہے کہ وہ ملک جو صنعت و حرفت کی کان تھا جس کی تہذیب اور ترقی کا سارے عالم میں چراغ جلتا تھا۔ ایک دیا سلائی ٹنک کا محتاج ہے کہ یورپ جاپان سے آئے تو اس کے ہاں چراغ چلے۔ اب یہ ضرورت باقی نہیں ہے کہ

ملک میں تعلیمی درس گاہیں قائم کی جائیں اور ان میں وہ ناقص تعلیم دیجاوے جو آج کل کے مدارس میں دی جا رہی ہے۔ بلکہ محبان قوم جو ملک کی ترقی کے خواہان ہیں اگر قوم پر احسان کرنا چاہتے ہیں تو صنعت و حرفت کے مدارس قائم کریں۔ لوگوں کی ضروریات مختلف ہیں لہذا صرف ایک قسم کے مدارس میں ایک ہی ٹائپ کا سب آرمیون کو گھڑنا کیا مفید ہوگا؟ صنعت و حرفت کے مدارس بھی ایک ہی طرح کے نہیں بلکہ مختلف فنون کے قائم کئے جائیں۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک مدرسہ میں تمام فنون سکھائے جائیں بلکہ اگر ایک مدرسہ ایک ہی فن کی کامل تعلیم دے تو اوتے ہے۔

اشیا کی صورت
اور وضع میں
تبدیلی

سوم۔ اس ملک کے کاریگر زمانہ کے اداسناں نہیں ہیں۔ لوگوں کے مذاق اور پسندیدگی کے مہلان بدل گئے ہیں۔ روز بروز نئے فیشن نکلتے چلے آتے ہیں۔ نئی نئی وضع کی چیزیں اختراع ہوتی ہیں ان کو چاہئے کہ زمانہ کے ساتھ ساتھ چلیں اور جس طرف خریداروں کا رجحان دیکھیں ویسی چیزیں بنائیں جس نئی چیز یا نئی طرز کی ضرورت ہو یا دوسرے ملک سے جو نیا نمونہ بنکر آئے اس کو چلنے نہ دیں بلکہ خود اس سے بہتر اور اس سے ارزان بنا کر فروخت کریں۔ ہم لوگ نہ صرف اشیاء کے لئے دوسروں کے محتاج ہو گئے بلکہ وہ ہم پر ایسے حاوی ہو گئے ہیں کہ خود ہمارے واسطے نئے فیشن ایجاد کر کے ہمیں لوٹتے ہیں۔

ڈائریکٹروں کی کمپنی کی
ناقابلیت نقصان
ہونے کا ہے

چہارم۔ اس ملک میں متحدہ کمپنیاں قائم ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں لیکن ابھی سے دوالہ بچنے لگے۔ اور کئی کارخانہ بند ہو گئے۔ جس سے حصہ داروں کا بہت نقصان ہوا۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ ملک میں اس مال کی ضرورت نہیں بلکہ ڈائریکٹروں کا قصور ہے کہ ان میں کام کرنے کی قابلیت نہیں۔ یہ ملک کی تنہا بد نصیبی ہے کہ جن چیزوں کی اسے بے انتہا ضرورت ہے ان کے کارخانہ جاری ہوں اور نہ چل سکیں غیر اقوام تو دل میں خوش ہوں گی۔ کہ یہ جتنے نالایت رہیں بہت اچھا ہے تاکہ ہمیں ہاتھ رنگنے کا موقع ملے۔ لیکن کیا اب ہم اتنے گئے گذرے

ہوئے ہیں کہ اسی سی بات نہ سمجھ سکیں لیا ہماری خود عرضی ہمارا لالچ اور ہماری
 نادانی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اپنے نفع کے واسطے تمام قوم کے نقصان کا
 کچھ بھی لحاظ نہ کریں۔ کیا ہم میں اتنی عقل بھی نہیں ہے کہ یہ سمجھ سکیں کہ قوم کی
 عزت ہماری عزت۔ قوم کی بہبودی ہماری بہبودی اور قوم کی سلامتی ہماری
 سلامتی ہے۔ یہ مانا کہ اگر کسی کمپنی کی بدنیت ڈائریکٹر دسروں کا مال لے کر
 کھا جائیں گے تو وہ اپنا گھر بھرنے لیں گے لیکن یہ عام نقصان جو اس سے پھیلے گا
 کہ لوگ صنعت و تجارت کی طرف سے بد دل ہو کر متحدہ کام کرتے ڈریں گے اور
 اپنے موجودہ افلاس پر اس سبب سے قناعت کریں گے کہ مبادا جو تھوڑا بہت
 سرمایہ موجود ہے یہ بھی جاتا رہے تو اس سے جو تنزل اور تنزل کے سبب سے جو
 تذلیل قوم کو حاصل ہوگی اس سے وہ نا عاقبت اندیش اور کور باطن ڈائریکٹر
 نہیں بچ سکتے جنہوں نے اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے قومی بربادی کی بنیاد
 قائم کی۔ اکثر کمپنیاں اس سبب سے نہیں چلیں کہ ڈائریکٹروں نے دیانت داری
 سے کام نہیں کیا۔ دوسرا سبب نہ چلنے کا یہ بھی ہوا کہ منتظمین میں اتفاق قائم نہ رہا
 اور ان کی نزاع نے کارخانہ کو نقصان پہنچایا۔ یہ عقل سلیم اور اصابت رائے
 کی کمی کا قصور ہے۔ تیسرا سبب کارخانجات نہ چل سکنے کا اور بھی ہے اور وہ
 بھی کام کرنے والوں کی جہالت اور ناواقفیت کے سبب سے پیدا ہوتا ہے۔
 ہمارے ملک میں ایسے لوگ بھی نہیں ہیں جو مشین کے استعمال اور کارخانہ کے
 انتظام کی واقفیت رکھتے ہوں۔ اس سبب سے ان کو غیر ملک اور غیر قوم کے
 منجر ملازم رکھنے پڑتے ہیں۔ یہ منجر اول تو تنخواہ اتنی لیتے ہیں کہ منافع کا ایک معتدبہ
 حصہ ان کی نذر ہو جاتا ہے دوسرے ان کو ڈائریکٹر ان کمپنی کی کوئی پرداہ نہیں
 ہوتی وہ بجائے ان کا کہا ماننے کے خود اپنی نازبرداری بلکہ حکمرانی چاہتے ہیں۔
 اور ایسا ہوتا بھی ہے۔ ان کو قومی یا ملکی کوئی تعلق یا دلسوزی کمپنی کے ساتھ
 نہیں ہوتی۔ اس سبب سے ان کو اس کے چلنے یا نہ چلنے کی پرداہ بھی نہیں ہوتی

اور چونکہ یہاں کے کارخانجات کے فروغ سے اپنے اہل وطن کی گسادی بازاری کا اندیشہ ہوتا ہے ان کو اس کے ڈبوں میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سب غیر ملکی منیجر ایسا ہی کرتے ہیں بلکہ ممکن ہے کہ بعض نیک نفس اس کے خلاف تن دہی اور دیانت داری سے کام کرتے ہوں لیکن کوئی کمپنی کسی غیر ملکی منیجر کے ہاتھوں ڈوبی ہے تو ضرور اس کا سبب یہی ہوا ہے۔ اگر کسی کارخانہ میں کسی غیر ملکی منیجر کے بغیر کام چل ہی نہ سکے تو تنخواہ کے علاوہ منافع میں اس کو شریک اور حصہ دار کر لینا چاہئے تاکہ کام میں اس کی ذاتی دلچسپی بڑھ جائے اور وہ پوری توجہ سے کام کرے۔ بلکہ کمپنی کے کل کاموں میں مناسب یہی ہے کہ کارندوں کا حصہ ضرور شامل کیا جائے اس صورت میں وہ نہایت جان توڑ کر اچھا اور بہتر کام کرنے کی کوشش کریں گے۔

پنجم۔ ہمارے ملک کی حالت اس سقیم بیمار کی سی ہے جسے نہ صرف تشخیص مرض اور تجویز دوا کی ضرورت ہے بلکہ تیمارداری کی بھی حاجت ہے اس لئے صرف سوداگروں اور صناعوں کو تحریک دینا ہی مفید نہیں بلکہ خود خریدار کی توجہ بھی درکار ہے۔ بد قسمتی سے اہل ملک کا مذاق اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ ان کو اپنے مان کی کوئی چیز فروش نہیں آتی۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے ملک کی چیز تلاش کریں غیر مالک کی اشیا کی فرمایش کی جاتی ہے اگرچہ اپنے ملک میں اس سے بہتر اور اس سے ارزان موجود ہو۔ خریداروں کو یہ جان لینا چاہئے کہ دولت بہت مشکل سے پیدا ہوتی ہے اور اس کو کھونا اپنی عزت۔ اپنی قوت۔ اور اپنے آرام کو کھو دینا ہے۔ بنظر ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم ایک چیز کی قیمت ادا کرتے ہیں تو ہمارے پاس سے تو قیمت ہر حال میں جاتی ہے خواہ وہ چیز کسی ملک کی ساخت ہو۔ لیکن واقعی دولت کے اپنے ملک میں چکر کرنے اور اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملک میں جانے میں بہت بڑا فرق ہے جو قیمت اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملک میں گئی وہ پھر واپس نہیں آتی اور اتنی قوت اپنے ملک سے

اس ملک کا مذاق
نہ لگتا ہے

کم ہو جاتی ہے۔ اگر وہی قیمت یہاں رہتی تو اس سے زیادہ اس کا تبادلہ ہوتا۔
 جیسے کہ کوئی چیز صند و قچہ کے ایک خانہ سے نکال کر دوسرے خانہ میں رکھ دی جائے
 اگرچہ اس وقت ہماری جیب میں سے وہ قیمت نکل جاتی ہے لیکن اپنے ہی ملک
 میں رہنے کی صورت میں ملک کے متول میں زیادتی ہوتی اور ہماری محنت کے
 صلہ میں ہمیں خاطر خواہ قیمت مل سکتی اس طرح ایک چکر رہتا کہ سب خوش حال
 رہتے لیکن ملک میں افلاس ہو تو وہ محنت کا صلہ نہیں دے سکتا۔ اور لوگ
 زیادہ غریب حالت میں رہتے ہیں پس جو لوگ اپنے ملک کے مصنوعات خریدتے
 ہیں وہ بالواسطہ اپنے تئیں بھی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اس لئے جب کسی چیز
 کی ضرورت ہو تو اپنے ہی ملک کی بنی ہوئی تلاش کرو اگر نہ ملے تو خیر کہیں اور کی
 خریدنے کا مضائقہ نہیں۔ یہ طلب ایسی چیز ہے کہ اگر خریدار اس طرف ذرا توجہ
 کریں گے تو کارِ ریگر بہتر سے بہتر بنا کر لائیں گے۔ اور تھوڑے دن میں کہیں اور سے
 چیز منگوانے کی ضرورت نہ رہیگی۔ ہندوستان کے افلاس کا یہ سبب نہیں ہے
 کہ اس میں پیداوار کی کمی ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ اس کی دولت مختلف ذرائع
 سے دوسرے ملکوں میں کھینچی چلی جاتی ہے۔ اگر اہل ملک دیسی چیزوں کی طرف
 توجہ کریں تو کارِ ریگر کیا کچھ نہ کر دکھائیں۔ اس موقع پر ایک غلطی کی نصیحت کر دینی ضرور
 ہے لوگ اعتراض کریں گے کہ جب ہم کوئی چیز خریدتے ہیں تو وہ چیز لیکر روپیہ دیتے
 ہیں۔ روپیہ فی نفسہ دولت نہیں ہے اور جو چیز لی گئی ہے وہ دولت میں داخل ہے
 لہذا ہمارے ملک میں جب کوئی شے روپیہ کے عوض آتی ہے جو دولت ہے تو پھر
 اس کے خریدنے اور لینے میں کیا تامل ہے۔ بلکہ جس قدر زیادہ آئے بہتر اور مستجاب
 ہے۔ اور جب ہم ایک چیز کے بدلے دوسری چیز لیتے ہیں تو ملک میں کیوں افلاس
 پھیلے اس کے جواب میں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جو روپیہ ہم نے دیا ہے وہ کیا
 شے ہے بیشک وہ دولت نہیں ہے لیکن تبادلہ دولت کا ذریعہ ہے۔ اس سبب
 سے ہم نے جو روپیہ حاصل کیا ہے وہ کسی نہ کسی محنت کے عوض میں حاصل کیا ہوگا

خواہ وہ ہماری کسی شے کی قیمت ہو یا تنخواہ یا مزدوری یا کچھ اور۔ غرض کوئی چیز
روپیہ کی صورت میں جمع ہے۔ اور اس روپیہ میں اب یہ قوت ہے کہ جس چیز سے
چاہیں ہم اس کا تبادلہ کر لیں اور جب تک یہ روپیہ قائم ہے اس کی قوت بھی قائم
رہے گی۔ اب یہ غور کرو کہ غیر مالک سے جو اشیاء آئی ہیں وہ کیا کیا ہیں وہ ایسی
چیزیں ہیں کہ استعمال کرنے سے تھوڑے دن بعد ہو چکیں گی ان میں بعض بہت
کم دیر پائے ہیں۔ بعض سوائے آرائش کے کسی ضروری کام کی نہیں۔ بعض صرف
کھیل تماشے ہی ہیں جو بالکل غیر ضروری ہیں۔ اپنے ملک میں یہ بہت کم قیمت میں
بنی ہیں اور یہاں آکر دو چنڈ اور سہ چنڈ قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ ان چیزوں
کے خریدنے سے ملک میں دو طرح سے افلاس پھیلا۔ ایک تو یہ کہ جو چیز خریدی
اس کا جس قدر منافع ہے وہ اس ملک سے مفت گیا اب رہی اصل قیمت اس کا
ادا کرنا بھی خالی از نقصان نہیں۔ کیونکہ جو روپیہ دیا گیا وہ اُس ملک میں قائم
رہے گا اور اس کا دور اُس ملک میں ہمیشہ ہوگا۔ اور یہاں وہ چیز اتنے روز میں
اس قدر فرسودہ ہو جائے گی کہ اس کے خریدنے کی ضرورت پھر واقع ہوگی۔
اگر اس روپیہ کا سرکولیشن اس ملک میں ہوتا تو جس قدر دولت پیدا ہوتی۔
وہ کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رہتی بلکہ روز بروز بڑھتی جاتی۔ اور اس طرح ملک
دولت مند ہو جاتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ غیر ملک کی جو چیز ہم کو دی گئی ہے۔
اگر اس کی اصلی لاگت بھی لی جائے تو بھی ہمارے ملک میں افلاس ضرور پھیلے گا
کیونکہ اصلی لاگت میں کاریگروں کی مزدوری وغیرہ شامل ہے اگر وہ چیز ہمارے
ملک میں بنائی جاتی تو ہمارے ہاں کے مزدوروں اور کاریگروں کو اس کی اجرت
ملتی اس طرح وہ خوش حال ہوتے۔ اور جب دوسرے ملک میں بنی ہے تو اگرچہ
ہم نے اصلی قیمت دی اور بالفرض تبادلہ میں ہمارا کوئی نقصان بھی نہیں ہوا
لیکن ملک کے غریب پیشہ وروں کا بیشک نقصان ہوا۔ کہ ہم نے ان سے
محنت نہ لی۔ اور وہ بیکار اور پریشان رہے۔ تجارت روپیہ کمانے کا ذریعہ ہے

لیکن۔ جس قوم میں صنعت و حرفت نہیں وہ تجارت کس چیز کی کریں گے۔ اگر دوسرے ملکوں کی بنائی ہوئی چیزیں خود فروخت کریں تو بھی زیادہ نفع حاصل نہ ہوگا۔ ٹھوڑی سی کمیشن مل رہیگی۔ تجارت جس چیز کا نام ہے وہ تو اپنی ہی مصنوعات کی ہے۔ اور اس سے منافع کثیر حاصل ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت میں حصہ لینا صرف غریب اور پیشہ ور لوگوں کا ہی کام نہیں ہے بلکہ اُمراء کو بھی اس طرف توجہ کرنی چاہئے کہ جو چیز درکار ہو اپنے ملک سے لین یا بنوائیں اور یہ کوشش کریں کہ ملک میں اعلیٰ اعلیٰ اشیاء بن سکین خصوصاً مشین جاری کرنا اور ان کے حصے لینا یا کوئی بڑا کارخانہ کھولنا اُمراء سے زیادہ سہولت سے ممکن ہے۔ وہ زمانہ گیا جو یہ کام حقارت سے دیکھے جاتے تھے اب ان کے کرنے میں عزت ہے نہ صرف اس دنیا میں بلکہ دونوں جہان میں۔ الکا سب حبیب اللہ۔ دنیا میں تہذیب اور شائستگی صناعت کی بدولت پھیلی۔ جب قدیم زمانہ کی تاریخ میں کسی قوم کی تہذیب اور شائستگی کا پتہ لگاتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ کن کن پیشوں کے نام اوس زمانہ کی تاریخ میں ملتے ہیں اگر پہلے لوگ صنعت و دستکاری کی طرف توجہ نہ کرتے یا زراعت و فلاحت کو ترقی نہ دیتے تو آج دنیا میں تہذیب کی ابتدا بھی نہ ہوتی۔ آج وہ تمام راحت و آرام و سہولت مفقود ہوتی۔ جو ان کی ایجاد اور اختراعات سے حاصل ہوئی۔ اور جو اصول اُنہوں نے مقرر کئے وہ آج سائنس اور تمام علوم و فنون کی بنیاد ہیں۔ ہزار ہا کوششیں کرنے اور ہزار ہا کامیوں کے بعد دن رات کی محنت و جانفشانی سے ان لوگوں نے اشیاء کی ایجاد کی اور ان کے بنانے کے طریقے نکالے تاکہ بنی نوع انسان کی زندگی میں لطف و آسائش پیدا ہو۔

اس مضمون کو زیادہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔ اہل یورپ کی مثال ہماری آنکھوں کے سامنے ہے کہ اُنہوں نے صرف صنعت و حرفت کے طفیل کہاں سے کہاں ترقی کر کے اور کتنے کوشش کرتے ہیں کہ اون کا رشتہ رُشا

دوسرے ملک میں فروخت ہوں۔ دوسرے ملک کی مصنوعات اپنے ملک میں لینا اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں میں کھڑی مارنا ہے۔ ہاں قدرتی پیداوار جو ہمارے ملک میں نہ ہو دوسرے ممالک سے لیکر اپنے کام میں لائیں تو مضائقہ نہیں لیکن ہمارا ملک ایسا نہیں جو قدرتی پیداوار میں دوسروں کا دست نگر ہو۔ اپنے ملک سے مصنوعات کا دوسرے ممالک میں بھیجنا مفید ہے اور قدرتی پیداوار کا باہر جانا باشندوں کے حق میں مضر ہے۔ اور یہاں سے قدرتی پیداوار ہی باہر جاتی ہے اور اہل ملک کی بے توجہی اور بد سلیقگی کے سبب اس کی مصنوعات کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ترقی کے لئے میدان موجود ہے اہل ہمت قدم آگے بڑھیں اور تعلیم صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہوں۔

تعلیم صنعت و حرفت

تعلیم صنعت و حرفت سے یہ مراد ہے کہ ایسی تعلیم دی جائے جو لوگوں کے لئے ضروریات زندگی مہیا کرنے میں مدد دے۔ انسان کی ضرورتیں مختلف واقع ہوئی ہیں اور اس تعلیم میں ان تمام اشیاء کا بنانا اور پیدا کرنا داخل ہے جس کی انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔

صنعت و حرفت کی تعلیم کی ضرورت لوگوں کو روز بروز زیادہ معلوم ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ ایک ایسی تعلیم کے لئے تہاذا کرنے لگے ہیں جو ان کو اپنے ملک کی پیداوار کو کام میں لانا اور اس سے نفع اٹھانا سکھائے۔ آج کل بڑے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبے اور دیہات میں بھی مدارس قائم ہیں لیکن وہ طلبہ کو کسی کام کا بتاتے ہیں۔ شاید اکثر کا وقت اس طرح صرف ہوتا ہے کہ وہ اپنے آبائی پیشہ کو بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اور جب مدرسے سے نکلتے ہیں تو نان شبینہ کو محتاج پھرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تعلیم سے قوار عقلی کی تہذیب اور تکمیل مراد ہے لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی تو رکھنا چاہئے کہ قوار بدنی کی پرورش کے لئے کیا انتظام کیا جا رہا ہے؟ تعلیم صنعت و حرفت سے یہ مراد ہے کہ لوگوں کو ایسے فنون اور اس قسم کے سائنس کی تعلیم دی جائے جس سے وہ کوئی پیشہ یا

کسی قسم کی تجارت کر سکیں۔ جن مدارس میں یہ تعلیم دی جاتی ہے وہ مدرسہ صنعت
 و حرفت کہلاتے ہیں اور تعلیم صنعت و حرفت انسان کو یہ سکھاتی ہے کہ وہ کوئی
 ایسا کام کرنے لگے جو دولت پیدا کرنے کا سبب ہو۔ اور انسان کی احتیاج اور
 خواہشیں اس سے پوری ہو سکیں۔ اس علم میں دولت کی پیداوار کے طریقوں
 سے بحث کی جاتی ہے۔ اور تمام ایسے علوم جن کا پیداوار دولت میں عملاً کام
 پڑتا ہے اس میں داخل ہیں۔ آج کل اشیاء کی ساخت اور پیداوار کے طریقہ
 اس قدر بدل گئے ہیں اور کلون اور دفانی انجن کے استعمال نے ان کا سیکھنا
 اس قدر مشکل کر دیا ہے کہ جب تک کسی شخص کو اس فن کی باقاعدہ تعلیم نہ دی جائے
 وہ اپنے پیشہ میں ترقی نہیں کر سکتا۔ بلکہ بعض پیشہ اختیار ہی نہیں کر سکتا۔ جن
 کارخانوں میں تقسیم محنت کا قاعدہ جارمی ہے۔ اور ایک شخص سے ایک ہی
 قسم کا کام عمر بھر لیا جاتا ہے وہاں ایک کاریگر پورے طور سے سارے کام سے
 واقف نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی صنعتی مدرسہ میں پورے کام کو نہ سیکھے
 اور اسے اس کام کی باقاعدہ تعلیم نہ دی جائے اسی طرح بہت سے آدمی اگرچہ
 کارخانوں میں اپنی تمام عمر گزار دیتے ہیں لیکن خود کوئی کام کرنے کے قابل
 نہیں ہوتے وہ بچوں کی طرح صرف کام کا ایک حصہ انجام دے سکتے ہیں۔ صنعتی
 کاموں کی چار قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن میں مشین اور کلون اور انجن سے
 کام لیا جاتا ہے۔ جیسے لوہے کے کارخانہ۔ دوسرے وہ جن میں انسان اپنے
 ہاتھوں اور اوزاروں سے کام لیتا ہے۔ تیسرے وہ جن کا دار مدار صنائع کی دماغی
 قوا اور مشاتی پر ہے جیسے مصوری۔ سنگ تراشی۔ چوتھے زراعت۔ لوگوں کو
 ان پیشوں میں تین قسم کے کام کرنے پڑتے ہیں۔ بعض کاریگر ہیں اور خود اپنے
 ہاتھ سے کام بناتے ہیں۔ بعض نگران کاری ہیں۔ بعض منتظم اور صاحب کارخانہ ہیں
 اور ان تینوں قسم کے کاموں کے انجام دینے کے لئے بہت بڑی لیاقت۔ وقیفیت
 تجربہ۔ پیش بینی اور انتظام کی ضرورت ہے۔ صنعتی تعلیم کے لئے جو مدارس

فائدہ ہے جاہلین ان میں دوسم کی تعلیم ہونی چاہیے ایک کو علم (معماری) کی تعلیم ہو جو اشیاء کے بنانے اور پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ مثلاً ریاضی۔ انجینیئر۔ نباتات۔ زراعت۔ وغیرہ اور ان علوم کو عملاً کام میں لانا سکھایا جائے۔ دوسم مختلف قسم کی صنعتیں اور ہاتھ کے کام سکھائے جائیں۔ تاکہ ہر شخص اپنا سرمایہ اور اپنی لیاقت کو کام میں لاسکے۔ اور غیر مالک کا محتاج نہ رہے۔

۳۔ تجارت

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب انسان کی ضروریات اس کے لئے پوری نہ ہو سکیں تو اس نے یہ تدبیر نکالی کہ اپنے پاس کی اشیاء کو دوسرے لوگوں کو دے کر ان کے پاس سے اپنی ضرورت کی چیزیں لینے لگا یہ لین دین پہلے کچھ عرصہ تک تو اشیاء ہی کے تبادلہ سے ہوتا رہا۔ لیکن چونکہ یہ طریقہ مشکل تھا بجائے باہمی تبادلہ کے اشیاء کی قیمت روپیہ میں لی جانے لگی۔ اس فن نے رفتہ رفتہ اس قدر زور پکڑا کہ قوموں کی قوت و دولت اور ملک کی ثروت کا انحصار تجارت کی ترقی پر ہو گیا۔ بلکہ تجارت ان کا جزو بن گئی۔ تجارت اس کا نام ہے کہ ایک شخص اپنی کسی چیز کو جس پر وہ مالکانہ قابض ہے کسی قیمت کو دوسرے شخص کو دے تاجر کو جس چیز پر ملکیت کا حق نہیں وہ فروخت نہیں کر سکتا۔ اور تجارت کے لئے ضرور ہے کہ پہلے کوئی چیز اپنی ملک قرار دی جائے بعض دوکاندار ایسا بھی کرتے ہیں کہ دوسروں سے مال منگا کر فروخت کرتے ہیں اور جب وہ فروخت ہو جاتا ہے تو اس کی قیمت ادا کر دیتے ہیں۔ دراصل یہ تجارت نہیں بلکہ دلالی ہے کہ اصل مالک کا مال فروخت کرنے کے عوض کچھ اجرت ان کو حاصل ہو جاتی ہے۔ دراصل تجارت اپنے ہی مصنوعات فروخت کرنے کا نام ہے کوئی مال جس قدر روپیہ یا جس قدر کسی دوسری شے کے عوض میں فروخت کر دیا جاتا ہے۔ وہ روپیہ یا وہ شے اس مال کی قیمت ہے لیکن کسی چیز کی قیمت ہر حال میں یکساں نہیں رہتی بلکہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے قیمت کے گھٹنے اور بڑھنے کے دو سبب ہوتے ہیں یا تو اس شے کی مقدار یا خریداروں کی

تجارت کی ضرورت

تجارت کیلئے
ملک ہونی ضرور
ہے۔

قیمت کی کمی و
بیش کے سبب

طلب میں فرق آجاتا ہے یا جس شے کے بدلے وہ فروخت کی جا رہی تھی یا یوں
 کہا جائے کہ جو چیز اوس کی قیمت تھی اوس کی مقدار یا طلب میں کوئی فرق
 واقع ہوتا ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک چیز کی قیمت بڑھتی ہے تو دوسری
 چیز کی قیمت کم ہو جاتی ہے۔ آج کل چونکہ لین دین روپیہ میں ہوتا ہے تو اس
 طرح سمجھنا چاہئے کہ جب شے کی قیمت بڑھتی ہے تو اوس کے مقابلہ میں روپیہ
 کی قیمت گھٹ جاتی ہے اور جب روپیہ کی قیمت بڑھتی ہے تو شے کی قیمت
 گھٹ جاتی ہے۔ اور اگر تبادلہ اشیاء کی صورت میں ہو تو بھی یہی قاعدہ رہیگا
 جن دو چیزوں کا تبادلہ مقصود ہو ان میں سے اگر ایک کی قیمت بڑھیگی تو دوسری
 چیز کی قیمت گھٹ جائیگی۔ اور جب دوسری چیز کی قیمت بڑھیگی تو پہلی چیز
 کی قیمت کم ہو جائے گی۔

جب مال کا قیمت کے ساتھ اندازہ کیا جائے تو تین صورتیں پیدا
 ہوتی ہیں :-

۱۔ بعض مال تو اس قسم کا ہے کہ دنیا میں جس قدر موجود ہے اُتنا ہی ہے
 اب اگر اوس کو بڑھانا چاہو۔ تو ناممکن ہے۔ مثلاً ایک اعلیٰ درجہ کی مصور کے
 ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں یا کسی خوشنویس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں
 کہ مصور اور کاتب مرچکے ہیں لیکن تصویریں اور کتابیں ایسی لا جواب ہیں کہ
 لوگ خریداری کو آمادہ ہیں۔

۲۔ دوسری قسم کا مال اس طرح کا ہے کہ اگر مال میں افزائش کی جائے
 تو ساتھ ہی ساخت یا پیداوار کا خرچ بھی زیادہ پڑتا ہے مثلاً اناج کی زراعت
 یا معدنیات نکالنے کا خرچ کہ اگر کم پیدا کرنا ہو تو کم خرچ پڑیگا اور اگر زیادہ پیدا
 کرنا ہو تو اوس حساب سے لاگت بھی زیادہ آئے گی۔

۳۔ تیسری قسم کی چیزیں وہ ہیں کہ اون کے تھوڑے سے بنانے میں
 جس قدر لاگت آتی ہے اوس سے زیادہ بہت سے بنانے میں نہیں آتی۔ یہ

مصنوعات کا حال ہے خصوصاً وہ مصنوعات جو مشین سے تیار ہوتی ہیں۔

طلب کا قیمت پر اثر

ان تینوں قسم کے مال کی قیمت کے گھٹنے بڑھنے کے مختلف سبب ہوتے

ہیں۔ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ خود مال کی مقدار اور خریداری کی طلب (مانگ)

کا قیمت پر کیا اثر ہوتا ہے۔ کسی چیز کی قیمت ایسی ہونی چاہئے کہ جتنی چیز ہے

اوسی قدر اوس کے خریدار ہم پہنچ جائیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر کم قیمت

ہوگی اوسی قدر زیادہ خریدار ہوں گے۔ اور جس قدر زیادہ قیمت ہوگی اوسی قدر

خریدار کم ہوں گے اگر کسی چیز کی قیمت اس قدر زیادہ ہو کہ لاگت سے بہت زیادہ

حصہ اوس میں منافع ہو تو نفع کے لالچ میں اور لوگ اوس چیز کو بہت کثرت سے

بنانا شروع کر دیتے ہیں اور جب کسی چیز کی کثرت ہو جاتی ہے تو خریدار اوس قدر

نہیں رہتے اور پھر قیمت گھٹنے لگتی ہے۔ مناسب معیار پر آ جاتی ہے۔ اسی طرح اگر

کسی مال کی اتنی مقدار موجود ہو کہ خریدار اتنے نہ ہوں اور وہ بہت سستے و اون

فروخت ہو تو سودا گروں کو نفع کم ملتا ہے۔ اور اس سبب سے لوگ اُسے بنانا

چھوڑ دیتے ہیں یا کم کر دیتے ہیں۔ اور جب مال کی مقدار میں کمی آتی ہے تو

اوس میں بھی خریداروں کی تعداد سے مساوات پیدا ہو جاتی ہے اور قیمت

اس قدر بڑھ جاتی ہے جتنی کہ اوس شے کے لئے مناسب ہو۔ لیکن جو ایسی

چیزیں ہیں جن کا قسم اول میں ذکر کیا گیا چونکہ اون کی تعداد نہیں بڑھتی خواہ

خریدار زیادہ ہوں یا کم اوس کی قیمت میں اس قدر افزایش کرنی پڑتی ہے

کہ خریداروں کی تعداد موجودہ شے کے برابر ہو جائے۔ باقی دونوں قسم کی

چیزوں کی قیمت اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر بکار آمد ہیں۔ اور اون کا

حاصل کرنا کس قدر مشکل ہے۔ بکار آمد ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ آسائش یا

آرائش کے کام آسکیں اور اون کو دیکھ کر طبیعت میں لینے کی خواہش پیدا ہو

اگر یہ بات نہ ہوگی تو کسی چیز کے حاصل کرنے میں خواہ کسی قدر دقت کیوں نہ ہو

کوئی شخص بھی پروا نہ کرے گا کہ اوسے خریدے یا لے۔ جو چیز ذرا بھی بکار آمد ہے

اوسے لینے کی خواہش ہر شخص کو ہوتی ہے اور جس قدر زیادہ قابل استعمال اور ضروری شے ہے اوسی قدر اوس کی خریدار اور طلبگار زیادہ ہوں گے۔ اور اگر ایسی شے کی مقدار معین ہوگی تو سونے کی تول بلکہ بعض اوقات اوس سے بھی زیادہ گران فروخت ہوگی۔ بہار آمد ہونے کے ساتھ حصول شے میں جس قدر زیادہ وقت ہو اوسی قدر زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔

اناج کی قیمت

اگرچہ مال کی قیمت زیادہ ہونے سے خریداروں کی کمی ہوتی ہے لیکن اناج کا یہ حال نہیں بلکہ اناج اگر گران ہو تو جب تک خریداروں کی جان میں جان ہے لینا نہیں چھوڑتے اور چونکہ مدار حیات اسی پر ہے ہزار طرح کے خرچ کم کر کے اناج لیتے ہیں۔ اس لئے اگر قحط پڑ جائے اور اناج کی پیداوار میں قلت ہو تو دوسرے مقامات اور دوسرے ممالک سے اناج لاکر فروخت کرنا پڑتا ہے۔ کسی مقام کی مزرعہ پیداوار محدود اور معین ہو اور وہاں کی آبادی بڑھ جائے تو بھی اناج کی کمی واقع ہوتی ہے اس صورت میں جو زمین غیر مزرعہ پڑی تھی یا آبادی سے فاصلہ پر تھی اوس میں بھی زراعت کرتے ہیں چونکہ یہ کھیت آبادی سے دور ہوتے ہیں یہاں سے آبادی تک اناج کے لانے کا خرچ بھی زیادہ پڑتا ہے اور اسی سبب سے پہلے کی نسبت اناج کسی قدر گران فروخت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن اشیاء کی مقدار دنیا میں محدود ہے اور اب وہ کسی کے بڑھائے نہیں بڑھ سکتیں۔ اون کی قیمت تو اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ جتنی چیز ہے اتنی ہی خریدار لے سکیں۔ اور باقی منہ دیکھتے رہ جائیں۔

جو چیزیں ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور اون کے زیادہ پیدا کرنے سے خرچ بھی زیادہ بڑھتا ہے وہ گران فروخت ہوتی ہیں لیکن جہاں تک ممکن ہو خریداروں کے واسطے اون کا مہیا کرنا ضرور ہے۔

جو اشیاء ایسی ہیں کہ اگر زیادہ بنائی جائیں تو خرچ بہت زیادہ نہیں بڑھتا وہ اول اول تو ضرورت کے لائق بنائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر اون کی مانگ بڑھ جائے

توان کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے۔ قیمت کی یہ زیادتی صرف چند روز ہی رہتی ہے۔ لوگ اس چیز کو اس کثرت سے بناتے ہیں کہ پھر بہت جلد ہی اصلی قیمت پر آ جاتی ہے۔ یہ اشیاء کی قیمت کے اصول ہیں جن سے تجارت کو واقف ہونا لازم ہے۔ آج کل تجارت کا پیشہ آسان کام نہیں رہا ہے۔ اور بغیر وسیع معلومات کے کوئی شخص اس میں خاطر خواہ ترقی نہیں کر سکتا۔ کلون اور انجنیون کے استعمال اور وسائل آمد و رفت کی سہولت نے تمام دنیا کے منہج میں تغیر و تبدل پیدا کر دیے ہیں۔ اگر ایک چیز کا دنیا کے کسی حصہ میں بھاؤ بدل جاتا ہے تو تمام دوسرے حصوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اسی طرح کوئی نئی یا بہتر چیز کسی مقام پر کثرت سے بننے لگتی ہے تو اس قسم کی کمتر اشیاء کا بازار تمام دنیا میں ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اس زمانہ میں تاجر کو صرف اپنے شہر اور قریہ کے حالات سے واقف ہونا کافی نہیں بلکہ اس کی معلومات کی وسعت اس قدر ہونی چاہئے۔ کہ مشرق و مغرب تک کی خبر رکھ سکے۔ اور اپنے کاروبار کو گھٹنے نہ دے۔ علاوہ ازیں اس زمانہ میں تاجر کو علم حساب۔ علم جغرافیہ۔ اور مختلف زبانوں سے بھی واقف ہونا لازم ہے۔

اصول تجارت کی
معلومات کی ضرورت

ہندوستان میں تجارتی تعلیم بالکل نہیں دی جاتی اور لوگ صرف یونیورسٹی کی تعلیم پر اتکا کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان کے بازار اور منڈیاں باہر لوگوں کے مال سے پٹی پڑی ہیں اور یہاں لانے اور بیچنے والے بھی باہر کے ہی لوگ ہیں۔ ہم - زراعت

کوئی پیشہ ایسا نہیں ہے جو زراعت سے زیادہ قابل تعریف ہو۔ یہ خود انسان کی ذات کے لئے مفید اور تمام بنی نوع کے لئے بکار آمد اور نہایت ضروری ہے نہ کوئی پیشہ اس سے زیادہ منترہ ہے نہ اس سے زیادہ تفریح بخش نہ اس سے زیادہ قدیم نہ اس سے زیادہ قابل عزت ہے۔

زراعت کی ضرورت

ہر قسمی سے اہل ملک کو زراعت کی طرف اس قدر توجہ نہیں جو اتنے بڑے زرعی ملک کے شایان ہو۔ لوگ ملازمت یا چھوٹی چھوٹی تجارتوں کی طرف زیادہ

اہل ملک کو زراعت کی طرف توجہ دینا

سوچ ہیں۔ اور عورتیں حال آدمیوں کو بالکل بھی یہ خیال نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں
 کو زراعت کا کام سکھائیں۔ سوائے کسانوں یا چند غریبوں کے زراعت کی طرف
 کسی کو توجہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ زراعت ایسے ادنیٰ طریقہ سے اور اتنے چھوٹے
 چھوٹے قطعوں کی ہوتی ہے کہ زمین کے محصول ہی میں ساری پیداوار کی آمدنی
 لگ جاتی ہے اور مزارعین کے پاس کچھ تھوڑی سی پیداوار بچ رہتی ہے۔ کہ اوہ
 اون کا پورا خرچ بھی نہیں چلتا۔ زمینداروں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اتنی سی
 املاک پر مغرور ہو جاتے ہیں اور فن زراعت سے اس قدر ناواقف ہوتے ہیں
 کہ نہ تو پیداوار کو ترقی دے سکتے ہیں نہ زمین کی حالت درست کر سکتے ہیں۔ زراعت
 کو ترقی دینے کے اصول ایسے یقینی اور سہل ہیں اور اون سے اس قدر مستفید
 فائدہ ہوتا ہے کہ اگر اس طرف توجہ کی جائے تو اس سے زیادہ نفع حاصل ہو سکتا
 ہے جتنا کہ کسی بڑی سے بڑی تجارت یا کسی پیشہ میں کامیابی سے ممکن ہے۔
 سب لوگوں کو ایک قسم کی تعلیم مفید نہیں ہو سکتی ہزاروں لڑکے ہر سال
 مدت کی محنت کے بعد امتحانات یونیورسٹی پاس کرتے ہیں اور پھر ناقدری اور
 کس مہر سی کی حالت میں تلاش معاش کے لئے ٹھوکرین کھاتے پھرتے ہیں۔
 اگر ان میں سے بعضوں کو سات آٹھ برس کی عمر سے زراعت کے کام پر لگایا جائے
 اور ان میں کامل واقفیت اور مہارت پیدا کی جائے اور بڑے ہوئے پر ایک سرمایہ
 دیکر انہیں زراعت میں مشغول کر دیا جائے تو ملک کی سرسبزی آنا فنا بڑھے
 کیونکہ اس چھوٹے سے قطعہ زمین کی پیداوار بھی اس قدر کافی ہوگی کہ ایک کنبہ کا
 پیٹ بھر سکے۔ اور جن کے پاس بڑی بڑی زمینیں ہوں اور وہ محنت سے کام
 لیں تو اون کو بہت ہی نفع حاصل ہوگا۔

زراعت قیام حیات کے لئے ضروری ہے اس کی ضرورت اسی پر قیاس
 کر لو کہ اگر ملک میں اور فنون نہ ہوں تو زراعت قائم رہ سکتی ہے لیکن اگر کسی جگہ
 زراعت نہ ہو تو وہاں کوئی فن نہ رہ سکتا۔ اگر انسانوں میں قوت نطوت نہ رہے

موانع تمدن کی بنیاد حال میں مل جائے اور حیوانوں کی سرج انسان پرستان
 ہو جائیں۔ یہی حال فنون میں زراعت کا ہے کہ سب کا شیرازہ زراعت کے طفیل
 بندھا ہوا ہے یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ایسی قومیں پہلے زمانہ میں تھیں کہ انہیں
 سوائے زراعت کے اور کوئی فن رائج نہ تھا اگرچہ اون کی زندگی اوس اعلیٰ
 درجہ کی نہ تھی جو مہذب قوموں کو حاصل ہے لیکن یہ ثابت ہے کہ وہ زندہ ہتے
 اور رہ سکے تھے۔

زراعت ایک
 پاکہ پیشہ ہے

زراعت کے پیشہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہایت پاک ہے
 اور مزارع اعلیٰ درجہ کی منزہ زندگی گزار سکتا ہے۔ اگر مزارعین میں پرہیزگاری
 نہ رہے تو وہ سب سے زیادہ قابل الزام ہیں کیونکہ نا پرہیزگاری اور خرابی کی طرف
 مائل کرنے کے لئے مزارعین کے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ مزارعین کا دنیا میں
 سب سے زیادہ امن پسند اور بے آزار فرقہ ہے جس کو ملک کے قصیوں سے
 مطلب ہے نہ سلطنت کے جھگڑوں سے ان کی زندگی کا طریقہ ہی ایسا واقع ہوا
 ہے کہ امن اور سکون کو پسند کریں اور باہد گر محبت اور موانست رکھیں۔

دیہاتی زندگی

دیہاتی زندگی جو ایک مزارع کو حاصل ہوتی ہے کیسی سادی اور کیسی لغزب
 زندگی ہوتی ہے۔ نیچر کے نظر فریب منظر اس کی نگاہ کے سامنے ہوتے ہیں اور
 چونکہ دنیا کے پولٹیکل جھگڑوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ قلبی تسکین اور راحت
 ہر وقت حاصل رہتی ہے۔ دیہات میں انسان کو ہر شے کی صاف سادہ اور قدرتی
 حالت کا مزہ آتا ہے لیکن شہروں میں مذاق بگڑ جاتے ہیں اور ہر چیز مصنوعی
 صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ دیہات میں بے ضرر اور ارزان آسائش افراط
 سے ملتی ہے لیکن شہروں میں مضرت رسان اور گناہ میں مبتلا کرنے والے فیشن
 طبیعت کو خراب کر دیتے ہیں۔

کسان کو ایک اور حقیقی خوشی بھی اکثر حاصل ہوتی ہے یہ کہ جب وہ
 چاروں طرف دیکھتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے بوئے ہوئے بیج ہیں

جواب پھل لارہے ہیں خدا نے میری محنت ٹھکانے لگائی ہے۔ اُسے اپنی عزیزی کا ثمرہ تیار نظر آتا ہے اور اپنے بوے ہوئے کھیت کو سرسبز و تروتازہ دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔

زراعت کا فن دنیا میں سب سے پہلے ایجاد ہوا اور باقی تمام فنون اس کے پیچھے ایجاد اور اختراع ہوئے۔ ابتداءے آفرینش سے لوگ گلہ بانی۔ باغبانی اور کسانیا میں مصروف ہیں۔ قدرت نے سب سے پہلے انسان کو زراعت کرنا اور زمین سے اناج پیدا کرنا سکھایا ہے۔

یہ بات نہایت تعجب انگیز ہے کہ تمام علوم و فنون ریاضی منطق۔ اخلاق طبیعیات وغیرہ (جو بیشک فی نفسہ بہت اچھے علوم ہیں) کی تو تعلیم دی جائے اور ان کے علاوہ ناچنا گانا۔ مصوری۔ نقشہ نویسی۔ کھلونے بنانا۔ کھانا پکانا۔ سب کچھ تو سکھایا جائے اور ان کے واسطے مدارس اور مدرس مقرر کئے جائیں لیکن زراعت جو سب سے زیادہ دل خوش کن۔ زیادہ پاک۔ زیادہ مفید۔ زیادہ معزز اور سب سے زیادہ ضروری ہے سیکھنے سکھانے کا کہیں نام بھی نہ سنا جائے۔ مناسب تو یہ ہے کہ ہر یونیورسٹی میں کم سے کم ایک کالج ایسا بنایا جائے جس میں فن زراعت کامل طور سے سکھایا جاتا ہو۔

زمین پیداوار دولت کا منبع ہے اور اس میں وہ اشیا پیدا ہوتی ہیں جن پر انسان کی حیات کا دار و مدار ہے یعنی غلہ اجناس میوہ جات پھل پھول یہ دولت تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ محصول۔ مزدوری۔ نفع۔ مالک زمین کو پیداوار کا جو حصہ دیا جاتا ہے وہ محصول کہلاتا ہے۔ مزدور جو تردد کی محنت اٹھاتے ہیں مزدوری پاتے ہیں۔ جو شخص زمین پر روپیہ لگاتا ہے وہ نفع لیتا ہے اگر ایک ہی شخص مالک زمین بھی ہو خود ہی تردد کی محنت اٹھائے اور اپنے پاس سے روپیہ بھی خرچ کرے تو کل پیداوار کا وہی مالک اور مستحق ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں عموماً ایک شخص زمیندار ہوتا ہے اور کسان اناروہ صرف کرتے اور تردد کرتے ہیں

زراعت کی تعلیم

پیداوار زمین کی تقسیم

اس لئے یہاں ایک حصہ زمیندار کو دیا جاتا ہے اور مزدوری اور اس المال کا
 نفع کسان کو پہنچ رہتا ہے۔ زمیندار کو پیداوار زمین سے جس قدر حصہ یا اس کی
 قیمت دی جائے وہ گویا اس کی زمین کا کرایہ ہے۔ بعض مقامات میں زمین کا
 محصول رواجاً مقرر ہوتا ہے اور مزارعین کو اسی قدر دینا پڑتا ہے بعض جگہ زمین کا
 محصول منافست کے طور پر لگا دیا جاتا ہے اور جو شخص سب سے زیادہ محصول
 دینے کو آمادہ ہو اس کو زمین زراعت کے لئے دیجاتی ہے زمین کے محصول کا
 انحصار دو باتوں پر ہے ایک تو یہ کہ زمین بہت زرخیز ہو اور اس میں پیداوار
 خوب ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ عمدہ موقع پر واقع ہو کہ اس کی پیداوار کو آبادی
 تک لانے میں زیادہ صرف نہ ہو ورنہ کس کو غرض پڑی ہے کہ ایسی بنجر زمین پر اپنا
 روپیہ لگائے اور جان کھپائے جس میں اتنی پیداوار بھی نہ ہو کہ مزارعین کا پیٹ
 بھر سکے اور روپیہ پر نفع نہ ملے۔ یا زمین زرخیز ہے لیکن ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں
 سے آبادی تک اس کی پیداوار لاتے لاتے اتنا خرچ پڑتا ہے کہ نفع کچھ بھی
 نہیں ہوتا۔ ایسی زمین کو بھی کوئی لینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں اگر ملک میں پیداوار
 کم ہو اور کھانے والوں کی کثرت زیادہ ہو تو ایسی زمینوں میں بھی زراعت کیجاتی
 ہے۔ جو آبادی سے زیادہ دور ہوں اور پہلے ان میں صرف اس سبب سے زراعت
 نہ ہوتی تھی کہ آبادی تک لانے کا خرچ زیادہ پڑتا تھا جب آبادی کی کثرت ہوگی
 تو اناج کی ضرورت زیادہ واقع ہوگی اور جب ضرورت زیادہ ہوگی تو قیمت بڑھنی
 لازمی ہے اور جب قیمت بڑھی تو ایسی زمینوں میں بھی زراعت کرنے سے فائدہ
 ہوتا ہے۔ خواہ زمیندار اور مزارع ایک ہی شخص ہو یا جدا جدا۔ زمین کی پیداوار
 بڑھانے میں سب کا فائدہ ہے کیونکہ اگر پیداوار اچھی ہوگی تو زمیندار کو بھی محصول
 زیادہ ملے گا اور مزارعین کو بھی کافی مقدار بچے گی۔

جو لوگ آج کل زراعت میں مشغول ہیں ان کو زراعت کو ترقی دینے اور
 ہر کام اچھی طرح انجام دینے کے لئے اُن آلات سے کام لینا چاہئے جو یورپ نے

زراعت کے لئے
 آلات اور شیلوں
 کا استعمال

اس زمانہ میں ایجاد کئے ہیں اور ان کا لون کے ایجاد ہونے سے ان ممالک میں زراعت میں نمایان ترقی ہوئی ہے جس سبب سے پیداوار کی سہولت اور کام کی عمدگی بڑھ گئی۔ اور اس کی لاگت گھٹ گئی ہے افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے مزارعین اس قدر جاہل اور زمانہ کی ترقی سے اس قدر ناواقف ہیں۔ کہ خود کوئی مشین ایجاد کرنا تو درکنار ان مشینوں سے کام لینا بھی نہیں جانتے۔ بلکہ ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ اس فن نے کمان تک ترقی کی ہے۔ زراعت کے ہر چھوٹے بڑے کام کے لئے ایک مشین موجود ہے۔ اس ہی طرح زمین کے تیار کرنے مولشی پالنے کی سیکڑوں ترکیبیں دریافت کی گئی ہیں۔ جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں۔ لیکن اگر فن زراعت کی انگریزی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ یا ان کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو جائے تو ہندوستان کی پیداوار کو بہت فائدہ پہونچے اور یہاں کے لوگ نہال ہو جائیں۔ جس طرح بغیر تردد کے فصل نہیں پیدا ہوتی اسی طرح بغیر تعلیم کے زراعت کی عمدہ لیاقت بھی حاصل نہیں ہوتی اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ زراعت جاہلون اور گنواروں کا پیشہ سمجھا جائے بلکہ دنیا کے عقلمندوں نے اس کو باقاعدہ علم بنا دیا ہے اور اس میں نمایان ترقی کی ہے۔

۵۔ مزدوری اور تنخواہ

محنت کے صلہ میں جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ مزدوری کہلاتا ہے یہ محنت خواہ دماغی ہو یا جسمانی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ معزز ہو یا مبتذل ایک ہی سی جہ فرق مراتب اور وقعت میں ہے نہ کہ نوعیت میں دفاتر کے ادنیٰ و اعلیٰ ملازم بلکہ عمدہ دار کارخانوں کے مہتمم اور تمام کاریگر محال اور خاکروب سب مزدور ہیں جو اپنی دماغی یا جسمانی محنت کو کچھ ماہوار یا روزانہ معاوضہ پر فروخت کرتے ہیں اور ان تمام قوانین کا ان پر یکسان اثر ہوتا ہے جو مزدوری سے متعلق ہیں۔ کاریگروں میں بہترے ایسے ہیں جو اپنی دستکاری سے اس سے کہیں زیادہ

کام کے فرق سے
مزدوری کی نوعیت
میں فرق نہیں پاتا

پیدا کر لیتے ہیں جو ایک دفتر کے ہیڈ کلرک کو ملتا ہو۔ اور کلرک سے کہیں زیادہ
مطمئن اور آسائش میں ہیں۔

مزدوری کی مقدار

جب کسی دفتر یا کسی کارخانہ میں کسی شخص کی خدمات کی ضرورت ہوتی
ہے تو آقا (خواہ گورنمنٹ ہو یا ریس یا مالک کارخانہ یا کوئی اور) چاہتے ہیں
کہ کم سے کم معاوضہ پر ایسا شخص رکھیں جو اس کام کو بہت اچھے طور پر
پورا کر سکے ملازم یہ کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک زیادہ ممکن ہو اس خدمت کا
صلہ لین یا ایسے شخص کے پاس کام کریں جو ان کی خدمات کا سب سے زیادہ صلہ
دینے کو مستعد ہو فیصلہ ضرورت کے ماتھے ہوتا ہے۔ اگر ایک کام کے کرنے والے
تھوڑے ہیں اور ملک میں اس کی زیادہ قدر اور ضرورت ہے تو ان خدمات کے
بڑے بڑے صلے ملتے ہیں لیکن اس کے خلاف اگر بہت سے آدمی ایک ہی
کام کرنے کو آمادہ ہو جائیں تو خواہ کتنا ہی اعلیٰ درجہ کا کام کیون نہ ہو اس کی
قدر و قیمت بہت گھٹ جاتی ہے۔ اور بہت تھوڑا معاوضہ ملتا ہے۔ یہ معاوضہ
اگر مستقلانہ یا ماہوار دیا جائے "تو تنخواہ" کہلاتا ہے۔ اور اگر کام کی مقدار پر
کم و بیش ہوتا رہے۔ اور روزانہ یا ہفتہ وار دیا جائے یا صرف چند روز ہو تو
"مزدوری یا اجرت" کہلاتا ہے

تنخواہ

اجرت

ادم اسمتھ بیان کرتا ہے کہ مختلف کاموں میں اجرت کی کمی بیشی
کے پانچ سبب ہوتے ہیں۔

اول تو کام ہی ایسا سہل اور خوش گوار ہو کہ لوگوں کو اس کے کرنے میں
تکلیف یا کراہت نہ ہو ایسے کام کو بہت سے لوگ کرنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں
لیکن اگر کوئی مشکل اور مکروہ کام ہے تو بہت تھوڑے سے لوگ ایسے ہوں گے
جو اس کے کرنے پر آمادہ ہوں۔ اور اس سبب سے جو کچھ وہ اجرت بھی خاطر خواہ
لے گا۔ مثلاً کان کھودنا۔ کہ زمین کے اندر کام کرنے میں بہت تکلیف اٹھانی پڑتی
ہے۔ اس سبب سے کان کھودنے والوں سے کام کم لیا جاتا ہے اور انکو تنخواہ

کام کی سہولت
اور خوش گوارگی

لوگوں کو دینی پرستی اور تنخواہ ان سے کام کا صلہ نہیں بلکہ جان جو ٹھون میں ان کے
 کا صلہ ہے۔ اسی طرح کوئی معزز شخص ایسی خدمت کرنے پر جو اس کے مرتبہ
 کے لحاظ سے ذلیل ہو راضی نہ ہو گا جب تک اس کو اس قدر معاوضہ نہ دیا جائے
 کہ وہ معاوضہ کے لالچ میں اس کام کو کرنا گوارا کرے۔ البتہ اگر کوئی معزز خدمت
 دی جائے تو کم تنخواہ پر بھی خوشی سے راضی ہو جائیگا۔ وقت طلب اور مشکل کاموں
 کی انجام دہی کی اجرت عموماً زیادہ دینی پڑتی ہے لیکن ناخوشگوار یا مکروہ کام
 کی اجرت اس صورت میں زیادہ دینی پڑے گی جب وہ کام ایسے لوگوں سے
 لیا جائے جن کی وقعت کے خلاف ہے مگر دنیا میں ایسے فرقے بھی ہیں جو مبتذل
 سے مبتذل کام کوڑیوں میں کرتے ہیں۔ اور چونکہ ایسے کام عموماً ان ہی لوگوں
 سے لئے جاتے ہیں گران نہیں ہوتے۔

دوم۔ کام کے سیکھنے میں سہولت اور ارزانی یا وقت اور خرچ۔ جس کام کا
 اکتساب زیادہ مشکل ہوگا۔ اور جس کے سیکھنے میں بہت وقت اور بہت روپیہ
 صرف ہوگا۔ اس کے کرنے والے تھوڑے ہونگے اور جب تھوڑے ہونگے تو
 اس کا معاوضہ زیادہ لین گے۔ اس کے خلاف آسان اور کم خرچ کام بہت
 لوگ سیکھ لیتے ہیں۔ اور تھوڑی سی اجرت پر کرتے پھرتے ہیں اس زمانہ میں بھی
 کہ تعلیم اس قدر عام اور کم خرچ ہے۔ ایک عمدہ ڈاکٹر اور انجینئر کو جو تنخواہ ملتی
 ہے۔ وہ یونیورسٹی کے کسی اور ڈگری یافتہ کو نہیں ملتی۔ جو لوگ مکمل انجینیری
 میں ذرا دستگاہ رکھتے ہیں وہ دفاتر کے عمدہ داروں سے زیادہ کماتے ہیں۔
 شمار اور مستری بلکہ ورک شاپ کے کاریگر عام مدرسوں سے زیادہ تنخواہ پاتے ہیں۔

سوم۔ کام کا استقلال یا غیر استقلالی۔ جو ایسے کام ہیں کہ بارہ مہینہ چلے
 جاتے ہیں ان کو لوگ اس سبب سے کم اجرت پر کرتے ہیں کہ ان سے ہمیشہ
 اکتساب معاش ہوتا رہے گا لیکن عارضی خدمتوں کے لئے زیادہ معاوضہ مانگتے
 ہیں۔ تاکہ ہر کام میں کم از کم ایک سالہ عرصہ تک کام کر سکیں۔

کام سیکھنے کی وقت
 یا سہولت

کام کا ہمیشہ
 جاری رہنا

چہارم۔ ملازمن کا اعتبار۔ بہت سے کام ایسے ہیں جن میں ملازمن کی دیانت داری پر پورا اعتماد اور بھروسہ درکار ہوتا ہے اور اس پر بھی ان سے ضمانت لی جاتی ہے۔ مثلاً خطوط رساں۔ بینک کے مہاجن۔ انجن ڈرائیور۔ ریلوے گارڈ۔ کہ لوگوں کے جان و مال ان کے سپرد ہوتے ہیں۔ جس قدر زیادہ کسی کام میں اعتماد کی ضرورت ہے۔ اسی قدر زیادہ اس کی اُجرت ہے۔

پنجم۔ کام میں کامیابی یا ناکامی کا اسکان۔ جن کاموں میں کامیابی کا یقین ہوتا ہے وہ کام لوگ خوشی سے کرتے ہیں۔ اور جن میں کامیابی کا یقین نہ ہو اس کو بعض منچلے ہی اختیار کرتے ہیں۔ اس سبب سے ایسے کاموں میں زیادہ اُجرت دینی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک موچی اپنے پیشہ میں یقیناً کامیاب ہو سکتا ہے لیکن بیرسٹر اگر فیل ہو جائے تو کسی کام کا نہیں رہتا۔ اس سبب سے کامیاب بیرسٹر بڑی بڑی فیس لیتے ہیں۔

۶۔ کاروباری آدمی

خواہ وہ شخص جو دوسروں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے خواہ وہ تجارت ہو یا کوئی پیشہ یا ملازمت یا وکالت۔ کاروباری آدمی کہلاتا ہے۔ انسان کو دوسروں کے ساتھ معاملہ پڑنا لازمی اور ضروری بات ہے۔ اور حسن انتظام تمدن کے لئے معاملات میں صداقت۔ دیانت۔ راستبازی۔ پابندی وقت کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔

کشادہ دلی۔ مروت۔ راست گفتاری۔ ایمانداری اور تمام اخلاقی اصول معاملات کو فروغ دیتے اور سہولت پیدا کرتے ہیں۔ دنیا کے بازار معاملات کا مدرسہ ہیں۔ ایک دانشمند آدمی اس مدرسہ میں رہ کر نازک وقت میں کام چلانا بہت آدھوں سے محنت کے کام لینا انسانی طبائع کو پہچاننا اور مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کرنا سیکھتا ہے اور اس طرح اس کا تجربہ ہر روز اسے کوئی نئی بات سکھاتا ہے۔ اور یہ انسانیت کی بہت بڑی شان ہے۔ اس طرح کاروبار کی عہدگی انسان کو انسان بناتی ہے۔ اور بد معاملگی خراب و رسوا کرتی ہے

اخلاق معارف
میں ترقی دینا
ہے

کسی پیشہ میں
کامیابی کی تدبیر

کسی پیشہ کو عمدگی سے کرنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان کی پوری توجہ
اس طرف مائل ہو۔ صحت و صفائی اور قاعدہ کا لحاظ رکھا جائے۔ وقت پر کام
تیار کیا جائے۔ اور ضرورت کے مطابق بنایا جائے۔ بادی النظر میں یہ باتیں خفیف
معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن یہ انسان کی نیک نامی خوشی بلکہ سرسبزی کا باعث
ہوتی ہیں۔ کوئی بات اس سبب سے حقیر نہیں کہ وہ چھوٹی اور خفیف ہے انسان
کی زندگی چھوٹے چھوٹے کاموں پر منقسم ہے۔ اور اگر ان میں ابتری پھیل جائے
تو کوئی بڑا کام وقت پر نہیں ہو سکتا۔ یہی چھوٹی باتیں ہیں جو ایک انسان کا بلکہ
ایک قوم کا رویہ ظاہر کرتی ہیں۔ اور جب ان کی ابتری عام ہو جاتی ہے تو ملک کے
ملک تباہ کر دیتی ہیں۔ ہر انسان کے لئے کام اور فرض مقرر ہیں اور ضرور ہے کہ
انسان میں ان فرائض کو انجام دینے کی لیاقت ہو۔ یہ فرض خواہ خانہ داری
کا انتظام ہو یا تجارت یا دوکانداری۔ یا مزدوری یا ملازمت یا ممالک اور
اقوام کا انتظام یا سیاست جو شخص اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا وہ خود اپنے تئیں
برباد کرتا ہے اور دوسروں کو تکلیف میں ڈالتا ہے۔ کاروباری آدمی کی ترقی کا
دارومدار اس پر ہے کہ وہ جزوی اور فروعی امور کو نہ بگڑنے دے ورنہ اصلی مقاصد
غارت اور برباد ہو جائیں گے۔ کام کے دیر میں کرنے کا مضائقہ نہیں۔ لیکن
جو کام ہو کامل توجہ اور پوری احتیاط سے کیا جائے۔ کام شروع کرنے سے پہلے
تھوڑا سوچ لینا کام کو جلدی ختم کرتا ہے۔ جلد باز اور بے سوچے سمجھے کام کرنا
آدمی ہمیشہ وقت میں پھنسے رہتے ہیں۔ کام کی عمدگی کام کرنے کے طریقہ پر
منحصر ہے۔ جس طرح ایک خوش سلیقہ شخص چھوٹی سی جگہ میں بہت سا اسباب
چن دیتا ہے اور وہ نظر میں خوش نما معلوم ہوتا ہے اسی طرح خوش فکر لوگ
ہر کام خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں۔ بڑے بڑے کامی آدمیوں کا طریقہ
ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک کام کرتے ہیں اور اس کو پورا کر کے چھوڑتے
ہیں آسان کام کو پہلے اور مشکل کو بعد نہیں کرتے۔ بلکہ جگہ کی ضرورت ہو

پہلے اُسے انجام دیتے ہیں خواہ کتنی محنت کتنا ہی وقت صرف کیوں نہ ہو۔
 بڑے یا ضروری کام نوکروں یا ایجنٹوں پر چھوڑنا کام خراب کرنا ہے۔ دوسرے
 لوگوں کے چونکہ ذاتی اغراض شامل نہیں ہوتے وہ اس توجہ اور دلسوزی
 سے کام انجام نہیں دیتے جیسا کہ خود اہل معاملہ اور اس سبب سے یا خراب
 کرتے ہیں یا دیر کرتے یا بالکل نہیں کرتے۔ اول وہ کام انجام دینے چاہتے ہیں
 جو پہلے کرنے کے ہیں اور فرصت و تفریح کا وقت کام کرنے کے اوقات کے
 بعد مقرر کیا جائے نہ کہ کام سے پہلے۔ پہلے کاموں کی ابتری پچھلے کاموں کو بھی
 خراب کرتی ہے اور انسان کا دماغ ایسا پریشان ہو جاتا ہے۔ کہ پھر وہ کسی کام
 کو نہیں سنوار سکتا۔ وقت پر کام کرنا ترقی کا زینہ ہے۔ وقت پر کام کرنے سے
 فرصت کا وقت بہت زیادہ نکلتا ہے۔ وہ تفریح کے علاوہ تہذیب نفس اور
 تکمیل علم کے کاموں میں یا دوسرے مفید مشاغل میں استعمال کیا جاسکتا ہے
 جو لوگ وقت پر کام نہیں کرتے وہ گھبراہٹ۔ جلدی۔ وقت و تکلیف میں ایسے
 پھنسے رہتے ہیں کہ ان کو زندگی تلخ اور وبال معلوم ہونے لگتی ہے۔ جو لوگ
 پابندی وقت کی دوڑ میں پیچھے رہتے ہیں وہ حصول مقصد میں بھی پیچھے رہتے
 ہیں۔ اور چونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملات میں دوسرے لوگوں کا وقت
 بھی ضائع ہوتا ہے اکثر ان سے معاملہ نہیں کرنا چاہتے۔ قوت ادراک اور فہم
 اگرچہ قدرت سے عطا ہوتی ہیں لیکن تجربہ کی کثرت اور تخیل کو قوت دینے سے
 بھی یہ قوت بڑھتی ہے اور کارباری آدمی کے لئے یہ دونوں صفات بہت
 ضروری ہیں۔ تاکہ اس کو جن لوگوں سے کام پڑے۔ ان کی عادات اور خصائل
 و ضروریات کو سمجھ سکے۔ اور اپنا کام سہولت اور نرمی سے لے سکے۔ افعال میں
 دیانت اور اقوال میں صداقت بھی کارباری آدمی کے لئے ضرور ہے۔ اس سے
 نیکنامی اور شہرت حاصل ہوتی ہے۔ اور بہت سے لوگ صداقت شعار سے
 معاملہ کرنا پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح اخلاق کی عمدگی اشتہار کا کام دیتی ہے

جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا ہے کہ فلان شخص سچ بولتا ہے۔ اور ہر چیز کے عیب اور صواب صاف کہہ دیتا ہے۔ تو ان کو اس سے معاملہ کرنا سہل اور قابل اطمینان معلوم ہوتا ہے۔ سچائی کے بغیر انسان کی عزت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ایک سوداگر۔ صنعتکار۔ وکیل۔ ملازم کو اپنی عزت کی ایسی پاسداری ہوتی ہے۔ جیسے کہ رئیس یا عالم یا حاکم کو ہو۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بددیانت آدمی اوّل اوّل فروغ پاتے ہیں۔ یہ فروغ نہایت ناپائدار ہوتا ہے۔ اور بہت جلد ہی ان کی بددیانتی لوگوں کو معلوم ہو جاتی ہے۔ راستباز آدمی اگرچہ دیر میں پھلتے ہیں لیکن اخیر میں یہ زیادہ نفع میں رہتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ایسی ناکامی جس میں عزت و وقعت قائم رہے۔ بے آبروئی کی کامیابی سے بدرجہا بہتر ہے۔

باب سوم

اینانے جنس کے ساتھ مدارات

۱۔ عام لوگوں کے ساتھ مدارات کا طریقہ

خوش اخلاق

اور لوگوں کے ساتھ اپنے ہون یا پر اسے دوست ہون یا دشمن واقف ہون یا اجنبی جس طرح ہم پیش آتے ہیں اوس کا نام مدارات ہے۔ مدارات ممکن ہے کہ اچھی ہو یا بُری۔ اگر اچھی ہے تو معمولی کام بھی طریقہ مدارات کی عمدگی کے سبب خوش نما اور دل خوش کن ہوتے ہیں۔ اور اگر بُری ہے تو بھلے کام بھی دل آزار معلوم ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً نصیحت جو دوسرے کو خاص نفع پہنچانے اور اوس کی بھی خواہی کی خاطر کی جائے اگر سخت الفاظ میں کی جائے گی تو سننے والے منفرد ہون گے اور وہ دوستی دشمنی اور نکتہ چینی خیال کی جائیگی۔ لیکن اگر اوسی مطلب کو مہربانی اور خوش اخلاقی سے ادا کیا جائے تو لوگ نہ صرف قبول کریں گے بلکہ اوس بیش بہا رازے دینے کے شکر گزار ہون گے۔ خوش اخلاقی تمام ایسے کاموں کو جن میں دوسروں کی شرکت کی ضرورت ہے سہل کر دیتی ہے۔ تمدن کے تعلقات میں لطف و محبت پیدا کرتی ہے۔ اور سرانجام امور دنیا میں بہت کچھ مدد دیتی ہے۔ کج خلقی دلون میں رنجش اور کبیدگی پیدا کر کے لوگوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتی اور سرانجام امور میں سب راہ ہوتی ہے۔ کسی کا قول ہے کہ خندہ پیشانی ہونا خوبصورت ہونے سے بہتر ہے اچھی اچھی تصویرون یا صورتوں کو دیکھ کر کوئی اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا خوش اخلاق آدمی سے ملے۔ چند مہربانی کے الفاظ یا جملہ دل کو سوہ لینے کو کافی ہوتے ہیں یا کوئی ذرا سا فضل یا کوئی عنایت دل میں گھر کر لیتی ہے۔ ہمارے افعال و اقوال سے

ہماری طبیعت کا اندازہ ہوتا ہے پس دلون میں گھر کرنے کا اس سے بہتر طریقہ
 نہیں ہے کہ ہماری مدارات سے لوگ ہمارے گرویدہ ہوں نہ کہ ہم سے بھاگیں۔
 بعض لوگ اگرچہ صاف باطن اور نیک طبیعت ہوتے ہیں مگر اون کی ظاہری
 بیدماغی لوگوں میں اون کی طرف سے سخت پسند یا خشک مزاج ہونے کا غلط
 خیال پیدا کر دیتی ہے۔ اور اسی سبب سے ان کے تمام عمدہ اوصاف کی نصف
 بلکہ اس سے بھی کم قدر کی جاتی ہے۔ ایک میٹھا بول دلون کو مسخر کرنے میں
 وہ کام کرتا ہے جو تلواریں نہیں کر سکتیں۔ اور یہ فتح کرنا حقیقی فتح کرنا ہے۔

لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کی خواہش اس غرض سے
 پیدا ہوتی ہے کہ لوگ ہمارے برتاؤ سے ناراض نہ ہوں۔ امیر ہو یا غریب۔ عقلمند
 ہو یا بے وقوف سب کے ساتھ یکسان مہربانی اور ملاطفت سے پیش آنا چاہئے
 تاکہ دوسروں کو خوشی پہنچے۔ اور اون سے خوشی حاصل ہو۔ ایسے شخص کو کوئی
 پسند نہیں کرتا جو اپنے قول یا فعل سے اشارۃً یا کنایتہً بھی کسی پر نکتہ چینی کرے
 یا اوس کی تضحیک و تذلیل کرنا یا اپنے منہ میان مٹھو بکرا اپنے تئیں بڑا جتنا
 چاہتا ہو۔ حتیٰ کہ اگر احسان بھی چین بہ جبین ہو کر کے جائیں تو محسن الیہ کے
 دل پر احسان مندی کا احساس نہیں ہوتا اور احسان کی قیمت جاتی رہتی ہے
 خوش اخلاقی ایسی چیز ہے کہ اوس پر خرچ تو کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن اوس سے
 بہت کچھ مل جاتا ہے جس شخص کا دل ہاتھ میں لاؤ اوس کا رویہ بھی ہاتھ
 آجاتا ہے۔ اور جہان طاقت اور قوت کا زور نہیں چلتا وہاں میٹھی میٹھی باتیں
 کام بنالیتی ہیں۔ اکثر لوگ جن میں ہنرمندی کا جوہر نہیں ہوتا صرف خوش اخلاقی
 اور ظاہری طریقہ مدارات سے اپنے بہت سے کام نکال لیتے ہیں۔ اور بہت سے
 لالچ آدمی اپنی بے دماغی اور خشک مزاجی کے سبب لوگوں کو اپنا دشمن
 بنا لیتے ہیں۔

اشتعالِ طبع اور غصہ کے وقت بھی آگے سے ماہر ہونا اور زمان کو قائل

میں نہ رکھنا انسانیت کے خلاف ہے چہ جائیکہ عام برتاؤ میں۔ لوگوں کی آنکھوں کو اپنے اوضاع و اطوار حرکات و سکنات کی عمدگی سے اور کانوں کو اپنی شیریں کلامی سے اپنی طرف متوجہ کر لو اور پھر یقین جانو کہ ان کے دل بھی تمہاری طرف کھینچ آئیں گے۔

کاروباری آدمی
کو خوش اخلاقی
کی ضرورت

ایک کاروباری آدمی کے لئے خوش اخلاقی بہت ہی ضروری اور لازمی صفت ہے کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے آدمی سے معاملہ کرنا پسند نہیں کرتا جس کی بد مزاجی کے سبب اس سے مل کر خوشی تو نہ حاصل ہو اور طبیعت کو کوفت اور انقباض اُٹھانا پڑے۔ اس لئے تمام تاجروں۔ صنعتاء۔ وکیلوں۔ اور کل ملازمت پیشہ اشخاص کو اپنا طریقہ مدارات بہت ہی لچپ رکھنا چاہئے۔ اور صرف محکوموں یا ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو ہی نہیں بلکہ حاکموں اور اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو بھی۔ کیونکہ اگر ادنیٰ درجہ کے لوگ اپنی بد مزاجی کے سبب اہل معاملہ کو راضی نہ رکھ سکیں گے اور اپنے کاروبار میں نقصان ڈالیں گے تو اعلیٰ درجہ کے لوگ بھی اپنی کج خلقی سے نوکروں اور محکوموں کو اپنے سے بدظن کر کے ان کو متنفر کر لیں گے۔ اور وہ نہ تو کوئی خدمت دل سے انجام دیں گے نہ ان کی طبیعت میں وفاداری اور محبت قائم رہے گی۔ اور اس طرح جب موقع بنیگا علیحدگی اختیار کریں گے یا نقصان پہنچائیں گے۔

مختلف لوگوں کے
ساتھ مدارات کے
طریقے

یہ سچ ہے کہ سہیں لوگوں کے ساتھ مہربانی اور خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہئے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لوگوں کی بد خلقی یا اُن بُرائیوں کا جو اُن میں بہن بالکل خیال نہ کریں۔ یا اپنے برتاؤ میں احتیاط کا خیال نہ رکھیں بلکہ ہر شخص کے ساتھ اس کی حالت اور طبیعت کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے اگر کوئی شخص بد اطوار ہے تو یہ ضرور نہیں کہ اس سے اجتناب نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ اس قدر شیر و شکر ہوں کہ خود ہمیں نقصان پہنچے۔ بلکہ ہر طبقہ کے ساتھ مدارات کے طریقے جدا جدا ہیں۔

حقیقی دوستوں کے ساتھ خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے دلی خلوص محبت و عزت اور یگانگت سے پیش آنا اون کے رنج و راحت میں شریک ہونا اور اون کی مدد کرنا۔ اپنی مشکلات کے وقت اون سے مشورہ کرنا بلکہ ہر قسم کی مدد طلب کرنا جائز ہے۔

دوستان غیر حقیقی سے بھی جو صرف زبانی باتیں بناتے اور تعلق و ظاہر داری سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں مہربانی اور کشادہ پیشانی سے پیش آنا اور اپنی استطاعت کے موافق اون کی حاجت روائی کرنا مناسب ہے تاکہ دوستی کو ترقی ہو۔ اور رفتہ رفتہ حقیقی دوست کے درجہ پر پہنچ جائیں۔ لیکن ان لوگوں سے اپنے راز چھپانے چاہئیں۔ اور بہت اعتماد و بھروسہ نہ کیا جائے۔

دشمنوں کے ساتھ اگر مدارات اور تلطف سے کام چل سکے تو ضرور ہے کہ اون کے دل میں گھر کر کے سبب دشمنی کو زائل کیا جائے۔ تاکہ اگر وہ دوست نہ بنیں تو دشمن بھی نہ رہیں۔ اگر یہ مطلب روپیہ صرف کر کے بھی حاصل ہو سکے تو ہرگز دریغ نہ کرنا چاہئے۔ اوس شخص سے زیادہ کون بے فکر ہو سکتا ہے جس کا کوئی دشمن نہ ہو اور اگر دشمن اظہار دشمنی نہ کرے۔ تو خود اُسے کبھی نہیں چھیڑنا چاہئے۔ بلکہ اوس کی بہت سی ناپسندیدہ باتوں کا تحمل کرنا اور ٹال جانا مناسب ہے۔ تاکہ عداوت زیادہ نہ ہو۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ عمر گرا نہا یہ فتنہ و فساد میں کٹے اور آتش غضب دل کو جلا کر خاک کرے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ انسان دشمن کے حالات اور عیوب سے واقفیت حاصل کرے۔ اور جہان تک ممکن ہو اوس پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔ لیکن نہ اس طرح کہ آشکارا ہو یا اوسے دشمنی کا اور موقع ملے۔ بلکہ اس طرح کہ اگر وہ دشمنی پر جا رہے تو اوس کی مضر تون کو دور کرنے کے لئے کام آ سکے۔ اور اگر دشمنی سے باز آئے اوصلح کی طرف مائل ہو تو اپنی کارروائیوں سے نہ اوسے آگاہی ہو نہ یہ کارروائیوں صلح میں بارج ہوں۔

دوستان حقیقی کے ساتھ مدارات

دوستان غیر حقیقی کے ساتھ مدارات

دشمنوں کے ساتھ مدارات

انسان کو ایسے بہت سے استخاص کے ساتھ معاشرت کا اتفاق ہوتا ہے جو نہ دوست ہوں نہ دشمن اور ان کے ساتھ گزارا کرنے کے لئے بہت بڑی مردم شناسی کی ضرورت ہے۔ کتاب کا مطالعہ آسان ہے لیکن لوگوں کی طبیعت اور فطرت کا مطالعہ کرنا بہت مشکل ہے۔ طریقہ معاشرت یہ ہونا چاہئے۔ کہ ہر ادنیٰ اور اعلیٰ کا اوس کے مرتبہ کے موافق اعزاز کیا جائے اور اپنے کسی قول و فعل بلکہ کسی حرکت سے بھی اوس کی دل آزاری یا تضحیک نہ کی جائے۔ اگر ممکن ہو تو حسب موقع اظہار اخلاص یا مناسب معاونت سے اوس کے دل میں دوستی اور محبت قائم کریں۔ تاکہ ہر شخص حسن اخلاق کا مداح رہے۔ اور اگر ایک مدت تک اوس کے ساتھ موافقت کا اتفاق ہو تو دوست بن جائے لیکن پہلے ہی کسی کی ظاہری باتوں پر فریفتہ ہو کر اوس سے شیر و شکر ہونا اور اپنا راز دانا بنانا یا بغیر امتحان کئے اوس پر اعتماد کرنا احتیاط کے خلاف ہے۔ ممکن ہے کہ وہ خود غرض ہو اور کچھ اپنا کام نکالنے کے لئے اظہار موافقت کرتا ہو۔ لیکن اتنی بدگمانی بھی نہیں چاہئے کہ خواہ مخواہ کسی کو اپنا مخالف یا دشمن سمجھ لیں۔

۲۔ سیاست خرم

نوکر بہت سی تنخواہ دینے سے اتنے راضی نہیں رہتے جتنی نرمی اور انست کے برتاؤ سے خوش ہوتے ہیں۔ ہر شخص کو اپنی ذاتی عزت و وقعت کا کچھ نہ کچھ خیال ہوتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ اوس کے خلاف برتاؤ کیا جائے تو وہ جڑ جاتا ہے۔ بلکہ بد زبان آقاؤں کی عزت خادموں کے دل میں باقی نہیں رہتی۔ جو لوگ اپنے نوکروں کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں اور ان کو بُرے الفاظ نہیں کہتے نوکر ان کے گردیدہ ہو جاتے ہیں اور ایسے آقاؤں کی خدمت دلی جوش سے کرتے اور ان کے راحت اور آرام کا خیال رکھتے ہیں ان کی خدمت بد دلی سے نہیں بلکہ طبعی جوش اور خواہش سے ہوتی ہے۔ آقا اکثر چاہتے ہیں کہ نوکر ایسے بے نفس ہوں کہ وہ ان کے ہر بُرے لفظ اور بُری عاد

برداشت کرین یہ لوگ گویا تنخواہ نہیں دیتے۔ احسان کرتے ہیں۔ اور اپنے راحت و
 آرام کے آگے نوکر کی جان اور آرام کا ذرا لحاظ نہیں کرتے۔ اور اس کو کوٹھو کے
 بل کی طرح دن رات پیلنا چاہتے ہیں۔ ایسے نوکر یا تو بد دل ہو کر نوکری چھوڑ دیتے
 ہیں۔ یا بد دلی کے سبب اچھی طرح کام انجام نہیں دیتے۔ جب ان سے بہت سے
 غیر ضروری کام لئے جاتے ہیں۔ تو وہ ضروری کاموں میں غفلت کرنے کے عادی
 ہو جاتے ہیں۔ اور عدیم الفرصتی کا بہانہ بنا دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے بھی
 ہیں جن کے خادم ان کی بہت اچھی طرح خدمت کرتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے
 کہ یہ لوگ نوکروں کے ساتھ رعایت کرتے ہیں۔ اور ان کی عقل اور طاقت کے
 موافق ان سے کام لیتے ہیں۔ ہر شخص کا کام اور وقت مخصوص کر دیتے ہیں
 اور ان کو اتنی مہلت دیتے ہیں کہ وہ اپنی ضروریات بھی پوری کرین یا آرام لے لیں
 خدمتگاری فی نفسہ اتنے خود غرض اور کام چور نہیں ہوتے جتنے آقاؤں کی بے تمیزی
 اور خود غرضی سے کاہل اور نکم حرام بن جاتے ہیں۔ کیونکہ آقا بعض وقت
 نوکروں کو غیر ضروری تکلیف دیتے ہیں اور جب وہ تھکے ہوئے ہوں۔ یا کھانا
 کھا رہے ہوں اس وقت ایسے کاموں کا حکم کرتے ہیں۔ جو ایک عرصہ بعد بھی
 اچھی طرح ہو سکتے ہیں۔ یا بعض کاموں کے کرنے کا بے وقت حکم دیتے ہیں۔
 اور اپنی بھول یا غفلت کا الزام نوکروں کے سر رکھتے ہیں یا ذرا سی غفلت اور
 کام خراب ہونے پر بے تحقیق کئے نوکروں کو زجر و توبیخ شروع کر دیتے ہیں۔

۳۔ ہمدردی

ہمدردی اس خصلت کا نام ہے جس سے دوسروں کو خوش حال دیکھ کر
 خوشی ہوتی ہے اور جو دوسروں کی تکلیف میں مدد دینے کی باعث ہوتی ہے
 یہ تعلق جب صرف ایک شخص کے ساتھ ہو تو دوستی یا اتحاد کہلاتا ہے۔ اور جب
 ایسے بہت سے آدمیوں پر رحم آئے جو تکلیف میں مبتلا ہوں تو اس کا نام رحمہلی
 ہے۔ یہ تعلق جب اور وسیع ہو یا ساری قوم کے حال پر شفقت ہو تو قومی محبت

کھلاتا ہے۔ اور جب تمام انسانوں کے ساتھ یہ تعلق ہو تو اس کا نام انسانی ہمدردی رکھا جاتا ہے۔

احمد دی کا اثر

مہربان اور رحم دل اشخاص اور ون کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا خود اپنے لئے چاہتے ہیں۔ بے سبب کسی کی دل آزاری یا خاطر شکنی کرنا تو درکنار ذرا ذرا سی باتوں میں بھی اور ون کو خوشی پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے کیونکہ اور ون کو راحت پہنچانے کی کوشش کرنے سے خواہ خفیف ہی کیون ہو طبیعت میں خوشی اور اُلوا العز می پیدا ہوتی ہے جو روح کو ترقی دیتی اور انسان کو اعلیٰ مرتبہ کی طرف اُبھارتی ہے۔ ظاہری برتاؤ سے ہی لوگ دلی مہربانی اور باطنی خوبی کو جان سکتے ہیں۔ پس انسان کے افعال و اقوال دونوں ایسے شامل ہونے چاہئیں کہ زمانہ اوس کی حسن اخلاق کا گرویدہ رہے۔ ہاں صرف باتیں ہی باتیں اور ظاہری مدارات نہ ہو بلکہ اوس میں صداقت بھی شامل ہو۔ جس طرح امیرون کی خوشامد کرنا نازیبا ہے اسی طرح غریبوں کو حقارت سے دیکھنا بھی ناروا ہے۔ بلکہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنے سے انسان عند اللہ ناجور اور عبد الناس مشکور ہوتا ہے۔ رشتہ داروں اور اویسے لوگوں سے تو جن سے قدرت نے محبت کے رشتہ میں جکڑ دیا ہے سب ہی محبت کیا کرتے ہیں۔ انسانیت یہ ہے کہ غریبوں کے ساتھ اپنوں سے زیادہ عمدہ برتاؤ ہو اور اپنے ملک اپنی قوم اپنے اہل خانہ جنس کے واسطے خواہ تخلیفین سہین مصیبتیں جھیلین ہدف سہام ملامت بنیں۔ مگر سعی کریں اور نہ کسی سے صلہ کی تمنا ہو نہ انعام کی خواہش۔ یہ صفت اوس وقت پیدا ہوتی ہے کہ انسان خود غرضی کو دور کرے اور اپنی نفسانی اور ذاتی خواہشوں کے پورا کرنے میں ساری ہمت نہ صرف کر دے۔ ہم دنیا میں بعض جانوروں کی طرح بے لگاؤ نہیں پیدا ہوئے بلکہ قدرت نے ہمیں مدنی بالطبع بنایا ہے اور ہمارے اغراض اور حاجتیں ایک دوسرے سے وابستہ کی گئی ہیں تاکہ لوگوں میں سلوک اور ہمدردی پیدا ہو۔ سب ملکر رہیں۔ عدالت اور محبت کے قوانین پر عمل کریں۔

انسانیت

اپنے ہاتھ پاؤں سے۔ زبان سے۔ قلم سے۔ روپیہ سے۔ نصیحت سے۔ ملامت سے
 غرض جس طرح کسی کو کوئی اصلی فائدہ پہونچ سکے۔ اوس کے پہونچانے میں سعی کریں
 اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ شہرت حاصل کرنے یا حکام و پبلک کی نظر میں اعتبار و وقعت
 قائم کرنے کے لئے اکثر لوگ نام و نمود کے کاموں میں تو شریک ہو جاتے ہیں مگر اس
 پاس کے حاجت مندوں کی خبر نہیں لیتے۔ دراصل ایک لازم یہ ہے کہ سب سے پہلے
 قریبی حاجتمندوں کی حاجتیں روا کی جائیں۔ اپنا شہر۔ اپنی قوم۔ اپنا ملک اول
 ہمدردی کا مستحق ہے۔ اور پھر کل انبا سے جس۔ قدرت جس طرح کسی گناہ کی
 سزا دے بغیر نہیں رہتی۔ کسی بھلائی کو بے انعام بھی نہیں چھوڑتی۔ دوسروں
 پر مہربانی کرنے سے خود اپنی خوشیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ سنیکا کا قول ہے کہ
 ”جو لوگ اوروں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں وہ اپنے ہی حق میں بھلا کرتے ہیں
 کیونکہ اُن کے فعل کا نتیجہ بلکہ خود وہ فعل ہی اُن کی ذاتی بھلائی کا باعث
 ہوتا ہے۔ اور اچھے کام کرنے کا یقین ہی طبیعت کے واسطے اعلیٰ درجہ کا
 انعام ہے۔“

مالی حوصلگی

عالی حوصلہ اشخاص اپنی تن پروری نہیں کرتے بلکہ اپنا وقت۔ اپنا مال
 دوسروں کی بہبودی اور قوم کی ترقی کے واسطے صرف کر دیتے ہیں اور حتی الامکان
 سوسائٹی کی خرابی کو رفع اور تکلیف کو دور کرنے میں سعی کرتے ہیں۔ فیاضی دل
 سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ ہاتھوں سے تقسیم مال و دولت صرف دلی جوہر کے اظہار
 کا ایک طریقہ ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص جو ذرا بھی دولت مند نہ ہو اور کسی کو
 کچھ بھی نہ دیتا ہو یا نہ دے سکتا ہو فیاض ہو۔ دیکھنا یہ ہے کہ کسی اور کے ساتھ
 کسی طرح کی بھلائی کرنے میں یا اوس کو کسی قسم کی خوشی پہونچانے میں وہ کچھ کرتا
 ہے یا نہیں۔ فیاضی وہی خواہی خلافت ایک طبعی خصلت ہے۔ جس کا منقضہ
 یہ ہے کہ انسان اوروں کی محبت۔ ہمدردی و مدد پر بلا تکلف مائل ہوتا ہے
 اور محتاجوں کی معاونت کرتا ہے۔

دوسروں کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنے کا بہترین طریق یہ ہے کہ انسان یہ سوچے کہ اگر ہم اس کی جگہ اس حالت میں ہوتے تو ہم پر کیا گزرتی۔ اور پھر یہ خیال کرے کہ انقلابات زمانہ کے آگے اس حالت میں گرفتار کر دینا نہ مشکل ہے نہ بعید۔ زمانہ کو نہ بگاڑتے دیر لگے نہ بناتے۔ پھر شاید ہمیں بھی کبھی ایسی ہی نازک حالت میں کسی کی مدد کی ضرورت ہو۔

ہمدردی ایک برقی قوت ہے کہ دلون میں دوڑی ہوئی ہے اور قوی سے نکل کر کمزور تک پہنچتی ہے باہمی ہمدردی سے نہ صرف غم غلط ہوتے ہیں بلکہ ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بندھ جاتی ہیں۔ مہربانی آمیز کلمات اور ہمدردانہ الطاف دلون کو تقویت دیتے ہیں۔ ہمدردی۔ ظلم۔ جہالت۔ مصیبت پر اپنا متبرک ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور لوگوں کو کم کرنے اور تسکین دینے کی کوشش کرتی ہے۔

ہمدردی بنی نوع انسان کو افلاس اور نکبت سے نکال کر اون کی حالتوں کو درست اور درجہ کو بلند اور قابلیتوں کو مکمل کرتی ہے۔ ہمدردی تہذیب کو دور دور تک پھیلاتی ہے اور لوگوں کو اخوت اور یگانگت کا سبق پڑھاتی ہے۔ پس جن لوگوں کو خدا نے دولت مقدرت۔ علم۔ لیاقت۔ ہمت دی ہے۔ اون کا فرض ہے کہ وقت کا کچھ حصہ عوام کی بھی خواہی میں صرف کریں۔ جس قدر ہم کسی شخص سے محبت کرتے ہیں اسی قدر اوس کے رنج ہمارے رنج اور اوس کی خوشحالی ہماری خوشحالی ہو جاتی ہیں۔ ہمسا یوں سے محبت۔ اور اپنا بے جس کی کارروائی اور معاونت۔ لوگوں کی تکالیف اور مصیبت کو کم کرنے کی خواہش اور دنیا کو زیادہ خوش اور زیادہ بہتر حالت میں چھوڑنے کی آرزو صرف دوسروں ہی کو آرام و راحت پہنچانے کا باعث ہوتی ہے بلکہ اپنی خوشی کی مقدار بھی دو چند بلکہ دو چند کر دیتی ہے۔ اپنے سے کمزور یا اونے درجہ کے آدمیوں پر رحم نہ کرنا نہ صرف سنگ دلی ہے بلکہ خلاف شان انسانیت ہے۔ اس کے علاوہ خطا وار۔ گنہگار پر رحم کرنا بھی ہمت و حوصلہ کا کام ہے۔ ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ اوس کی غلط

بٹنے سے نہ تو دوسروں کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو نہ اوس پر رحم کرنا انصاف
کے خلاف ہو۔ ورنہ ایسے شخص پر رحم کرنا دوسروں پر ظلم کرنا ہے۔

انسان تو انسان جانوروں سے بھی بدسلوکی خبیث نفس اور سنگدلی کی علامت
ہے۔ جو شخص بے زبان جانوروں پر رحم نہ کرے ہرگز اوس کے دل میں رحم کا مادہ
نہیں۔ اگر وہ اپنے ابنائے جنس کے ساتھ بُرے سلوک نہیں کرتا تو یا تو اوسے لوگوں
کی شکایت کا خوف ہے یا حاکم کے انصاف کا ڈر ہے۔ بے چارے بے زبان
جانور بھی جان رکھتے ہیں۔ ان کو بھی عقل حیوانی دی گئی ہے۔ خوف ان کے دل پر
طاری ہوتا ہے۔ آرام و مہربانی سے خوش ہوتے ہیں۔ تکلیف سے بھاگتے ہیں۔
ڈر سے کانپتے ہیں۔ محنت سے تھکتے ہیں۔ بھوک پیاس مار پیٹ اور بدسلوکی سے
متاؤمی ہوتے ہیں۔ واویلا کرتے ہیں۔ غرض وہ بے حس نہیں ہیں پھر کس طرح
اون پر ظلم روا رکھا جائے۔ اگر وہ انسان کی طرح نہیں بولتے تو زبان حال سے
اظہار کے بغیر نہیں رہتے۔ پس جو شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جانوروں میں جس موجود
ہے اور پھر عمداً اُن کو تکلیف دیتا ہے سنگدلی نہیں تو کیا ہے۔ اوسے صرف اس قدر
خیال کر لینا چاہئے کہ اگر کوئی زبردست اسی طرح اوس کے ساتھ سلوک کرے اور
منہ بند کر کے اُٹ بھی نہ کرنے دے تو اوس پر کیا گزرے گی۔

زمیر پائیت گربدانی حال مور ہچو حال تست زیر پائے پیل

جانور بھی خدا نے پیدا کئے ہیں نہ انسان نے۔ پس انسان کو کسی طرح
حق نہیں ہے کہ خدا کی مخلوق کو بلا وجہ آزار دے۔ اگرچہ انسان دنیا میں اشرف
والفضل بنایا گیا ہے لیکن اوس کے حقوق غیر متناہی نہیں ہیں اور وہ اپنے اعمال
کا جواب دہ بھی ہے۔ جانور ہماری خدمت کے لئے ہیں مگر یہ فرض ہے کہ اون سے
مناسب خدمت لی جائے اور طاقت سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔ اور اون کے
ساتھ بے پروائی یا بدسلوکی نہ کی جائے۔ یہ بھی فرض ہے کہ اون کی پرداخت
اور نگہداشت پوری پوری طرح کریں۔ اون کو بھوکا نہ ماریں۔ اون کے آرام کا

بھی خیال رکھیں۔ افسوس ہے کہ کچھ تو دلوں میں رحم کم ہے اور کچھ بے پروائی نے ان مظلوموں پر اور ستم ڈھار رکھا ہے۔

۴۔ دوستی

دوستی کے فوائد

اگرچہ ہمدردی۔ رحم۔ التفات ہر شخص کے ساتھ ہونا چاہئے الا اگر خاص خاص اشخاص کے ساتھ خاص خاص روابط ہوں اور دلی تعلقات زیادہ تر باہمی ہوتے ہیں اتحاد کا سبب ہوں تو ناجائز نہیں بلکہ مناسب ہے۔ کیونکہ دوست باہمی فوائد کو ترقی دینے میں ساعی اور مدد ہوتے ہیں۔ انسان کو بمقتضائے فطرت کسی غمگسار ہمدرد۔ بے تکلف بلیس کی ضرورت ہے کہ مصیبت میں دل بہلانے والا ضرورت میں کام آئے والا۔ وقتوں میں ہاتھ بٹانے والا ہو نیز عمدہ مشیر۔ صلاح کار اور ناصح ہو۔ لیکن کا قول ہے کہ ”وفادار دوست عمدہ پناہ ہے اور جسے ایسا دوست مل گیا اسے بیش بہا خزانہ مل گیا“ لہٰذا کا قول ہے کہ ”دوستی انسان کی زندگی کا جوہر ہے“ سچا دوست ایک قیمتی خزانہ سے زیادہ بہتر اور زیادہ بکار آمد ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ فی زمانہ روپیہ حاصل کرنے کے لئے تو بہت سی کھکیر اٹھائی جاتی ہے لیکن کسی کو دوست بنانے کے لئے ذرا بھی تکلیف نہیں اٹھاتے۔ سقراط کا قول ہے کہ لوگ مکان۔ زمین۔ غلام۔ مولیشی اور طرح طرح کی چیزیں خریدنے میں بڑی احتیاط کرتے ہیں اور جب کوئی اچھی چیز ان کے ہاتھ لگ جاتی ہے تو اس کی حفاظت بھی بہت کرتے ہیں لیکن دوست اگرچہ ان چیزوں سے زیادہ خوشی بخشتا ہے لیکن چند ہی لوگ ہیں کہ ایک مخلص دوست کی تلاش کرتے ہوں۔ یا جب ایک اچھا دوست مل جائے تو اس کی محبت اور ہمدردی کی قدر اور حفاظت کریں۔ ایک حقیقی دوست اپنے دوست کی حاجت برآرمی کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی جان کی میان تک حفاظت کرتا ہے کہ اگر دشمن اس پر حملہ کرے تو اپنی جان لڑانے کو مستعد ہو جاتا ہے۔ خوش حالی کے زمانہ میں اس کی صحبت لطف زندگی کو بڑھاتی اور بد حالی کے زمانہ میں مصائب گھٹاتی ہے۔ یہ کیسی حالت

کی بات ہے کہ اس امید پر کہ دھورے سے اپنے چل ھٹائے تو یقین سے لوں میں دوست
 کرتے اور باغیچہ لگاتے ہیں اور محبت کی زمین میں جو نہایت فائدہ بخش اور
 بہت زرخیز ہے اور جہان سے کہ عمدہ عمدہ پھل ملنے یقینی ہیں کچھ بھی نہیں بولتے
 دنیا کی سیر خوشی آرام راحت کے سامان دوستوں کے بغیر بد فہم معلوم
 ہوتے ہیں اور معمولی دل چسپان دوستوں کے ساتھ نہایت دل خوش کن اور
 فرحت بخش ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ قابل قدر دوستوں کی صلاح ہے کیونکہ
 غیروں کو چونکہ پوری پوری ہمدردی نہیں ہوتی ان کی رائے یا تو سرسری ہوتی
 ہے یا کسی نہ کسی طرف داری پر مبنی ہوتی ہے۔ لیکن کہتا ہے کہ ”اپنے معاملات میں
 کسی شخص کی اپنی صلاح اور دوست کی صلاح میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ خوش
 اور آزادی میں ہے۔ کیونکہ انسان اپنے نفس کے دھوکہ میں بہت گرفتار ہوتا
 ہے اور اپنے نفسانی دھوکہ سے بچنے کا علاج دوست کی آزادی سے زیادہ
 نہیں“ دوست کی وفاداری۔ جان نثاری۔ مدد کی مثالوں سے تاریخ کے صفحے
 بھرے پڑے ہیں۔ دوستانہ ہمدردی۔ اُلوالعزمی۔ شرافت۔ دلیری کا نشان
 ہے۔ بہت سے کام انسان اپنے واسطے نہیں کر سکتا مثلاً اپنے اوصاف یا قابلیتوں
 کی ستائش۔ لیکن دوست اسے شہرت دیتے ہیں۔ یا مثلاً نامکمل کام اور
 بعض تمنائیں جو موت پوری نہیں کرنے دیتی دوست ہمارے موافق انھیں
 پورا کر دیتے ہیں۔

دوستوں کی
 نکتہ چینی

سچے دوست خوشامد نہیں کرتے بلکہ عیوب پر ملامت کرتے ہیں وہ جس
 طرح دوست کے محاسن اخلاق کو دنیا میں شہرت دیتے ہیں۔ اسی طرح اوس کے
 عیوب کو اوس کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اور پوری نکتہ چینی سے کام لیتے ہیں
 مگر اس کا مطلب اصلاح اور دوست کی ہی خواہی ہوتا ہے تاکہ وہ اوروں کی
 نظروں میں حقیر نہ ہو۔ اور اوس کا دامن کمال داغ عیوب سے پاک و صاف
 نظر آئے۔ ایسے دوستوں سے کہ صرف تعریفیں ہی کریں دشمن بہتر کہ ان کی

مترہ پیسی سے ہو مہر ہونے کا اصل کریم ہیں۔

از صحبت دوستے بر ختم کا خلاق بدم حسن نہ ساید
عظیم ہنس و صواب بیند خاتم گل و باہمن نہ ساید
کو دشمن شوخ چشم بیباک تا عیب مرا بہمن نہ ساید

غلام فہمی

اگر کبھی کسی دوست سے کوئی غلط فہمی ہو جائے تو اسے عیب نہ خیال کرنا چاہیے بلکہ سمجھ لو کہ اس نے اپنی رائے کے موافق بہتر خیال کیا ہے۔ انسان مختلف الطباع اور مختلف الارہین اور اس سبب سے کبھی کسی خاص امر پر اختلاف ہونا کسی خفیت شکر بخشی کے باعث ملال و شکایت پیدا ہونی ممکن ہے مگر اسے دل میں جگہ دیکر دوست کی خوبیوں کو بر باد نہ کرنا زیبائین۔ اور جلدی سے لڑ جھگڑ کر رشتہ نمودت توڑنا نامناسب ہے۔ بلکہ طبیعت کو روکنا اور دوسرے وقت جب جوش کم ہو جائے غور و انصاف کرنا لازم ہے تاکہ اصل حقیقت معلوم ہو جائے اور شتاب زدگی کی پشیمانی نہ اٹھانی پڑے۔

پسے اور جھوٹے دوست

سچے اور وفادار دوست دنیا میں بہت مشکل سے ملتے ہیں اور بہت کم ہوتے ہیں۔ اگر ایک دوست بھی مل جائے تو غنیمت ہے۔ دوستوں کے انتخاب میں اون کی عمدہ خوبیوں اور ذاتی جوہروں اور وفاداری کا لحاظ رکھنا بہت ضرور ہے۔ بڑا دوست ہونے سے نہ ہونا بہتر ہے۔ جھوٹی دوستی کا دعویٰ گریو آئے یا کسی لالچ یا ذاتی فائدہ یا زمانہ عیش میں لطف اٹھانے کی خاطر بہت سے لوگ دوستی کا دم بھرنے لگتے ہیں۔ لیکن یہ بدترین مصاحب اور بدتر از دشمن ہیں۔ کیونکہ دوستی کے پردہ میں لوٹتے اور خراب کرتے ہیں۔ جو شاید دشمن بھی نہ کرے ایسوں سے وفاداری کی امید محض نافرمانی ہے۔ ایسے لوگ زمانہ کی ہوا بدلتے ہی منتشر ہو جاتے ہیں۔ اور چہر بات بھی نہیں پوچھتے۔ مصیبت اور ضرورت کے وقت دوستی کے امتحان میں پورے اترنے والے اور جان و مال سے مدد کرنے والے حقیقی دوست ہیں۔ اقبال مندی کے زمانہ میں تو اپنے بیگانے سب ہی یگانگت

جھوٹے دوستوں
کے نقصانات

بعض اوقات ایسے خراب اور واہی مصاحبوں کی جماعت ہی بربادی کا
سبب ہوتی ہے کیونکہ یہ دوستی کے پردہ میں بیخ کنی کرتے ہیں۔ فضول لہو و
لعب و ناشائستہ افعال میں پھنساتے ہیں۔ غرض کل امور جن سے سچا دوست
متنبہ کرتا ہے یہ جھوٹے دعویدار ان کی طرف راعب کرتے ہیں۔ ان کی صحبت
اخلاق کے حق میں زہر۔ ترقی اور اکتساب کمال کے حق میں روک۔ ان کی
بے حیا خوشامد اور دھوکہ بازی بربادی کا باعث ہوتی ہے۔ لہذا کسی شخص کو
بغیر سوچے سمجھے دل میں دوستی کی جگہ نہ دینی چاہئے خصوصاً جاہل و بد وضع
اشخاص سے تو کمال درجہ پر ہیز کرنا لازم ہے۔

بڑے دوستوں کا
اثر خراب کرتا ہے

انسان کی طبیعت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ بے تکلفی اور قیود و تہذیب سے
آزادی پسند کرتا ہے۔ اور اس میں دوستوں کے اوصناع و اطوار کے چربے
اتارنے اور اون کی اخلاق سے متاثر ہونے کا بھی بہت مادہ ہے۔ پس
آوارہ مزاج شخصوں سے ملنے میں ڈر یہ ہے کہ کہیں اون کے رفیل خصائل
اپنی طبیعت میں نہ اثر کر جائیں۔ نوجوانوں کو خصوصیت سے یہ احتیاط رکھنی
چاہئے کہ جن لوگوں کے اوصناع و اطوار شرف و فضلا کے نزدیک ناشائستہ ہوں
اون سے پرہیز کریں کیونکہ آئندہ طبیعت نہ صرف اون کی بعض عادات اختیار
کر لیتی ہے بلکہ تمام حرکات و سکنات افعال و اقوال خیالات کل اُسی رنگ میں
رنگے جاتے ہیں۔

اول اول تو ایسا ہوتا ہے کہ افعال شنیعہ مکروہ معلوم ہوتے ہیں
اور طبیعت اون سے اجتناب کرتی ہے لیکن پھر اوس کا دیکھنا گوارا ہو جاتا ہے
اور کباب کی کراہت زائل ہو جاتی اور رفتہ رفتہ خود اوسی میں گرفتار ہو جاتی ہے
خود غرض۔ اوباش اور بازاری آدمیوں کی صحبت انسان کے رویہ پر بہت بڑا
اثر ڈالتی ہے اور اوس کو اپنے رنگ میں رنگ کر اوس کی شرافت۔ صداقت

اور مردانگی کا جو ہر کھو دیتی ہے اور وہی خراب اور تباہ کن جذبات جو اوس
 سوسائٹی میں عام طور پر پھیلے ہوئے تھے اس شخص کی طبیعت میں بھی جاگزن
 ہو جاتے ہیں۔ دل میں تنگی اور سیاہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اخلاقی حالت کمزور
 ہو جاتی ہے اور اوس میں الوا العزمی اور جرأت باقی نہیں رہتی اس کے برخلاف
 ایسے لوگوں کی صحبت جو اپنے سے زیادہ عاقل فہیم۔ عالم۔ تجربہ کار ہیں۔ ضرور
 تقویت پہونچاتی اور فائدہ بخشتی ہے۔ وہ خود ہمارے علم کو زیادہ کرتے ہیں
 اور اون کی باتیں سن سن کر ہم اپنی غلط رایوں کی تصحیح کرتے ہیں۔ مشاہدہ اور
 تجربہ کے میدان میں جب انسان اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور عالم شخص کو دیکھتا
 ہے تو اون کی راحت و تکلیف کے ہر واقعہ سے اوس کو سبق ملتا ہے۔ غرض
 دانا اور عالم آدمی کی صحبت رویہ پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔ انسان کے ارادوں
 کو بلند اور نظر کو وسیع کرتی اور دل کو ناگوار خیالات کے بوجھ سے ہلکا کرتی ہے
 عقل و فراست کو چلا دیتی ذکاوت اور علم میں ترقی ہوتی اچھی اور نیک رائیں
 قائم ہوتی ہیں۔

لایق دوستوں کا اثر
 لایق بنانا ہے

مختلف انسانوں کے طبائع اور خصائل معلوم کرنے سے زیادہ مفید
 کوئی سائنس نہیں۔ آدمی کی شناخت مشکل کام ہے لیکن جب ملکہ پیدا ہو جائے
 تو اس سے یہ سہولت پیدا ہوتی ہے کہ جو شخص جس قدر بھروسہ کرنے کے لائق
 ہو اسی قدر اوس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ بعض اشخاص کسی خاص کام کی
 خوب مہارت اور قابلیت رکھتے ہیں اون سے وہی کام لینا زیادہ مناسب
 ہوتا ہے اگر بے سوچے سمجھے ہر امر میں اون پر بھروسہ کر لیا جائے تو نقصان اٹھانا
 پڑتا ہے اور یہ اون کا مقصور نہیں بلکہ اپنا مقصور ہے کہ اون کی قابلیت کو اچھی طرح
 نہ جانچا کہ کس کام آسکتی ہیں۔

ہر سائنس کی
 ضرورت

۵۔ سخاوت

سخاوت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس قدر ضرورت ہے اتنا ہی اون

سخاوت کی تعریف

لوگوں کو دیا جائے جو اس خیرات کے مستحق ہوں۔ کیونکہ اگر غیر مستحقین کو دیا جائے تو وہ سخاوت کی حد سے خارج ہوگا۔ یہ بھی سخاوت نہیں ہے کہ اپنی استطاعت یا دوسرے کی ضرورت سے زیادہ دے بلکہ جس طرح ہر کام میں طریقہ اعتدال ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے اسی طرح خیرات بھی اسی وقت تک مستحسن ہے کہ عدالت کے خلاف نہ ہو۔ نفس میں جب سخاوت کا یہ ملک پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو حاجتمندوں کی مدد کرنے میں تامل نہیں ہوتا تو بہت سی خوبیاں انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں مثلاً کرم۔ ایثار۔ عفو۔ مروت۔ نیل۔ مواسات۔ سماحت۔ مسامحت۔

کرم یہ ہے کہ رفاه عام کے کاموں میں جن کا نفع عام ہو یا جن سے ملک و قوم کے بہت سے افراد مستفید ہو سکتے ہوں بہت سارے صرف کرنا بھی گرانہ گذرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کام میں مدد دینا اقتضا مصلحت ہو ورنہ ایسے کاموں میں چندے دینا جو ملک کے نفع یا فائدہ کی غرض سے نہیں ہیں کرم نہیں ہے۔

ایثار زیادہ دشوار اور بہت فیاضی کا کام ہے کہ جس چیز کی اپنے تئیں حاجت ہے اگر دوسرے شخص کو بھی اس کی ضرورت ہے تو اس کو دیدے اور خود استعمال نہ کرے۔ مگر اس میں یہ دیکھ لینا ضرور ہے کہ دوسرے شخص کی حاجت اتنی شدید ہو کہ وہ اسے پورا نہ کر سکتا ہو ورنہ اپنی حاجت بند کر کے صاحب استطاعت کو دینا ایثار نہیں ہے۔

عفو۔ وہ شریف ملک ہے کہ جس شخص سے کوئی رنج یا نقصان یا بدی پہونچی ہو اور اس پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ اسے مراد سے سکین یا اس کا بدلہ لے سکین لیکن معاف کر دین اور طبیعت کو یہ ملال نہ ہو کہ کیوں اس سے بدلہ نہ لیا۔

مروت۔ دوسروں کا کام کرتے یا اون کو کوئی فائدہ پہونچانے کی

رغبت کا نام ہے کہ جس قدر اپنے امکان میں ہے اُتنا نہ کرے تو طبیعت کو ملال ہو۔

نیل۔ نفس پر قدرت حاصل کرنا ہے کہ اوس کو افعال پسندیدہ اور خصائل نیک کی طرف نہ صرف توجہ ہو بلکہ اوس پر عمل بھی کرے۔

یارون۔ دوستوں۔ رشتہ داروں کو معیشت میں اپنے ساتھ شریک کرنا اور مستحقوں کو قوت و مال سے مدد دینا مواسات کہلاتا ہے۔

سماحت۔ بخشش کرنا ہے کہ جو چیز کسی کو دینی اور بخشی واجب نہیں ہے اور قانوناً اور شرعاً ہماری ملک اور ہمارا حق ہے وہ بخوشی دوسروں کو دیدین۔

مسامحت۔ کسی شخص سے کوئی چیز لینے یا نہ لینے کا اختیار حاصل ہو لیکن نہ لین اور اوس کو بخش دین۔

دوسروں کو کچھ دینا تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو زکوٰۃ۔ صدقہ۔ نذر۔ یعنی حکم الہی اور قانون شریعت کے بموجب دینا۔ دوسرے بطریق انعام و اکرام و ایثار۔ جیسے ہدیہ و تحفہ دینا۔ تیسرے کسی فائدہ یا نفع کے حاصل کرنے یا کسی نقصان کے روکنے کے لئے دینا۔ تیسری شق تو خیرات سے خارج ہے۔ البتہ

اول کی دو سخاوت و خیرات کی مد میں آسکتی ہیں۔ بشرطیکہ دائرہ اعتدال سے خارج نہ ہوں۔ اور مستحقین کو دی جائیں۔ زکوٰۃ و صدقہ احکام شریعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کے لئے یہ شرط ہے کہ جو کچھ دے بہ طیب خاطر ہے

اور نہ بظاہر نہ دل میں یہ ملال پیدا ہو کہ کیوں دیا۔ اگر برصحاء و غنیت نہ دیا جائے تو ایسا دنیا کچھ کام نہیں دے سکتا۔ دوم یہ کہ خیرات خاص اللہ کے واسطے ہو اور اپنی ذاتی کوئی غرض اوس میں نہ ہو۔ سوم۔ مستحقین اور ایسے لوگوں کو دیا جائے جو واقعی محتاج ہوں۔ چہارم جو کچھ دے حتی الامکان پوشیدہ ہے

پنجم جو کچھ دینا ہو اوس میں بے وجہ دیر اور تاقل نہ کرے تاکہ الم انتظار خیرات کی لذت کو نہ کھو دے۔

نیل

مواسات

سماحت

مسامحت

دوسروں کو
دینے کے اقسام

زکوٰۃ و صدقہ کی
شرائط

سختی و تنگدستی کے لئے
ضرورت ہے کہ ان کے
اپنی خواہشوں کو
روکے۔

دوسروں کو دینے اور اپنے مال سے دوسروں کی مدد کرنے کی قوت اوس
شخص کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جو اپنی آمدنی کو کفایت شعاری سے خرچ کرے
اور اوس کا ایک حصہ اپناے جنس کی خاطر صرف کر سکے۔ شفا خانہ۔ مدارس۔
محتاج خانہ۔ یتیم خانہ۔ نہریں۔ کنوئین۔ سراین۔ پل وغیرہ ایسے بزرگ قائم
کرتے ہیں جن کے دل میں انسان کی ہمدردی کا اس قدر مادہ ہوتا ہے کہ وہ
اون کے واسطے اپنی نفسانی خواہشوں کو روک سکتے ہیں اور اپنا روپیہ فضول
برباد نہیں کرتے۔ بلکہ غریبوں کا جہتہ دون کو اپنے حال میں شریک کرتے ہیں
اور خیرات کے کاموں میں خود اون کو بھی ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسی کہ
اوس شخص کو جس کی وہ مدد کرتے ہیں۔ بلحاظ تمدن ہر شخص کا فرض ہے
کہ وہ دوسرے انسانوں کی مدد کرے اور دوسروں کی مصیبت کے کم کرنے
میں حصہ لے تاکہ کل سوسائٹی میں فلاح اور بہبودی قائم رہے۔ یہ لازم نہیں
ہے کہ دولت مند آدمی ہی دوسروں کا ہاتھ بٹائیے بلکہ ہر شخص کو اپنی استطاعت
کے بموجب خیراتی کاموں میں حصہ لینا چاہئے لیکن جس طرح ذاتی کاموں
میں روپیہ خرچ کرنے کے لئے ضرورت اور عاقبت اندیشی کی حاجت ہے۔
اسی طرح خیراتی امور میں بھی روپیہ صرف کرنا توجہ کا محتاج ہے۔ اگر بے سوچے
سمجھے روپیہ دیدیا جائے تو ممکن ہے کہ بنی نوع انسان کو نفع پہونچانے کی بجائے
وہ نقصان پہونچائے اور بجائے راحت اور مدد کے انسان کیلئے تکلیف اور مصیبت
کا باعث ہو۔ غیر مستحقین کو روپیہ دینا سخت تنگدستی ہے اور ایسی خیرات
محسن البیہ میں سے خود داری۔ عزت۔ اور محنت اور خود اعتمادی کی عادت کو
کھودیتی ہے اور اوس میں پرہیزگاری۔ دیانت داری نہیں قائم رہتی۔ ایسی
خیرات جیسی کہ آج کل رائج ہے غریبوں کا علاج نہیں بلکہ اون کے حق میں
مضر ہے کیونکہ اون کو دوسرے کے مال پر زندگی بسر کرنے اور بھیگ، مانگنے کی
عادت پڑ جاتی ہے اور جس قدر کسب معاش وہ کر سکتے ہیں وہ بھی نہیں کرتے

سختی و تنگدستی کا
غلط طریقہ

اس طرح سوسائٹی میں ایک کثیر جماعت مفت خواروں کی پیدا ہو جاتی ہے اور جب اون لوگوں کو بلا محنت و مشقت ملتا ہے تو باوجود محنت کر سکتے اور اپنی قوت بازو سے پیدا کرنے کی قدرت کے وہ بھی یک مانگنے لگتی ہیں بلکہ ایسے ہتے۔ کتے فقیروں کو جب کسی کام کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اس طرح ایسے لوگ جو ہر طرح کام کر کے کھانے کی قوت رکھتے ہیں خوب پیدا کر لیتے ہیں اور جو واقعی محتاج ہیں اور جو دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانا یا کسی سے طلب کرنا عار سمجھتے ہیں بلا مدد و استعانت رہ جاتے ہیں۔ جو خیرات اس طرح تقسیم کی جائے کہ جو سامنے آگیا اوس کو دیدیا۔ وہ خیرات نہیں روپیہ کا برباد کرنا ہے اور ایسا دینے والا بالکل بھی ہمدرد انسان نہیں ہے سچے ہمدرد وہ ہیں جو دنیا میں سے مصیبت۔ تکلیف۔ احتیاج کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے کے لائق ہو جائیں۔ ہزاروں فقیروں کو کھانا کھلانے سے یہ بہتر ہے کہ ایک تعلیم گاہ۔ ایک صنعتی مدرسہ۔ ایک کارخانہ میں وظیفہ یا چندہ دیا جائے۔ اور فقیروں کو پیسے بانٹنے کی جگہ یہ مناسب ہے کہ ایسے غریب کے لئے جنہیں کام نہیں ملتا کوئی کام جاری کر کے شام کو انہیں مزدوری دی جائے۔ لوگوں میں علم و فن کی ترقی دینا اور اون کی تمدنی حالت کو درست کرنا سب سے بہتر خیرات ہے۔ کیونکہ اس سے لوگوں میں خود اپنی مدد کرنے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اور اون کی حالت ترقی کرتی جاتی ہے۔

خیرات کا
صحیح طریقہ

دوسروں کی مدد کما حقہ کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی دل سوزی۔ دانشمندی اور دور بینی کی ضرورت ہے۔ کسی کا بوجھ اپنے سر دھر لینا اوس کی اچھی طرح مدد کرنا نہیں ہے بلکہ اوس کو اس قابل بنانا کہ خود اپنا بوجھ سنبھال سکے اور اوس میں اتنی ہمت و جرات و قابلیت پیدا کرنا کہ آئندہ زندگی کی کھلیڑ اٹھا سکے اصلی مدد کرنا ہے۔ کسی شخص کو روپیہ دینے کی نسبت ڈھارس دینا

اوس کی بہت بندھانا زیادہ مشکل اور زیادہ مفید ہے۔ دقت اور محنت دولت
 سے زیادہ قیمتی ہیں پس غریب اپناے جنس کی ہی خواہی کی خاطر تھوڑا
 وقت صرف کرنا اور اون کی عام حالت کی درستی کی کوشش کرنا بھی خیرات
 اور فیاضی میں داخل ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ صاحبانِ قدرت
 روپیہ سے مدد نہ کریں بلکہ یہ مراد ہے کہ خیرات کا جو طریقہ آج کل مروج ہے
 یہ بجائے مفید ہونے کے مضر ہے۔ کہ اس نے کاہل اور مفت خوار بکاریوں
 کا ایک گروہ پیدا کر دیا ہے جو باوجود محنت پر قدرت حاصل ہونے کے بھی
 مزدوری نہیں کرتے۔ اور اون غریبوں کی حق تلفی کرتے ہیں جو واقعی معذور
 ہیں۔ انسان کے خصائل میں فطرتاً یہ بات پیدا کی گئی ہے کہ جب اُسے مفت
 اور بے مشقت ملنے لگے تو ذرا سے کام سے بھی جی چرانے لگتا ہے لہذا خیرات
 کے جوش میں اوس کی محنت اور اپنے اوپر بھروسہ کرنے کی قوت کو برباد
 کر دینا اوس کے ساتھ ظلم کرنا ہے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ کسی کو
 روٹی دی جائے اوسے روٹی کمانے کے طریقہ پر لگانا چاہئے۔ اور اس طرح
 مدد کرنی چاہئے کہ وہ خود اپنی مدد کرنے کے قابل ہو جائے مثلاً یتیموں اور
 لاوارثوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ میں مفلسوں کی خاطر صنعت گاہوں میں
 غریب بیوہ عورتوں کے لئے اون کے اکتسابِ معاش کے ذرائع میں معذور
 کے لئے محتاج خانوں میں روپیہ سے مدد دینا خیرات کا اصل منشاء پورا کرنا ہی
 لیکن پیشہ ورفقیوں کو دیکر ملک میں مفت خواروں کی تعداد بڑھانا روپیہ کو
 برباد اور ملک کو خراب کرنا ہے۔ لفظ خیرات کے معنی کی اس غلط فہمی نے
 ملک میں آوارہ گرد اور کاہل فقیروں کی تعداد بہت بڑھا دی ہے۔

باب چہارم

آداب معاشرت

آداب معاشرت
کی تفصیل

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ آداب معاشرت حکمت کا ایک شعبہ ہے اس میں یہ بیان ہے کہ تمدن اور منزل کی جو تدابیر تجربہ سے صحیح ثابت ہوں اور جو نفع سے قریب اور ضرر سے بعید ہوں وہ اختیار کی جائیں۔ جو لوگ کامل الخلق اور صحیح العقل ہیں یا الہام بانی سے مستفیض ہوتے ہیں ان کے اخلاق کو دیکھا جائے اور اوس کے بموجب قواعد مستنبط کئے جائیں یہ بھی دیکھا جائے کہ جو آداب مقرر کئے جاتے ہیں یہ حسن معاشرت اور لطف مشارکت میں مدد دین گے۔ اور ایسے مقاصد ملحوظ رکھے جائیں جو رائے کلی سے پیدا ہوں۔ یعنی ان کی تحریک حیوانات کی طرح کسی طبعی خواہش یا جوش کے پورا کرنے کے لئے نہ ہو لی ہو بلکہ ان میں ایسی منفعت بھی ہو جس کا اثر عام طور پر پھیلتا ہو۔ معاشرت کے اہم مسائل یہ ہیں۔ کھانے پینے کے آداب۔ لوگوں سے ملنے بٹلنے۔ بات چیت کرنے۔ چلنے پھرنے۔ نشست و برخاست کے طریقے۔ سفر کرنا۔ لباس۔ مکان وغیرہ۔ نکاح۔ ولیمہ۔ ولادت پر اظہار خوشی۔ مصائب و رنج کا اظہار۔ مریضوں کی عیادت۔ مجلسوں اور عام لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ میں لوگوں کو مدعو کرنا اور ان سے ملنا۔ لوگوں کے گروہوں میں ان امور کے متعلق خاص خاص رسم و رواج مقرر ہو جاتے ہیں جو بجائے قاعدہ اور ضابطہ کے خیال کئے جاتے ہیں۔ یہ ضوابط عام پسندیدگی کے لحاظ سے مقرر ہوتے ہیں یعنی جن امور کو سب لوگ مستحسن خیال کرتے ہیں ان پر کاربند ہوتے ہیں۔ اور دوسروں کے سامنے خواہ بہ تکلف ہوں قواعد

کی پابندی ضروری خیال کی جاتی ہے۔ تاکہ کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو دوسروں کو ناپسند ہو اور اون کی کبیدگی خاطر یا انقباض کا سبب ہو اسی کا نام تہذیب ہے۔ اور جو لوگ اس کی سختی سے پابندی کرتے ہیں وہ مہذب اور شائستہ کہلاتے ہیں۔ یہم آداب ہر قوم کے جدا جدا ہوتے ہیں اور ہر فرقہ کے لوگ اپنے ہان کے قواعد کو مہذب خیال کرتے ہیں اگرچہ دوسری اقوام او سے پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس واسطے آداب معاشرت کا کوئی ایسا جامع طریقہ مقرر نہیں کیا جاسکتا جو تمام بنی نوع انسان کے لئے یکساں ہو۔ آداب معاشرت کی خوبیاں زیادہ تر اعتباری ہوتی ہیں لیکن تمدن میں حسن اور شائستگی قائم رکھنے کے لئے اس اعتبار کو قائم رکھنا بلکہ ترقی دینا ضرور ہے۔ اور قومیت و اخوت کے خیال کو زیادہ مستحکم رکھنے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ ہر فرقہ اپنے اپنے آداب کی پیروی کرے۔ آداب معاشرت میں گفتگو اور لباس کا بیان کسی قدر وضاحت سے کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ گفتگو

گفتگو اپنے خیالات ظاہر کرنے اور دوسرے شخص کے خیالات اخذ کرنے کا ذریعہ ہے۔ گفتگو خوشی۔ تسکین اور اطمینان بخشی ہے اور وہ غصہ رنج اور فساد پیدا کرتی ہے۔ عقلمند۔ نیک مزاج اور بھلا مانس یا بے وقوف جاہل اور کوہ باطن ثابت کرتی ہے۔ گفتگو لوگوں کی نظروں میں عزت و وقعت اور ہیبت قائم کرتی ہے اور وہی بے عزت ذلیل رسوا اور خوار کر دیتی ہے۔ کبھی ترقی اور حصول مطالب کا سبب ہوتی ہے اور کبھی تنزل اور ناکامی کا باعث۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب احیاء العلوم میں زبان اور اوس کی آفات کا مفصل ذکر لکھا ہے۔ اور خاموشی کے بہت فضائل بیان فرمائے ہیں کل تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ زبان اگرچہ چھوٹا سا گوشت کا ٹکڑا ہے لیکن نعمت الہی اور عجیب و غریب صنعت کا نمونہ ہے۔ زبان سے ایک طرف تو الحاد۔

کفر و گناہ کبیرہ کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف عبودیت اطاعت۔ اور حق کی شہادت ظاہر ہوتی ہے۔ زبان ایسی چیز ہے کہ تمام چیزیں جو انسان کے علم میں ہیں خواہ وہ معدوم ہوں یا موجود یا اون کی ہیئت و حالت و حقیقت و اصلیت کچھ ہی ہو زبان پر آ سکتی ہیں۔ یہ خاصیت زبان کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ کائنات کی کل چیزوں سے تعرض کر سکتی ہے اور ہر امر کو خواہ حق ہو یا باطل بیان کر سکتی ہے۔ آنکھ۔ کان۔ ناک صرف رنگ آواز اور بو ہی کو جان سکتی ہیں لیکن زبان کا میدان اتنا وسیع ہے کہ کوئی چیز اس سے باہر نہیں۔ جس طرح خیر کے بولنے پر قادر ہے ویسے ہی شر کے بولنے پر بھی اور تمام اعضاء انسانی میں سب سے زیادہ نافرمان اور بہت جلدی خرابی میں پھٹنے والی زبان ہی ہے۔ کیونکہ انسان کو زبان ہلانے میں ذرا بار نہیں معلوم ہوتا اور اس سبب سے لوگ اس کی حفاظت سے غافل ہیں۔

بات کرنا

بات کرنے سے پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ ہمیں کیا کہنا ہے اور اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے کون سے مناسب الفاظ ہیں جو سامع کے عقل اور رتبہ کے موافق ہوں اور اون میں کوئی کلمہ زائد۔ حشو۔ اور خلافت تہذیب نہ ہو۔ لوگ رات دن باتیں کرتے ہیں لیکن تھوڑے ہیں جو بات کرنے کے فن سے واقف ہوں۔ ضرور نہیں ہے کہ بہت باتیں کرنے والے آدمی اچھی باتیں کرنے والے بھی ہو۔ بہت سے لوگ صرف اس لئے یکسان بکواس کئے جاتے ہیں کہ اونکو اپنی زبان کو مصروف رکھنے کے لئے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایسی بہت سی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے آخر کو پچھتا نا پڑتا ہے اور چاہتے ہیں کہ کاش نہ کہتے اور یہ بے سوچنی سمجھی باتیں ایسی ایسی آفتیں ڈھاتی ہیں کہ ہزاروں فتنہ اور نقصان پہا کر دیتی ہیں۔ بہت سے مفید مقصدوں کو خاک میں ملا دیتی ہیں۔ ترقیوں کو روک دیتی ہیں اس لئے ضرور ہے کہ گفتگو کے اصول سے واقفیت ہو اور یہ معلوم ہو کہ کلام کے محاسن کیا کیا ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہو

ان اصول پر کار بند ہوں تاکہ عادت زبان کو قابو میں رکھے۔

خاموشی

اول۔ سب سے پہلا گڑبہی ہے کہ بہت سی باتیں ہی نہ کرے زیادہ
بلکہ اس کرنا خفتِ عقل کی دلیل ہے جو لوگوں کے دلوں سے ہیبت و وقفت
کو کھودیتی ہے۔ سب کی سننی آسان ہے لیکن اپنی بات کہنی بہت مشکل ہے
لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں اوس کو خاموشی سے سُنے جاؤ اور اون کے دلی بھید و
اور راؤن پر غور کرو۔ لیکن اپنی رائے کے اظہار میں جلدی مت کرو۔ اور جب
تک روئے سخن تمھاری طرف نہ ہو اگرچہ تمھارا ہی ذکر ہو بول اُٹھنا اور
دخل در معقولات کرنا نہ چاہئے۔ اور اگر کسی مجلس میں چند آدمیوں کے بعد
تمھارے گفتگو کرنے کا موقع آئے تو دوسروں پر اگرچہ اون کی رائے غلط ہو
نکتہ چینی کرنا یا طعن کرنا مناسب نہیں بلکہ جو کچھ تمھاری رائے اور تمھارا علم
ہے اوس کو متانت و سنجیدگی سے ظاہر کرو۔ لوگ اتنے کسی بات سے نہیں
چڑتے جتنے کہ نکتہ چینی سے خصوصاً کسی فرقہ یا جماعت کے کسی فعل پر یا اوسکے
کسی پیشہ پر نکتہ چینی کرنا اور سب کو بُرا کہنا بالکل خلاف مصلحت ہے۔ ایک
شخص بہت سی باتیں معاف کر دیتا ہے یا بھول جاتا ہے لیکن کوئی جماعت
اپنے خلاف شان یا خلاف طبع امر کو نہیں بھولتی اور کبھی نہیں معاف کرتی۔
تو ار کے زخم بھر جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہیں بھرتے۔ امام غزالیؒ کا
قول ہے کہ ”کلام چار قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ کہ اون میں ضرر ہی ضرر ہو۔
دوسرے وہ کہ اون میں محض نفع ہی ہو۔ تیسرے وہ کہ ضرر و نفع دونوں ہوں۔
چوتھے وہ کہ نہ نفع ہو نہ ضرر۔ قسم اول سے تو سکوت لازم ہے۔ قسم سوم میں
اگر ضرر نفع سے زیادہ ہو تو خاموشی لازم ہے۔ چوتھی قسم کے کلام میں وقت کا
ضائع کرنا ہے اور یہ بھی بڑا نقصان ہے۔ پس قابل بولنے کے دوسری قسم ہی ہے
اور اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَن صَمَتَ نَجَا“

دوم یہ کہ ہمیشہ بیچ بولے۔ بیچ کئے والے کا اعتبار اور عزت قائم رہتی ہے اور کبھی کسی کے سامنے شرمنا نہیں پڑتا۔ حتیٰ کہ اگر اپنے سے کوئی خطا بھی سرزد ہو تو اس کا مروانہ و اعتراف کرنا جھوٹ بولکر چھپانے سے بہتر ہے۔ جھوٹ بولنے سے ایک گناہ دو چند ہو جاتا ہے ایک پہلی خطا اور دوسرا کذب۔ کذب ایک بے بنیاد عمارت ہے کہ کبھی نہ کبھی آریگی۔ اور نہ صرف خود گر پڑیگی بلکہ جھوٹ بولنے والے کو بھی اپنے ساتھ خراب و برباد کریگی۔ جب جھوٹ کی فلمی کھل جاتی ہے تو جھوٹ بولنے والے لوگ ایسے بے اعتبار ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ کوئی بیچ بات بھی کہیں تو کوئی شخص یقین نہیں کرتا اور اگر دیانت داری بھی کریں تو کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ باہمی معاملات اور دنیا کے کاروبار میں صداقت اور ایمان داری کی بہت ضرورت ہے اور اس سے ہی اہل معاملہ کی ساکھ بندھتی ہے اور اون کے کام کی شہرت و عزت ہوتی ہے۔ کذب ایک مذموم صفت ہے اور اس کے ظاہر ہو جانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ بظاہر خلاف واقعہ نہیں لیکن اون کا طرز ادا ایسا دھوکہ من ڈالتا ہے کہ سامع کے دل میں غلط خیال پیدا ہوتا ہے۔ ایسے ہی مبالغہ بھی جھوٹ ہے۔ یا ایسے موقع پر خاموش رہنا جہاں اصل بات کو ظاہر کرنا چاہئے۔ جھوٹ بولنے کے برابر ہے۔ اسی طرح اشارہ یا کنایہ سے کوئی غلط خیال دوسرے کے دل میں پیدا کرنا دھوکہ دینا اور جھوٹ بولنا ہے۔ وعدہ کر کے پورا نہ کرنا۔ امید بندھا کرنا امید کرنا لوگوں کو دھوکہ دینا ایسے صریح جھوٹ ہیں کہ ان کی تشبیہ کی ضرورت نہیں۔ جھوٹ بولنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان خدا سے بے خوف ہے اور لوگوں سے ڈرتا ہے۔ جھوٹ بُزدلی کی علامت ہے کیونکہ جھوٹ بولنے والے میں اتنی ہمت اور جرأت نہیں ہوتی کہ صاف صاف بیچ بات کو ظاہر کرے۔ اس واسطے وہ یہ کمینہ حرکت کرتا ہے کہ جھوٹ بولتا ہوں۔ جھوٹ بولنے سے باہمی گفتگو کی خوبی اور فائدہ جاتا رہتا ہے اور جن لوگوں میں

جھوٹ کی عادت زیادہ ہے اون کی سوسائٹی میں یگانگت اور ربط و ضبط نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب باہم ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں اور دھوکہ دہی کریں تو گفتگو کا فائدہ مفقود ہو جائیگا اور لوگوں کے دلوں میں چونکہ اعتبار نہ رہے گا صداقت اور محبت بھی اکٹھا جائیگی اور بے اطمینانی پھیل جائیگی جس سے ذرا ذرا سے معمولی کام کرنے بھی مشکل اور پیچیدہ ہو جائیں گے۔

صداقت کا اثر
قوم پر

جو شخص اپنا اداسے فرض کرتا ہے یا اپنا چال و چلن نیک رکھنا چاہتا ہے وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اسی طرح صداقت قومیت کا شیرازہ ہے جس قوم میں سے صداقت جاتی رہے اوس میں سے قوت جاتی رہے گی نہ کسی قوم پر دروغ گوئی سے حکومت کی جاسکتی ہے نہ کسی گھرمین دروغ گوئی سے امن قائم رہ سکتا ہے۔

وعدہ پورا نہ کرنا

جھوٹی باتوں میں سخت تردد وعدہ کا پورا نہ کرنا ہے کیونکہ اس سے دوسرے شخص کو اُمید بندھتی ہے اور اوس کو پھر نا اُمیدی کی سخت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اور اکثر اوقات یہ نقصان بھی ہوتا ہے کہ جو کوئی اور تدبیر کام کے کرنے کی ممکن تھی وہ اس کے وعدہ کرنے سے نہیں کرتا اور جب دوسری تدابیر کا موقع نکل جاتا ہے اور وعدہ پورا نہیں ہوتا تو وہ بے چارہ سخت نقصان اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس سبب سے جھوٹا وعدہ کرنا شرعاً نفاق کی علامت بیان کیا گیا ہے اور ایفائے وعدہ کا صریح حکم دیا گیا ہے یا ایہا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔

سچ بولنا شخص پر
ہر حال میں فرض
ہے۔

انسان کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ سب لوگوں کے ساتھ یکساں مہربانی سے پیش آئے۔ سب کی یکساں خبر لے۔ تمام لوگوں کو یکساں فائدہ پہنچائے کیونکہ یہ انسان کی طاقت سے باہر ہے کہ وہ تمام زمانہ کی خبر رکھ سکے اور سب کے ساتھ یکساں فیاضی برتے قدرتاً اوس کو اپنے رشتہ دار اپنے دوست اپنے ہم وطن اپنے ہم مذہب زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ اور وہ جتنی خدمت علی قدر آ

ان کی کرتا ہے اتنی دوسرے لوگوں کی جو اوس سے کوئی تعلق نہیں رکھتے
 نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر شخص کے ساتھ خواہ اپنا ہو
 یا غیر۔ واقف ہو یا ناواقف۔ دوست ہو یا دشمن سچ بولے۔ کیونکہ دنیا میں اور
 تمام فرائض انسان کے مرتبہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ لیکن سچ بولنا ایسا
 فرض ہے کہ اوس میں کسی مرتبہ یا عہدہ یا حالت سے فرق نہیں آتا۔ انسان
 کو دولت مند اور غریب امیر اور ماتحت سب کے ساتھ سچ بولنا چاہئے بلکہ
 جو لوگ خود جھوٹ بولتے اور سچ سے نفرت کرتے ہیں اون سے بھی سچ کہنا
 لازم ہے یہاں تک کہ اون دشمنوں سے بھی جو اوس سچ بات کو اوس کے
 خلاف استعمال کریں یا خود اوس سے کوئی نفع اٹھائیں سچ ہی کہنا چاہئے۔
 سچائی بلکہ ہر نیک کام کی محبت اس سبب سے ہونی چاہئے کہ وہ سچ اور نیک
 ہے نہ اس سبب سے کہ اوس سے کسی خاص وقت میں کوئی مطلب نکلتا ہے
 جو شخص صرف مطلب نکالنے کے لئے سچ بولے وہ سچا نہیں اور جو صرف کوئی
 نفع حاصل کرنے کے لئے نیک کام کرے سعید نہیں بلکہ ریاکار ہے۔ انسان پر
 بعض وقت ایسا آتا ہے کہ وہ اپنی پاک محبت کو بھی جو اوس سے اپنے کسی رشتہ دار
 سے ہو ظاہر نہیں کر سکتا اور اگر ظاہر کرے تو خلاف مصلحت ہوتا ہے۔ لیکن
 کوئی وقت ایسا نہیں آسکتا کہ وہ حق بات چھپائے کیونکہ صداقت کسی کی
 ملک نہیں بلکہ انسان اوس کا شاہد اور امانت دار اور محافظ ہے۔ صداقت
 خدا کا نور ہے جو انسان کو عطا ہوا ہے اور ضرور ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر
 حال میں چمکے۔

۲۔ بحث و تکرار کرنا ہمیشہ خوفناک ثابت ہوا ہے اور نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ
 اور غلط فہمی میں پڑے اور طبیعت میں ضد کا مادہ بڑھا۔ اور اگر بحث و تکرار سے
 کسی بات کو قبول بھی کرایا لیکن طرف ثانی جو پہلے دوست تھا اب دشمن ہو گیا
 تو کیا فائدہ اٹھاتا ہے۔ اگر کسی امر پر بحث و حجت کرنے کی ضرورت بھی ہو تو بھی

بحث و تکرار

نہایت نرم الفاظ میں اور اس طریقہ سے ہونی چاہئے کہ سامع کو یہ نہ معلوم ہو کہ میرے ساتھ تکرار کرنا مقصود ہے بلکہ صلاح اور مصلحت کا طرز اختیار کیا جائے کیونکہ محبت و تکرار ایسی بری چیز ہے کہ اول تو لوگ مانتے ہی نہیں اور اگر دل میں تسلیم بھی کر لیں تو علانیہ اپنی غلط فہمی کا اعتراف کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ اور کج بختی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لہذا جہان تک ممکن ہو اپنا مطلب صاف اور مشرح الفاظ میں نہایت متانت اور تہذیب سے ادا کیا جائے۔ اور اگر سامع کا دل قبول کر لے تو بحث کا نتیجہ حاصل ہو گیا اس سے زیادہ کی امید فضول ہے۔

۴۔ فحش الفاظ زبان سے نکالنے خلاف تہذیب ہیں بلکہ اگر کسی ایسے بیان کی ضرورت پڑے جن کی اصطلاحیں فحش ہیں تو بھی اشارۃً یا کنایتاً ادا کرنا مناسب ہے چہ جائیکہ تکیہ کلام گالی یا کوئی خلاف تہذیب لفظ ہو۔ شرافت نسبتی اس قدر قابل اعتبار نہیں جس قدر افعال و اقوال کی پاکیزگی میں شرافت ہے۔ جو لوگ اپنی زبان فحش سے آلودہ کرتے ہیں وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی طبیعت میں شرافت کا جوہر نہیں ہے۔ فحش بکنے کی عادت اکثر اوباش لوگوں کی صحبت میں پڑ جاتی ہے اور اس کا مقصد یا سننے والے کو ایذا پہنچانا ہوتا ہے یا مسخر اپن کرنا اور یہ دونوں قبیح ہیں۔

۵۔ سامع کے اندازہ اور عقل کے موافق بات کہنی چاہئے اگر سامع نہ سمجھے تو بات خواہ کیسی لطیف اور پر مغز کیوں نہ ہو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح اگر لوگ متوجہ نہ ہوں تو بات کہنا بیکار ہے۔

۶۔ جواب ہمیشہ نرمی اور ملائمت سے دینا چاہئے اگر اپنی زبان سے کسی کو دشمن بنایا تو اس سے بُرا کوئی کام نہیں۔ لوگوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تضحیک کی جائے اور خواہ کوئی شخص بے وقوف ہی کیوں نہ ہو وہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اسے بے وقوف کہیں یا اس کی تحقیر کریں۔

فحش

سامع کی عقل کا
اندازہ

جواب دینا

اگر کوئی شخص اپنے تئیں بے وقوف بنائے اور اپنے اوپر ہنسے تو بات ٹالنے اور اسے شرمندہ کرنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ خود بھی اوس کی ہان میں ہان ملائے اور ہنسی میں شریک ہو اس سے نہ صرف اپنی دانشمندی ظاہر ہوتی ہے بلکہ وہ خود جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ اور اپنی خوش اخلاقی کا سکھ جم جاتا ہے۔ اور جب تم خود اپنے اوپر ہنسو تو کوئی تم پر نہیں ہنسے گا۔

اپنا ذکر

۷۔ اپنا بہت سا ذکر کرنا یا اپنے حالات بیان کرنے یا موافق یا مخالف بہت کچھ کہنا نہ چاہئے بلکہ اپنی نسبت جو کچھ جتنا ہے وہ اقوال سے نہیں بلکہ کردار سے ظاہر کرنا چاہئے۔ ہان یہ دیکھو کہ اور لوگ تمہاری نسبت کیا کہتے اور کیا رائے ظاہر کرتے ہیں۔

راز

۸۔ اپنا راز کسی سے نہیں کہنا چاہئے اگر تم خود اپنا راز پوشیدہ نہیں رکھ سکتے تو دوسرے اوس کو کبھی نہیں چھپائیں گے۔ چینی فلاسفر کنفیوسیسیس کا قول ہے کہ عقلمند آدمی کی زبان اوس کے دل میں ہے اور بے وقوف آدمی کا دل اوس کی زبان میں ہے کہ جو کچھ اوس کے دل میں آتا ہے جھٹ سے کہہ دیتا ہے۔ جس طرح اپنا راز دوسروں سے کہنا نامناسب ہے اسی طرح دوسروں کا راز بھی لوگوں سے کہنا نازیبا ہے خصوصاً ایسے دوستوں کا راز جنہوں نے غم۔ غصہ۔ رنج کی حالت میں کوئی بات اس طرح بے اختیار بیان کی ہو گویا وہ اپنے دل سے کہہ رہے ہیں ایسے راز کی باتیں جو اس اعتماد اور اعتبار سے بیان کی گئی ہوں کہ ہمیشہ محفوظ رہیں گی دوسروں سے کہنا دغا بازی اور حماقت ہے۔

رائے

۹۔ اپنی رائے کے وثوق میں بہت زور مت دو ممکن ہے کہ تم کو اپنی رائے کے درست ہونے کا یقین کامل ہو لیکن تم غلطی پر ہو۔ حافظہ۔ کان۔ آنکھ۔ اکثر دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں جس قدر زیادہ وثوق سے زور دیا جائے اسی قدر زیادہ شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔

۱۰۔ مزاح۔ کسی شخص کو بنانا اوس کے ساتھ تمسخر اور ٹھٹھا اس طرح کرنا کہ اوسے بُرا معلوم ہو ایک مذموم صفت ہے۔ کیونکہ اوس سے دوسروں کو ایذا اور رنج پہونچتا ہے۔ اور گویا یہ اوس کی امانت اور حقارت کرنی ہے۔ اور وہ بھی ایسی بُری طرح سے کہ سننے والوں کو ہنسی آئے۔ اگر تمسخر کسی کے مُنہ کے سامنے ہو تو استہزا ہے اور اگر پیٹ پیچھے ہو تو غیبت ہے اور دونوں کا مقصد ایک ہی ہے۔

۱۱۔ غیبت۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب احیاء العلوم میں اس کا بیان مفصل کیا ہے اوس بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ”دوسرے کا ذکر کرنا تین طرح ہوتا ہے۔ غیبت۔ بہتان اور افک۔ غیبت کی تعریف یہ ہے کہ دوسرے کے واقعی عیوب کا اس طرح ذکر کریں کہ اگر وہ سنے تو بُرا جائے۔ بہتان یہ ہے کہ کسی پر جھوٹ الزام لگایا جائے اور جو عیوب اوس میں فی الحقیقت نہیں ہیں اوس سے منسوب کئے جائیں۔ افک یہ ہے کہ جیسا دوسروں کو کہتے سنا ہے تحقیق خود بھی ویسا ہی کہنے لگے۔ غیبت کے لئے یہ ضرور نہیں کہ زبان سے صریح الفاظ میں کسی کے عیوب بیان کئے جائیں یا اوس پر نکتہ چینی کی جائے بلکہ اشارۃً۔ کنایۃً اور رمز سے بھی کسی کے عیوب اس طرح ظاہر کرے کہ دوسرے کی سمجھ میں آجائیں غیبت ہے اور شرعاً یہ سب حرام اور ناجائز ہیں“

عوام جو ایک دوسرے کی غیبت کرتے ہیں اوس کے آٹھ سبب ہیں :-
۱۔ کینہ اور غضب۔ یعنی جب کسی پر غصہ آئے تو اپنا جی ٹھنڈا کرنے کے لئے کسی پر نکتہ چینی کرے۔ اور عیوب بیان کرے تاکہ دوسروں کی نظروں میں اس کی حقارت ہو۔

۲۔ دوسروں کے خوش کرنے کو ان کی ہان میں ہان ملانا تاکہ وہ اس سے خوش ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ ملنساری اور حسن معاشرت معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دراصل کینہ اور عداوت کی آگ کو بجھاتا ہے۔

۳۔ پیش بندی۔ جب کسی کی جانب سے یہ گمان ہو کہ وہ ہمارے عیوب بیان کرے گا۔ یا ہمیں بدنام اور شہم کرے گا۔ تو انسان اس سے پہلے اس کے عیوب بیان کرنے اور لوگوں کو اس کی طرف سے بدظن کر دینا شروع کر دیتا ہے تاکہ لوگ حریف کی بات باور نہ کریں اور وہ جب اس کی برائیاں کرے تو خود اس کو جھوٹا اور خطا وار سمجھیں۔

۴۔ کسی عیب سے اپنا بری ہونا ظاہر کرنا مقصد ہوتا ہے۔ تو دوسروں کے ویسے ہی عیوب ظاہر کرنے لگتا اور ان کو بُرا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ تاکہ لوگ اس کو اس گناہ سے پاک سمجھنے لگیں۔

۵۔ فخر و مباہات۔ تاکہ دوسروں کو ناقص بتا کر اپنا کمال اور افضلیت ظاہر کرے۔

۶۔ حسد۔ انسان جب دوسرے صاحب کمال کی عزت و حرمت ہوتے دیکھتا ہے تو اس کو ناگوار گزرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے نام کو بڑے لگائے اس واسطے اس کے عیوب چن چن کر بیان کرتا پھرتا ہے۔ تاکہ لوگ بدظن ہو جائیں۔

۷۔ کھیل اور دل لگی کے طور پر۔ دوسروں کے حالات بیان کرنا اور وقت گزارنے کے لئے ان حکایات پر ہنسنا۔

۸۔ دوسرے کی حقارت کرنے کے لئے اُسے بنانا خواہ اس کے منہ پر اسے بنانا اور اس طرح ذکر کرنا کہ اس کی برائی ثابت ہو۔ یا پیٹ پیچھے حقارت آمیز الفاظ میں اس کا ذکرنا۔

غیبت سے بچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اسباب غیبت کو دور کیا جائے۔ اور انسان یہ غور کرے کہ خود میرے نفس میں کیسے کیسے عیوب ہیں پھر میں کس منہ سے دوسرے کو بُرا کہتا ہوں۔ جیسے دوسرے کی عیب چینی مجھے بُری معلوم ہوتی ہے ویسے ہی میری عیب چینی دوسرے کو بُری معلوم ہوتی ہوگی۔ پھر خواہ مخواہ

کسی کو آزار دینا یا کسی کا راز فاش کر دینا اور بدنام کرنا ثواب نہیں بلکہ شرعاً ناجائز اور قابل باز پرس ہے۔ انسان کو خود اپنے نفس کی اصلاح کرنی چاہئے نہ کہ دوسرے کی عیب چینی کے پیچھے پڑے۔ طُوبٰی لِمَنْ شَغَلَتْهُ عَيْبَةُ عَنِّ عِيُوبِ النَّاسِ۔ بعض عیوب تو ایسے ہوتے ہیں جو انسان سے عادتاً یا حیثاً ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کم و بیش کل انسان ان میں مبتلا ہیں۔ کسی کو کسی پر نکتہ چینی کا حق نہیں ہے۔ بعض جہلی مثلاً بد صورتی وغیرہ۔ ایسی باتوں پر نام دھرنا گو یا خالق پر نام دھرنا اور لغو ذبا لہ اس کو برا کہنا ہے۔ کیونکہ خود وہ شخص جس کی اس طرح مذمت کی جا رہی ہے معذور ہے۔

مگر حالتوں میں غیبت جائز ہے

البتہ چہ وجوہ ایسے ہیں جن کے سبب سے کسی کی غیبت جائز ہے :-
۱۔ ظلم کی دادرسی کے لئے مظلوم خود یا اس کی طرف سے کوئی اور حاکم اعلیٰ سے اس کی کیفیت بیان کرے۔ لیکن اس کے سوا کوئی غرض ہوگی تو وہ غیبت میں داخل ہے۔

۲۔ کسی شخص کی اصلاح کے لئے۔ اس کے استاد یا مان باپ یا حاکم یا کسی ایسے شخص سے اس کا حال بیان کرنا جس کی نصیحت کا اس پر اثر ہوتا ہو لیکن اس سے مقصود اصلاح حال ہو۔ نہ نکتہ چینی۔ اگر یہ حال نیک نیتی سے نہ بیان کیا جائے گا تو غیبت ہوگا۔

۳۔ کسی مسئلہ میں حکم شرع یا قانون پوچھنا منظور ہے۔ اور اس پر بھی اولیٰ یہ ہے کہ بالکل نیا یہ پوچھے۔ اور کسی کا نام نہ لے۔

۴۔ کسی نیک اور خوش اطوار شخص کو کسی بُرے آدمی کی شر سے بچانا مقصود ہو۔ مثلاً کوئی خوش معاملہ اور بھلا آدمی ایک بد معاملہ جھوٹے فریبی شخص کی عادات سے ناواقف ہو اور اس سے معاملہ کرنا چاہے۔ جس میں اندیشہ ہے کہ یہ دھوکا کھائے گا۔ تو اسے آگاہ کرنے کا مضائقہ نہیں۔ یا کوئی شخص ایک نیا نوکر رکھنا چاہتا ہے۔ اور اس کے عادات سے واقف نہیں تو اس کی

شر سے آقا کو بچانے کے لئے اس کی کیفیت کھدینی جائز ہے۔ یا کوئی حاکم کسی گواہ کی نسبت دریافت کرے۔ یا کوئی شخص نکاح کرنے یا ودیعت رکھنے کے باب میں دریافت کرے۔ تو خیر خواہانہ مشورہ دینا لازم ہے۔ اور چونکہ نیک نیتی سے ایک شخص کو بچانا مقصود ہے۔ اس کے سامنے کسی کی عادات اور حالات کا صحیح صحیح بیان کر دینا غیبت نہیں ہے۔

۵۔ کوئی شخص نابینا یا بہرا ہے اور وہ اس ہی نام سے مشہور ہو جائے
۴۔ فاسق معلن۔ یعنی وہ شخص جو کسی عیب کو چھپا کر نہ کرتا ہو بلکہ علانیہ اوس کا ارتکاب کرے اور اوسے بُرا نہ جانے۔ مثلاً ایک شراب خوار کہ برابر مجلسوں میں شراب پئے۔ اور جلسوں میں گلاس اڑائے اور اسے داخل تہذیب سمجھے تو ایسے شخص کو شراب خوار کہنا جائز ہے لیکن اگر وہ کوئی بُرا فعل چھپا کر کرتا ہے تو پردہ پوشی لازم ہے۔“

غرض جہاں تک ممکن ہو دوسرے شخص کی بُرائی کرنے سے بچنا چاہئے
اس سے دنیا میں انسان بے اعتبار اور دین میں گنہگار ہوتا ہے۔ چغلی کھانا اور دورخی بات کہنا بھی خود قائل کی خباثت اور بد طینتی ظاہر کرتا ہے۔

باتیں کرنا

مجالس میں باتیں کرنے یا بزرگوں اور دوستوں کی مجلس میں گفتگو کرنے میں چند ایسی باتوں کا خیال رکھنا چاہئے جو آداب مجلس کے موافق ہوں مثلاً بہت سی باتیں نہ کرنیں کیونکہ بہت سی باتیں کتابِ عقلی کی دلیل ہے۔ اور لوگوں کی نظروں میں بے وقعتی ہوتی اور مہیبت کم ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص بے ضرورت باتیں کئے جائے تو سمجھو کہ دیوانہ ہے۔ ایک بات کو دوبارہ مت دہراؤ لیکن اگر دوبارہ کہنے کی ضرورت ہو تو تنگ نہ ہو۔ اگر کوئی سوال ساری جماعت سے کیا جائے تو اگر تم کو اوس کا جواب معلوم بھی ہے تو بھی جواب دینے میں دوسروں پر سبقت نہ کرو اور جب کوئی دوسرا شخص جواب دے رہا ہے اور تم کو اوس سے بہتر معلوم ہے تو جب تک وہ اپنا جواب

ختم نہ کرے بیچ میں مداخلت نہ کرو۔ اور بعد میں اپنا جواب بیان کرو مگر اس طرح کہ پہلے شخص پر طعن نہ ہو۔ اور جب تک سوال ختم نہ ہو جواب نہ دو۔ اگر لوگ کوئی بات تم سے چھپانی چاہیں تو کن سُنیاں مت لو۔ بزرگوں کے سامنے یا محفل میں بات چیت کرتے وقت اس طرح بات کرنی چاہئے کہ مخاطب اچھی طرح سُن لے اور نہ آواز زیادہ پست ہو نہ بہت بلند۔ باتیں کرنے میں چشم و ابرو سے اشارہ کرتے جانا بھی بدناما ہے۔ اور ایسی باتیں جن سے کینہ عداوت اور جھگڑا پیدا ہو یا کسی کی دل آزاری متصور ہو ہرگز نہیں کرنی چاہئیں۔ ہر شخص سے اوس کی عقل کے مطابق بات کہنی لازم ہے یہ نہیں کہ معمولی سمجھ کے آدمی کے سامنے ایسی دقیق باتیں کرنے لگے کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے۔

۲۔ لباس

لباس کی ضرورت
موت انسان کو
ہے

حیوان اور انسان میں ایک تمیز یہ بھی ہے کہ قدرت نے حیوانات کو اون کی ضرورت کے مطابق پوست عطا کیا ہے کہ وہ گرمی سے محفوظ رہیں لیکن انسان کو خواہ کسی ملک کا باشندہ ہو جانوروں کی طرح پوستیں عطا نہیں ہوا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خلاق عالم نے اوسے ایک چیز عقل ایسی عطا فرمائی ہے کہ اوس کے ذریعہ سے اپنی ضرورت کے مطابق اپنا لباس بناتا ہے جاڑ کے لئے گرم کپڑے تیار کرتا ہے تو گرمی میں ٹھنڈے کپڑے پہنتا ہے۔ اور جس چیز کو لباس کے لئے زیادہ مناسب خیال کرتا ہے استعمال کرتا ہے۔

لباس کی غرض

لباس سے بڑی غرض یہ ہے کہ جسم ڈھلکے اور بدن گرمی و سردی سے محفوظ رہے۔ انسان اکثر اس سبب سے بیمار ہو جاتا ہے کہ موسم میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اوس موسم کے مطابق اپنا لباس تبدیل نہیں کرتا۔ کبھی سردی پڑتی ہے کبھی گرمی کبھی موسم بہار ہوتا ہے ان تمام موسموں میں اون کے مطابق لباس پہننا چاہئے۔ اور کوئی لباس جو ایک زمانہ میں مفید ہے دوسرے زمانہ

مین بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ لیکن فالالین ایک ایسا کپڑا ہے کہ ہر موسم میں اوس کا پہننا مفید صحت ہے۔

جاڑے کے کپڑے ایسے ہونے چاہئیں کہ باہر کی سردی بدن تک نہ پہنچے اور بدن کی گرمی قائم رہے۔ اسی طرح گرمی کے کپڑوں کی یہ خاصیت ہو کہ بدن کی گرمی کو نکلنے نہ دین اور سورج کی شعاعوں کو جذب نہ کریں۔ رنگین کپڑے خصوصاً سیاہ رنگ کا لباس سورج کی شعاعوں کو زیادہ جذب کرتا ہے اسی سبب سے گرمی کے لئے مناسب نہیں ہے۔ سفید لباس شعاعوں کو ہٹاتا ہے اور بدن کو گرمی سے بچاتا ہے۔

لباس کی مشق

ڈاکٹر ہیر لکھتے ہیں کہ کوئی لباس ایسا تنگ نہ ہونا چاہئے کہ جسم کا کوئی حصہ دبے یا کھنچے۔ اس لحاظ سے ہندوستانیوں کا لباس یورپین اقوام کے لباس سے بہتر ہے۔ گلوبند۔ کولر۔ نکٹائی وغیرہ تمام کپڑے خون کی گردش کو روکتے ہیں اور دوسرے دوران سر بلکہ غشی پیدا کرتے ہیں۔ سینہ اور کمر کو کسی چیز سے نہیں جکڑنا چاہئے۔ سینہ بند اور پیٹی وغیرہ چیزیں بہت بُری ہیں کیونکہ ان سے معدہ۔ دل اور شش اور رودون کے افعال میں خلل پڑتا ہے اور سورہضم۔ ضیق اور قبض پیدا ہوتا ہے۔

لباس ایسا ہونا چاہئے کہ بدن کی حرارت کو قائم رکھے اور آرام دہ ہو۔ یکایک گرم کپڑے اتار کر سرد کپڑے نہ پہننے چاہئیں۔ اگر موسم بھی یکایک ایسا ہی بدل جائے تو مضائقہ نہیں۔

کپڑے زیادہ تر سن۔ رولی۔ اون اور ریشم کے بنتے ہیں۔ سن کے کپڑے ملائم ہوتے ہیں اور گرمی بھی ان میں سے خوب خارج ہوتی ہے اس لئے گرمی میں سن کے کپڑوں کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔ لیکن سن کے کپڑے جسم کے ملحق نہیں پہننے چاہئیں۔ کیونکہ جب پسینہ آتا ہے تو سن بدن کو یکایک کھنکھاتا ہے۔

کپڑوں کی مشقیں

روئی مین سے ایسی گرمی خارج نہیں ہوتی جیسی کہ سن مین سے اس
 سبب سے روئی کے کپڑے بہ نسبت سن کے زیادہ گرم ہوتے ہیں۔ جاڑون
 مین اسی کا استعمال کسی قدر زیادہ مفید ہوتا ہے۔
 اون کے کپڑے پسینہ خوب جذب کرتے ہیں وہ گرمی کو خارج نہیں کرتے
 اور یکایک موسم کے تغیر کے اثر سے بچاتے ہیں۔
 ریشم اون سے بہتر ہے ریشم کے کپڑے ہلکے صاف اور نرم ہوتے
 ہیں۔ جن لوگوں کو استطاعت ہے اون کو ریشم کے کپڑے بدن سے ملحق
 پہننے چاہئیں۔

لباس کی صفائی

اس کے علاوہ لباس مین چند اخلاقی خصوصیات بھی ہیں اور
 اس واسطے لباس کی حالت۔ وضع۔ صفائی۔ پر توجہ کرنی لازم ہے۔ ہمیشہ
 صاف لباس پہننے سے لوگوں کی نظر مین عزت اور وقعت قائم ہوتی ہے
 النَّاسُ بِالْبَیِّنَاتِ۔ بازار مین سے گزرو۔ مجالس مین شریک ہو تو
 بہت سے لوگ ایسے ہی ملتے ہیں جو سابقہ تعارف نہیں رکھتے وہ صرف
 لباس سے وقعت کا اندازہ کرتے اور کر سکتے ہیں۔ خراب اور نا صاف
 لباس سے لوگوں کی نظر مین بے وقعتی ہوتی ہے اور وہ حقارت کی نظر سے
 دیکھتے ہیں۔ لباس کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ بہت پیش قیمت ہو۔ بلکہ
 ہر شخص کو اپنی استطاعت کے موافق صاف اور خوش وضع لباس پہننا چاہئے
 تاکہ لوگ غلط فہمی مین نہ پڑیں۔ لباس سے انسان کے عادات۔ اخلاق۔
 چال و چلن اور مذاق کا اندازہ ہوتا ہے اور لوگ فطر تاً سب سے زیادہ لباس
 کو دیکھتے اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔ لباس کی خوبیاں اگر چہ اعتباری ہیں لیکن
 یہ انسان کا اعتبار بڑھاتی ہیں اور سوسائٹی مین موقر و ممتاز کرتی ہیں۔

لباس کی صفائی

لباس دوسری اقوام سے بھی امتیاز پیدا کرتا ہے جو لوگ اپنے قومی
 لباس کو قائم نہیں رکھتے وہ نیشنلسٹی اور اخوت کے بڑے رکن کو کھو لئے دیتے

ہیں۔ قوم کی خصوصیات کے قائم رکھنے سے قومیت کے قائم رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اور لباس کی خصوصیت بہت اہم اور بہت ضروری شے ہے۔ اگرچہ ہر زمانہ میں لباس کی وضع بدلتی رہتی ہے اور لوگ اپنے مذاق اور پسندیدگی کے مطابق اس میں تبدیلیاں کرتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ اس میں کوئی خصوصیت ایسی قائم رہے جو باہمی النظرمیں ظاہر کر دے کہ کس قوم سے تعلق ہے۔ یہ فرق ایسے چھوٹے چھوٹے فرقوں میں بھی نہ ہونا چاہئے کہ ایک ہی قوم کے چند گروہ بن جائیں بلکہ ایک مذہب کے پابند ایک ملک کے رہنے والے ایک زبان بولنے والے۔ ایک سال لباس پہننے اور قومیت کے نشان قائم رکھیں۔

باب پنجم

رسم و رواج

انسان کی طبیعت فطرتاً اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنے کاموں کے لئے قاعدہ اور ضابطہ مقرر کر لیتا ہے یہ قواعد جب کسی پیغمبر یا ایسے شخص کی طرف سے مقرر کئے جائیں جو الہام ربانی سے ممتاز ہو تو شریعت کہلاتے ہیں اور جب بادشاہ یا حاکم وقت اسن عامہ اور انتظام مملکت قائم رکھنے کے لئے مقرر کرے تو ان کا نام قانون ہے۔ اور جو قاعدے اور طریقے کہ عوام بلکہ خواص بھی اپنے روزمرہ کے کاموں کی پورا کرنے یا تقریبات کے سرانجام کے لئے مقرر کریں رسم و رواج کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ شریعت و قانون کا ایک حصہ ایسے ہی رسم و رواج کی تہذیب اور اصلاح کرتا ہے بلکہ ایک بڑی رسم کی جگہ دوسری عمدہ رسم قائم کر دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم

قواعد کی پابندی
فطرت انسان
میں داخل ہے

خواہ مہذب ہو یا وحشی عالم ہو یا جاہل رسم و رواج سے خالی نہین بلکہ انسانوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں بھی ایسے رسم و رواج پائے جاتے ہیں جو انہیں بمنزلہ قانون اور شریعت کے ہوتے ہیں۔

رسم کے پیدا ہونے کے اسباب

رسم و رواج کے پیدا ہونے اور اون کے رواج پانے کے بہت سے سبب ہوتے ہیں۔

۱۔ حکمران قوم یا بادشاہ کی عادات اور طریقوں کی طرف لوگوں کو زیادہ رغبت ہوتی ہے اور اون کے خیالات اور لباس اور طریقے اخذ کرتے اور ان پر کاربند ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ یہ طریقے رواج پا جاتے ہیں۔

۲۔ کوئی حکیم یا دانشمند شخص کسی مصلحت سے ایک قاعدہ جاری کرتا ہے یا کسی فعل کو اختیار کر لیتا ہے۔ اور لوگ بھی اوس کا اتباع کرتے ہیں اور اوس پر کاربند ہوتے ہیں۔

۳۔ بعض لوگ بعض کام اظہار تفوق اور نمائش کے لئے کرتے ہیں اونکی دیکھا دیکھی دوسروں کو بھی اوس قسم کی نمائش کا شوق ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ایسی عام ہو جاتی ہے کہ وہ خصوصیت جاتی رہتی ہے اور سب لوگ اوس قسم کے موقعوں پر وہ فعل لازم اور فرض سمجھ لیتے ہیں اور اگرچہ اس میں بعض کا نقصان ہوتا ہے لیکن رسم کی پابندی کے سبب نقصان گوارا کرتے ہیں مثلاً شادی بیاہ کے موقعہ پر فضول خرچی اور بہت سا جہیز دینا یہاں تک کہ قرضدار ہو جائیں۔

رسم و رواج کا اثر

رسم و رواج کا اثر انسان کی طبیعت پر اس شدت سے ہوتا ہے کہ وہ جان و مال کا نقصان گوارا کرتا ہے لیکن رواج کے خلاف کرنا پسند نہین کرتا فضول تقریبوں میں لاکھوں روپیہ برباد کر دیتا ہے تاکہ لوگ تعریف کریں یا کم از کم نام نہ دھریں۔ ہندو عورت آگ میں ستی ہو جاتی تھی اور اُف تک نہین کرتی تھی۔ زمانہ جہالت میں عرب اور ہندوستان کی بعض قوموں میں

دختر سنی کی رسم جاری تھی اور وہ اولاد جو انسان کو سب سے زیادہ عزیز ہے
رسم و رواج پر قربان کر دی جاتی تھی۔ آج تک اکثر اقوام اپنے جسم کو سولی سے
گودتے اور اوس میں سرمہ بھر کر پھول گل بناتے ہیں۔ چینی عورتیں پاؤں کو
اس قدر چھوٹا کرتی ہیں کہ چلنے پھرنے سے محتاج ہو جاتی ہیں۔

قانون مملکت کا اثر دلون پر قوی نہیں ہوتا لوگ مارے باندھے کو اون
کا رہندہ ہوتے ہیں لیکن مذہب و شریعت کا حکم بھی جو دلون پر سب سے زیادہ
اثر کرنے والا ہے رسم و رواج کے آگے ماندہ ہو جاتا ہے اور اون احکام شریعت
کی زیادہ پابندی ہوتی ہے جن کا رسم و رواج بھی ساتھ دین مثلاً شراب و زنا
مذہباً دونوں ممنوع ہیں۔ زمانہ کی بد اعمالی نے جب یہ اعتبار اٹھا دیا تو امرا
کے ہاں علانیہ عورتیں نوکر رہنے لگیں لیکن کسی کو شرابی کہنا گویا گالی دینا اور
ہنسک عزت تھا۔ وہ شراب پیتے بھی تھے تو چھپ کر۔ آج کل انگریزی تہذیب
اور شائستگی کا اتباع کیا جاتا ہے۔ دعوت کی مجلسوں اور ڈنر کے جلسوں میں
علانیہ میز پر شراب رکھی جاتی ہے۔ اور پینے والے سب کے سامنے پیتے ہیں۔ اونکو
اس کے اظہار میں اس سبب سے شرم نہیں آتی کہ شراب خواری نے عام رواج
حاصل کر لیا ہے۔ نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی فرض ہے۔ لوگ اس
بات سے شرماتے تھے کہ اور لوگ اون کو بے نمازی جانیں اور سب کے ساتھ
نماز پڑھنے کو ضرور تیار ہو جاتے تھے۔ آج کل بے دینی عام ہے تو نماز پڑھتے
شرماتے ہیں۔ اور اکثر نمازین اس سبب سے قضا ہو جاتی ہیں کہ نماز کے وقت
کسی جلسہ یا پارٹی میں شریک تھے اگرچہ وہاں تمام یا اکثر مسلمان ہوں۔ ہندو
دوسری اقوام کے ہاں کا پانی پینا یا کوئی چیز کھانی مذہباً منع سمجھتے ہیں اور مسلمانوں
کے ساتھ معاشرت سے بہت احتراز کرتے ہیں لیکن ڈاکٹری دوا اور شفا خانہ کا
پانی اب اون میں بھی جائز ہو گیا ہے اگرچہ ڈاکٹر مسلمان یا انگریز ہو۔ اور دوا
میں کسی مسلمان نے پانی ڈالا ہو یا انگلستان سے بنکر آئی ہو۔

رسم و رواج کا دوسرا نام فیشن ہے بڑے بڑے عقلمند اس میں گرفتار ہیں اور بعض فضول حرکتیں ان سے اس سبب سے صادر ہوتی ہیں کہ وہ فیشن کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اور طریقہ مروجہ کے ذرا خلاف ہو تو وہ اس قدر ہتک سمجھتے ہیں گویا درجہ انسانیت سے گر پڑے۔

غرض انسان کے تمدن میں رسم و رواج کو یہاں تک دخل ہے کہ گویا تمدن رسم و رواج ہی کے مجموعہ کا نام ہے اس سبب سے رسم و رواج کی اصلاح تمدن کی اصلاح ہے اور شریعت نے بڑا کام یہ کیا ہے کہ اس زمانہ کے جو مذہب عادات اور رواج پھیلے ہوئے تھے ان کی اصلاح کی ہے اور اسکی بجائے بہتر رسوم قرار دی ہیں۔

رسم و رواج
کی اصلاح

زمانہ کے امتداد اور لوگوں کی غفلت یا احکام شریعت سے عدم واقفیت کے سبب تمدن میں خرابی پڑ جاتی ہے اور بعض برے رسم و رواج پیدا ہو جاتے ہیں جن کی اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور بعض ریفارمر رسم و رواج کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ رسم و رواج میں دیکھنے کی باتیں یہ ہیں:-

- ۱۔ کون سی رسمیں کس سبب سے پیدا ہو گئی ہیں۔
- ۲۔ کون سی رسمیں فی نفسہ اچھی ہیں۔ لیکن افراط و تفریط سے ان میں نقصان پیدا ہو گیا ہے یا کس سبب سے کوئی مضرت رسان جزو ان میں مل گیا ہے۔
- ۳۔ بعض رسوم ایسی بھی ہوتی ہیں کہ وہ صرف انسان کے دل کا ہلانا ہیں اور کسی خاص وقت کو ختم ہونے سے گزارنا مقصود ہوتا ہے۔ تاکہ طبیعت کو تازگی حاصل ہو۔ اور ان کے قیام میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔
- ۴۔ بعض رسوم مصلحت وقت پر مبنی ہیں اور ان کا قیام ضروری اور مفید ہے۔

جو لوگ یہ کوشش کرتے ہیں کہ رسوم کو مشا دین وہ انسان کی زندگی کو بھیکا۔ بد مزہ۔ شست کرنا اور اس میں سے لطافت و تازگی

کھودینا چاہتے ہیں۔ یہ ناممکن بات ہے کہ انسان رسوم کو بالکل چھوڑ دے
 وہ ایک رسم کو ترک کرے گا تو دوسری ضرور اختیار کر لگا۔ اس لئے بری رسوم
 کے بجائے عمدہ رسمیں قائم کرنی لازم ہیں اور جن رسموں کا کوئی حصہ خراب
 ہو گیا ہے اوس کے صرف اوسی قدر حصہ کی اصلاح کر دینی مناسب ہے۔
 جو رسوم مصلحت وقت کے مناسب ہیں اون کے تو قائم رکھنے کی ضرورت ہی
 ہے۔ ایسی رسمیں بھی جن میں نہ نفع ہو نہ نقصان قائم رکھنی چاہئیں۔ تاکہ
 انسان کی زندگی میں لطافت۔ رنگینی اور دل چسپی قائم رہے۔ ایسی رسموں کا
 بہت سا حصہ عورتوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اون کا وقت زیادہ تر گھر کے کارو
 بار میں گزرتا ہے۔ جس کی وسعت محدود ہوتی ہے۔ مہمات امور میں اون کو
 مصروفیت نہیں ہوتی۔ اون کے مشاغل ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ جنہیں
 اون کی ساری عمر گزرتی ہے۔ اس لئے اون کا دل تبدیلی کو چاہتا ہے اس لئے
 ایسے طریقے اور رسمیں ایجاد کرتی ہیں جس میں دل پہلے۔ کسی قدر فرحت اور
 دل چسپی ہو۔ جب عورتیں تعلیم یافتہ ہونگی اور ہر چیز کے نفع و نقصان کو سمجھنے
 لگیں گی۔ تو وہ خود ان رسموں کی اصلاح کرتی جائیں گی۔ مسلمانوں میں تو
 رسوم کی اصلاح کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر تقریب کے لئے
 جو احکامات شرع مقرر ہیں اون کا ایک دستور العمل بنا کر جاری کر دیا جائے
 اس سے وہ مضرتیں دفع ہو جائیں گی جو تقریبات میں افراط و تفریط یا خلاف
 مصلحت امور کے داخل ہونے سے پیدا ہو گئی ہیں۔ رسوم کے ادا کرنے کا طرز
 یا اور فروعی امور ہر فرقہ اپنی پسند اور مذاق کے مطابق مقرر کر لیگا۔

رسموں میں
 عورتوں کا حصہ

بعض لوگ جو رسوم کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور اپنی کوشش میں ناکام
 ہوتے ہیں۔ اوس کا سبب ایک تو یہ ہوتا ہے کہ وہ بالکل رسموں کو مٹا دینا چاہتے
 ہیں یا ایک بری رسم کی جگہ دوسری بری بلکہ اوس سے بدتر رسم قائم کر دیتے
 ہیں مثلاً یہ کوشش کہ شادی یا بیاہ کی تقریبوں میں کوئی رسم ادا نہ کی جائے اور

رسوم میں اصلاح

شادی بالکل سادگی سے روزمرہ کے کاموں کی طرح ہو جائے نوع انسان پر ظلم کرنا ہے۔ انسان کا طبعی خاصہ ہے کہ وہ کسی نہ کسی وقت جمع ہونا اور کوئی نہ کوئی وقت خوشی سے گزارنا چاہتا ہے۔ جمع ہو کر بیٹھنے کے لئے مشاغل کی ضرورت ہو اور وہ مشاغل ہی رسوم ہیں۔ بعض صاحب یہ تو منع کرتے ہیں کہ دو گھنٹہ کو شربت تک نہ پلایا جائے لیکن شادی کی محفل میں شراب اڑے تو مضائقہ نہیں۔ دعوت و لیمہ اون کی رائے میں ناجائز ہے لیکن ڈنر دینا مستحسن ہے زیورات بناتے روپیہ کا برباد کرنا ہے لیکن یورپین لیڈیوں کی نقل اتارنے کے لئے اس سے زیادہ روپیہ درزیوں کی نذر کرنا جائز ہے۔ فی الحقیقت یہ اصلاح نہیں فقط تغیر ہے کہ بجائے ایک برسی رسم کے دوسری برسی رسم کا رواج دیا جاتا ہے۔

باب ششم

انسان بحیثیت کرن قوم

۱۔ حُب وطن

وطن ایک ایسا لفظ ہے کہ ایک بیکس اور غریب آدمی کے دل میں بھی جو اپنے وطن سے کوسوں دور ہو جوش اور محبت پیدا کرتا ہے۔ جس طرح سورج مکھی کا رخ آفتاب کی طرف رہتا ہے اسی طرح دل کا رخ ہمیشہ اپنے عزیز وطن کی طرف رہتا ہے۔ کبھی اوس کی یاد بے چین کرتی اور کبھی مسرت بخش جو شیلے خیال پیدا کرتی ہے۔ قدیمی گھر۔ بچپن کے دوست۔ عزیز اور رشتہ دار۔ غرض بہت سی چیزیں جن سے دلی محبت ہوتی ہے اور جو خوشی کا سرچشمہ ہوتی ہیں وطن سے تعلق رکھتی ہیں۔ خاک وطن کچھ ایسی دلفریب ہوتی ہے جہاں ایک غریب کسان

اپنے گھانس کے جھوٹے مین بادشاہ کے محلوں کا مزا آتا ہے۔ لیکن جب وطن کا اقتضایہ ہے کہ انسان وطن کو صرف آرام و راحت ہی کے لئے نہ چاہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو اپنے ملک کے عام امن اور بہبودی کی ترقی میں سعی کرے اور جہاں تک ہو سکے اوں اسباب اور موانعات کو دور کرے جو ملک میں خرابی پیدا کرنے والے یا اوس کی سرسبزی۔ اوس کی آزادی۔ اوس کی شان و شوکت کو مٹانے والے یا گھٹانے والے ہوں۔ اپنے ملک کی بہبودی میں کچھ نہ کچھ سعی کرنا ہر شخص کے اختیار میں ہے مثلاً تاجر بذریعہ تجارت نفع پہونچاتے ہیں صنّاع دوسرے ملکوں کی مصنوعات سے مستغنی کر کے اپنے ملک کا نام روشن کرتے ہیں۔ اہل سیف دشمنوں کے حملوں کو روکتے اور حفاظت کرتے ہیں۔ اہل قلم اپنے حسن تدبیر سے انتظام مملکت میں مدد دیتے یا اپنی پیش بہا تصنیفات سے نئے نئے علوم و فنون کے خزانے اور معلومات کے ذخیرے زیادہ کرتے ہیں۔ ہر محب وطن کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ملک کے قانون کی اطاعت اور بادشاہ کی حق گزارمی اور انہماکے ملک کو راحت اور آرام پہونچانے کی عمدہ مثال بنے۔ محبان وطن نے اپنے ملک کی آزادی اور اپنے مذہب کی حمایت میں جان تک کی بھی پروا نہیں کی اور وہ نام پیدا کیا کہ دنیا میں آفتاب و ماہتاب کے ساتھ قائم رہے گا۔

قومی عظمت

کسی ملک یا کسی قوم کے بڑے ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اوس کی آبادی بہت ہے یا ملک کا رقبہ وسیع ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ قوم کے بہت سے افراد بلکہ کہنا چاہئے کہ کل افراد میں اوصاف حمیدہ موجود ہیں۔ اور وہ محنتی۔ دانشمند۔ راست باز۔ عالم۔ شجاع ہیں۔ اسی طرح کسی قوم کی مردم شماری خواہ کسی قدر زیادہ کیوں نہ ہو اگر وہ کاہل۔ خود غرض۔ جاہل۔ بزدل ہیں تو وہ قوم کمزور اور وہ ملک ضعیف ہے۔ کسی ملک کو موجودہ حالت سے ترقی دینے کے لئے قوانین بنانے اور ریگولیشن جاری کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ انہماک سے ملک کے دلوں

بین عام بھی خواہی اور اخوت قائم کرنی چاہئے کیونکہ اگر تنزل کا سیلاب بدرجہ
 قوانین ایک طرف سے روکا گیا تو وہ دوسری طرف سے کسی اور صورت میں
 ظاہر ہوگا۔ جو شخص جہالت۔ خود غرضی اور بُرائیوں میں گرفتار ہے وہ اوس سے
 بدتر ہے جو کسی خود مختار کے ہاتھ میں گرفتار ہو۔ انسان کو خود اپنی طبیعت کا حاکم
 ہونا اور اپنے دلی جذبات پر قابو حاصل کرنا چاہئے۔ اور اگر یہ نہیں تو گورنمنٹ
 خواہ کیسے ہی اعلیٰ اصول کیون نہ مقرر کرے اوس کو کوئی فائدہ حاصل نہیں
 ہو سکتا۔ اور جو قومیں اس طرح اپنی خرابیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہیں اون پر
 حکومت کی تبدیلی یا قوانین کے تغیر سے کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوتا۔ کیونکہ
 آزادی کی بنیاد صرف گورنمنٹ میں نہیں بلکہ قوم کے ہر فرد میں قائم ہونی چاہئے
 اور صرف اسی صورت میں ابناے ملک من حیث القوم ترقی کر سکتے ہیں اور
 ملک میں آزادی اور سرسبزی ہو سکتی ہے۔ جو قومیں آج ترقی یافتہ ہیں انہوں
 نے یہ عروج ایک دفعہ ہی نہیں حاصل کیا بلکہ یہ گزشتہ زمانہ اور پہلے لوگوں
 کے حالات کا نتیجہ ہے۔ اور ایک نسل دوسری نسل کی ترقی اور افزائش میں
 مدد دیتی اور اون کا پایہ بلند کرتی رہی ہے۔ اور اس طرح ان عمدہ کام کرنے
 والوں نے صنعت و حرفت۔ علم و فن کا ذخیرہ اپنے اخلاف کو ورثہ دیا اور
 انہوں نے اوس میں اور ترقی کی۔ اور اس سے بہتر حالت میں اپنی نسلوں
 کے لئے چھوڑا۔ وطن کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ شریفانہ کاموں سے ملک کا نام
 روشن کیا جائے۔ اور اوس کے رتبہ اور قوت کو بڑھایا جائے۔ جو قوم کہ دیانت داری
 پر سبزی گاری۔ صداقت۔ بلند ہمتی سے زندگی بسر کرتی ہے اور ترقی کرتے کے جو
 ذرائع اوسے موجود ملتے ہیں اون کو اپنی محنت اور جانفشانی سے کام میں لاتی
 ہے وہ بے شک محب وطن ہے۔

قومی عزت

جب لوگ مجتمع ہو کر کسی کام کے انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں اون کے
 دل میں ایک خاص قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے جو اون کی بہت باندھتی ہے۔ جو

شخص کسی خسارہ یا موت کے ڈر سے اپنے ملک کی خدمت سے منہ موڑے
 اور اپنے نام کو بڑے لگائے وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں
 کہ ملک و قوم کی خدمت میں تکالیف کا سامنا بھی ہے سب سے پہلے اپنے
 راحت و آرام کو ترک کرنا پڑتا ہے اور بہت سے بڑے بڑے کام ایسے کر لئے ہوتے
 ہیں جن کا کوئی مالی معاوضہ نہیں ملتا لیکن صرف دولت یا مکانات اور عالیشان
 فرنیچر ہی زندگی کا مقصد نہیں بلکہ سب سے زیادہ ضروری چیز عزت ہے۔ جن
 لوگوں کو قومی عزت حاصل ہے اُن کے غریب۔ اور مفلس اور کمینہ آدمیوں
 کی بھی وہ وقعت ہے جو دوسرے اقوام کے امیرون اور سربراہان اور وہ لوگوں کی
 نہیں۔ کیونکہ دنیا میں قومی عزت قوم کے تمام افراد کو معزز بنا دیتی ہے اور اس سے
 زیادہ شریف کام اور کونسا ہو سکتا ہے جو نہ صرف ہمارا بلکہ ہماری قوم کے ہر ایک
 ادنیٰ اور اعلیٰ کا پایہ بلند کرے اپنے ذاتی منفعت کی پروا نہ کر کے تمام ملک
 کی خاطر محنت اٹھانا بڑے جوان مردوں کا کام ہے لیکن اگر ملک کے تمام افراد
 یہ لیاقت پیدا کرنی اور ایسا جوان مرد بننا چاہیں تو ممکن ہے کہ وہ اپنا تھوڑا سا
 وقت اپناے ملک کی خاطر صرف کریں تاکہ سب لوگوں کی زندگی سنور جائے۔
 اور آئندہ نسلیں زیادہ لائق اور فائق ہوں۔ ملک کی محبت تمدن کی ترقی کا
 سبب ہوتی ہے۔ اور خود غرضی کے تنگ حلقہ سے نکال کر نظریں وسعت اور دل میں
 حوصلہ طبیعت میں اُمنگ پیدا کرتی اور قومی اعزاز کا تاج سر پر رکھتی ہے۔ اپنے
 ملک کا نام روشن کرنے اپنی لٹریچر اپنی زبان کو ترقی دینے اپنے ملک کے باشندوں
 اور اپنی تجارت کو بحر و بر میں پھیلانے کا فخر حاصل ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے ہندوستان
 کی ہوا ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ اتفاق اور اتحاد کا کوئی کام یہاں راس نہیں
 آتا قدرتی طور پر بھی ایسے اختلافات واقع ہوئے ہیں کہ ہندوستانیوں کا کسی کام
 پر مجتمعاً کمر بستہ باندھنا محال کے قریب قریب ہے۔ ہر خطہ کی آب و ہوا۔ مزاج
 عادات زبان اور لوگوں کی طرز معاشرت میں اس قدر اختلاف ہے کہ گویا وہ

قوی محبت کا اثر

باہم بالکل غیر ہیں۔ اس پر مذہب کے اختلاف نے سب سے زیادہ غضب
 ڈھایا ہے جو اہل ہند کو کسی ایک مطلب پر خواہ کیسا ہی اعلیٰ اور کیسا ہی عمدہ
 کیون نہ ہو متفق ہونے نہیں دیتا۔ یہ سچ ہے کہ ہر شخص کو پابند مذہب ہونا چاہیے
 اور ارکان مذہب کو بہت اچھی طرح ادا کرنا انسان کا فرض ہے لیکن مذہب کو
 باہمی نفاق کا بیج بنا کر جھگڑے فساد اور باہمی تنازع کی جڑ قائم کرنی اور بجائے
 ترقی کے تنزل کا آلہ بنانا ٹھیک نہیں ہر زمانہ کا اقتضا اور ہر ملک کی مصلحت جدا
 جدا ہوتی ہے ہندوستان کی تمام اقوام کے لئے خواہ کسی مذہب و ملت کے
 کیون نہ ہوں تعصب مذہبی کو بالائے طاق رکھ کر ترقی تمدن میں متحدہ طور پر
 کام کرنا اور اپنے اپنے مذہب کی پابندی کے ساتھ امور دنیا میں ایک دل و
 یک جان ہو کر کوشش کرنا لازم ہے۔ مذہب نجات اخروی کا ذریعہ ہے نہ
 دنیوی فساد کا آلہ۔ اہل کشتی کی سلامتی کشتی کی سلامتی پر منحصر ہے۔ اہل ہند کی
 رفاہ ملک کی رفاہ اور ملک کی دولت اور ملک کی عزت پر منحصر ہے۔

۲۔ قومیت

قومی ترقی افراد قوم کی محنت۔ لیاقت۔ دانش۔ راستبازی کا نتیجہ ہوتی
 ہے اور قومی زوال یہ ہے کہ افراد قوم میں سے خصائل حسنہ جاتے رہیں اور
 اون میں خود غرضی۔ جہالت۔ نا عاقبت اندیشی پھیل جائے۔ جب لوگوں کے
 رویہ خراب ہو جاتے ہیں اور اون میں سے ترقی کی قابلیت سلب ہو جاتی ہے
 تو وہ ترقی معکوس کرنے لگتی ہے۔ اور تمدن کی جو خرابیاں قوم میں پائی جاتی ہیں
 وہ اس سبب سے ناقابل اصلاح ہوتی ہیں کہ افراد قوم اپنی حالت پر نظر نہیں
 کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ اون کے سوا دوسرے لوگ اس الزام کے مورد ہیں
 اور اگر کوئی قانون یا قاعدہ ایک بات کے اسناد کے لئے مقرر کیا جائے تو دوسری
 خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں بلکہ مرض ایک سے وہ چند ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ خرابی اس
 وقت رفع ہو سکتی ہے کہ افراد قوم جلدی اور متواتر ترقی شروع کر دیں۔ مجاہد قوم کا

قومی ترقی
 اور تنزل

کام یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ قواعد و آئین کی اصلاح کریں لوگوں کے اصلاح
 حال کی طرف متوجہ ہوں اور ان میں ترقی کی روح پھونکیں۔ قوم ایک دن میں
 نہیں پیدا ہوتی نہ اوس کی حالت تھوڑے عرصہ میں بن یا بگڑ سکتی ہے۔ بلکہ موجودہ
 حالت گزشتہ نسلوں کے خیالات اور کاموں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ صرف علماء و فضلاء
 خطیب۔ فلسفی۔ بادشاہ اور امراء ہی قوم کو نہیں بناتے بلکہ صنّاع اور مزدور جو
 دن بھر دوکانوں اور میدانوں میں کام کرتے ہیں۔ کسان جو کھیتوں میں مل جوتے
 ہیں۔ وہ محنتی اور جفاکش لوگ جو دن رات کانوں میں کام کرتے ہیں وہ عالی دماغ
 اور فہیم اشخاص جو نئی ایجادیں اور اختراع کرتے ہیں۔ وہ نازک خیال شاعر جو اپنی
 سحر بیانی سے دلوں کو مسح کرتے ہیں۔ سب قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں مدد
 دیتے ہیں۔ ایک نسل دوسری نسل کے لئے ایک نیا مواد چھوڑ جاتی ہے۔ اور یہ
 نئی نسل اپنی آئندہ نسل کے ہاتھ میں اوسے سنوار اور بنا کر دیتی ہے یا خراب اور
 تباہ کر کے۔ اس طرح ایک کا نتیجہ ترقی اور دوسری کا حشر و تزلزل ہوتا ہے یہ ورثہ
 جو ایک قوم کو اپنی گزشتہ نسل سے ملتا ہے اوس کی موجودہ حالت کی بنیاد
 بلکہ سانچہ ہوتا ہے۔ تاریخ اور سوانح عمری میں صرف چند بڑے بڑے لوگوں کے
 نام لکھے جاتے ہیں لیکن بہت سے لوگ جن کے نام معلوم نہیں ہوتے ایسے ہوتے
 ہیں جن کو قوم کے بنانے یا بگاڑنے میں بہت دخل ہوتا ہے۔ ایک غریب سے غریب
 محنتی مزدور بھی اپنی محنت۔ پرہیزگاری۔ دیانت داری کی مثال سے لوگوں پر
 اثر ڈالتا ہے اور یہ اثر نہ صرف اوسی وقت بکار آمد ہوتا ہے بلکہ آئندہ بھی قائم رہتا
 ہے۔ تناسخ کا مسئلہ خواہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ مسئلہ ہے کہ ایک نسل کے اخلاق کا
 اثر دوسری نسل میں منتقل ہوتا ہے۔

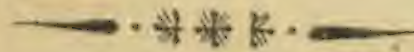
ہر شخص قوم کو بناتا
 یا بگاڑتا ہے

مدارس یا کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نہایت ابتدائی اور سب سے
 ہوتی ہے اصلی تعلیم و تربیت خود انسان کے گھر میں اوس کے دوستوں کی
 صحبت میں۔ کارخانوں میں۔ دوکانوں میں۔ بازاروں میں۔ ہوتی ہے جہاں سے

دنیا کا مدرسہ
 قوم کا تعلیم گاہ
 ہے

کہ انسان نامعلوم طور پر اخلاق عادات سیکھتا ہے۔ حروف و الفاظ کی شکل یا معنی سے آگاہ ہو جانا تعلیم نہیں بلکہ تعلیم وہ ہے جس کا انسان کے رویہ پر اثر پڑے۔ جس قسم کی مثالیں انسان کے پیش نظر اور چاروں طرف ہوتی ہیں وہ اسی قسم کے قالب میں ڈھلتا ہے۔ سانچہ خراب ہو جائے تو ساری چیزیں خراب ڈھلین گی۔ اسی طرح اگر قوم کا قوام بگڑ جائے تو ہر فرد اسی خراب رنگ کا ہوگا۔ ہاں اگر قوم کی حالت درست ہے ہر طبقہ اور ہر حالت کے شخص میں وہ وصف ہے جو اوس میں ہونا چاہئے تو جو شخص وہاں پیدا ہوگا وہ اسی طریقہ اور قاعدہ پر چلے گا۔

محبان قوم جو اپنے ملک کی عام بھلائی کے لئے کوشش کرتے ہیں ان میں صبر و استقلال کی قوت اور آدمیوں کی نسبت زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ ان کے بولے ہوئے بیج بہت عرصہ میں پھل لاتے ہیں۔ بلکہ اکثر ان کی زندگی کے بعد ان کی محنتوں کے نتیجے نکلتے ہیں۔ اور ان کے لگائے ہوئے پودے بار آور ہوتے ہیں لیکن ایک زمانہ آتا ہے کہ ان کے نام روشن ہوتے ہیں اور زمانہ اوس کی شریفانہ کاموں کی قدر کرتا ہے۔



خاتمہ

موت

زندگی کی
محبت

انسان کی طبعی عمر ستر برس قرار دی گئی ہے۔ یہ زمانہ اگر نظر انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو طرح طرح کی دشواریوں گونا گوں وقتوں بے شمار آلام۔ بے انتہا افکار کا ایک پیچیدہ جال ہے جس میں انسان کی نازک جان گرفتار ہے۔ طفولیت میں وہ بالکل محتاج ہے مان باپ عزیز و اقرباء کے سہارے کے بغیر ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ بڑا ہوا تو اکثساب معاش کا فکر ہے رات دن کی محنت سخت سے سخت کام دشوار سے دشوار اور ذلیل سے ذلیل پیشہ اس لئے اختیار کرتا ہے کہ پیٹ بھر کھانا اور تن کو کپڑا ملے اور بے فکری سے وہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ بڑھاپے میں پھر وہی بے کسی اور بے بسی کا عالم ہے کہ بیماریوں نے گھر کر لیا ہے ضعف زیادہ ہے۔ تاب و توان جواب دے چکے ہیں اعصاب کی قوت گم ہو گئی ہے۔ دشمنوں کا کھٹکا ہر وقت لگا ہوا ہے۔ عزیز و اقارب کی بے مروتی سے کلیجہ پھلنی ہے زمانہ نے وہ وہ رنج و الم دے دیں کہ اون کی یاد سے آنسوؤں کی جگہ خون کے قطرے ٹپکتے ہیں نہ دن کو چین ہے نہ رات کو آرام نہ گزشتہ زمانہ کے نقصانات کی تلافی کی توقع ہے نہ آئندہ کسی امید کے پورا ہونے کا امکان باقی ہے لیکن پھر بھی زندگی کی اتنی محبت ہے کہ موت کے نام سے دم نکلتا ہے۔ اس سے زیادہ ہزاروں آفتیں سہنی منظور بے کار او اپاہج پڑے رہنا گوارا لیکن تعلقات دنیا سے مفارقت گوارا نہیں۔ یہ تعجب ہوتا ہے کہ جب ہر انسان کے لئے خواہ کسی درجہ اور کسی طبقہ کا کیوں نہ ہو خوشی اور راحت کا حصہ بہت کم ہے اور جب زندگی ایسی بے ثبات اور موت ایسی یقینی ہے تو کیوں انسان بجائے زندگی کے موت کی تمنا نہیں کرتے اور

موت بجائے اس کے کہ قانون کی سب سے بڑی سزا اور قہر سلطانی میں داخل ہے کیونکہ اعلیٰ درجہ کا انعام اور رحمت نہیں خیال کی جاتی ہے

زندگی کی محبت صرف انسان ہی کے فرقہ میں محدود نہیں بلکہ حیوانات میں بھی اسی قدر ہے جتنی کہ انسان میں۔ شہ زور جانور اپنے قانون کا مقابلہ کرتے ہیں اور اگر ہو سکتا ہے تو شکاریوں کو ہی شکار کر ڈالتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پرندے صیاد کی شکل دیکھ کر اڑ جاتے ہیں۔ بھوکے پیاسے بسیر کرتے ہیں لیکن خوف کے مارے دانہ پانی کا رخ نہیں کرتے۔ ایک چیونٹی کو بھی پکڑنا چاہو تو جان بچا کر بھاگنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کی اتنی محبت تعلیم یا تہذیب کا نتیجہ نہیں بلکہ عقل حیوانی کا تقاضا ہے کہ جان کی حفاظت کی جائے۔

زندگی کی محبت
فطری ہے

زندگی کی محبت
کی وجہ

مدبر عالم جو کام جس کسی سے لینا چاہتا ہے اس کی ویسی ہی تدبیر میں فرماتا ہے اور جس قدر جو کام زیادہ مشکل ہے اس کی خواہش اور دل چسپی اسی قدر زیادہ ہے۔ تاکہ اس انتظام میں جو فطرت کا منشاء ہے فرق نہ آئے۔ دنیا میں اکتساب معاش کا کام سہل نہ تھا لیکن باوجود اس کے کہ غذا قیام و ثبات بدن کے لئے ضروری ہے زبان میں ذائقہ دیا گیا تاکہ معاش کے کاموں سے دل چسپی زیادہ بڑھ جائے۔ اگر انسان کا مذاق ایسا اعلیٰ نہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ بھی دوسرے حیوانات کی طرح کسی درخت کے پتوں یا جڑوں یا زیادہ سے زیادہ قدرتی جھاڑیوں کے پھلوں پر گزارہ کرتا۔ اسی طرح اولاد کی پرورش بہت مشکل کام ہے کہ انسان اپنے آرام و راحت کو ترک کرے اور باوجود دوسرے کاموں اور دوسرے مشاغل کے جو خود اس کی ذات کے لئے ضروری ہیں ایک بیکس بچہ کی پرورش کا بکھیرا اپنے سر لے اور وہ بھی ایک دن دو دن نہیں بلکہ برسوں اور پھر تعلیم و تربیت کے جھگڑے جدار ہے۔ لیکن اس مشکل کو سہل اور اس مشقت میں دل چسپی پیدا کرنے کے لئے اولاد کی محبت دوسرے تمام تعلقات کی

محبت سے زیادہ قوی اور زیادہ موثر دی گئی ہے۔ تاکہ یہ محنت بار نہ معلوم ہو۔ اور چونکہ پرورش میں مان کا حصہ زیادہ ہے اس کو اولاد کے ساتھ محبت بھی زیادہ ہوتی ہے کہ وہ گھر کے سارے دھندے اور محنت و مزدوری بھی کرتی جاتی ہے اور بچہ کو دودھ بھی پلاتی جاتی ہے اور دن بھر تھکان اور ماندگی میں صرف یہی راحت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے بچہ سے دل بہلا لے۔ دیگر حیوانات کو چونکہ زیادہ عرصہ تک نگہداشت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے ان کی محبت بھی بہت جلد ختم ہو جاتی ہے۔ اور جہاں بچے بڑے ہوئے تو نہ صرف مغائرت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ دشمنی۔ اگر انسان کو اولاد کی محبت نہ ہوتی تو کسی کو کیا غرض پڑی تھی کہ اتنی کھکیڑ اٹھاتا بلکہ ادھر بچہ پیدا ہوا اور ادھر مارا اور جب یہ حالت ہوتی تو آج دنیا کی مردم شماری صفر ہوتی۔ یہی حال زندگی کا ہے کہ زندگی میں دشواریوں اور وقتوں کا غیر متناہی سلسلہ لگا رہتا ہے اور ہر حالت میں افکارات اور ترددات کا تار بندھا ہوا ہے۔ انسان کو ہزاروں خواہشوں اور بے شمار تمناؤں کے خون ہونے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اور صرف زندگی کے قائم رکھنے کے لئے ہزاروں محنتیں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس لئے زندگی کی محبت اور دنیا کے ہر ایک اچھے یا بُرے تعلق میں دلچسپی اس قدر زیادہ ہے کہ انسان کی یہ سمجھ ہی میں نہیں آ سکتا کہ دنیوی حالت کو ترک کر کے راحت ملنی ممکن بھی ہے۔ اگر یہ دل چسپی نہ ہوتی یا اتنے درجہ پر نہ ہوتی تو لوگ ہزار جان سے موت کی تمنا کرتے اور ہر شخص بہت جلدی اپنی عمر کا خاتمہ کر دیتا۔

ہر انسان کے لئے موت یقینی چیز ہے۔ بچپن میں مرے یا جوانی یا بڑھاپے میں اس لئے موت سے بھی اسے دل چسپی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن یہ دلیل صحیح نہیں کیونکہ زندگی اور موت میں یہ فرق ہے کہ زندگی انتظام دنیا کے لئے ضروری ہے اور موت زندگی کے لئے یقینی ہے نہ انتظام کے لئے۔ پیدائش

انسان کو نہ پیش
کی خوشی ہوتی ہے
موت سے
دل چسپی ہے

اور موت زندگی کے حدود ہیں اور چونکہ اس دنیا میں صرف اون ہی چیزوں کا عمل ہے جو یہاں کے لئے بکار آمد ہیں اس لئے انسان کو نہ پیدائش کی خوشی ہے نہ موت سے دل چسپی۔

موت کا خوف

لوگ موت سے ایسا ڈرتے ہیں جیسے کہ بچے تاریکی میں جاتے ڈرتے ہیں بچوں کے آگے اگر خوفناک کہانیاں بیان کی جائیں تو بھی ڈرنے لگتے ہیں۔ یہی حال انسان کا ہے کہ موت کی سختی اور تکالیف کا خوف اور اس دنیا سے جدا ہونے کی حسرت ایسی دل نشین ہو گئی ہے کہ زندگی پر جان دیتا ہے۔ موت کا خوف اس سبب سے کرنا کہ گناہوں کی سزا ملنے کا اندیشہ ہے بری بات نہیں۔ کیونکہ یہ خیال معصیت سے بچاتا ہے۔ لیکن زندگی کی اتنی محبت کہ باوجود عمر طبعی کو پہنچ جانے کے بھی تعلقات دنیا کو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا کم عقلی کی بات ہے۔ جن لوگوں نے اپنی زندگی بھلے کاموں میں صرف کی ہے اون کو اس جہان فانی کے چھوڑنے کا ذرا بھی ملال نہیں ہوتا بلکہ وہ آخر دم تک خوش بلباش اور مطمئن رہتے ہیں۔ جو کچھ ایک بار پیدا ہوا ہے وہ ضرور اور یقینی فنا ہو گا۔ بچپن میں مرے تو اور جوانی یا بڑھاپے میں مرے تو۔ اور موت کی تکلیف سب کو سہنی ہے۔ کسی کو کچھ کم کسی کو کچھ زیادہ۔ اس لئے جو لوگ اپنی زندگی اعمال حسہ میں گزارتے ہیں وہ موت کی پرواہ نہیں کرتے اون کے نام ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور وہ اس دنیا کے کھڑاگ سے چھوٹ جاتے ہیں۔

موت کی تکلیف

مرنے میں بے شک تکلیف ہوتی ہے لیکن کیا زندگی میں اوس سے زیادہ تکلیفیں نہیں ہوتیں۔ ہزاروں بیماریاں ہیں جن کی تکلیف نہایت سخت ہوتی ہے۔ ایک در وہی ہے کہ موت کا مزا چکھا دیتا ہے۔ لیکن انسان اوس سے ایسا نہیں ڈرتا جیسا کہ موت سے۔ انسان کا موت سے ڈرنا اس سبب سے نہیں ہے کہ اوس میں کسی تکلیف کا خیال ہے بلکہ فی نفسہ

موت سے نفرت اور جان کی محبت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اگر موت میں راحت بھی ہو تو بھی منظور نہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا کے تفکرات اور اون فضول بکھیروں سے چھوٹنا جو اس زندگی کے ساتھ ہیں راحت ہے۔ جب کوئی مشکل کام آپڑتا ہے تو اس کا پورا کرنا کیسا اہم اور دقت طلب معلوم ہوتا ہے اور اس سے فراغت حاصل کر کے کس قدر راحت اور تسکین معلوم ہوتی ہے۔ یا جس دن کوئی ایسا کام نہ ہو اس روز کس قدر اطمینان اور دل کو خوشی ہوتی ہے۔ جب دنیا کے کاموں سے فرداً فرداً ایسی گھبراہٹ ہوتی ہے اور اون سے فراغت حاصل کرنے میں خوشی ہوتی ہے تو ان تمام کاموں سے سبکدوش ہونا اور تمام دقتوں سے رہا ہونا بہت زیادہ تسکین اور اطمینان بخش ہونا چاہئے۔

بقدر ہر سکون راحت بود بنگر تفاوت را

دویدن رفتن استادن نشستن خفتن و مردن

یہ سمجھنا کہ موت کیا چیز ہے مشکل ہے اور بڑے بڑے حکماء نے اس کی تعریف میں اختلاف کیا ہے تاہم کسی قدر غور و فکر سے زندگی اور موت کا تعلق معلوم ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ سوچنا چاہئے کہ زندگی میں انسان کس حالت میں ہے۔ وہ زمین کے اوپر رہتا ہے۔ ہوا اور خوشبو سونگھتا ہے۔ پانی پیتا ہے۔ غذا کھاتا ہے۔ آواز سنتا ہے۔ کل چیزوں کو دیکھتا ہے گرمی اور سردی کا احساس کرتا ہے۔ ہاتھوں سے کام کرتا ہے۔ پاؤں سے چلتا ہے۔ زبان سے باتیں کرتا ہے۔ معاملات اور مسائل کو سوچتا ہے اور اون سے نتائج نکالتا اور یاد رکھتا ہے۔ غرض موجودات عالم کی ہر ایک چیز سے تھوڑا یا بہت قریب یا بعید کا تعلق ہے اور اس تعلق کی وجہ سے وہ تمام دوسری چیزوں پر اثر ڈالتا ہے یا اون کے اثر سے متاثر ہوتا ہے۔ موجودات عالم کے ساتھ جب تک یہ تعلق قائم ہے انسان زندہ کہلاتا ہے

موت کی اہمیت

اور اس تعلق کا قائم رکھنا زندگی کا قیام ہے لیکن اگر کسی سبب سے تعلق قائم نہ رہے تو وہ مردہ ہے اور جس قدر یہ تعلقات کم ہوتے جائیں گے اسی قدر حیات کی وسعت کم ہوتی جائیگی۔ اگر وہ اندھا ہو جائے تو بصارت کے لحاظ سے مردہ ہے۔ سورج کی چمک ویسی ہی قائم ہے عجائبات دنیا کا نظارہ ویسا ہی دلفریب ہے لیکن نابینا کے لئے نہیں۔ برا آدمی سماعت کے لحاظ سے مردہ ہے پرندوں کی خوش الحانی۔ موسیقی کے راگ۔ عزیزوں اور دوستوں کی میٹھی میٹھی باتیں سب ویسے ہی دلکش ہیں لیکن اوس کے لئے نہیں۔ گونگا آدمی نطق کے لحاظ سے مردہ ہے۔ اپنا بچ چلنے پھرنے اور کام کرنے کے لحاظ سے مردہ ہے۔ فاجر العقل دماغی قوتوں کے لحاظ سے مردہ ہے نہ سوچ سکتا ہے نہ نتیجہ نکال سکتا ہے نہ یاد رکھ سکتا ہے۔ غرض جس قدر بیرونی تعلقات مین کمی ہوتی جائے گی۔ اسی قدر حیات کی وسعت کم ہوتی جائیگی فرض کرو کہ ایک شخص اندھا اور بہرا ہے تو وہ سماعت اور بصارت کے لحاظ سے مردہ ہے۔ اگر اندھا بہرا اور گونگا بھی ہو تو اوس کی حیات کی وسعت ایک درجہ اور کم ہوگی۔ اگر اندھا بہرا گونگا اور فاجر العقل اور ماتھے پاؤں سے اپنا بچ بھی ہے تو اوس کی حیات کی وسعت بہت ہی کم ہے اسی طرح بالکل مردہ وہ ہے جس کے سب تعلقات قطع ہو جائیں۔

موت ہر وقت
مسقط ہے

موت کوئی اجنبی چیز نہیں ہے ہماری آنکھوں کے سامنے ہزار ہا آدمی روز مرتے ہیں دنیا کی بے ثباتی کا یہ عالم ہے کہ بچے اور جوان۔ بیمار اور تندرست توانا اور ناتوان بادشاہ اور فقیر امیر اور غریب کافر اور مسلمان۔ عقل مند اور بیوقوف حکیم اور جاہل روز مرتے رہتے ہیں۔ اور موت کسی نہ کسی بہانہ سے آدباتی ہے نہ کوئی تدبیر اسے روک سکتی ہے نہ کوئی قوت اس سے بچا سکتی ہے ایک آنحضرت ہے کہ زور شور سے چل رہی ہے اور اوس مین تن آور درخت اور ضعیف پودے پتہ کی طرح

اُڑ رہے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ہماری باری کب آئے گی۔ اور حوادث
 زمانہ کا صدمہ کب ہمارے شجر حیات کو تنکے کی طرح توڑ ڈالے گا۔ اختتام تو
 جب ہوگا تب ہوگا لیکن ہر روز بھی ہم جام مرگ سے ایک جرہ چکھ لیتے ہیں۔
 زندگی کی مدت ایام کی تعداد پر معین ہے اور جوں گزر جاتا ہے وہ گویا موت
 کا ایک حصہ ہے کہ ہمیں نصیب ہو گیا۔ عمر اسی قدر کم ہو گئی اور گزشتہ زمانہ
 پر ہمارا کوئی اختیار اور کوئی اقتدار نہ رہا۔ جب یہ سب دن پورے ہو جاتے
 ہیں تو وہ آخری دن آتا ہے جس کے بعد ہمارے حصہ کا کوئی دن نہیں
 ہے۔ اور موت جو ہم پر مسلط تھی اپنا کام کر چکتی ہے۔ اور پھر ایک ابدی
 حالت خواہ کیسی بھی ہو نصیب ہو جاتی ہے۔ جس میں یہ روز روز قضا ہو نیکا
 اندیشہ نہیں ہے۔ اس طرح مرنا موت میں داخل ہونا نہیں بلکہ اوس سے
 نجات پانا ہے۔ مان مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے دن اس طرح گزارتے
 ہوں کہ اس ابدی حالت میں اون کو چین اور آرام نصیب رہے۔ وہ
 جانتے ہیں کہ جس حالت کا نام زندگی ہے وہ تغیرات کا ایک سلسلہ ہی
 جو ہر لحظہ ایک نیا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور جس وقت یہ تغیر رک جاتا ہے
 وہ موت ہے۔ موت معلوم نہیں کہ کب آئے اور کس طرح آئے۔ پیدائش
 سے پہلے انسان فنا کی حالت میں تھا اور مرنے کے بعد پھر فنا ہوتا ہے۔
 زندگی بجلی کا سالمعہ ہے کہ اندھیرے میں چمک جائے۔ پھر وہی تاریکی۔
 اگر زندگی کے دن اچھی طرح گزرے ہیں تو گور ایک ایسا گوشہ عافیت ہے
 جس میں "کس نہ گوید کہ ازین جا بخیز و آسجا رو"۔ اور اگر ناکردنی افعال میں
 کئے ہیں تو زندان ہے جس میں سخت سے سخت عذاب اور شدید سے شدید
 تکلیف ہے۔ ہم ایک سمندر کے کنارہ کھڑے ہیں جس کے طوفان ہم سے
 پہلے کڑوڑوں جانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئے ہیں اور معلوم
 نہیں کہ کب ایک لہر آئے گی اور ہم کو بھی بہا کر لے جائے گی۔

ناممکن ہے۔ اس لئے ہر روز اس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے جیسا کہ موت
 کے روز ہم چاہتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی کو بسر کیا ہوتا۔ یہ ضرور نہیں کہ
 موت کے دور کے مارے انسان دنیا کو چھوڑ کر الگ کھلگ ہو بیٹھے اور
 کوئی کام نہ کرے بلکہ یہ لازم ہے کہ اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام دے
 اور جو کام جس وقت کرنے کا ہے اسے پورا کرے تاکہ یہ حسرت نہ رہ جائے
 کہ ہم نے دنیا میں فضول وقت ضائع کیا اور کوئی مفید کام نہ کیا۔ لذات
 دنیا سے متمتع ہونا اور آرام سے زندگی بسر کرنے کا مضائقہ نہیں۔ لیکن
 لذات اور آرام جائز اور مباح ہوں تاکہ جس وقت موت کا سامنا ہو کفر
 کردار سے بچنا اور گھبرانا نہ پڑے۔ عالم جوانی میں جب ہم گناہ اور شہوت
 پرستی میں پڑ جاتے ہیں تو ہم کو اس وقت نتیجہ کا کچھ بھی خیال نہیں آتا
 بعد میں چلکر خواہ ہم کتنا ہی بچتا ہیں لیکن خواہشات نفسانی کا طوفان
 بغیر نقصان پہنچائے نہیں رہتا۔ اور معصیت کا دھبہ لگا ہوا رہ جاتا ہے۔
 صفائی قلب میں کمی آ جاتی ہے سکون طبیعت میں فرق پڑ جاتا ہے اور
 کسی وقت جب رنج آکر گھیرتا ہے تو پچھلے گناہوں کی یاد ایسا ڈراتی ہے
 جیسا کہ بھوت پُرانی قبروں میں سے نکل کر ڈراتے ہوں۔ خوف طبیعت پر
 چھا جاتا ہے اور شرم دامگیر ہوتی ہے۔ گزشتہ زمانہ کو اس طرح برباد کرنے کا
 غم کہ اس کی تلافی بھی نہ ہو سکے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اور یہ حسرت
 رہ جاتی ہے کہ ہم نے کیوں نیک کام نہ کئے اور بد اعمالیوں کو مول لیا۔

ہمیشہ رہا باش خواجہ کہ از مرگ چارہ نیست

غافل مشو کہ عمر عزیزت دوبارہ نیست

در زندگی بکوشش کہ فرصت ہمیں دم است

زیرا کہ روز مرگ بہ کس آشکارہ نیست

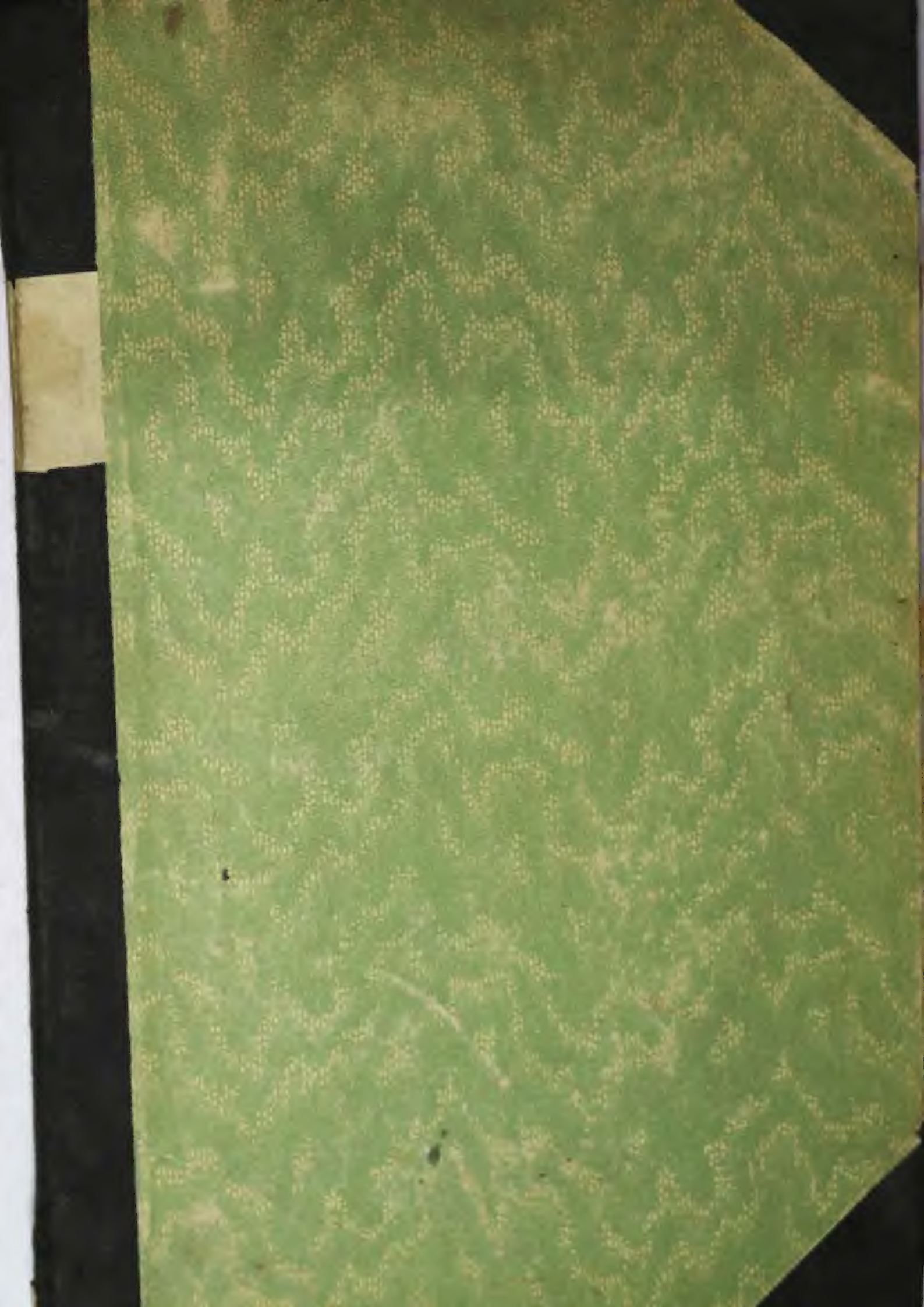
٢٦

صحت نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۱	اون	اوس
۱۹	۲۳	باریک	باریک نکات
۲۲	۱۶	گزشتہ	گزشتہ کے
۵۲	۲	ہوگانہ	ہوگا
۶۰	۵	فضلیت	فضیلت
۶۶	۷	ہونے	ہونے
۶۹	۲۳	افکارات	افکار
۸۰	۱۹	مہجیات گاس ہے جو پانی کو	مہجیات گاس ہے پانی کو
۸۷	۱۴	حصہ	حصہ کا
۱۰۲	۱۳	افکارات	افکار
۱۲۲	۴	اللسان	لہ اللسان
۱۳۸	۲	اصل	در اصل
۱۵۰	۲	رکھنا	رہنا
۱۵۵	۶	رذیل	ذیل
۱۶۳	۱۳	پہنچے	سوچے
۱۶۸	۹	لسان	السان
۱۸۹	۱۷	افراط حاصل ہوتی ہے	افراط سے حاصل ہوتی ہے
۲۰۹	۱۳	اسی	اس
۲۱۱	۵	مین یا مصیبت	یا مصیبت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۱۶	۶	واقفیت	واقف
۲۱۸	۱۸	تو بہر تو	تو بہر
۲۲۲	۱۶	تھی	ہے
۲۳۲	۱۸	آبرو ہی نہیں	آبرو نہیں
۲۴۵	۱۶	کہ جس قدر	جس قدر
۲۴۵	۱۶	نکہ اس قدر	نہ اس قدر
۲۵۶	۱۱	عند اللہ	عند اللہ ماجور
۲۶۱	۱۱	دولت و دیانتداری	دولت و دیانتداری
۲۶۰	۲	الگ	ایک
۲۶۰	۱۱	دفع	رفع
۲۸۳	۱۶	ان	انسان
۲۸۴	۲۰	ایک ایک	ایک
۳۰۴	۹	دعوے ہے	دعوے
۳۲۲	۱۶	زرعت	زراعت
۳۳۵	۱۱	نبٹا	نبٹا
۳۵۵	۱۶	ان میں	اس میں
۳۵۸	۸	ہوتی ہے	ہوتی ہو
۳۵۸	۹	برباد نہ کرنا	برباد و کرنا
۳۶۹	۶	بے حیا	بے جا
۳۷۰	۱۶	بکہ	بلکہ
۳۷۰	۲۱	ہو جاتی ہے	ہو جاتے ہیں
۳۸۸	۱۶		ہوں

مستند ازجہ



۲۲۸۶
۳۱۴۴
حکمت عملی
(فلسفه اخلاق)

سبحانك يا ذا الجلال والإكرام
وإن لم تكن في العصر أنت خير

حکیم علی

مُصَنَّف

محمد سجاد مرزا بیگ دہلوی

۱۹۰۶ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَأَنبِئْهُمْ بِحَقِّ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

